كُنتُم اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (الآية)

اَلْاَنْبِيَآءُ اَحْيَاءٌ فِى قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحديث)

تسكين الصدور

فى

تحقيق احوال الموتى فى البرزخ والقبور

تاليف

ابو الزاہد مولانا **محمد سرفراز خان** صفدر دامت برکاتہم

مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ الآية (قرآن کریم)

اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (حدیث شریف)

تَسْكِيْنُ الصُّدُوْر

فِيْ تَحْقِيْقِ اَحْوَالِ الْمَوْتٰى فِي الْبَرْزَخِ وَالْقُبُوْرِ

جس میں قرآن کریم صحیح احادیث اور حضرات سلف صالحین کی واضح عبارات سے قبر کا مفہوم اور راحت و عذاب قبر کے بارے میں اسلامی نظریہ بیان کیا گیا ہے اور صحیح احادیث اور ٹھوس عبارات سے قبر میں اعادۂ روح پر نفیس اور مدلل بحث کی گئی ہے نیز حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور میں حیات اور عند القبور ان کے سماع پر واضح دلائل اور براہین سے تحقیق کی گئی ہے اور عام سماع موتٰی پر بھی مختصر مگر اصولی بحث کی گئی ہے اور مسئلہ توسل پر بھی بحمد اللہ تعالیٰ سیر حاصل اور باحوالہ بحث کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں کئے گئے جملہ اعتراضات کے کتب تفسیر و عقائد شروح حدیث اور فقہ سے بفضلہ تعالیٰ مسکت جوابات عرض کئے گئے ہیں نیز اس طبع میں تسکین الصدور پر کئے گئے قابل توجہ اعتراضات کا بھی خوب جائزہ لیا گیا ہے۔ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ۔

مؤلفہ

ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر خطیب جامع مسجد گکھڑ و صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

ناشر

مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

طبع پانزدہم .... مئی ۲۰۱۰ء

۱۲

نام کتاب .... تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور

تالیف .... امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ

کتابت .... محمد امان اللہ قادری

مطبع .... مکی مدنی پرنٹرز لاہور

قیمت .... ۲۷۵/- (دوسو پچھتر روپے)

ناشر .... مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

ملنے کے پتے

☆ ادارہ الانور بنوری ٹاؤن کراچی
☆ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی
☆ مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
☆ مکتبہ حقانیہ ملتان
☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ الحسن اردو بازار لاہور
☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
☆ کتب خانہ مجیدیہ بوہڑ گیٹ ملتان
☆ مکتبہ صفدریہ چوہڑ چوک راولپنڈی
☆ مکتبہ حلیمیہ درہ پیزو لکی مروت
☆ مکتبہ سلطان عالمگیر اردو بازار لاہور
☆ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور
☆ اسلامی کتب خانہ اڈا کا کی ایبٹ آباد
☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
☆ مکتبہ عثمانیہ میانوالی روڈ تلہ گنگ
☆ مکتبہ الاظہر بانو بازار رحیم یار خان
☆ اقبال بک سنٹر نزد صالح مسجد صدر کراچی
☆ مکتبہ فاروقیہ ہزارہ روڈ حسن ابدال
☆ مکتبہ علمیہ جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک
☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک
☆ مکتبہ رحمانیہ قصہ خوانی پشاور
☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد
☆ مکتبہ فاروقیہ حنفیہ اردو بازار گوجرانوالہ
☆ والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
☆ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ☆ ظفر اسلامی کتب خانہ جی ٹی روڈ گکھڑ

فہرست مضامین

نوٹ ضروری :

اردو زبان میں لفظ روح تو مؤنث ہی استعمال ہوتا ہے اور اس کی جمع ارواح کو اکثر حضرات نے مؤنث استعمال کیا ہے مگر بعض حضرات نے مذکر بھی استعمال کیا ہے اور انہی حضرات کی پیروی میں اس کتاب کے بعض مقامات میں یہ لفظ مذکر بھی استعمال ہوا ہے اور اس کے علاوہ بھی اردو ادب کی بعض باریکیوں کو اہل زبان کے قواعد کے مطابق تراجم وغیرہا میں زیادہ ملحوظ نہیں رکھا جا سکا، قارئین کرام سے استدعا ہے کہ وہ اپنی نگاہ صرف منقولہ پر مرتکز رکھیں اور ادبی باریکیوں کو نہ دیکھیں۔

(مؤلف)

تصدیقات علماء کرام

منبع العلوم و مخزن الفهوم محی السنۃ الغراء ماحی البدعۃ الظلماء سند العلماء رأس الاتقیاء نمونہ سلف۔ صدر المدرسین۔ حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند صانہا اللہ تعالیٰ عن شر کل حاسد۔

محترم مولانا دامت برکاتہم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ کتاب تسکین الصدور کا دو مرتبہ مطالعہ کیا پہلی مرتبہ سرسری طور پر اور دوسری مرتبہ کافی غور کے ساتھ مطالعہ میں کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بے مثل ہے اور واقعی اسم بامسمیٰ تسکین الصدور ہی ہے ہر مسئلہ نہایت واضح طریق پر دلائل سے آراستہ پیراستہ اور مخالفین کے دلائل کا صحیح رد جس سے دیکھنے والے کو حق معلوم کرنے میں زبردست امداد حاصل ہو سکے اور بشرط انصاف انکار کی گنجائش باقی نہ رہے پھر اس کے ساتھ مسلک کی پوری پوری رعایت یہ جملہ امور ایسے ہیں کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے کہ دل سے دعا نکلتی ہے کہ خدایا اس کتاب کو اہل حق کے لیے مقبول بنادے اور اس کے جامع کو دنیوی عزت کے ساتھ آخرت میں خادمان دین متین میں محشور فرمائے۔ آمین میں نہایت عدیم الفرصت ہوں اسی بناء پر اس قدر تاخیر واقع ہوئی جس سے آنمحترم کو ضرور کلفت ہوئی ہوگی میں معافی کا خواستگار ہوں۔

والسلام

فخر الدین احمد غفرلہٗ

۱۲ر ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ

عروۃ الحبل المتین۔ رئیس الشیوخ الکرام۔ قطب فلک العلوم والعرفان۔ استاد العلماء رئیس المناظرین۔ صدر المفتیین حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحب مفتی اعظم دار العلوم دیوبند رحمۃ اللہ تعالیٰ

محترم مولانا محمد سرفراز خاں صاحب دامت فیوضہم

سلام مسنون عافیت مزاج کا طالب و داعی اللہ کرے زور قلم اور زیادہ کافی عرصہ کے بعد حاضر خدمت بذریعہ عریضہ ہوتا ہوں جس کے لیے معذرت خواہ ہوں کتاب تسکین الصدور وصول ہوئی شکر گذار ہوں وصول ہوتے ہی پڑھنا شروع کر دیا جناب والا نے کتاب کے ہر مبحث کو تشنہ نہیں چھوڑا مسائل کو دلائل صحیحہ اور نقول معتبرہ سے باحسن وجوہ ثابت کر دیا اور اہل سنت والجماعت کے عقیدے کو بطریق صحیح ثابت کرنے میں کسی قسم کا فتور واقع نہیں ہوا۔ اثبات عذاب قبر اور اثبات حیات انبیاء فی القبور کو جن دلائل حقہ سے ثابت کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے طالب حق و ہدایت کو کسی قسم کے چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے متعنت اور معاند سے امید نہیں کہ وہ ہدایت قبول کرے۔ ان مسائل میں معاندین کے شبہات رکیکہ اور اعتراضات واہیہ میں ان کے جوابات دندان شکن دیے ہیں اور ان شبہات کو زائل کر دیا ہے الحاصل کتاب تحقیقات سے مملو اور دلائل سے مشحون ہے عوام و خواص دونوں طبقوں کے لیے بہت مفید ہے۔ پڑھنے کے بعد مجھ جیسے نااہل کے صدر کو تسکین اور دل میں سرور اور آنکھوں میں نور پیدا کر دیا اللہ تعالیٰ اس کی جزائے خیر آپ کو عطا فرمائے اور کتاب کو مقبول عام بنائے اور گمراہوں کو ہدایت کے راستہ پر گامزن کرے آمین۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے مسائل کی تحقیق کے لیے موفق کیا ہے فللہ الحمد والشکر اسی طرح آپ کی دوسری تصانیف بھی دلائل حقہ صحیحہ سے مزین ہیں کتاب مذکور میں جن مسائل پر آپ نے قلم فرسائی کی اور داد تحقیق دی ہے میں اس کے ساتھ متفق ہوں کہ مسلک اہل سنت والجماعت کا ہے واللہ اعلم دعا گو و طالب دعا سید مہدی حسن غفرلہ از شاہجہانپور محلہ جھنڈا کلاں مکان ۱۸۱۔ ۲۷ اگست ۱۹۶۸ء

میں سترہ ماہ سے وطن میں ہوں صاحب فراش ہوں مفلوج ہوں نشست و برخاست دشوار ہے دار العلوم سے رخصت لے رکھی ہے ۸۸ سال کی عمر ہو گئی ہے ضعیف و کمزور ہوں کتاب دیوبند ہوتی ہوتی شاہجہانپور پہنچ گئی۔ کل اعزاز نامہ بھی پہونچا چند سطور بمشکل لکھ کر حاضر خدمت ہوا ہوں

منتہم بالمعافیۃ والخیر

شمس فلک الشریعۃ البیضاء و بدر سماء الطریقۃ الغراء فخر الاماثل۔ جامع الفضائل۔ رازیٔ وقت۔ غزالیٔ دوراں حضرت مولانا الحاج الحافظ القاری محمد طیب صاحب دامت معالیہم مہتمم دار العلوم دیوبند

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

رسالہ نافعہ تسکین الصدور مؤلفہ حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر سے استفادہ نصیب ہوا۔ رسالہ کی وقعت وعظمت کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ مولانا سرفراز خاں صاحب کی تالیف ہے جو اپنی محققانہ اور معتدلانہ طرز تالیف میں معروف ہیں۔ تسکین الصدور حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع کے مسائل میں تسکین الصدور ہی ہے جس سے روحی اور قلبی تسکین ہو جاتی ہے۔ جن جن مسائل پر کلام کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ نہ صرف یہ کہ اہل السنت والجماعت کے مسلک اور مذہب منصور کے مطابق ہی نہیں بلکہ فی نفسہ اپنی تحقیقی رنگ کی وجہ سے پوری جامعیت کے ساتھ منضبط ہو گئے ہیں اور ان سے دلوں میں سرور اور آنکھوں میں نور پیدا ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ مؤلف ممدوح کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے علم و عرفان اور عمل و ایمان میں روز افزوں ترقیات عطا فرمائے۔ آمین

محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند

۱۷/۱۱/۸۹ھ

جامع العلوم العقلیہ و النقلیہ۔ المحدث الجلیل۔ ماہر اسماء الرجال۔ فقیہ زمان۔ حامی توحید و سنت و ماحیٔ شرک و بدعت۔ رئیس المحققین حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن الاعظمی دامت فیوضہم العالیہ

۱۰ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ   ۵ مارچ ۱۹۶۹ء

محب مکرم جناب الاجل المولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر سلمہ اللہ تعالیٰ و عافاہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

ندامت ہے کہ آپ کے نامہ لطف و کرم کا جواب بڑی تاخیر سے روانہ کر رہا ہوں، ایک طرف سنن

سعید بن منصور جلد سوم کا دوسرا حصہ چھپ رہا تھا، دوسری طرف المطالب العالیہ فی زوائد المسانید الثمانیہ کی تحقیق و تعلیق میں مصروفیت تھی، اب اس کا ایک ربع پریس بھیج چکا ہوں تو ذرا دم لینے کی فرصت ملی ہے، اسی فرصت میں آپ کی کتاب تسکین الصدور کا اکثر حصہ بالاستیعاب پڑھا۔ باقی پر سرسری نظر ڈالی، ماشاء اللہ خوب لکھا ہے، ہر ہر گوشے پر سیر حاصل بحث کی ہے، اور ہر ہر دعویٰ کو مدلل و مبرہن کیا ہے، اور اصل مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا ہے، مجھے کتاب پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی، حق تعالیٰ آپ کو تادیر زندہ و سلامت رکھے، اور دین کی مزید خدمت کے لیے توفیق بخشے۔

ص۱۱۱ پر آپ نے لکھا ہے کہ "ممکن ہے بزار کی سند میں بھی الحسن بن قتیبۃ الخزاعی" ہو آپ کا یہ خیال صحیح ہے، بزار کی سند میں بھی وہ واقع ہے، مسند بزار میں سند کا ابتدائی حصہ یوں ہے۔ حدثنا محمد بن عبد الرحمن بن المفضل الحرانی ثنا الحسن بن قتیبۃ المدائنی الخ میں نے یہ حدیث کشف الاستار فی زوائد مسند البزار للھیثمی میں دیکھی ہے۔ جس کا قلمی نسخہ کتب خانہ مفتاح العلوم مئو ضلع اعظم گڑھ میں موجود ہے۔ خیر و عافیت سے مطلع فرمائیں۔ والسلام،

حبیب الرحمٰن الاعظمی

رئیس المناظرین۔ استاذ العلماء عالم بے بدل پیر طریقت ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ و صحبہ اجمعین

کتاب تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ و القبور مؤلفہ حضرت مولانا ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر صاحب اطال اللہ بقاءہ وعم فیضہ کو میں نے اول سے آخر تک حرفاً حرفاً سنا اتباع سلف صالحین میں ہر مسئلہ میں مذہب جمہور کو قرآن مجید و حدیث شریف صحیح و حسن و فقہ حنفی کے ذخیرہ کی روشنی میں مسائل کو ادلہ کثیرہ سے ایسا مبرھن کیا ہے کہ اس سے زائد کی گنجائش نہیں۔ ہر مسئلہ میں دلائل صحیحہ کا اسقدر انبار لگا دیا ہے کہ ہر منصف اس پر اعتبار و اعتماد کرتے ہوئے اس کہنے پر مجبور ہے۔

ع این کار از تو آید و مردان چنین کنند

احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ از ملتان

سابق وزیر معارف شرعیہ ریاستہائے متحدہ بلوچستان وشیخ التفسیر دار العلوم دیوبند وشیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل وحال صدر شعبۂ تفسیر اسلامی یونیورسٹی بہاولپور جامع العلوم العقلیۃ والنقلیۃ حضرت العلام مولانا محمد شمس الحق صاحب افغانی دامت برکاتہم السامیۃ

محترم المقام جناب مولانا ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر دامت فیوضاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ کی کتاب تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور پہونچی اس کے مندرجات مطالعہ سے گذرے الم وراحت قبر اور انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبور اور انکے سماع عند القبور اور عام سماع موتی اور توسل بمقبولین کے ابحاث کی تفسیری کلامی اور فقہی وحدیثی دلائل اور نقد الرواۃ کے مباحث بھی نظر سے گذرے ان ابحاث پر آپ کی کتاب کا لُبِّ لباب اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کے مطابق ہے اور منہج سلف صالحین کا آئینہ دار ہے۔ احقر ان سے متفق ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ جل مجدہ اس کتاب کو اہل زیغ کے لیے موجب ہدایت بنائے۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کی برکت سے متنازعین کا اختلاف ختم ہو جائے گا۔ بشرطیکہ توفیق الٰہی اور خشیۃ اللہ دستگیری فرمائے اور اتباع ہوی کی آلائش سے قلب وضمیر کو پاکی نصیب ہو۔

احقر شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ بہاولپور ۸ جمادی الاخری ۱۳۸۹ھ۔

بحر العلوم۔ المحدث الکامل۔ الفقیہ الجلیل۔ المحقق النبیل حضرت العلامہ مولانا السید محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علی سیدنا محمد المصطفیٰ وآلہ وصحبہ ما کفیٰ وشفیٰ

اما بعد۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات بعد الممات کا مسئلہ صاف ومتفق مسئلہ تھا۔

شہداء کی حیات بنص قرآن ثابت تھی اور دلالۃ النص سے انبیاء کرام کی حیات قرآن سے ثابت تھی اور احادیث نبویہ سے عبارت النص کے ذریعہ ثابت تھی۔ لیکن برا ہو اختلافات اور فتنوں کا کہ ایک مسلمہ حقیقت زیر بحث آکر مشتبہ ہوگئی کتنے تاریخی بدیہیات کو کج بحثیوں نے نظری بنا دیا اور کتنے حقائق شرعیہ کو کج فہمی نے مسخ کر کے رکھ دیا یہ دنیا ہے اور دنیا کے مزاج میں داخل ہے کہ ہر دور میں کج فہم اور کج رو اور کج بحث موجود ہوتے ہیں۔ زبان بند کرنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے۔ ملاحدہ و زنادقہ کی زبان کب بند ہوسکی۔ کیا اس دور میں امام حسینؓ کی شہادت کو افسانہ نہیں بنایا گیا اور کہا گیا کہ واقعہ ہے ہی نہیں۔ اور کیا امام حسینؓ کو باغی واجب القتل اور یزید بن معاویہ کو امیر المومنین خلیفہ برحق ثابت نہیں کیا گیا۔ کسی صحیح حدیث کو ضعیف بنانے کے لیے کسی راوی کے بارے میں کتب رجال میں جرح کا کوئی کلمہ دیکھا بس کافی تھا کہ اس پر بنیاد قائم کی جائے اگر عقل سلیم سے کام نہ لیا جائے اور صرف کتاب میں جرح کو دیکھا جائے تو امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی امام احمد تمام کے تمام آئمہ مجروح ہو کر دین کا سرمایہ ہی ختم ہو جائے گا۔ الغرض حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا مسئلہ بھی تقریباً اسی قسم کے کج بحثوں میں الجھ کر اچھا خاصا فتنہ بن گیا عصمت تو انبیاء کرام کا خاصہ ہے۔ علماء معصوم تو ہیں نہیں کچھ حضرات نے دانستہ یا نادانستہ حدیثی و کلامی بحثیں پیدا کر دیں اور سمجھا یہ گیا یا سمجھایا گیا کہ اس طرح توسل بالاموات اور استعانت بغیر اللہ وغیرہ وغیرہ بہت سے بدعات کا خاتمہ ہو جائے گا گویا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ حیات انبیاء کرام سے انکار کرنے ہی سے یہ مفاسد ختم ہوسکتے ہیں اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ بارش سے بچنے کے لیے پرنالے کے نیچے جا کر بیٹھ گئے۔ بہرحال ان تفصیلات میں جانے کی حاجت نہیں اس خلفشار کو ختم کرنے کے لیے ارباب فکر و اخلاص نے چند حضرات کے نام تجویز کئے کہ اس اختلاف کو جس نے فتنہ کی شکل اختیار کرلی ہے ختم کرنے کی کوشش کریں راقم الحروف کا نام بھی ان میں شامل تھا تجویز یہ ہوئی کہ اس موضوع پر ایک محققانہ کتاب مؤثر انداز میں لکھی جائے اور تشکیک پیدا کرنے والے حضرات کے شبہات کے جواب بھی دیئے جائیں اور مسئلہ کے تمام گوشوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے باتفاق رائے اس کام کے انجام دہی کے لیے جناب برادر گرامی مآثر مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز صاحب منتخب ہوگئے جن کے دماغ میں بحث و تمحیص کی صلاحیت بھی ہے قلم میں پختگی بھی علوم دینیہ اور حدیث و رجال سے اچھی قابل قدر مناسبت بلکہ عمدہ بصیرت بھی ہے مختلف مکان سے متفرق نقول جمع کرنے کی پوری قدرت بھی ہے

اور حسن ترتیب کی پوری اہلیت بھی۔ الحمد للہ کہ برادر موصوف نے توقع سے زیادہ مواد جمع کر کے تمام گوشوں کو خوب واضح کر دیا ہے اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے میرے ناقص خیال میں اب یہ تالیف اس مسئلہ میں جامع ترین تصنیف ہے اور اس دور میں جتنی تصانیف اس مسئلہ پر لکھی گئی ہیں ان سب میں جامع و واضح عالمانہ بلکہ محققانہ ہے اللہ تعالیٰ موصوف کی اس خدمت کو خلعتِ قبول سے نوازے اور مزید اس قسم کی خدمات کی توفیق عطا فرمائے بعرصہ ہوا کہ میرے رفیق محترم جناب مولانا سید محمد رضا صاحب بجنوری جن کو حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کا نہ صرف شرف تلمذ حاصل ہے بلکہ فرزند نسبتی کا شرف بھی حاصل ہے جن کے قلم سے صحیح بخاری کی محققانہ اردو شرح انوار الباری وجود میں آ رہی ہے۔ اور اب سے اکتیس بتیس سال قبل مصر و استنبول کے علمی سفر میں رفیق طریق رہے ان کے جواب میں ۱۳۷۹ھ قلم برداشتہ نہایت عجلت میں جو کچھ لکھا تھا نامناسب نہ ہو گا کہ اس خط کا کچھ اقتباس نقل کیا جائے۔ تاکہ میری ذاتی پرانی رائے بھی اس مسئلہ کے بارے میں معلوم ہو جائے اگرچہ وہ اشارات ہیں اور مخاطب ایک عالم تھے تفصیل کی حاجت نہیں تھی لیکن اس موضوع پر ایک جامع فیصلہ کی حیثیت سے ایک متن ہے۔ تشریح جتنی چاہیے کر لیجیے واللہ المستعان

محولہ بالا طویل مکتوب کے چند اقتباسات

(۱) شہداء کے لیے بنص قرآن "حیات" حاصل ہے اور مزید دفع توہم کے لیے "یرزقون" کا ذکر بھی کیا گیا ہے، جیسے آجکل کا محاورہ بھی ہے "فلاں حی یرزق" عام اہل برزخ سے ان کی حیات ممتاز ہے۔

(۲) جب انبیاء کا درجہ عام شہداء سے اعلیٰ وارفع ہے تو بدلالۃ النص یا بالاولیٰ خود قرآن کریم سے ان کی حیات ثابت ہوئی (علیہم الصلوات والتسلیمات) اور جب مرتبہ اعلیٰ وارفع ہے تو حیات بھی اقویٰ و اکمل ہوگی۔

(۳) اسی حیات کی اکملیت کے بارے میں دو حدیثیں آئی ہیں، اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ۔ اور حدیث اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِہِمْ یُصَلُّوْنَ۔ اور ان ہی احادیث کے شواہد کے طور پر دیگر احادیث صحیحہ موجود ہیں مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا تلبیہ حج۔ اور اس کے علاوہ روایات۔

(۴) روح کے تعلق اجساد سے پانچ قسم کے ہیں۔ فی حالۃ الجنین۔ بعد الولادۃ فی الدنیا۔ اور ابھی دو صورتیں ہیں، حالتِ نوم میں، اور حالت یقظہ میں۔ بعد الموت فی البرزخ۔ بعد البعث فی المحشر۔ ضعیف ترین

اول ورابع ہے، قوی ترین خامس اور متوسط دنیوی ہے، کما حققہ المتکلمون وابن القیم فی کتاب الروح والقاری فی شرح الفقہ الاکبر۔

⑤ انبیاء کرام علیہم السلام کی نوم جیسے ممتاز ہے عام نوم سے۔ ان عینای تنامان ولا ینام قلبی۔ اسی طرح ان کی موت کی حالت بھی عام اموات جیسی نہیں، النوم اخو الموت، اور عام موتی میں تحقیق موت کے لیے انقطاع الروح عن الجسد بالکلیہ ہوتا ہے۔ اور یہاں بالکلیہ نہیں ہوتا، اور پھر علو مرتبہ جتنا ہوتا ہے۔ اتنا ہی تعلق قوی ہوگا۔

⑥ مفارقت روح عن الجسد سے مفارقت تعلق الروح عن الجسد لازم نہیں آتا

⑦ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کو تروح کی کیفیت حاصل ہو جیسے معراج میں جسد پر روح کی کیفیت طاری ہوئی۔ تجسد ارواح اور تروح اجساد دونوں کی نظریں عالم شہادت میں ہیں۔ تو عالم ارواح میں کیوں استبعاد کیا جائے جب کہ اس کا تعلق عالم غیب سے ہے،

⑧ دنیا میں۔ صوفیہ کرام کے یہاں۔ ابدان مثالیہ سے تعدد وقت واحد میں متعدد امکنہ میں ظہور اور آثار کے ثبوت پر مشہور واقعات ہیں، انبیاء کرام کی نقل وحرکت بالاجساد المتروحہ اس کی نظیر ہوگی۔

⑨ الغرض انبیاء کرام کے لیے حیات، بقا، اجساد، نقل وحرکت، ادراک وعلم سب چیزیں حاصل ہیں۔

⑩ یہ حیات دنیوی حیات کے مماثل بلکہ اس سے اقوی ہے، دنیا میں ہمیشہ جسد کو روح کی خاصیت حاصل نہیں ہوتی، اور برزخ میں ہوتی ہے، اب اگر اس کو "حیات دنیوی" سے بعض حضرات نے تعبیر کیا ہے۔ تو اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کیا ہے، بہرحال وہ حیات دنیوی بھی ہے اور حیات برزخی بھی۔ صرف حیات برزخی نہیں جس میں عام شہداء یا اموات بھی شریک ہوں، بلکہ اقوی واکمل ہے، اس لیے حیات دنیوی کے مماثل، بلکہ اس سے بھی اقوی ہے۔ اختلاف تعبیرات میں نزاع لفظی ہے، اس دنیا سے رسمی تعلق منقطع ہونے کے بعد برزخی دور شروع ہوتا ہے۔ اب جو چاہے اطلاق کیا جائے۔

⑪ اگر احادیث ونصوص میں حیات کا ثبوت ہے، اور پھر عدم نکاح بالازواج المطہرات اور عدم توریث وغیرہ کی علت اصل حیات کو کہا جائے تو درست ہے، بہرحال حکم شرعی کی کوئی علت ہی ہوتی ہے، اور یہاں تو علت از قبیل العلل المعتبرۃ کے ہوگی نہ کہ علل مرسلہ کی قسم سے۔ اور اس علت کی تنقیح اصولی تنقیح الفاظ اور تحقیق المناط سے زیادہ قطعی ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

صاحب الفہم الباہر والرشد الزاہر. فقیہ النفس ذو البصیرۃ التامۃ. والملکۃ الراسخۃ حضرت العلام المفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دامت فیوضہم۔

مُبسملاً ومحمدلاً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا علامہ فاضل فخر اماثل محمد سرفراز خان صفدر صاحب کی تازہ تالیف تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتٰی فی البرزخ والقبور اول سے آخر تک حرفاً حرفاً پڑھی، یوں تو علامہ موصوف کی ہر تالیف عمدہ سلیقہ کے ساتھ نہایت تحقیقات پر مشتمل ہر ایک بہت بہت معلومات افزا روح پرور اور دلنشین ہوتی ہے خصوصیت اور بے انتہا قابل قدر خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ بزرگان سلف سے ہی ہر بات ماخوذ ہوتی ہے خود رائی کو دین نہیں بنایا جاتا ہے جو آجکل عام ہو رہا ہے۔ مجھے اس کتاب سے کچھ خاص دلچسپی ہوئی اور اس قدر کہ ہارٹ اٹیک اور بلڈ پریشر کی تشخیص پر ڈاکٹروں کی ممانعت کے باوجود شروع سے آخر تک دیکھ گیا۔

وجہ یہ تھی کہ تیس ۳۰ سال سے مجھے خود بھی ذاتی تجربہ یہ ہو رہا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے جس مسئلہ میں جو نظریہ قائم کیا ہے واقع میں وہی راجح و حق ثابت ہوتا ہے جب خوب مکمل اور گہری تحقیقات کی جاتی ہے تو وہ اس سے سر مو تجاوز نہیں کر پاتی پوری تحقیقات کا نچوڑ آخر میں وہی دو نقلی مسئلہ نکلتا آنکھوں سے نظر آجاتا ہے اس وقت ان حضرات کے علم کا لدنّی علم ہونا منکشف ہوتا ہے۔ اپنے اس ذاتی تجربہ اور ایسے ہی اور علماء کے اس تجربہ کا یہ نتیجہ دل و دماغ کی تہ میں جم جانا ضروری ہے کہ جو شخص کسی مسئلہ میں بھی ذرہ برابر ان سے اختلاف رکھتا ہے وہ یقیناً کم نظری یا غلط فہمی یا کسی خارجی اثر میں مبتلا ہے۔

ہم چند لوگوں کا ہی نہیں تمام امت کا کم وبیش یہی تجربہ ہے چنانچہ دیوبندی عالم وہی نہیں کہلاتا جو دیوبند کا باشندہ یا تعلیم یافتہ ہو بلکہ ہر وہ عالم دین جو فقہ حنفی و عقائد کے راجح و قوی ترین مسائل پر عامل اور متقی ہو دیوبندی عالم کہلانے لگا۔ دہلی کے شاہ صاحبان لکھنؤ کے مولانا عبدالحی اور دوسرے اطراف کے اہل حق و تحقیق علماء جنہوں نے دیوبند کی شکل نہ دیکھی ہوگی علمائے دیوبند کہلائیں گے۔ حق و تحقیق و تقوی ان کی ایسی خصوصیت بن گیا کہ خود اسی کا نام دیوبندیت بن گیا۔

۸۔ ۱۰ سال سے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات کا انکار بعض ایسے عالموں کی طرف سے شائع ہونے لگا جو ہمارے اپنے شمار ہوتے تھے بہت جی چاہتا تھا کہ کوئی اللہ کا بندہ اس مسئلہ کی پوری

پوری تحقیق لکھدے تو یقیناً ہر مسئلہ کی طرح یہاں بھی حق بات وہی ثابت ہوگی جو ان حضرات کی تحقیق کا دو لفظوں میں ثمرہ شائع ہو چکا ہے پھر ممکن ہے اشتباہ والے بزرگوں کو بھی صحیح راہ نظر آ سکے۔ خود تو کم صحت کم فرصت کم استعداد اس سے قاصر تھا بس دل میں یہ تمنا موجزن تھی۔

حضرت مولانا سرفراز خان صاحب نے بڑی محنت جانفشانی اور عرقریزی سے یہ تحقیق مکمل کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے میری وہ دلی تمنا مولانا کے ہاتھوں پوری فرمادی اس لیے حرف حرف مزے لے لے کر پڑھتا چلا گیا ہر ہر بحث پر دل باغ باغ ہوتا گیا اور دعاؤں میں سرشار ہوتا رہا۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست — آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

الحمدللہ جیسا دل چاہتا تھا یہ کام انجام پا گیا احادیث کے اسناد کی صحت اور مفہومات کی تحقیقات شبہات کے جوابات ماشاء اللہ نور علیٰ نور ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مصنف کو بہترین جزاؤں سے دونوں جہان میں سرفراز فرمائیں اور مشتبہ آنکھوں کے لیے کتاب کو سرمۂ بصیرت بنائیں۔

جمیل احمد تھانوی

جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور ۱۹ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ

اسوۃ الاصفیاء۔ ذروۃ سنام الدین۔ مجاہد جلیل۔ حافظ الحدیث امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم

واجب الاحترام حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر دامت برکاتہم

سلام اللہ تعالیٰ علیکم ورحمۃ اللہ۔ گرامی نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ تسکین الصدور کے اکثر حصے دیکھے اپنے موضوع میں مسلک اہل السنت والجماعت کے بیان میں کافی وشافی ہے اور پچھلی تصانیف سے مستغنی ہے۔ دعا میں یاد فرمائیں

والسلام

محمد عبداللہ مدرسہ عربیہ مخزن العلوم

عیدگاہ خانپور

۷ ؍ نومبر ۱۹۶۷ء

قدوۃ العارفین۔ زبدۃ المحدثین۔ عمدۃ الفقہاء۔ واُسوۃ العلماء حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تعالےٰ

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ہدیہ سنیہ تسکین الصدور موجب سرور وسکون ہوا۔ جستہ جستہ مقامات سے دیکھا دل خوش ہوا۔ ماشاء اللہ آپ نے حیات النبی ﷺ اور سماع موتٰی پر خوب کلام کیا ہے اور درمیان درمیان میں اصولِ حدیث اور تنقید حدیث کا طریقہ بھی اچھا بیان کیا ہے۔ جزاکم اللہ خیرالجزاء۔ فرصت ملی تو کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کروں گا۔ جعلنی اللہ وایاکم کما یحب ویرضٰی وجعل آخرتنا خیرًا من الاولیٰ والسلام۔

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الٰہ یار (سندھ) ۲۵ ج ۱۳۸۸ھ

یادگار سلف، استاذ العلماء۔ العالم النحریر۔ امام الفضلاء شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد الحق صاحب دامت معالیہم

مخدومی المحترم المکرم حضرت مولانا صاحب۔ شکر اللہ مساعیکم ودمتم للاسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امید ہے مزاج گرامی بالخیر ہوں گے۔ کتاب تسکین الصدور، سرور قلب، اور تبریدِ بصر کا موجب بنا۔ الحمد للہ کہ خداوند تعالیٰ نے اس عظیم اور اہم کام کی تکمیل اور اس کی اشاعت پذیر ہونے کا موقعہ میسر فرمایا۔ آنجناب جیسے فاضل بے بدل اور محقق کی نگارشات کے بارے میں کچھ کہنا گستاخی ہے۔ جن کی تحقیق کا سکہ سب مان چکے ہیں۔

بہرحال تعمیلِ ارشاد میں اور استفادہ کی غرض سے کتاب کا مطالعہ کیا۔ بحمد اللہ کتاب میں جتنے مسائل کی تنقیح اور تشریح کی گئی ہے۔ سب کو اہل سنت والجماعۃ خصوصاً اکابر دیوبند کے مسلک کے موافق پایا۔ جس محنت اور عرق ریزی سے آپ نے ان مسائل کو تحقیقی دلائل اور اکابر ملت اور معتمد علماء کے اقوال سے مبرہن کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مسلمانوں کے اتحاد واتفاق اور ان مسائل میں مسلکِ حق کی پیروی اور تمسک بالکتاب والسنۃ کا ذریعہ بنائے۔ مسئلہ حیات انبیاء میں طرفین کے دلائل کو جس تفصیل سے مشرح

فرمایا ہے۔ خدا کرے اگلے ایڈیشن میں دیگر مسائل از قسم توسّل وغیرہ میں بھی فریق ثانی کے دلائل سے اس تفصیل سے تعرض فرمایا جائے۔ والسلام

بندہ عبد الحق غفرلہ مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

سید العلماء۔ صفوۃ الصلحاء۔ سند الابرار۔ جامع الکمال۔ صادق الاحوال
حضرت العلام مولانا محمد عبد الخالق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

میں کمترین عبد الخالق مظفر گڑھی تلمیذ وخلیفہ مجاز حضرت قبلہ مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد سرفراز خانصاحب کی تصنیف لطیف تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور کو بالاجمال اول سے آخر تک دیکھا ہے اور بعض مواقع تفصیلاً بھی دیکھے ہیں۔ اس میں مندرجہ مسائل کو نہایت محققانہ طور پہ بیان کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں کئے گئے جملہ اعتراضات کے مسکت جواب دیئے گئے ہیں (۱) قبر کے ثواب و عقاب کے مسئلہ کو چند آیات واحادیث صحیحہ سے ثابت کیا گیا ہے اور اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی مسئلہ مانا گیا ہے (۲) اور اعادۃ الروح الی الجسد کو صریح حدیثوں اور جمہور علماء اہل السنۃ والجماعۃ کے اقوال سے ثابت کیا گیا ہے (۳) اور جس طرح ہر ذی روح کی موت قطعی ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی وفاۃ کو قطعی مانا گیا ہے اور کتاب وسنۃ سے اس کا ثبوت پیش کیا گیا ہے اور اس کو اجماعی مسئلہ قرار دیا گیا ہے۔ (۴) حیوۃ الانبیاء فی القبور کو متواتر احادیث صحیحہ سے ثابت کیا گیا ہے اور اس کو بھی اجماعی مسئلہ قرار دیا گیا ہے (۵) سماع الانبیاء عند القبور بلاواسطہ کو بھی احادیث سے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقریر سے اور جمہور علماء اہل السنۃ کے اقوال سے ثابت مانا گیا ہے۔ (۶) توسل فی الدعاء کے مسئلہ کو بھی نہایت احسن طریق سے بیان کیا گیا ہے اور توسل بصالح الاعمال کے جواز بلکہ استحباب کو متفق علیہ اور توسّل بالذات کو متنازع فیہ منزاع لفظی مانا گیا ہے فللّٰہ در المؤلف بارك اللہ تعالیٰ فی حیاتہ وفی حسناتہ مجھے ان کی تحقیقات سے کلی اتفاق ہے۔

کتبہ عبد الخالق مظفر گڑھی

شیخ الاتقیاء۔ بقیۃ السلف۔ قدوۃ الخلف۔ وحید العصر حضرت العلامہ مولانا خان محمد صاحب عمت مکارمہم خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی

بعد الحمد والصلوٰۃ وارسال التسلیمات والتحیات۔ فقیر ابو الخلیل خان محمد عفی عنہ

تسکین الصدور فی احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور

حامداً ومصلیاً ومسلماً

امابعد فقیر نے تالیف منیف "تسکین الصدور" مؤلفہ حضرت مولانا العلام محمد سرفراز صاحب دامت برکاتہم کا مطالعہ بڑی دلچسپی کے ساتھ کیا اور بحمدہ تعالیٰ احوال موتی کے بارے اس کو اسم بامسمی پایا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ ۴۴۵ھ ہجری میں فرقہ کرامیہ علیہا ما علیہا نے نیشاپور میں امام اہل السنۃ ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پہ افترا ات کا ایک طوفان بے پناہ اٹھایا تھا جس کی وجہ جماعت حقہ اہل السنۃ والجماعۃ کو سخت مصائب سے دوچار ہونا پڑا جن کی تفصیل "تبیین کذب المفتری" اور "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" میں مذکور ہے کہ کرامیہ کے افترا ات کا اصل منشاء یہ تھا کہ انہوں نے اپنی فساد طبع اور عناد اہل حق کی بناء پر اولاً اہل السنۃ پر یہ الزام تراشا کہ اہل السنۃ کا خیال وعقیدہ یہ ہے کہ موت کے بعد میت علم وادراک سے بے نصیب ہوجاتا ہے پھر اسی پر یہ شاخ و برگ لگائے کہ اس سے یہ لازم کہ میت سے ایمان بھی مسلوب ہوجائے کیونکہ ایمان بھی علم ومعرفت کا ہی نام ہے مزید برآں یہ بھی لازم آئے گا کہ نبی بھی بعد الموت نبوت سے معزول ہوجائے کیونکہ نبوت کا ثمرہ بھی علم ومعرفت ہی ہے۔

امام بیہقی اور امام قشیری رحمۃ اللہ علیہما نے اس دور پر فتن کے مصائب برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ ان الزامات کی تردید میں رسائل تحریر فرمائے اور ثابت کیا اہل السنۃ کے نزدیک تو میت کا صاحب ادراک واحساس وجود کے ساتھ قبر میں زندہ ہونا امر مسلم ہے کیونکہ عذاب وثواب قبر جو متواترات شرعیہ میں سے ہے اس کا ترتب بدون حیات متعذر ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبر مع بقاء اجساد مطہرہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ مجمع علیہا ہے۔ جس پر بہت سے مسائل متفرع ہوتے مثلاً سفر بقصد الزیارت الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، عرض صلوٰۃ وسلام دربارگاہ رسالت متوجہا الی روضۃ الاطہر علی ساکنہا الصلوٰۃ والسلام ابد الدھر، عرض اعمال امۃ اور توسل بسید الانبیاء و

صلحاء امت علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام وغیرہ مسائل جن پر متعدد اور مستقل رسائل اہل حق علمائے تصنیف فرمائے ہیں خلاصہ یہ کہ حیوٰۃ الانبیاء فی القبور کا مسئلہ تو تقریباً ضروریات دین میں سے شمار ہو کر امت کا ایک اجماعی مسئلہ بن چکا ہے۔ حتیٰ کہ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہما جو مداخل شرک کی تحقیق و تفتیش میں کافی توسع سے کام لیتے ہیں جس کی وجہ سے سفر الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتوسل بہ علیہ السلام وغیرہ مسائل کو معرکۃ الآراء بنا دیا گیا ہے مگر اصل مسئلہ کے بارے میں ان کی رائے بھی امت مرحومہ کے مسلمہ عقیدہ کے موافق رہی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ خود بعد ذکر دلائل تحریر فرماتے ہیں یحصل من جملتہ القطع بان موت الانبیاء انما ھو راجع الی ان غیبوا عنا بحیث لا ندرکھم وان کانوا موجودین احیاء الخ ص۳۶ کتاب الروح

مقام افسوس ہے کہ دور حاضر میں بعض قاصرین فی العلم طبائع نے اپنی متوحدانہ نظریات توحید میں اس قدر غلو اور تجاوز عن حد الاعتدال اختیار کر رکھا ہے کہ بعض مسنونات و مستحبات کو بھی حدود شرک میں کھینچ لانے کے منافی تصرفات کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔ انہی عناصر نے اپنی متوحدانہ رنگ کی توحید کے نشہ میں عقیدہ حیوٰۃ الانبیاء کو بھی منافی توحید خود ساختہ قرار دے کر ہنگامہ آرائی شروع کر دی اور صدیوں کے مردہ کرامیہ کی یاد تازہ کر دی اراھم اللہ تعالےٰ الحق حقا ورزقھم اتباعہ۔

اہل حق نے جب اس شرذمہ قلیلہ کی ان ہنگامہ آرائیوں کو دیکھا تو حفظ دین اور عقیدہ اجماعیہ کے تحفظ کی حتی الامکان سعی فرمائی۔ انفرادی مساعی کے علاوہ اجتماعی طور پر ان مسائل پر ایک مکمل دستور العمل مرتب کرنے کے لیے حضرت شیخ الحدیث مولانا العلام محمد سرفراز صاحب کو منتخب کیا۔ جنہوں نے رسالہ "تسکین الصدور" تالیف فرما کر اس مسئلہ میں پوری پوری داد تحقیق دی اور پوری جماعت پر عائد شدہ فریضہ کو دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ کے ساتھ انجام دے کر سب کو سبکدوش کر دیا جزاھم اللہ تعالےٰ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء وتقبلہا اللہ تعالےٰ منھم قبولا حسنا۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو صراط مستقیم پر استقامت کرامت فرمائے اور اس رسالہ متبرکہ نافعہ سے منتفع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین ؂

ویرحم اللہ عبدا قال آمینا۔

امام الفضلاء۔ سند الابرار۔ رئیس الحکماء۔ جامع الاصول والفروع۔ جامع المعقول والمنقول مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

۷۸۶

عزیز محترم مولانا سرفراز صاحب زادکم اللہ تعالیٰ علماً وعملاً وانجح مساعیکم للدین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ میں آپ نے رشتہ تلمذ کا ذکر کیا۔ ماشاء اللہ آپ کے علمی کمالات کے سامنے اس کا تصور بھی مجھے نہیں ہو سکتا۔ اور ضعف سن اور غلبہ نسیان کا خدا بھلا کرے اس نے اس سب کو بھلا بھی دیا ہے۔ بہر حال آپ کی سابقہ تصانیف کو اجمالاً دیکھا تھا اور مرسلہ کتب تنقید متین اور تسکین الصدور کو کسی قدر تفصیلاً دیکھنے کی نوبت آئی۔ جوں جوں دیکھتا جاتا تھا دل سے دعائیں نکلتی تھیں کہ ماشاء اللہ تحقیق کا حق بھی پورا ادا کر دیا اور دوسروں پر تنقید کا طرز بھی بہت اچھا اور متین ہے۔ آج کل کے انشاپردازوں یا واعظوں کی زبان اختیار نہیں کی جس میں الزام تراشی اور فقرے کسنے کا جذبہ اصلاح کے جذبہ کو دبا دیتا اور بے اثر بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم اور حسن عمل اور اخلاص میں ترقیات لامتناہی عطا فرمائیں ؎

ہمچنیں می رو کہ زیبا می روی

یہ ناکارہ تو پہلے بھی ناکارہ ہی تھا اور اب تو ضعف سن اور ہجوم افکار نے کسی کام کا نہیں چھوڑا۔ اپنے چند رسائل جدیدہ بھیج رہا ہوں۔ دعاؤں میں کبھی احقر کو بھی یاد فرمایا کریں تو عنایت ہو یہاں ایک ضروری بات یاد آئی کہ آجکل کے پیش آنے والے نئے مسائل جو مشینی دور نے پیدا کر دیے ہیں اس طرح کچھ اور مسائل جو عوامی اور عمومی ضرورت اختیار کر چکے ہیں، ان کے متعلق احقر کی پرانی تجویز دیوبند کے زمانے سے یہ تھی کہ ایسے مسائل میں انفرادی فتووں سے اجتناب کیا جائے۔ اجتماعی صورت سے کسی نتیجہ پر پہونچ کر جواب لکھے جائیں اگر باوجود بحث وتمحیص کے آپس میں اختلاف بھی رہے تو اس اختلاف کو بھی مستدل صورت سے اسی فتوی میں واضح کر دیا جائے۔ دیوبند میں تو اللہ کے فضل سے اپنے اساتذہ موجود تھے اور سب کے بزرگ حضرت تھانوی قدس سرہ موجود تھے احقر نے کسی ایسے مسئلے میں ان حضرات سے استصواب کے بغیر قلم نہیں اٹھایا۔ پاکستان میں یہ میدان بالکل خالی نظر آیا جس سے کمر ٹوٹ رہی ہے مگر تاہم ضروری کام چھوڑے نہیں جا سکتے اس لیے بڑے پیمانے پر علماء کی رائیں جمع کرنے کی تو ہمت فرصت نہ نکل سکی۔

کراچی شہر میں علماء اہل فتوی کی ایک مجلس ہم نے مقرر کر لی ہے جس میں مولانا محمد یوسف بنوری نیوٹاؤن کراچی سے مولانا مفتی رشید احمد مدرسہ اشرف المدارس سے اور ان کے دوسرے رفقاء اور اپنے دار العلوم کے چند اہل علم ماہ بماہ جمع ہو کر ایسے مسائل پر بحث و تمحیص کر کے کچھ لکھتے ہیں۔

اس سلسلے میں اس وقت تک مسائل ذیل مستقل رسالوں کی صورت میں تیار ہو چکے ہیں۔ اب ان کی اشاعت اس مقصد کے لیے کرنے کا ارادہ ہے کہ اپنے ملک اور بیرون ملک کے علماء کے پاس پہلے بھیجے جائیں ان حضرات کی آراء حاصل ہو جائیں تو ان کو شامل کر کے مکرر اشاعت عام کی جائے۔ رسائل یہ ہیں

تداوی باجزاء الانسان۔ بیمہ زندگی۔ پراویڈنٹ فنڈ۔ بلا سود کی بنکاری۔ مشینی ذبیحہ۔ مواقیت حج اور عمرہ۔

ماشاء اللہ آپ کی وسعت نظر اور ذوق تحقیق کے پیش نظر دل تو یہ چاہتا ہے کہ اس مجلس میں بھی آپکی شرکت ہوتی تو بہتر تھا مگر بُعد بعید کی وجہ سے یہ نہ ہو سکا۔ اب یہ رسائل طبع ہوتے ہی میں آپ کے پاس بھیجوں گا۔ غور و فکر کے ساتھ دیکھ کر اپنی رائے ثبت فرما دیں۔ طباعت میں ظاہر ہے کہ کافی مدت لگے گی اس لیے یہ بھی ارادہ ہے کہ اگر اس درمیان کبھی لاہور وغیرہ کا سفر ہوا تو مسودات ساتھ لاؤں اور آپ کو دیکھنے کے لیے دوں۔ واللہ الموفق والمعین والسلام محمد شفیع دار الافتاء دار العلوم کراچی ۱۴

مجاہد حق گو۔ فاضل عصر۔ کامل دھر۔ صادق الاحوال حضرت مولانا سید گل بادشاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۱ شعبان ۱۳۸۸ھ

بخدمت صاحب المجد والسعادۃ جناب مولانا سرفراز خان صاحب دامت برکاتہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترم جناب مولانا عبد العزیز صاحب زاد اللہ فضلہ نے آپ کی لکھی ہوئی کتاب "تسکین الصدور" فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور ھدیۃ دی۔ میں خود بھی اس کتاب کے انتظار میں تھا کتاب میں جو مسائل حقہ آپ نے جمع کی ہیں اور اہل سنت والجماعت کے صحیح مسلک و عقیدہ کی جو آپ نے ترجمانی کی ہے۔ اس کے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

جمعیۃ علماء اسلام کے مجلس شوری نے آپ پر پورے اعتماد کے ساتھ مسائل مذکورہ کی ترتیب و جمع

جو خدمت آپ کو سپرد کی تھی یقیناً آپ اس اعتماد کے پورے اہل ہیں پاکستان میں اہل سنت والجماعۃ حنفی مسلمانوں کا عظیم غلبہ اور اکثریت ہے پاکستان میں دشمنان اسلام اعتزال وخارجیت کے فتنے پیدا کر رہے ہیں تاکہ پاکستان میں اہل سنت والجماعت حنفی مسلمانوں کی جو عظیم وحدت ہے اس کو توڑ دیا جائے ادھر آسانی سے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالدیا جائے۔

علماء حق مسلمانوں کے ایمان کے محافظ ہیں۔ آپ نے اس حفاظت کا پورا فریضہ ادا کیا۔ ہمارا پختون علاقہ جو کل کے کل اہل سنت والجماعت حنفی مسلمان ہیں آپ کی اس کتاب سے ان کو پوری تسکین ہوگی اللہ آپ کو جزائے خیر دے اور خدمت دین کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ والسلام

سید گل بادشاہ امیر جمعیۃ علماء اسلام پشاور ڈویژن

اقامت گاہ سوابیان ملحہ ضلع مردان

امام المناظرین۔ صاحب الرأی الصائب۔ ذوالفہم الثاقب حضرت مولانا الحاج دوست محمد صاحب قریشی رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا زید مجدہٗ

سلام مسنون۔ جناب کی تصنیف شدہ تسکین الصدور بوساطت مولانا عبدالعزیز صاحب پہنچی اس عاجز نے اس سے پہلے اسکے اہم مقامات کا مطالعہ کر لیا تھا جناب نے اس کتاب میں ہمارے اسلاف کی صحیح ترجمانی اور تشریح فرمائی ہے خدا تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلمانوں کے لیے اسے مشعل راہ بنائے۔ ؎

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

فقیر دوست محمد قریشی صدر تنظیم اہل سنت پاکستان۔

عالم نحریر۔ فاضل بے نظیر۔ جامع العلوم النقلیہ والفنون العقلیہ۔ ذوالمجد الفاخر والفہم الباہر حضرت العلام مولانا المفتی احمد سعید صاحب عم فیضہم العمیم

هو الحی القیوم

ذوالمجد والکرم جناب مولانا صاحب مدظلہٗ

السلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔ مزاج شریف۔

کتاب تسکین الصدور کے متعدد اور اکثر مقامات کا مطالعہ کیا الحمدللہ کتاب دفع وساوس کے لیے کافی اور

اطمینان قلب کے لیے وافی ہے۔ منصف کے ہاتھ ایک مشعل ہدایت ہے اور متردد کے لیے برہانِ ساطع۔ بلاریب یہ کتاب اسم بامسمیٰ ہے۔ میں سفر پہ تھا اس لیے جواب میں تاخیر ہوگئی۔

والسلام خیر الختام احمد سعید عفی عنہ

از جامعہ عربیہ سراج العلوم سرگودھا

۲۲ جنوری ۱۹۶۹ء

المجاہد الجلیل۔ مخزن محاسن الاخلاق۔ ناشر عقیدۃ الاکابر۔ ربیع ریاض الاسلام معتمد اہل السنۃ۔ ابوالاعجاز حضرت مولانا محمد نذیر اللہ خان صاحب کثر اللہ تعالیٰ امثالہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز صفدر کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ ان کا علم وتقویٰ۔ علماء وصلحاء کے نزدیک مسلم ہے۔ جبکہ علماء نے موصوف کو اس مہتم بالشان امر کے لیے منتخب کیا۔ بحمد اللہ تسکین الصدور اہل انابت کے لیے اسم بامسمیٰ ثابت ہوئی۔ معاندین کے لیے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور حجۃ اللہ فی الارض کتاب اللہ آخری کتاب بھی باعث ہدایت نہیں ہوتی جو شخص بھی خصوصاً اہل علم غائرانہ مطالعہ کرے گا تو تہ دل سے یہی فیصلہ کرے گا کہ اہل علم اور طلباء کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ حوالجات کا ذخیرہ موجود ہے۔ اور مستحکم دلائل اور واضح حجج سے مسئلہ حیاۃ انبیاء علیہم السلام کو مبرھن اور واضح فرمایا۔ اصول حدیث میں مہارت رکھنے والے علماء حضرت موصوف کو ہمیشہ داد تحسین دیئے بغیر نہیں رہ سکتے اور طالبین حق کی گردن پر بہت بڑا احسان ہے۔ منصف اور منیب کے لیے وسیلہ ہدایت اور معاند اور مخالف کے لیے فزادھم اللہ مرضاً۔ من یھد اللہ فھو المھتد ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔ یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا وما یضل بہ الا المعاندین۔ وماھو الا شفاء لما فی الصدور وھی شمس الضحیٰ او بدر الدجیٰ فی حیاۃ الانبیاء کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ متکلمین محدثین اور فقہاء کے اقوال وآراء سے مسائل کو مدلل فرمایا۔ خداوند کریم باقیات صالحات کو قبول فرما کر بہ ثواب آخرت فرمائے اور قیامت تک اس کتاب مستطاب سے علماء اور طلباء کو مستفیض ہونے کی توفیق عنایت فرمائے۔

وما التوفیق الا باللہ العزیز الحکیم۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

صلی اللہ علی من قال الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

راقم الحروف حفیظ الرحمٰن الشہیر محمد نذیر اللہ خان الدیوبندی الحنفی خطیب جامع مسجد حیات النبیؐ گجرات

مستقطہٗ بنچوڑیاں من مضافات کاریاں من ملحقات گجرات ۱۰ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ

عمدۃ الاقران والاماثل۔ ذو المجد الفاخر والعلاء الذاخر منطقۃ بروج الفضائل سطرح انظار السادۃ والافاضل قائد جمعیۃ علماء اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نفعنا اللہ تعالیٰ بعلمھم

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ ھداۃ خلق اللہ فی احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور اما بعد زیر نظر کتاب تسکین الصدور مصنفہ مخدوم محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خانصاحب مدظلہ العالی کا بغور مطالعہ کیا۔

مولانا موصوف نے جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کے فیصلہ کے مطابق اس کتاب کی تالیف کی ابتداء فرمائی اور مسودہ کی تکمیل کے بعد ملتان کے مجلس علماء کے ایک اجتماع میں اس مسودہ کو پڑھ کر سنایا۔ میں خود اس مجلس میں شریک تھا۔ بعض مقامات میں انہیں تراجیم کے لیے مشورہ بھی دیا جو مولانا نے بخوشی قبول فرمایا آخر منظوری کے بعد حضرت مولانا نے اُسے پھر سے مرتب کر کے کتابت وطباعت کی زینت سے آراستہ فرمایا فجزاھم اللہ احسن الجزاء حضرت مولانا نے بالکل مثبت علمی انداز میں اہل السنت والجماعت کے متفقہ عقائد کو بڑی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ کتاب وسنت اور اقوال فقہاء ومتکلمین اُمت کے جامع استدلالات سے مسلمانوں کے سامنے پیش فرمایا کسی مخالف کی تشخیص وتعیین یا اس پر تنقید وتنقیص سے کامل احتراز کیا۔ عبارت سلیس۔ صاف اور عمدہ اختیار کی گئی ہے جس کے پڑھنے سے مطالب خود بخود ذہن میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔ میں اس دینی عظیم خدمت پر مولانا موصوف کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کر کے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی اس تالیف کو قبول فرما کر عامۃ المسلمین کے لیے مفید بنائے اور اسے زائغین کی ہدایت کا ذریعہ بنا کر حضرت مولانا موصوف کی فلاح دنیوی ونجات اُخروی کا سبب بنا دے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

محمود عفا اللہ عنہ خادم قاسم العلوم ملتان و

ناظم عمومی کل پاکستان جمعیۃ علماء اسلام

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق دورِ حاضر کے

اکابر دیوبند کا مسلک

اور ان کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہا محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے۔ اور حیات دنیوی کے مماثل ہے۔

صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔ لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضۂ اقدس میں جو درود پڑھا جائے بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اور یہی جمہور محدثین۔ اور متکلمین اہل سنت والجماعۃ کا مسلک ہے۔ اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تو مستقل تصنیف حیات انبیاء پر "آب حیات" کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں ان کا رسالہ "المہند علی المفند" بھی اہل انصاف اور اہل بصیرت کے لیے کافی ہے۔ اب جو اس مسلک کے خلاف دعوے کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

(۱) مولانا محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی ۵
(۲) مولانا عبد الحق عفی عنہ مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
(۳) مولانا محمد صادق عفا اللہ عنہ، سابق ناظم محکمہ امور مذہبیہ بہاولپور
(۴) مولانا ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ، شیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار
(۵) مولانا شمس الحق عفا اللہ عنہ، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان
(۶) مولانا محمد ادریس کان اللہ لہ، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور
(۷) مولانا مفتی محمد حسن مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور (۸) مولانا رسول خان عفا اللہ عنہ، جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور (۹) مولانا مفتی محمد شفیع عفی اللہ عنہ مہتمم دار العلوم کراچی
(۱۰) مولانا احمد علی عفی عنہ، امیر نظام العلماء و امیر خدام الدین لاہور (تلک عشرۃ کاملۃ)

(الاعتصام، پیام مشرق لاہور جمعہ ۳ شمارہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ / ستمبر ۱۹۶۰ء)

اس کتاب کے موضوع کے مناسب چند اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا ایک تازہ استفتاء اور اس کا جواب افادۂ عوام کے لیے شامل کیا جا رہا ہے جو درج ذیل ہے۔

بخدمت اکابرین دیوبند کے جانشینان کرام متعنا اللہ تعالیٰ بطول بقائکم بالخیر

السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ ——— عرض یہ ہے کہ آج کل بعض حضرات (۱) انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد حیات برزخی جسمانی کا انکار کرتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر میں بھی کسی حس و حرکت کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی روضہ پاک پر سلام عرض کرنے والے کے سلام سننے کے قائل ہیں اور ساتھ ہی اس خیال کو اکابر دیوبند کا مسلک بتاتے ہیں (۲) عالم برزخ میں ثواب و عذاب کا تعلق صرف روح سے مانتے ہیں جسم عنصری پر عذاب قبر کے قائل نہیں ہیں اور اسے دیوبندی مسلک قرار دیتے ہیں۔ (۳) ذوات انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کے ساتھ وسیلہ پکڑنے کو صحیح نہیں سمجھتے اور اسے بزرگان دیوبند کا مسلک سمجھتے ہیں (۴) سماع موتی کے قائل ہونے کو شرک کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور اپنے آپ کو دیوبندی کہلواتے ہیں سوال یہ ہے کہ آپ حضرات جو مسلک دیوبند کے ترجمان ہیں اور بزرگان دیوبند کے سابقین اولین سے براہ راست مستفیض اور مستفید ہونے والے ہیں یہ وضاحت فرماویں کہ مندرجہ بالا خیالات رکھنے والے صاحبان مسلک دیوبند سے منسوب و منسلک ہو سکتے ہیں یا نہیں، اور کیا اکابرین دیوبند کا یہی مسلک تھا یا یہ ان کی ذاتی آراء ہیں اور بزرگان دیوبند کے مسلک سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

بینوا توجروا، السائلون

حضرت مولانا (خان محمد) صاحب خانقاہ سراجیہ نزد کندیاں ضلع میانوالی ——— مولانا (محمد رمضان) صاحب مہتمم مدرسہ تبلیغ الاسلام میانوالی ——— حافظ (سراج الدین) صاحب کلور کوٹ

الجواب وباللہ التوفیق،

مسائل مستفسرہ میں بزرگان دیوبند کا مسلک صاف اور واضح ہے اور اس سے قبل بھی بار بار اس کی اشاعت ہو چکی ہے نیز علماء دیوبند کے مختلف اور متعدد تصانیف میں مکرر سہ کرر اسے بیان فرمایا گیا ہے اور وہ کتابیں علم و خاص میں معروف و مشہور ہیں مثلاً (۱) آب حیات (۲) جمال قاسمی (۳) نشر الطیب (۴) الشہاب الثاقب، (۵) المصالح العقلیہ (۶) فیض الباری (۷) المہند علی المفند (۸) اور متفقہ اعلان وغیر ذٰلک (۹) حیوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ الخ ——— چنانچہ المہند علی المفند میں بجواب سوال خامس صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیوٰۃ عام مومنین یا عام لوگوں کی طرح برزخی ہی نہیں ہے بلکہ عالم برزخ میں دنیوی (جسمانی) ہے مگر مکلف بالاعمال نہیں ہیں اور یہ

حیات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جمیع انبیاء علیہم السلام کے خصوصیات میں سے ہے۔
واضح رہے کہ اس مضمون پر علماء دیوبند کے طبقہ اولیٰ و علیا کے تقریباً تمام اکابرین کے دستخط موجود ہیں

مثلاً شیخ الہند حضرت تھانوی، مفتی عزیز الرحمٰن، حضرت شاہ عبد الرحیم اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے تو یہ مضمون خود ہی تحریر فرمایا ہے ——— ب ——— اسی طرح تقسیم ہند کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جب اس مسئلہ حیوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بعض صاحبان کی تقریروں اور تحریروں سے بزرگان دیوبند کا مسلک مشتبہ ہونے لگا تو اس وقت کے اکابر علماء نے بھی متفقہ اعلان کے نام سے اپنی دستخطوں سے ایک تحریر شائع کر کے مسلک دیوبند کی وضاحت فرمائی چنانچہ اس وقت بھی وہ مقام حیات از مولانا خالد محمود اور دوسرے رسائل میں مطبوع ہے۔ اس میں بصفائی سے لکھا گیا ہے کہ ——— حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں علماء دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہا محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے صرف یہ کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔ لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس پر جو درود شریف پڑھے وہ بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے ——— اب جو اس مسلک کے خلاف کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ——— اس متفقہ اعلان پر مرحومین حضرات میں سے حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب خلیفہ اجل حضرت تھانوی، حضرت مولانا رسول خان صاحب سابق اعلیٰ مدرس دار العلوم دیوبند اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مؤلف اعلاء السنن و رحمۃ القدوس وغیرہ کے دستخط بھی ثبت ہیں۔

عذاب قبر:- ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک قبر میں ثواب و عتاب کا تعلق روح اور جسم دونوں کے ساتھ رہتا ہے اور جسم سے جسم عنصری مراد ہے نہ کہ جسم مثالی جو کہ حقیقی جسم نہیں ہے۔ بلکہ عالم مثال کے آئینہ میں جسم کا ایک عکس ہے کما صرح بہ المجدد الالف الثانیؒ اور جیسا کہ کتب فقہ و عقائد میں مذکور ہے کہ ان المیت اذا مات یکون فی نعیم او عذاب وان ذلک یحصل لروحہ وبدنہ (کتاب الروح) یہی اکابرین دیوبند کا مسلک ہے۔

توسل بالانبیاء والصلحاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ——— توسل بالانبیاء علیہم السلام بھی بزرگان دیوبند کے نزدیک جائز ہے المہند علی المفند ص۲۸ مطبوعہ جہلم۔ نشر الطیب للعلامۃ التھانویؒ اور الشہاب الثاقب للشیخ المدنیؒ میں اس کی تصریح موجود ہے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ کے تحت توسل بالمقبولین کو جائز قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ اس کا مآل بھی توسل بالصفات ہی

ہے۔ کانہ یقول برحمتک وفضلک علی فلان ادعو منک ھذا۔

سماع موتٰی:۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الروح میں فرمایا ہے وھذا السلام (ای السلام عند زیارۃ القبور) والخطاب والنداء لموجود یسمع ویعقل ویردون السلام وان لم یسمع المسلم الرد والسلف مجمعون علی ھذا وقد تواترت الاٰثار عنھم بان المیت یعرف الحی ویستبشر بہ۔

ہمارے مشائخ بھی فی الجملہ سماع موتٰی کے قائل ہیں جیسا کہ فیض الباری للعلامۃ الکشمیری وغیرہ میں ہے اور اسے ہرگز شرک کی بنیاد قرار نہیں دیتے۔ جو لوگ ان مسائل میں کچھ اور رائے رکھتے ہوں وہ کچھ بھی ہوں بہرحال مسلک دیوبند سے ان کا تعلق نہیں ہے انہیں بزرگانِ دیوبند کی طرف غلط نسبت نہیں کرنی چاہیئے — واضح رہے کہ بزرگانِ دیوبند کے یہ نظریات بحمد اللہ قرآن وسنت اور سلف صالحین کی تصریحات کے عین مطابق ہیں — سائلین کو چونکہ صرف مسلک دیوبند کا تعین اور تشخص مقصود تھا اس لیے صرف مسائل کے بیان پر اکتفاء کیا گیا دلائل سے تعرض نہیں کیا گیا۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل کاتب الحروف عبدالکریم عفی عنہ

بحکم سیدی حضرت افغانی مدظلہ

دستخط ومہر مولانا شمس الحق افغانی عفا اللہ

دستخط ومہر مولانا محمد یوسف بنوری

احمد الرحمٰن غفرلہ

ولی حسن عفا اللہ عنہ

از احقر جمیل احمد تھانوی جامعہ اشرفیہ لاہور

مولانا افغانی زید معالیہم کا املائی جواب حق وصواب ہے۔ چاروں مسئلوں میں علمائے دیوبند کا یہی مسلک ہے بلکہ (۴) تو کل اہل السنت والجماعت کا اجماعی یہ مسئلہ ہے۔ عدم حیات کا قول تو صرف بعض معتزلہ اور رافضیہ کا ہے۔ اہل حق میں سے کسی کا نہیں البتہ اہل السنت والجماعۃ میں تین قول ہیں (۱) حیات من وجہ کا مسلسل رہنا (۲) منقطع ہو کر عود کرنا پھر منقطع ہو کر عود کرنا (۳) منقطع ہو کر عود کرنا اور تاقیامت رہنا۔ مگر یہ اختلاف ترجیحی ہے حق باطل کا نہیں ہے اور معتزلہ سے حق و باطل کا اختلاف ہے چونکہ عذاب قبر تواتر سے ثابت ہے اور بغیر حیات کے ثواب و عقاب نہیں ہو سکتا اس لیے حیات قبری ہر انسان کے لیے اس قدر یقینی و متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ جس سے عذاب و ثواب کا ادراک ہو جاتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن او شبہ نیست" فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۹۳، بحذف دلائل تفصیلی دلائل وہاں ہیں (۲) جمہور اُمت کے نزدیک یہ قول صحیح ہے جسم اور روح دونوں کو عذاب ہوتا ہے اور عذاب قبر اس کے متواتر ثبوت کی دلیل ہے کیونکہ عذاب قبر اسی کو ہوتا ہے جو قبر میں ہو۔ اگر قبر میں فقط جسم ہو تو نہ عذاب ہے اور نہ ثواب کہ وہ ادراکات سے خالی ہے اور صرف

روح قبر میں ہو جسم نہ ہو یہ ظاہر ہے کہ باطل ہے لہٰذا دونوں پر عذاب ہوگا، عذاب قبر سے خصوصاً عذاب برزخ مراد لینا عذاب قبر کا انکار بننے گا قبر خاص ہے برزخ (جو موت سے قیامت تک کا زمانہ ہے) عام ہر قبر تو برزخ ہے مگر برزخ ہر ایک قبر نہیں جو عام خاص کا خاصہ ہے اگر عذاب قبر ہو تو عذاب برزخ ہے۔ عذاب برزخ عذاب قبر نہیں اگر صرف روح کو عذاب مانا گیا تو وہ قبر میں نہیں ہوگا۔ تو عذاب قبر نہ ہوا گو عذاب برزخ ہوگا یہ انکار متواتر کا ہے۔ (۳) وسیلہ اس کی ذات سے ہو تو بے اصل ہوگا لیکن خلق تعالیٰ کی ایسی صفت سے ہو جس کا تعلق اس سے ہے مثلاً محبت و نسبت وغیرہ پھر تو وسیلہ صورۃً گو ان سے کیا جا سکے حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی صفت سے ہے اس کو ناجائز کون کہہ سکتا ہے فقط حدیث شریف میں انبیاء سے توسل آیا ہوا ہے بعیسٰی روحك وموسٰی نجيّك او کما قال لمبی حدیث ہے (۴) میں ہمارے بزرگوں نے احتیاط کی ہے کہ صحابہ میں اختلاف رہا ہے ایسا نہ ہو دوسروں کی بے تعظیمی ہو جائے مگر مدار اس کا حیات پر ہے اگر حیات بقدر ادراک عذاب و ثواب ثابت ہو، تو سماع بھی ثابت ہے اور تمام اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حیات بقدر ادراک نعم و نقم ثابت ہے حیات کے لیے سماع لازم ہے یہی بات علامہ سیوطیؒ نے اس کو سوال و جواب کر کے نظم بھی کیا ہے جس میں یہ شعر بھی ہے (الحاوی ج۲ ص۱۷۲)۔

سماع موتی کلام الخلق معتقد

جاءت به عندنا الآثار فی الکتب

یعنی جمہور امت کا عقیدہ ہے احادیث قریب بمتواتر دلالت کرتی ہیں مثلاً احادیث سلام احادیث معرفت غاسل وغیرہ احادیث تلقین جو بکثرت وارد ہیں اور مجموعہ متواتر بن جاتا ہے اس لیے حضرت شاہ صاحب سرخیل علماء ہند کا ہی فتویٰ راجح و قوی صحیح تر بن معلوم ہوتا ہے۔ اور علماء دیوبند وہی اعتقاد رکھتے ہیں جو ان اسلاف کا تھا اور چودہ سو سالہ اسلاف کا ہے۔

مہر و دستخط

جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور۔ ۱۳ رمضان ۱۳۹۶ھ

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کا مسلک

ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ستمبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۱۰ میں ایک مفصل استفتاء ہے۔ جس کی پانچ شقیں ہیں۔ جن میں دو یہ ہیں۔ نیز آیا روح مبارک کا تعلق بدن پاک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہے یا نہیں؟ نیز انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع عند القبر احناف اور علماء دیوبند کے نزدیک ثابت ہے یا نہیں؟ جو جواب تحریر فرمایا جائے اس پر حضرت مولانا غلام اللہ خاں صاحب کے دستخط ضروری ہیں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کی اور ان کی جماعت کی اس مسئلہ میں کیا تحقیق ہے؟

(السائل عمر حیات شاہ ۲۷ صفر ۱۳۷۹ھ)

الجواب واللہ الموفق للصواب (پہلی تین شقوں کا جواب دینے کے بعد) ۴ تعلق باقی ہے چنانچہ فتح العزیز کی عبارت مذکورہ میں مصرح ہے و تعلقے بہ قبر نیز ارواح را میباشد۔ قبر کے ساتھ تعلق باقی ہے تو اجساد کے ساتھ خود باقی ہے اور فقہاء کرامؒ نے بھی تصریح کی ہے کہ تنعم وغیرہ میں اجساد کو بھی شمولیت ہے اور وہ اسی بقاء تعلق پر مبنی ہے۔ البتہ اس تعلق کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے اور نہ یہ ثابت ہے کہ یہ تعلق مثل تعلق دنیا کے ہے۔

۵ کئی اکابر علماء نے اپنی تحریروں میں تصریح کی ہے کہ عند القبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع بلاشبہ ثابت ہے خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ ہی نہیں۔ بلفظہ

عبدالرشید مفتی دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی ۲۷ صفر ۱۳۷۹ھ

الجواب صحیح لا شبہ غلام اللہ خان

مہر دار الافتاء

جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی کا اپنا فتویٰ

تسکین الصدور صفحہ ۲۸۳ و صفحہ ۲۸۴ میں ہم نے ماہنامہ تعلیم القرآن ماہ جولائی اگست ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۲ کے حوالہ سے جناب شاہ صاحب کا فتویٰ نقل کیا ہے۔ جس پر پچاس علماء کرام کی تصدیقات موجود ہیں۔ اس فتوے کے آخر میں ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

اور خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بعد الموت سب سے اعلیٰ وارفع اجمل وافضل حیات برزخیہ عطا فرمائی گئی یہ جمہور اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے اس پر کتاب اللہ احادیث صحیحہ اور ارشادات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم شاہد ہیں بلفظہٖ

عنایت اللہ شاہ بخاری عفی عنہ مسجد جامع گجرات

حضرات علماء دیوبند کے نزدیک یہ حیات دنیویہ برزخیہ ہے دنیویہ تو اس لیے کہ روح مبارک کا تعلق اس جسد اطہر سے ہے جو آپ کو دنیا میں حاصل تھا گو وہ حیات اہل دنیا کے ادراک و شعور سے بالاتر ہے اور وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کا مصداق ہے اور برزخیہ اس لیے ہے کہ برزخ میں ہے ظاہر امر ہے کہ یہ حیات روح کی تو ہرگز ہو نہیں سکتی کیونکہ روح پر تو موت نہیں آتی موت تو جسم پر وارد ہوتی ہے اور یہ حیات برزخیہ بقول جناب شاہ صاحب کتاب اللہ (یعنی بَلْ اَحْیَآءٌ الآیۃ) اور احادیث صحیحہ (مثلاً فتعاد روحہ فی جسدہ وغیرہ) اور ارشادات حضرات صحابہ کرام رضی سے ثابت ہے اور یہی جمہور اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے جب حیات ثابت ہے تو اسی حیات کی وجہ سے اہل اسلام عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع کے قائل ہیں اور اسی بات کو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی یوں بیان فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اھ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ ۱ طبع دہلی) ۔ اور یہ بات حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی کو بھی مسلّم ہے ۔ کیونکہ روضہ مبارک پر جو درود شریف پڑھا جاتا ہے وہ بالاتفاق بلا واسطہ حضور پر پیش ہوتا ہے اور آپ اس کو سنتے اور جواب دیتے ہیں اھ ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۰۵ اور اسی کے بارے ماہنامہ تعلیم القرآن بابت ماہ اگست ۱۹۶۲ء ص ۱۸ میں ہے

باقی رہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس صلوٰۃ وسلام کے سماع کا مسئلہ تو اس میں فریقین کے درمیان قطعاً کوئی اختلاف نہ تھا الخ تو ہماری گذارش ہے کہ اس اتفاقی مسئلہ میں اختلاف پیدا کرنا چھوڑ دیں اور جرأت کا مظاہرہ کریں ۔ راقم اثیم بھی پہلے جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ کی مجلس عاملہ کا رکن تھا جناب شاہ صاحب بخاری گجراتی کے غلو کی وجہ سے الگ ہوا ہے اس دیرینہ تعلق کی بناء پر جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ کے بزرگوں سے پر زور اپیل ہے کہ جمہور اہل اسلام اور اہل السنت والجماعت کے مدلل بالکتاب والسنۃ اور منصوص بالبراہین

مسلک کو ترک نہ کریں اور تمام مصلحتوں سے بالاتر ہوکر حق بات کہنے کا واشگاف اعلان کریں ہماری قلبی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو راہ راست کی توفیق مرحمت فرمائے مگر ؎

تغافل ان کی عادت ہے مناجاتیں مرا شیوہ ۔۔۔ نہ وہ طرز ادا بدلے نہ میں رنگ دعا بدلا
زمانہ معترف ہے اب ہماری استقامت کا ۔۔۔ نہ ہم سے قافلہ چھوٹا نہ ہم نے رہنما بدلا

دیباچہ

(طبع دوم)

مبسملاً و محمداً و مصلیاً

تسکین الصدور لکھنے کی وجہ؟

اس کتاب کے معرض وجود میں آنے کی وجہ اجمالی طور پر طبع اول میں مذکور ہے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قدرے تفصیل سے اس کی وجہ عوام کے سامنے عرض کر دی جائے تاکہ آنے والی نسلوں کو بھی اس کا علم ہو سکے اور بات کی تہ تک پہنچنا ان کے لیے آسان ہو۔

(۱) چند سال ہوئے ہیں کہ پاکستان کی زرخیز زمین ہی بعض حضرات نے بزعم خود توحید کے نشہ سے سرشار ہو کر کچھ ایسے نظریات اپنا رکھے ہیں جو اہل السنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی تصریحات کے بھی سراسر خلاف ہیں لیکن وہ حضرات محض سینہ زوری کے ساتھ اپنے ان نظریات کو علماء دیوبند کے نظریات بتانے اور باور کرانے کے درپے ہیں اور برملا وہ جلسوں میں ان کی خوب تشہیر کرتے ہیں اور اس طریق کو وہ بزعم خویش توحید کا ایک حصہ یا شرک کے رد کا بہترین ذریعہ قرار دیتے ہیں اور بقول ان کے ان نظریات کی نشر و اشاعت نہ کرنے سے قوم کے شرک میں مبتلا ہو جانے کا شدید خطرہ ہے لہٰذا اس میں مداہنت کسی طرح بھی روا نہیں ہے اور بالعموم وہ انہی نظریات کی تبلیغ و تشہیر کو اپنی مستعار اور فانی زندگی کا عظیم مقصد سمجھتے ہیں اور اسی کے لیے ہمہ وقت سرگرم کوشاں رہتے ہیں ان [illegible]

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا آپ کے جسد اطہر کے ساتھ قبر شریف میں کوئی تعلق نہیں (معاذ اللہ تعالیٰ) ہاں دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کا جسد اطہر قبر مبارک میں بالکل محفوظ ہے۔

(۲) آپؐ عند القبر صلوٰۃ وسلام وغیرہ کا سماع نہیں فرماتے ہاں خرقِ عادت کے طور پر جیسے اللہ تعالےٰ پتھروں کو سنا سکتا ہے ویسے ہی آپؐ کو بھی سنا دے تو جدا بات ہے (معاذ اللہ تعالیٰ)

(۳) عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع کی جتنی حدیثیں ہیں وہ ان کے خیال میں موضوع اور جعلی اور کم از کم ضعیف ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)

(۴) الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔ کی حدیث ان کے نزدیک باطل۔ نہایت ضعیف اور بے اصل ہے ان کے نزدیک نہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نہ نمازیں پڑھتے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) ان کے نزدیک یہ سماع کا روائی ارواح کرتی ہیں۔ اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجساد عنصریہ کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

(۵) قبر میں ثواب وعذاب کا تعلق صرف روح سے وابستہ ہے بدن عنصری کا اس سے کوئی واسطہ نہیں اور اگر بدن تسلیم بھی کیا جائے تو بدن مثالی ہے (جسے ان کے وکیل نفس ناطقہ اور نسمہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ندائے حق ص۲۱۳) بدنِ خاکی وعنصری ہرگز نہیں۔

(۶) عند القبور عام مُردوں کے سماع کا نظریہ ان کے نزدیک مشرکانہ نظریہ اور خیال ہے اور سماع الموتیٰ کا قائل ان کے خیال میں مشرک ہے اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ذریعہ شرک ہے۔

(۷) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا امت میں سے کسی بزرگ شخصیت کے طفیل وسیلہ برکت اور حرمت وغیرہ سے دعا کرنا ھٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّٰہِ کا مصداق ہے جو حرام اور خالص شرک ہے اور اپنی نظریات کی الاقوال المرضیہ۔ شفاء الصدور۔ ندائے حق اور اقامت البرہان وغیرہ میں تائید کی گئی ہے اور بخیال خویش ان کو مبرہن کیا گیا ہے مگر یہ نظریات اہل السنت والجماعت کے نظریات کے سراسر خلاف ہیں اب اگر انہوں نے کلاً یا بعضاً ان نظریات سے رجوع کر لیا ہو تو ہمیں علم نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے لیکن پہلے ان کے یہی نظریات تھے

پاکستان میں مشہور دینی مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر ان میں سے بعض حضرات نے اپنے

نظریات کی تبلیغ شروع کر دی جس کا اسی موقع پر شدید رد عمل ہوا اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اکابر کی تائید کرتے ہوئے علمی طور پر باحوالہ جلسہ عام میں ایسے غلط نظریات کی تردید کر دی جس سے ان نظریات کے بعض حامیں حضرات کو بہت ہی صدمہ ہوا اور یہ تردید ان پر ناگوار گذری اور اس کاروائی کو انہوں نے اپنی ذاتی توہین سمجھ کر پھر اپنے نظریات کی برملا ہر جگہ تشہیر شروع کر دی۔

(۳) اس راقم اثیم سے لے کر مرکزی اکابر تک بعض بزرگوں نے اس معاملہ کو سلجھانے اور عوام کا افتراق سے بچانے کے لیے حتی الوسع کوشش کی مگر صد افسوس ان حضرات پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا اور معاملہ بجائے سلجھنے کے مزید الجھ گیا حتیٰ کہ فخر الاماثل رئیس المتکلمین الحاج الحافظ القاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند کی علمی اور مرکزی طور پر بین الاقوامی شخصیت کو درمیان لایا گیا اور حضرت نے راولپنڈی میں طرفین کے ذمہ دار حضرات سے ذیل کی تحریر پر دستخط لے کر صلح کرا دی اور تشتت و افتراق سے بچنے کی یوں تلقین فرمائی کہ

عامۂ مسلمین کو فتنہ نزاع و جدال سے بچانے کے لیے مناسب ہوگا کہ مسئلۂ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلہ کے ہر دو فریق کے ذمہ دار حضرات عبارت ذیل پر دستخط فرمائیں یہ مسئلہ قدر مشترک ہوگا ضرورت پڑنے پر اسے ہی عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے تفصیلات پر زور نہ دیا جائے۔ عبارت مجوزہ حسب ذیل ہے۔

وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پہ حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔

احقر محمد طیب (راولپنڈی)

نور محمد قلعہ دیدار سنگھ

محمد علی جالندھری عفا اللہ عنہ ۔ لاشیٔ غلام اللہ خان

۱۸ر محرم سنہ ۱۳۸۲ھ ۔ ۲۲ر جون سنہ ۱۹۶۲ء

الغرض مصالحت کی یہ دستاویز پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور معاملہ فریقین میں طے ہو گیا تو اس مسئلہ کو اٹھانے والے بزرگ کو جب اس کا علم ہوا تو وہ آپے سے باہر ہو گئے اور اس معاہدہ کو منسوخ کرانے کے لیے اپنے بعض

دوستوں کے ساتھ لاہور پہنچے جہاں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم ہندوستان جانے کے لیے تیار تھے چونکہ حضرت کو اپنے پروگرام کے مطابق دیوبند پہنچنا تھا اور مزید ٹھہرنے کی گنجائش نہ تھی اور ان میں سے بعض حضرات کو اس تحریر کو منسوخ کرانے پر شدید اصرار تھا اس لیے بات طے نہ ہو سکی البتہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم نے یہ فرمایا کہ میری سمجھ میں جو بات آسکتی تھی وہ میں کر چکا ہوں اگر مزید آپ کچھ کرنا اور کہنا چاہتے ہیں تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ کی طرف مراجعت کریں جو یہاں پاکستان ہی میں رہتے ہیں یہ فرما کر حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم دیوبند تشریف لے گئے۔

(۴) اس کے بعد پھر اس سلسلہ کا اجتماع ملتان میں ہوا اور وہاں کچھ ایسی ناگفتنی باتیں اور نامناسب کارروائیاں ہوئیں کہ شرم و حیا بھی سر پیٹ کر رہ جائے چونکہ معاملہ کو ٹھنڈائی میں ڈالنا مقصود تھا اس لیے کامیابی نہ ہوئی اور معاملہ جوں کا توں الجھاؤ میں رہا اور تحزب و افتراق کا یہ دروازہ بند نہ ہو سکا۔ فالی اللہ المشتکیٰ

(۵) ارباب علم و بصیرت تو ان تمام مسائل کی شرعی اور فقہی حقیقت کو جانتے ہی تھے لیکن طلبہ کرام اور عوام شش و پنج میں مبتلا تھے کہ دونوں طرف مولوی ہیں اور اپنے کو دیوبندی کہلاتے اور دیوبندی مسلک سے وابستہ بتاتے ہیں اور ان مسائل میں ان کے بیانات بالکل متضاد ہیں اب ہم کہاں جائیں؟ اور کس کو حق پر سمجھیں؟ اور کس نظریہ اور عقیدہ کو اپنائیں؟ اور کس نظریہ کو اکابر کے مسلک کے عین مطابق اور کس کو مخالف سمجھیں؟ اس مجبوری کے پیش نظر جمعیۃ علماء اسلام کا لاہور میں ایک عظیم اجتماع ہوا جس میں تمام صوبوں کے سینکڑوں حضرات علماء کرام موجود تھے۔ انہوں نے پانچ افراد کی ایک کمیٹی بنائی اور اس کا ناظم راقم اثیم کو بنایا (جس کی بقدر ضرورت تفصیل سخنہائے گفتنی طبع اول میں موجود ہے) اور ان مذکورہ بالا مسائل پر باحوالہ دلائل کے ساتھ کتاب مرتب کرنے کا فریضہ اس کوتاہ علم و فہم کے سپرد کیا گیا راقم اثیم نے انتہائی مصروفیت اور بے بضاعتی کے پیش نظر مسودہ تیار کیا اور پھر ملتان میں علماء کرام کی نمائندہ مجلس میں پیش ہوا جس کا نام تسکین الصدور تجویز ہوا اور بحث و مباحثہ کے بعد وہ اس مجلس میں متفقہ طور پر منظور ہوا اور پھر کتابی شکل میں معرض وجود میں آیا۔ جس کا طبع اول قارئین کرام اس سے قبل پڑھ چکے ہیں اور طبع دوم آپ کے ہاتھوں میں ہے

(۶) تسکین الصدور کے منصۂ شہود پر آنے کے بعد دوسرے فریق کی طرف سے اس پر خاصی برہمی ہوئی اور اس کا اُبال تسکین القلوب، ندائے حق اور اقامۃ البرہان وغیرہ کی شکل میں جوش مار کر نکلا مگر حق آخر حق ہوتا ہے اس کو تسلیم کیے بغیر بھی کسی باضمیر کے لیے چارہ نہیں بشرطیکہ کوئی ماننا چاہے چنانچہ صاحب تسکین القلوب نے حق تسلیم

گیا ہے جس کا بیان آگے آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ مگر بقیہ حضرات کو حق ماننے کی ابھی توفیق نہیں ہوئی ہماری قلبی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی حق قبول کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین۔

(۷) علم غیب تو صرف پروردگار کو ہے لیکن قرائن وشواہد کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہیں کہ تسکین الصدور کے جواب کے لیے دوسری جانب کے بزرگوں میں بحث وتمحیص کے بعد حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب دام مجدہم کو آمادہ کیا گیا کہ وہ پرانے مدرس اور محقق عالم ہیں وہ علمی رنگ میں اس کا خوب رد کریں گے لیکن جب قاضی صاحب کی کتاب سامنے آئی تو نیلوی صاحب وغیرہ دوستوں کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی اور بالکل ان کی یہ حالت ہو گئی کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن اور سب حیران ہو گئے کہ بن کیا گیا ہے نہ اگلتے بنے اور نہ نگلتے کیونکہ جناب قاضی صاحب نے اپنی کتاب تسکین القلوب میں اصولی اور بنیادی طور پر وہ سب مسائل تسلیم کر لیے ہیں جو تسکین الصدور میں درج تھے جیسا کہ آگے آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ مؤلف ندائے حق اور ان کے مشیروں نے راقم کو سامنے رکھ کر اور بظاہر تسکین الصدور کو نشانہ بنا کر درحقیقت تردید محترم جناب قاضی صاحب کی تسکین القلوب کی کی ہے جب انہوں نے محسوس کیا کہ غیر تو اپنے نہ بن سکے اور اپنے بھی ہاتھ سے نکل گئے تو اس کوفت کی وجہ سے ان کا پارہ چڑھ گیا اور یہی وجہ ہے کہ ندائے حق میں ان کا لہجہ خاصا تُرش ہے اور ندائے حق ص۵۶ میں تسکین القلوب کا حوالہ دیا گیا ہے جو اس امر کا واضح قرینہ ہے کہ یہ ندائے حق سے پہلے کی تالیف ہے اور مصنف ندائے حق نے اس کو بخوبی دیکھا ہے۔

دیوبند کا فتویٰ اسی زمانہ میں ایک صاحب نے اپنی تسلی کے لیے مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیوبند ایک استفتاء بھیجا تھا جس کا باحوالہ جواب آیا اور اس وقت کے دینی رسائل میں وہ طبع بھی ہوا جس پر پاکستان کے بعض جلیل القدر علماء کرام کے دستخط بھی ثبت ہیں وہ استفتاء مع جواب یہ ہے:

استفتاء ۱۹۹۸ :- یہ عقیدہ رکھنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک علیین میں ہے آپ کا اپنی قبر اور جسد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے لہذا آپ کی قبر پر درود وسلام پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے لیکن آپ سنتے نہیں کیا ایسا عقیدہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اور غلط ہونے کی صورت میں بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟ اور ایسے عقیدہ والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود اور حیات ہیں آپ کے مزار پر پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں ہمارے کان نہیں کہ ہم

نہیں آپ اپنے مزار میں حیات ہیں مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بجسدہٖ وروحہٖ ہے جو اس کے خلاف کہتا ہے۔ وہ غلط کہتا ہے وہ بدعتی ہے خراب عقیدے والا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے حدیث میں آتا ہے اِنَّ اللہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ الحدیث وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من صلی علیّ عند قبری سمعتہٗ ومن صلی علیّ من بعید اعلمتہٗ رواہ ابو الشیخ وسندہٗ جید القول البدیع ص۱۶۱ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الانبیاء (صلوات اللہ تعالیٰ علیہم) احیاء فی قبورھم یصلون رواہ ابن عدیؒ والبیہقیؒ وغیرھما (شفاء السقام ص۱۳۴) دو تین حدیثیں نقل کر دی ہیں اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو انکار کرتا ہے بدعتی اور خارج اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔
غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور اپنے مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود ہیں اور حیات ہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب کتبہ السید مہدی حسن مفتی دار العلوم دیوبند

مہر دار العلوم دیوبند ۱۳ ؍ ۸ ؍ ۷۴ھ

الجواب صحیح جمیل احمد تھانوی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور ۱۲ ؍ شوال ۱۳۷۵ھ

اجاب المجیب واجاد محمد ضیاء الحق کان اللہ لہٗ، مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور

الجواب صواب محمد رسول خان عفا اللہ عنہٗ

راقم اثیم سے بھی اس فتویٰ پر جواب طلب کیا گیا تو راقم نے بھی اس پر الجواب صحیح لکھا غور فرمائیں کہ دار العلوم دیوبند کے جناب صدر مفتی صاحب مرحوم و مغفور اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی اور استاذ الکل حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسا عقیدہ رکھنے والے کو اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج اور بدعتی قرار دیا ہے اور تصریح فرمائی ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے فتاویٰ سے چند حوالے بھی ملاحظہ فرمائیں۔
۱۔ سوال بدعتی کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ الجواب:۔ بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمہ ہے فقط (کذا فی الدر المختار باب الامامۃ) فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ ص۱۱۸ طبع جید برقی پریس دہلی۔
۲۔ سوال بدعتی کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ الجواب مکروہ تحریمہ ہوتی ہے (ج ۳ ص۱۱۳)

؎ اور بدعتی امام کے پیچھے نماز پڑھنا گناہ ہے جبکہ دوسری جگہ متبع سنت امام موجود ہے (ج ۲ ص ۹۷)

الغرض جو نظریات اکابر سے ہٹ کر ان حضرات اور مؤلف ندائے حق وغیرہ نے اپنے رکھے ہیں وہ اہل بدعت کے عقائد ہیں اہل السنت والجماعت کے ہرگز ہرگز نہیں ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بدعت کے عقائد و نظریات سے بچائے اور محفوظ رکھے آمین ثم آمین ؎

مقام فقر ہے کتنا بلند شاہی سے ۔۔۔ روش کسی کی گدایانہ ہو تو کیا کہئے !

تسکین الصدور سے متعلق آراء و نظریات

تسکین الصدور کے طبع ہونے کے بعد ملک کے کونے کونے میں اس کے بارے میں مختلف خیالات اور آراء کا اظہار کیا گیا اور قدرتی وطبعی طور پہ ایسا ہونا ناگزیر امر تھا جو حضرات صحیح طور پہ مسلک دیوبند سے وابستہ ہیں ان تمام حضرات نے نہ صرف یہ کہ اس کی تائید ہی کی بلکہ اس کو بہت حد تک سراہا اور اس کو علمی وتحقیقی شاہکار کا درجہ دیا اور بیشمار خطوط اس تالیف کی داد تحسین اور مبارکباد کے موصول ہوئے جہاں اس کتاب سے ان حضرات کو قلبی تسکین اور علمی اطمینان حاصل ہوا وہاں اس نظریہ کے مخالف حضرات کو اس کتاب کے معرض وجود میں آنے سے بے حد قلق اور صدمہ پہنچا اور بعض کے بارونق چہرے دفعتًہ مرجھا گئے اور کچھ احباب تو سیخ پا بھی ہوگئے اور ایسا ہونا ایک نفسیاتی امر تھا کیونکہ یہ کتاب ان کے غلط نظریات پہ ضرب کاری ہے اور اس کتاب نے بعض حضرات کے اوسان بھی خطا کر دیے ہیں جیسا کہ ان کی کتابوں سے یہ بالکل ظاہر ہے مگر یہ ایک فطری بات ہے کہ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی ۔ اس وقت تک تحریری طور پہ جو آراء و نظریات تسکین الصدور کے بارے میں ہمیں موصول ہوئے وہ تین قسم کے ہیں۔

پہلا نظریہ

اس کتاب میں درج شدہ تمام مسائل و دلائل اسلام مذہب اہل السنت والجماعت فقہ حنفی اور مسلک علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کے عین مطابق ہیں اور اس میں کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں جو مذہب حق کے خلاف ہو اور اس کتاب میں درج شدہ تمام حوالے ٹھوس ۔ صحیح اور مطابق ہیں اور یہ کتاب ایمان و ایقان کی عظیم دولت مہیا کرنے کا ذریعہ ہے (اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ہی بنائے آمین ثم آمین)

یہ نظریہ اور رائے پاک و ہند کے اکابر علماء دیوبند کی اُن واضح تحریرات اور زرّیں تقریظات میں چمکدار موتیوں کی طرح عیاں ہے جو اسی کتاب میں باقاعدہ درج ہیں قارئین کرام خود ان کو پڑھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ عیاں را چہ بیاں علماء کرام تو اپنے مقام پہ ہے عام مسلمان بھی اس بات کو بخوبی

جانتے ہیں کہ اس دور کے اندر پاک و ہند میں اسلام مذہب اہل السنت والجماعت ، فقہ حنفی اور مسلک علماء دیوبند کے صحیح ترجمان اور حقیقی جانشین یہی حضرات ہیں کیونکہ قرآن و سنت کے علاوہ علوم دینیہ میں جو بصیرت پختگی اور عمق ان کو حاصل ہے وہ اس وقت ان علاقوں میں اور کسی کو حاصل نہیں ہے لہذا ان ہی حضرات کی رائے قابل اعتبار لائق اخذ اور صحیح ہے اور انھی حضرات کے دامن سے وابستہ رہنا ہی ذریعہ نجات اور باعث فلاح و کامرانی ہے ۔؎

قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی ہو صاحب مرکز تو خودی کیا ہے ؟ خدائی

یہ الگ بات ہے کہ مؤلف ندائے حق ان کو اور ان کے پیروکاروں کو دیوبندی سمجھنے اور کہنے پر آمادہ نہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں ۔ اگر زمانہ حال کے بناسپتی دیوبندی علماء کہیں الخ (ص۱۵) نیز اسی صفحہ میں لکھتے ہیں ۔ یہ نام نہاد بناسپتی دیوبندی دراصل تقیہ کرنے والے بریلوی ہیں الخ اور نیز لکھتے ہیں ۔ اور یہ بناسپتی دیوبندی فرماتے ہیں الخ (ص۱۶) ہر صاحب فہم و بصیرت مسلمان اس کو بخوبی سمجھتا ہے کہ اگر اس دور میں یہ حضرات (جن کی تصدیقات اس کتاب میں شامل ہیں) صحیح مسلک علماء دیوبند پر گامزن نہیں تو اور کون ہو سکتا ہے ؟ اور اگر یہ بناسپتی دیوبندی ہیں تو اصلی دیوبندی کہاں ہیں اور کون ہیں ؟ اور اگر یہ تقیہ باز بریلوی ہیں تو جری اور حق گو دیوبندی کس دنیا میں رہتے ہیں اور کیا ان میں نہ ۔؎

خوش بیانی ۔ خوش کلامی یا خوش اسلوبی نہیں خوئے دلداری نہیں یا بوئے محبوبی نہیں

دوسرا نظریہ

استاذ العلماء سابق مدرس دار العلوم دیوبند جمعیتہ اشاعت التوحید والسنۃ کے نائب امیر حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب دام مجدہم کا ہے جو تسکین القلوب میں بھی درج ہے موصوف نے اس کتاب میں ہماری کتاب تسکین الصدور کے بعض حوالوں اور بعض استدلالات پر بزعم خود مناظرانہ تنقید بھی کی ہے اس کے علاوہ بزرگانہ زجر و توبیخ اور اپنی افتاد طبع کے موافق تعلّی ، غصہ اور شکوہ بھی اس کتاب کے اوراق میں جابجا موجود ہے ۔ سماع موتٰی کے مسئلہ کے علاوہ جو صدیوں سے اہل حق میں اختلافی چلا آرہا ہے (جس کی مبسوط اور باحوالہ بحث ہم نے بفضلہ تعالیٰ سماع الموتٰی میں کر دی ہے) اصولی طور پر تسکین الصدور میں درج شدہ باقی تمام مسائل حضرت قاضی صاحب دام مجدہم نے کچھ سیدھی زبان میں اور کچھ ہیر پھیر کی زبان میں تسلیم کر لیے ہیں ہمیں آں محترم کی تعظیم و توقیر کا بھی خیال ہے پھر اہم مسائل تسلیم کر لینے کے بعد اُن سے اُلجھنا بھی مناسب نہیں کیونکہ پھر تو نزاع صرف برائے نزاع ہی

ہو سکتا ہے اور ہم اس میدان کے سوار نہیں ہیں اور نہ اس فضول اور غیر مقصود بحث میں اپنا قیمتی وقت صرف کرنا مناسب سمجھتے ہیں ان کی بعض مناظرانہ موشگافیوں کا ذکر عنقریب آرہا ہے قارئین کرام خود ان سے اندازہ لگا سکتے ہیں کاش کہ موصوف بجائے الاقوال المرضیہ ۔ شفاء الصدور اور البصائر وغیرہ پر اعتماد کرنے کے (جن میں قطع و برید کر کے عبارتیں پیش کی گئی ہیں) اصل کتابوں کی طرف مراجعت فرماتے تو وہ ریت کے ذرات سے سونا الگ کرنے کی اہلیّت رکھتے ہیں ان پر اصل حقیقت بالکل منکشف ہو جاتی مگر موصوف کو عموماً درسی کتابوں کے علاوہ دیگر کتابوں کا مطالعہ کرنے کی نہ تو عادت ہے اور نہ فرصت و شوق اس لیے وہ ایک حد تک معذور بھی ہیں ۱؎ تسکین الصدور میں اصولی طور پر ایک مسئلہ یہ بیان کیا گیا تھا کہ مرنے کے بعد قبر میں میّت کی طرف رد اور اعادہ روح حق ہے (جس سے نکیرین کے سوال کا فہم و شعور اور راحت و تکلیف کا احساس ہو سکے) اور روح کا بدن عنصری سے ایسا تعلق ہے جس پر سوال و جواب اور ثواب و عقاب مرتّب ہو اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں اور حضرت قاضی صاحب محترم اس کے بارے تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

ہم اپنی پہلی بعض کتابوں میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون لاشک فیہ اور یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ صوفیاء کرام ؒ کے نزدیک یہ عذاب و ثواب قبر اور تألم تلذذ صرف روح سے تعلق رکھتا ہے (صوفیاء کرام ؒ میں ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ قبر میں ثواب و عقاب کا تعلق روح کے ساتھ بمشارکت بدن مثالی ہے اور یہ حضرات روح کا تعلق جسم عنصری اور جسم مثالی دونوں سے تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ علامہ آلوسیؒ کے حوالے سے یہ بات اپنے مقام پر آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ ۔ صفدر) اس جسم عنصری سے اس کا تعلق نہیں اور فقہاء کرام ؒ اور متکلمین ؒ کے نزدیک یہ جسم خواہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو پھر بھی قبر کے عذاب و ثواب اور تألم و تلذذ میں وہ روح کا شریک ۱؎ ہے اور فتویٰ بھی فقہاء کرام رہ کے قول پر دینا چاہیئے ۔ اگر آپ کو ہماری اس گذارش پر اعتماد نہ ہو اور بدگمانی بدستور رکھیں تو اس کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں الخ (بلفظہ الحاجۃ تسکین القلوب ص ۴۷) اور نیز وہ فرماتے ہیں کہ علماء کرام کی ان عبارات کے اس اضطراب بلکہ ہجوم اضطراب سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عذاب القبر حق اور فتویٰ قول فقہاء و متکلمین پر ہے کہ عذاب و ثواب تألم و تلذذ میں بدن بھی فی ای حال کان شریک روح ہے اور ان کے تعلق کی کیفیت اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں واللہ اعلم بالصواب (تسکین القلوب ص ۶۷) موصوف کی خود نوشت سے معلوم ہوا کہ حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون

۱؎ قاضی صاحب التعلیق الصبیح علی المشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۴۹ میں بھی تصریح فرماتے ہیں وقال الفقہاء رحمہم اللہ والمرجح مع [illegible]

صحیح ہے اور اپنے مفہوم اور مدلول کے لحاظ سے لاشک فیہ اور نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر میں ثواب و عذاب کے سلسلہ میں روح کا جسم عنصری سے تعلق ہوتا ہے اگرچہ وہ ریزہ ریزہ ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات فقہاء کرامؒ اور متکلمینؒ کا یہی مسلک ہے اور اسی پر محترم جناب قاضی صاحب فتویٰ دیتے ہیں جب موصوف نے صحیح بات تسلیم کر لی ہے تو ان سے الجھنا پسندیدہ بات نہیں ہے البتہ نہایت ادب سے یہ گذارش ہے کہ ہم آپؒ کسی قسم کی بدگمانی نہیں کرتے اور اس پر یقین رکھتے ہیں کہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" لیکن خود موصوف نے پہلے اس کے خلاف تصریح فرمائی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ حق یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ۔ تابعینؒ۔ تبع تابعینؒ۔ خلفاء راشدینؓ۔ ائمہ اربعہؒ۔ محدثینؒ۔ بخاریؒ۔ مسلمؒ۔ ابوداؤدؒ تک حیات الشہداء والانبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) فی القبور کا یہی مفہوم سمجھا جاتا تھا جس میں تعلق روح بالجسم العنصری کا نام تک نہیں ملتا بلکہ روایات میں صراحۃً اس تعلق کی نفی ملتی ہے الخ بلفظہٖ (مسالک العلماء ص۳۷) اور ص۳۲ میں تحریر فرماتے ہیں کہ تعلق بالجسد العنصری کا اشارہ تک بھی نہیں پایا جاتا الخ اور ص۳۱ میں لکھتے ہیں کہ تعلق روح بالجسد العنصری کا اشارہ تک بھی نہیں ملتا الخ اگر ان تصریحات کے بعد بھی بدگمانی کی نسبت ہماری طرف ہو تو یہ بالکل ناانصافی ہے بہرحال بہت ہی اچھا ہوا اور خوشی کی بات ہے کہ آپ نے حضرات فقہاء کرامؒ اور حضرات متکلمینؒ کے قول پر فتویٰ دیا اللہ تعالیٰ جمہور کے اس مفتی بہ قول پر آپ کو قائم رکھے جس کی وجہ سے آپ کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد بفضلہٖ تعالیٰ جمہور کے حق مسلک کی طرف رجوع کریں گے اور ید اللہ علی الجماعۃ کی نورانی چادر کے نیچے آجائیں گے لیکن محترم قاضی صاحب کی تحریر کے پیش نظر چند باتیں ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں اوّلؔ صحابہ کرامؓ۔ تابعینؒ۔ تبع تابعینؒ۔ خلفاء راشدینؓ۔ ائمہ اربعہؒ۔ محدثینؒ۔ بخاریؒ۔ مسلمؒ اور ابوداؤدؒ وغیرہ کی وہ کونسی صریح روایات اور عبارات ہیں جن میں عبارۃ النص کے طور پر یہ ثابت ہے کہ قبر میں ثواب و عذاب کا تعلق جسم عنصری سے نہیں؟ روح و جسم عنصری اور عدم تعلق کی تصریح ہونی چاہیئے۔ دوؔم وہ کون سی روایات ہیں جو صراحت سے روح کے جسم عنصری سے عدم تعلق کی تصریح کرتی ہیں؟ سوؔم۔ کیا حضرات صحابہ کرامؓ۔ تابعینؒ۔ تبع تابعینؒ۔ خلفاء راشدینؓ۔ ائمہ اربعہؒ۔ محدثینؒ۔ امام بخاریؒ۔ مسلمؒ اور ابوداؤدؒ فقہاء کرامؒ و متکلمینؒ کی مد میں شامل نہیں ہیں؟ چہارؔم۔ یہ حضرات آپ کے سابق نظریہ کے مطابق کچھ فرماتے ہیں اور آپ کے مفتی بہ اور مرجوع الیہ قول کے موافق ان کی رائے کچھ اور معلوم ہوتی ہے؟ پنجؔم حضرات فقہاء کرامؒ و متکلمینؒ نے ان حضرات کی بلا وجہ اور بلا دلیل کیوں مخالفت کی ہے جب کہ ان کے نزدیک روح کے جسم عنصری کے ساتھ تعلق کا اشارہ بھی نہیں پایا جاتا اور حضرات فقہاء کرامؒ اور متکلمینؒ جسم عنصری کے ریزہ ریزہ سے تعلق تسلیم کرتے ہیں ششؔم محترم جناب قاضی صاحب نے تسکین القلوب

ص۴۹ میں اس پر خاصا زور صرف کیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا قبور میں نماز پڑھنا اور اسی طرح دیگر جملہ امور۔ ان کی ارواح متشکلہ بشکل اجسام یا داخلہ فی اجسام مثالیہ کرتی ہیں (ص۴۹) یہ حد حیرت اور انتہائی حیرانگی کی بات ہے کہ عام اموات کے اجسام عنصریہ کے ریزہ ریزہ سے ان کے ارواح کا تعلق ہو اور ثواب و عذاب میں ان کے اجسام عنصریہ کا بھی تعلق ہو لیکن جب باری آئے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اپنی اپنی قبور میں نماز پڑھنے یا دیگر امور کی تو ان کے اجسام عنصریہ کا ان کے ارواح سے تعلق نہ ہو حالانکہ انکے اجسام مبارکہ بالکل صحیح و سالم اور محفوظ ہیں چنانچہ خود قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ۔۔ اور ابدان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ان قبور میں جیسے پہلے دن رکھے گئے تھے تروتازہ اور اپنی حالت پہ قائم ہیں اور زمین پر حرام ہیں ساتھ حرمت تکوینی کے نہ ان کو زمین چھیڑتی ہے اور نہ متغیر کرتی ہے الخ (مسالک العلماء ص۱۹۸) جب ان کے اجسام عنصریہ اصلی حالت میں موجود و محفوظ اور تروتازہ ہیں تو ان کے ارواح مبارکہ کا اجسام عنصریہ سے تعلق کیوں نہیں جب کہ عام اموات کے ارواح کا ان کے اجسام عنصریہ کے ریزہ ریزہ سے تعلق ہے اور مفتیٰ بہ قول بھی یہی ہے پھر ان کے لیے اجسام مثالیہ کی کیا ضرورت ہے ؟ -

۲۔ تسکین الصدور میں صحیح حدیث (تعاد الروح فی جسدہ کی مفصل تفصیل اور تشریح ہم نے کی ہے اور اعادۂ روح کے بارے میں خاصے حوالے ہم نے دیئے ہیں۔ محترم جناب قاضی صاحب نے اسکو بھی اصولاً تسلیم کر لیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں ردّ روح اور اعادۂ روح سے جو مراد ہے وہ حق ہے اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا آگے اس کی پوری کیفیت ہم نے بحکم عذاو ہذی عدم شعور میں رکھ دی ہے اھ (تسکین القلوب ص۵) پوری کیفیت جاننے کا دعویٰ جمہور نے بھی نہیں کیا بلکہ وہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ ردّ روح اور اعادۂ روح الی الجسد و فی الجسد سے یہی مراد ہے کہ روح کے جسم عنصری سے ایک گونہ تعلق کے ساتھ ادراک اور فہم و شعور پیدا ہو جاتا ہے جس سے سوال نکیرین کو سمجھنا اور جواب دینا اور ثواب و عذاب کا احساس متحقق ہو جائے ۔

محترم جناب قاضی صاحب نے تسکین القلوب ص۶۰ میں اعادۂ روح الی الجسد کی روایات کے بارے تعارض و اضطراب کا دعوے بھی کیا ہے (اور مؤلف ندائے حق نے ص۲۴۷ میں اسی لاحاصل بحث کو اپنی کتاب کی زینت بنایا ہے) کہ کسی روایت میں الی جسدہ کسی میں فی جسدہ اور کسی میں متصل ببدنہ وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں مگر علمی طور پر اس شگوفہ کی بھی کوئی وقعت نہیں کیونکہ نحاۃ کوفہ مطلقاً اس کے جواز کے حق میں ہیں کہ حروف جارہ ایک دوسرے کی جگہ آسکتے ہیں (حاشیہ بخاری ج۱ ص۵۰۴ وغیرہ) لہٰذا اس نحوی قاعدہ کے مطابق الی الجسد

فی الجسد اور بدنہ میں کوئی اضطراب نہیں اسی طرح رد اعادہ اور اتصال ببدن سے روح کا بدن سے تعلق مراد ہے مگر ایسا تعلق جس سے مردہ میں ادراک وشعور پیدا ہو جائے۔

۱۱ تسکین الصدور میں جمہور کے نظریہ کے مطابق باحوالہ یہ مسئلہ بھی عرض کیا گیا تھا آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع فرماتے اور جواب دیتے ہیں محترم جناب قاضی صاحب نے اصولی طور پر اس کو بھی تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اور مولوی صاحب نے سماع عند القبر کے عنوان سے بلوغ صلوٰۃ وسلام کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا مسئلہ بھی ذکر فرمایا مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جب اللہ تعالےٰ نے فرمایا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا تو ہر مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو امت کی طرف سے فرستادہ صلوٰۃ وسلام پہنچتا ہے اگر نہ پہنچتا تو اللہ تبارک وتعالی اس کا امر کیوں فرماتے! اور ایمان کے لیے اتنا کافی ہے کہ یقین محکم ہو کہ پہنچتا ہے آگے اس کی کیفیت کیا ہے! وہ اللہ تعالی ہی جانتا ہے اگر ہمارے فہم اس کیفیت کے پالینے سے قاصر ہیں تو اس پر اللہ تعالی مواخذہ نہیں کرے گا اھ (تسکین القلوب ص ۵۹) اس عبارت سے واضح ہوا کہ عند القبر آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم صلوٰۃ وسلام کا سماع فرماتے ہیں اور بلوغ صلوٰۃ وسلام صحیح ہے اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ۔ اس بلوغ اور رد (سلام) کی کیفیت اللہ تعالی ہی جانتا ہے الخ ص ۶۱) اس سے خوب روشن ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عند القبر سلام کہنے والوں کو سلام کا جواب لوٹاتے اور رد سلام فرماتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس کی کیفیت اللہ تعالی ہی بہتر جانتا ہے اور جمہور نے بھی پوری کیفیت جاننے کا کب دعوی کیا ہے۔

۱۲ تسکین الصدور میں مسئلہ توسل پر بھی خاصی بحث ہے اور موصوف مسئلہ توسل پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ اب ایک صورت رہ گئی بحرمت فلاں سے دعا کرنا تو نہ اس میں شک ہے کہ سلف صالحین قرون ثلاثہ میں اس کا رواج نہ تھا اور نہ اس میں شک ہے کہ متاخرین کافتہ (الا ماشاء اللہ تعالی) اس کے جواز کے قائل ہیں بلکہ یہ طریق ان کے ادعیہ میں بھی عام مذکور ہے اور نہ اس میں شک ہے کہ ہماری ساری جماعت بلا استثناء احد اور بلا استثناء سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری اس کے جواز کے قائل ہیں مگر اس تاویل سے جو بزرگوں نے کی ہے چنانچہ اسی سلسلہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اور حاصل توسل فی الدعاء کا یہ ہے کہ اے اللہ تعالی فلاں بندہ آپ کا مورد رحمت کا ہے اور مورد رحمت سے محبت اور اعتقاد رکھنا (جو ہمارا ایک نیک عمل ہے) بھی موجب جلب رحمت ہے اور ہم اس سے محبت اور اعتقاد

سکتے ہیں پس (ہمارا یہ نیک عمل مقبول فرما اور اس نیک عمل کے وسیلہ سے) ہم پر بھی رحمت فرما تسکین الصدور
صنک۲۳ اور یہ مطلب بالکل واضح ہے پس و پیش کی گنجائش نہیں اور یہی تاویل بعینہ حضرت مرشدنا قدس سرہ العزیز
نے فوائد الخ تسکین القلوب صنلہ پھر آگے حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب تحفہ ابراہیمیہ
کا حوالہ دیا ہے جس میں اس تاویل کا ذکر ہے اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ۔ تو سواتی برادران (یعنی راقم الحروف محمد سرفراز
اور عزیزم صوفی عبدالحمید) نے یہاں دو خیانتوں کا ارتکاب کیا ایک یہ کہ ناظرین کو یہ تاثر دیا کہ ہماری جماعت (یعنی
جمعیۃ اشاعت التوحید والسنۃ ۱۲ منہ) سرے سے بحرمت فلاں کے ساتھ دعا کی قائل ہی نہیں اور یہ سراسر
افترا اور بہتان ہے ہماری جماعت پر آپ کی جماعت کے اس وقت وکیل اعظم مؤلف ندائے حق لکھتے ہیں۔ آمدم
برسر مطلب توسل بذات المیت یا بدعاء المیت یا بذات النبی ﷺ بعد الوفات کو یا حرام کہنا پڑے گا یا سکوت اختیار
کرنا پڑے گا بلا کھٹک کھلے طور پر کسی شرعی قاعدہ کی رو سے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا الخ صنلہ) اور دوسرا یہ کہ
اکابر کی عبارات تو نقل کر دیں مگر جس تاویل سے وہ حضرات بحرمت فلاں سے دعا کرنے کے قائل ہیں اس کو
نظر انداز کر گئے پھر اگر یہ نادانستہ کیا تو غباوت اور عدم فطانت ہے اور اگر دانستہ کیا تو خیانت ہے اھ (تسکین القلوب صنلہ)

اس عبارت سے بالکل آشکارا ہو گیا کہ محترم جناب قاضی شمس الدین صاحب اور ان کی جماعت مسئلہ توسل
کو تسلیم کرتی ہے مگر اسی تاویل سے جو بیان ہوئی اور لکھتے ہیں کہ سواتی برادران ہم پر افترا اور بہتان باندھتے ہیں
اور مجوزین حضرات کی تاویل کو نظر انداز کر کے غباوت یا خیانت کا ثبوت دے رہے ہیں۔

سو گذارش ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی جماعت کو مسئلہ توسل کے جواز پر قائم رکھے آمین مگر مؤدبانہ
گذارش ہے کہ آپ اپنی جمعیۃ کے صدر جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری سے بھی اس مسئلہ پر
ذرا گفتگو فرما لیں۔ راقم کی تقریباً آج سے تیس۳۰ برس پہلے گکھڑ میں نہ صرف گفتگو ہوئی تھی بلکہ جھڑپ بھی ہوئی تھی
جب کہ انہوں نے اس مسئلہ کے لیے پیش کی گئی کتاب المہند علی المفند دکھانے والے محترم جناب ماسٹر محمد حسین
صاحب۔ اور۔ ٹی۔ ٹیچر گورنمنٹ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ گکھڑ کی جھولی میں زور سے پھینک دی تھی الغرض مسئلہ
توسل کے انکار کی نسبت آپ کی پوری جماعت کی طرف تو ہرگز نہیں کی گئی یہ نسبت ہم پر خالص بہتان
اور نرا افترا ہے اور ہماری عبارات میں جو بزرگ مراد ہیں وہ اس وقت اس کے منکر اور سخت مخالف تھے۔
اب کا علم نہیں ہے اللہ تعالیٰ کرے کہ وہ آپ کے ہمنوا ہو گئے ہوں۔ اور مؤلف ندائے حق کا حوالہ بھی آپ
ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ باقی دوسری بات بھی بڑی عجیب اور نری مضحکہ خیز ہے وہ اس طرح کہ ہم نے تسکین الصدور

میں حضرت تھانوی ؒ کے حوالہ سے باقاعدہ اس تاویل کا تذکرہ کیا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود جناب قاضی صاحب بھی ہماری بیان کردہ تاویل کا ہماری کتاب کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ ہم نے توسل کے قائلین حضرات کی تاویل کو نظر انداز کر دیا ہے انتہائی تعجب خیز بات ہے۔ موصوف نے تسکین القلوب میں اپنے بعض سابق نظریات کا اور خود اس کتاب میں بیان کردہ بعض نظریات کا بے شعوری میں بہترین رد کر دیا ہے۔ مگر جوش اور جذبات میں سمجھے نہیں بہر حال تسکین الصدور میں بیان کردہ اصولی مسائل میں وہ ہم سے متفق ہیں۔ اس لیے ہم ان سے زیادہ الجھنا پسند بھی نہیں کرتے کیونکہ وہ ہمارے بزرگ ہیں بات صرف بعض مسائل کے حق پہلوؤں سے تھی سو الحمد للہ تعالیٰ وہ ان کو صاف طور پر تسلیم کر چکے ہیں۔

محترم جناب قاضی شمس الدین صاحب دامت برکاتہم نے مناظرانہ انداز میں سواتی برادران (راقم اثیم اور عزیزم صوفی عبد الحمید) پر لفظی گرفت بھی کی ہے مثلاً فیوضات حسینی اور ایمان عنصری میں صفت اور موصوف میں مطابقت نہ ہونے کا سوال کھڑا کیا ہے مگر اس کی چنداں وقعت نہیں ہے۔ اولاً اس لیے کہ بے شک عربی عبارت میں تو اس کا التزام ضروری ہے مگر اردو وغیرہ میں اس کا التزام ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ اخبارات میں وہ روزانہ مشرق و دنی کا جملہ تو پڑھتے ہی ہوں گے وہاں مطابقت کا مستحسن ہونا اچھی بات ہے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح نے جمال قاسمی صفحہ میں ضروریات دینی الخ کا اور حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب ؒ نے مائة مسائل صفحہ ۲۹ میں آیات قرانی الخ کا جملہ استعمال کیا ہے اور اردو اور فارسی کی عبارات میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں اہل علم اور وسیع النظر علماء سے یہ بات مخفی نہیں وثانیاً حضرت مولانا نانوتوی رح کی متعدد کتابوں کا نام تو ضرور حضرت قاضی صاحب نے سنا ہی ہوگا مثلاً اسرار قرآنی، لطائف قاسمی اور قصائد قاسمی وغیرہ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رح نے حضرت نانوتوی رح کی زندگی کے مختصر حالات پر کتاب لکھی ہے جس کا نام سوانح عمری ہے کیا ان تمام حضرات کی بھی ویسی ہی پھبتی محترم قاضی صاحب اڑائیں گے جیسے سواتی برادران کی اڑائی ہے؟ وثالثاً ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ مبارک سے جو کتاب لکھی اور آپ کی زندگی میں وہ طبع ہوئی اس کا نام فیوضات حسینی ہی ہے اس میں ناقل کا کیا قصور ہے؟ آپ کی اصل پھبتی کا مورد اور محل تو حضرت مولانا مرحوم ہیں جو خیر سے آپ کے بھی محترم استاد اور پیر و مرشد ہیں ورابعاً محترم معاف رکھنا آپ کو صرف عربی کے زور سے یہ حق کہاں سے حاصل ہوا کہ آپ نے از خود ہی حضرت مرحوم کی کتاب کا نام بجائے فیوضات حسینی کے افادات حسینیہ کر دیا ہے!

ا؎ یہ عجیب بات ہے کہ خود موصوف نے اپنے ایک مضمون میں بجائے حیات برزخیہ اور حیات دنیویہ کے حیات برزخی اور حیات دنیوی کے لیے استعمال کئے اور موصوف وصفت میں مطابقت ملحوظ نہیں رکھی (ملاحظہ ہو ماہنامہ تعلیم القرآن مئی ۱۹۶۷ء صلا)

کیا یہ علمی خیانت نہیں ہے؟ اسی طرح محترم جناب قاضی صاحب نے فیوضات حسینی کے آخر میں حضرات صوفیاء کرام ؒ کے مختلف سلاسل کے بزرگوں کے نام جو بحرمت فلاں الخ سے حضرت مرحوم کے زمانہ میں طبع ہوئے تھے بالکل حذف کر دیے ہیں اور جو کتاب اب جناب قاضی صاحب نے طبع کرائی ہے اس میں ان تمام سلاسل کا نام تک بھی نہیں آنے دیا اور شاید یہ اس لیے ہو کہ محترم جناب شاہ صاحب گجراتی کو جو توسل کے سختی سے منکر ہیں حرمت کے لفظ چبھتے ہیں۔

اسی طرح محترم جناب قاضی صاحب نے مشہور راوی ابوجعفر خطمی کے بارے بھی بہت سی غلط موشگافیاں کی ہیں کہ راوی مطلق ابوجعفر ہے یا ابوجعفر مدنی یا مدائنی حلمی ہے یا خطمی وغیرہ وغیرہ (تسکین القلوب ص۱۱۱) اگر کتب اسماء الرجال پر گہری اور وسیع نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ ثقہ رواۃ کے ناموں انکی ولدیت کنیت اور نسبت وغیرہ کے بارے میں ایسے بے شمار اختلافات آتے ہیں مگر کوئی بھی اس وجہ سے ان کو ضعیف اور مجروح قرار نہیں دیتا نقل کے لحاظ سے جو صحیح وجہ سامنے آتی ہے اس کو لے لیا جاتا ہے اور باقی چیزوں سے صرف نظر کر لی جاتی ہے اگر محض اختلاف روایات اور کتابت کی ایسی غلطیوں کو پلے باندھ لیا جائے تو پھر علم حدیث کا اثبات کوہ کندن اور کاہ برآوردن کا مصداق ہے اگر جرح کا یہی طریقہ رہا تو خدا ہی حافظ ہے۔

تیری بزم میں اور بھی گل کھلیں گے　　　　اگر رنگ یارانِ محفل یہی ہے

محترم جناب قاضی صاحب نے تسکین الصدور میں درج شدہ جو مسائل تسلیم کئے ہیں اگر ان کے پاس ان مسائل کے اثبات کے لیے وہی دلائل اور حوالے ہیں جو ہم نے تسکین الصدور میں نقل اور پیش کئے ہیں تو ہو المراد اور اگر وہ ان پر مطمئن نہیں ہیں تو ان مسائل کے اثبات کے لیے جو دلائل اور حوالے ان کے پاس ہیں ضرور ان کو صفحۂ قرطاس پر لانے کی زحمت فرمائیں تاکہ ہمارے جیسے کم علم لوگ بھی ان سے مستفید ہو سکیں اس کا تو بظاہر تصور بھی قدرے مشکل ہے کہ حضرت قاضی صاحب جیسے مدرس اور محقق عالم بلا ثبوت اور بدون دلیل کے ان کو تسلیم کر چکے ہوں دلیل تو ضرور ہو گی مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ اس کو علمی تھیلے سے باہر نکالیں تاکہ وہ صحیح اور غیر مجروح دلیل افادۂ عام کا ذریعہ بنے۔

؎ دلوں میں دریچے کھلے آرزو کے　　　　نئے ولولے شوق کے جستجو کے

تیسیر التحریری نظریہ تسکین الصدور کے متعلق تیسیر التحریری نظریہ جناب مولانا سید محمد حسین صاحب نیلوی اور محترم مولانا محمد امیر صاحب بندیالوی (با مداد قوی از مشیران کرام) نذائے حق

اور مقدمہ ندائے حق کی صورت میں نمودار ہوا ہے۔ مقدمہ ندائے حق کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

ندائے حق کے مقدمہ کا خلاصہ اور اس پر اجمالی تبصرہ

اس مقدمہ کا اجمالی خاکہ یا بالفاظ دیگر اس کا مختصر تانا بانا یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔ (۱) اس میں تقریباً چودہ صفحات میں قرآن کریم کی متعدد آیات کریمات اور ساتھ ہی ان کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے اس سے ان کا مقصد بزعم خویش تسکین الصدور کے مسائل کو نصوص قرآنیہ کے خلاف بتانا ہے لیکن یقین جانئے کہ ان میں سے ایک آیت کریمہ بھی تسکین الصدور میں پیش کردہ کسی مسئلہ کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں جمہور کے مسائل درج ہیں اور اگر یہ قرآن کے خلاف ہوں تو پھر جمہور اہل السنت والجماعت اور خصوصیت سے حضرات متکلمین عظام اور فقہاء کرامؒ۔ کا دینی اعتبار سے نہایت محتاط گروہ قرآن کریم کا مخالف ہوا؟ (معاذ اللہ تعالیٰ) کون مسلمان اس کا تصور کر سکتا ہے؟ کہ واقعی یہ قرآن کریم کے مخالف تھے۔ اور پھر حضرات علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم بھی اس باطل نظریہ کے تحت قرآن کریم کے مخالف ہوئے؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ) ان آیات کریمات سے جو کچھ ثابت ہے اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا ہمارا ان پر کلی ایمان ہے اور ان میں سے کسی ایک کی مخالفت ہم نے نہیں کی ہم نے ان میں سے بیشتر آیات کی تشریح اپنی متعدد کتابوں مثلاً تبرید النواظر۔ ازالۃ الریب۔ گلدستہ توحید اور دل کا سرور اور سماع الموتی وغیرہ میں کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ کریں۔ الغرض ان آیات کریمات کا مؤلف ندائے حق اور مقدمہ باز بزرگ اور ان کی جماعت کے بے دعوے سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان غیر متعلق آیات کریمات کے نقل کے بعد صاحب مقدمہ لکھتے ہیں مقدمہ الکتاب کی مرقومہ آیات میں صاحب تسکین کے مخترعات عقائد، روایات ضعیفہ۔ اقوال مردودہ۔ خیالات باطلہ رطب و یابس جمیع مستدلات من اولہ الی آخرہ کا ماخذ مفرد ہے ان قطعیات و یقینیات کے ہوتے ہوئے کسی سلف یا خلف اکابر یا اصاغر جماہیر ہوں یا مشاہیر کا قول و فعل حجت نہیں بن سکتا (ملفظ ۲۸) سبحان اللہ تعالیٰ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ صاحب تسکین کا بحمد اللہ تعالیٰ ایک بھی عقیدہ قرآن کریم احادیث صحیحہ اور جمہور سلف و خلف کے خلاف نہیں ہے صاحب تسکین تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صراط مستقیم پر گامزن اور العروۃ الوثقیٰ سے متمسک اور حضرات اکابر کا مضبوط دامن تھامے ہوئے ہے اور اس کتاب میں جمہور کے عقائد حقہ، روایات صحیحہ و حسنہ، اقوال مرضیہ، مسائل قویہ اور ٹھوس عقلی و نقلی مستدلات جمع کئے گئے ہیں جن میں صاحب تسکین کو جمہور حضرات سلف و خلف، اور مشاہیر اکابر کی پوری پوری تائید حاصل ہے یہ الگ بات ہے کہ مؤلف ندائے حق اور اس کے صاحب مقدمہ اپنی اور اپنے غلط منتریوں کی رائے کو صحیح قرار دیکر جمہور حضرات سلف و خلف اور مشاہیر اکابر کے پختہ و راسخ علم و نظریہ میں ان کا ساتھ نہ دیں بلکہ الٹا ان کی

پھبتی اڑائیں جیسا کہ ان کی عبارت سے ظاہر ہے لا شک فیہ۔

(۲) ندائے حق کے مقدمہ باز بزرگ نے پھر آگے ص۱۸ تا ص۲۰ میں صاحب تسکین (یعنی راقم اثیم۔ صفدر) کی انتیس ۲۹ غلطیاں بتائی ہیں اور یہ سب ندائے حق سے ماخوذ ہیں اور پھر ص۲۰ اور ص۲۱ میں سترہ ۱۷ عدد خیانتیں ذکر کی ہیں بعض ضروری امور کا ذکر تو انشاء اللہ العزیز تسکین الصدور میں آجائے گا اور بعض کا ذکر سماع الموتیٰ کے رسالہ میں ہم نے کر دیا ہے اور اس کے بعد مزید رد کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور بعض ایسی لچر پوچ باتیں ہیں جن کو ایک مبتدی طالب علم بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور ان کے جواب دینے کی سرے سے کوئی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نمونہ کے طور پر ہم ان کی عبارت میں ایک غلطی اور ایک خیانت کا تذکرہ کر کے اس کا جواب عرض کر دیں۔

(۱) غلطی ۲۷ اصولِ حدیث کا مسلّمہ قاعدہ کہ جس راوی پر بعض علماء نے تنقید کی ہو اور بعض دوسروں نے اس کی توثیق کی ہو تو جرح کو توثیق پر ترجیح دی جائے گی لیکن صاحب تسکین نے اس کے خلاف لکھا۔ انتہی بلفظہٖ (مقدمہ ص۲۰ ندائے حق)

الجواب:۔ جرح کے توثیق پر مقدم ہونے میں بحث ہے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

والجرح مقدم على التعديل واطلق ذلك جماعة ولكن محله ان صدر مبينا من عارف باسبابه لانه ان كان غير مفسر لم يقدح في من ثبتت عدالته وان صدر من غير عارف بالاسباب لم يعتبر به ايضاً۔ (شرح نخبة الفكر ص۱۱۱ طبع مجیدی کانپور)

جرح تعدیل پر مقدم ہے اس کو ایک جماعت نے تو مطلق چھوڑا ہے لیکن اس کا مصداق یوں ہے کہ جب جرح کے اسباب جاننے والے کی طرف سے مفسر جرح ہو تو تعدیل پر مقدم ہوگی کیونکہ جب جرح مفسر نہ ہو تو جس کی عدالت ثابت ہو چکی ہو اس کے بارے میں جرح قادح نہیں ہو سکتی اور اسی طرح اگر جرح کے اسباب نہ جاننے والے کی طرف سے جرح ہو تو اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ جرح مفسر ہو اور عارف باسباب الجرح سے صادر ہو تب وہ توثیق پر مقدم ہوگی ورنہ نہیں اس تفصیل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے مطلقاً جرح کے توثیق پر مقدم ہونے کو اصول حدیث کا مسلّمہ قاعدہ بنا کر طعن کرنا قلّتِ تدبر کا نتیجہ ہے اور تدریب الراوی میں اس مسئلہ کی تحقیق اور اختلاف بیان کرتے ہوئے لکھا۔

واختار شيخ الاسلام تفصيلاً حسناً فان كان من

اور شیخ الاسلام نے اس میں ایک اچھی تفصیل کو اختیار کیا ہے

جرح مجملاً وقد وثقه احد من ائمة هذا الشان لم يقبل الجرح فيه من احد كائنا من كان الا مفسرا لانه قد ثبتت له رتبة الثقة فلا يزحزح عنها الا بامر جلي فان ائمة هذا الشان لا يوثقون الا من اعتبروا حاله في دينه ثم في حديثه ونقدوه كما ينبغي وهم ايقظ الناس فلا ينقض حكم احدهم الا بامر صريح -

(ص ٢٠٣ طبع مصر)

وہ یوں ہے کہ اگر جارح نے اجمالی طور پر جرح کی ہو اور اس فن کے اماموں میں سے کسی ایک نے اس کی توثیق کی ہو تو اس کی جرح قبول نہ ہوگی خواہ جرح کرنے والا کوئی بھی ہو کیونکہ جس کو ثقاہت کا درجہ حاصل ہو اس سے بغیر کسی واضح بات کے عدول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس فن کے امام صرف اسی شخص کی توثیق کرتے ہیں جس کے دین کا پھر حدیث میں اس کا حال بخوبی انکو معلوم ہوتا ہے اور جس طرح اس کو پرکھنا مناسب ہے وہ اس کو پرکھتے ہیں اور وہ اس فن میں سب لوگوں سے زیادہ بیدار واقع ہوئے ہیں تو ان میں سے کسی کا حکم کسی صریح بات کے بغیر نہیں توڑا جا سکتا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اصول حدیث کے جس قاعدہ کی مخالفت کا ہم پر الزام لگایا گیا ہے موصوف خود اصول حدیث میں اس قاعدہ کے بارے میں تفصیل سے ناواقف ہیں ؎

جہاں میں بندۂ حر کے مشاہدات ہیں کیا ‏ ‏ تیری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہئے!

۲ خیانت ۲۔ حدیث حسن کو مطلقاً حجت بنانا اصول حدیث میں ایک مجرمانہ حرکت ہے جو اہل علم کے نزدیک معیوب ہے۔ انتہی بلفظہ (ص ۲)

الجواب:۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ صاحب۔ اصول حدیث ہی سے بے خبر ہیں اور محض اپنے باطل اور معتزلی نظریہ کے تحت جذبات کے رو میں بے بس ہو کر ایسی بے سروپا باتیں کر کے اپنے دل کی تشفی حاصل کرتے اور اپنے ضدی حواریوں کو خوش کرتے ہیں فن حدیث میں جب مطلق حسن کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے حسن لذاتہ مراد ہوتی ہے کیونکہ فرد کامل یہی ہے اور اس کے حجت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وهذا القسم من الحسن مشارك للصحيح في الاحتجاج به وان كان دونه ومشابه له في انقسامه الى مراتب بعضها فوق بعض ويكثرة طرقه يصحح اھ (شرح نخبۃ الفکر ص ۳۳)

حدیث حسن کی یہ قسم احتجاج میں صحیح کے ساتھ شریک ہے اگرچہ (تعارض کے وقت) اس سے کم ہو اور حدیث حسن منقسم ہونے میں صحیح کے مشابہ ہے کہ اس کی طرح اس کے مراتب کا بھی اعلیٰ و ادنیٰ ہونے کا بھی فرق ہے اور کثرت اسانید کی وجہ سے حسن حدیث صحیح بن جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح حدیث صحیح قابل استدلال ہے اسی طرح حدیث حسن بھی قابل احتجاج ہے۔ ہاں معارضہ میں فرق ہونا الگ بات ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وعلیه مدار اکثر الحدیث ویقبله اکثر العلماء واستعمله عامة الفقهاء اھ (تقریب مع التدریب ص۸۵ طبع مصر)	اور اس پر اکثر احادیث کا مدار ہے اور حدیث حسن کو اکثر علماء قبول کرتے اور عام فقہاء اس کو معمول بہ بناتے ہیں۔

اور اسی کے قریب الفاظ ہیں علامہ جزائریؒ کے (ملاحظہ ہو توجیہ النظر ص۱۴۵) اس سے معلوم ہوا کہ صحیح کی بہ نسبت حسن قسم کی حدیثیں زیادہ ہیں اور اکثر علماء محدثینؒ اور فقہاءؒ نے حدیث حسن کو معمول بہ قرار دیا ہے۔

حدیث حسن سے استدلال کا انکار امام ابو حاتمؒ نے (ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص۸۵ و توجیہ النظر ص۱۴۶) کیا ہے اور اسی طرح امام بخاریؒ اور ابن العربیؒ نے انکار کیا ہے چنانچہ قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وھکذا یجوز الاحتجاج بما صحح احد الائمة المعتبرین تحسنه لان الحسن یجوز العمل به عند الجمهور ولم یخالف فی الجواز الا البخاری وابن العربی والحق ما قاله الجمهور لان ادلة وجوب العمل بالاحاد وقبولها شاملة له۔ (نیل الاوطار ج۱ ص۲۲ طبع مصر)	اسی طرح جب ائمہ معتبرین میں سے کسی ایک نے حدیث کے حسن ہونے کی تصریح کی ہو تو اس سے استدلال جائز ہے کیونکہ جمہور کے نزدیک حدیث حسن پر عمل جائز ہے اس جواز میں صرف امام بخاریؒ اور ابن العربیؒ نے اختلاف کیا ہے لیکن حق جمہور کے ساتھ ہے کیونکہ خبر احاد پر عمل کرنے اور اس کو قبول کرنے کے واجب ہونے کے دلائل اس کو بھی شامل ہیں۔

چونکہ صاحب مقدمہ ندائے حق اور ان کے حواریوں کو جمہور سے بیر اور چڑ ہے اس لیے وہ قدم قدم اور جزئی جزئی میں جمہور کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ ان کا کوئی بھی باطل نظریہ جمہور کو ساتھ رکھ کر ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا اس لیے وہ جمہور کو بھی بھلی کٹی سنانے سے باز نہیں آتے۔

ندائے حق کے بعض مضامین پر اجمالی تبصرہ

ان کی بعض مغالطہ آفرین باتوں کا ذکر موقع بموقع آگے کتاب میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ مگر مشتے نمونہ از خروارے یہاں بھی اجمالاً بعض ملاحظہ کرلیں۔

جمہور زنبور راقم پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

جب عود روح کا مسئلہ آیا تو جمہور کا نام لیا اور ضعاف حدیثوں کا سہارا لیا جب حیات انبیاء کا مسئلہ آیا جب بھی جمہور کا نام لیا اور ضعاف حدیثوں کا سہارا لیا جن کے ضعف کا اقرار خود حضرت نانوتویؒ نے کیا

جب قبر نبی پر سلام وصلوٰۃ کے سماع کا مسئلہ آیا جب بھی جمہور کا نام لیا اور من گھڑت حدیث کا سہارا لیا اب باری آئی توسّل بالذات والاموات کی اس میں بھی جمہور کا نام لے کر اس من گھڑت حدیث کو اپنا مستدل بنایا اگر جمہور کا یہ حال ہے تو ہم ایسے جمہور کی اتباع سے بری ہیں ہم جمہور سے علیحدہ ہی اچھے ہیں ہم ایسے جمہور کے عاشق نہیں ہمیں تو قرآن وسنت واجماع مجتہدین کافی ہیں یہ جمہور زنبور کشف خوابیں جنگلیوں کا مذہب آپ ہی کو نصیب ہو الخ (ندائے حق ص۲۵۳) جمہور کے بارے میں مؤلف مذکور کے ناپاک دل اور قلم کا اُبال ملاحظہ فرمائیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ عربی میں زنبور بھڑ کو کہتے ہیں جو زہریلا ڈنگ مارتی ہے۔

الحمد للہ تعالیٰ کہ راقم کو جمہور کا مذہب نصیب ہوا اور ہر مسئلہ پر راقم کی پیش کی ہوئی حدیثیں محدثین کرامؒ کے بتلائے ہوئے اصول کے مطابق بالکل صحیح ہیں اور جمہور محدثین کرامؒ نے ان کی تصحیح کی ہے ہاں البتہ چکڑالوی، پرویزی اور معتزلہ وغیرہ باطل فرقوں کے اصول کے مطابق یہ حدیثیں صحیح نہ ہوں۔ اور مؤلف ندائے حق اور ان کے کچھ ہمنوا انکو صحیح تسلیم نہیں کرتے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ اور اگر اللہ تعالیٰ نے حق قبول کرنے والا دل اور حق گو زبان اور قلم آپ حضرات کو نہیں دیا تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟ دینے والا تو صرف وہی ہے

قسمت کیا ہر ایک کو قسّام ازل نے   جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

مؤلف مذکور کا پرویزی ذہن

حضرات شہداء کرامؓ کی برزخی حیات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔ مگر انبیاء کرام کی حیات جو اہم ترین اور اعلیٰ ترین اور حیات شہداء سے الگ اور مختلف بمراتب کثیرہ اس سے قرآن مجید کا ساکت ہونا یہ دلیل ہے اس امر کی کہ یہ انبیاء کا زندہ در قبر ہونا یہ کوئی مسئلہ قابل اعتبار نہیں السکوت فی معرض البیان بیان بیان کے موقع پر بیان نہ کرنا یہ بھی بیان ہے۔ اس کا یہ نہیں ہے اگر ہوتا تو اس کا بیان ہوتا اھ (ندائے حق ص۲۵۳) اس عبارت میں قطع نظر دیگر کوتاہیوں کے صرف یہ بات ہی ملاحظہ فرمائیں کہ بقول مؤلف مذکور کے چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات کا ذکر قرآن مجید میں نہیں اس لیے یہ کوئی مسئلہ قابل اعتبار نہیں اور یہی کچھ پرویز صاحب اور ان کے حواری کہتے ہیں کہ جو کچھ قرآن مجید سے باہر ہے وہ ظنی ہے اور قابل اعتبار نہیں اور موصوف نے اپنی ساری کتاب ندائے حق میں اہل حق اور اہل السنت والجماعت کے دلائل پر کلام کرتے ہوئے معتزلہ اور پرویزیوں کا یہی ذہن استعمال کیا ہے اور اپنی نارسا عقل کو نصوص اور اکابر کی صریح عبارات کے مقابلہ میں دخل دیا ہے جیسا کہ پڑھنے والے اس بات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور باتوں کا تو ذکر ہی چھوڑ دیجیے مولانا موصوف کو یہ امر تو بخوبی معلوم ہو گا۔

کہ قرآن کریم میں نمازوں کی رکعات اور زکوٰۃ کا نصاب بیان نہیں کیا گیا ان کے قاعدے کے مطابق ان کا کوئی اعتبار نہیں اگر ان کا اعتبار ہوتا تو ضرور ان کا ذکر قرآن کریم میں ہوتا کیونکہ السکوت فی معرض البیان بیان اور ان کے اپنے باطل نظریہ کے مطابق جو روایات قرآن کریم سے متصادم ہوں وہ سب ضعاف ہوتی ہیں اور وہ قابل اعتبار نہیں اور بقول ان کے جمہور زنبور پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

کیا حضرۃ ابوہریرہؓ غیر فقیہ تھے؟

سب اہل السنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ تمام حضرات صحابہ کرامؓ عادل ہیں اور ان کے نزدیک الصحابۃ کلہم عدول کا جملہ بہت مشہور ہے لیکن مؤلف ندائے حق حضرت امام بیہقیؒ پر جو جمہور کے وکیل ہیں گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کو۔ صرف ایک صحابی غیر معروف الفقہ والعدالۃ یعنی حضرت ابوہریرہؓ ہی کی حدیث ملی الخ[۱۲۵]

بعد والے ایڈیشن میں اس عبارت کو بدل دیا گیا ہے اور ایسی عبارت لائی گئی جس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ غیر معروف الفقہ والاجتہاد تھے مگر یہ بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ تو مدینہ کے قاضی تھے (بخاری ج ۱ ص ۳۲۳) اور غیر فقیہ کے قاضی بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور محققین فقہاء احناف حضرت ابو ہریرہؓ کو فقیہ مانتے ہیں' احناف میں سے عیسیٰ بن ابانؒ نے (جو کہ امام شافعیؒ کے ہم عصر ہیں) کہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ غیر فقیہ تھے اور ای سے اصول فقہ کی بعض کتابوں میں یہی لکھ دیا گیا ہے مگر یہ قول درست نہیں ہے۔

ندائے حق میں اگر کوئی علمی یا نیم علمی باتیں ہیں تو ہمارے خیال کے مطابق وہ ان کے ان پردہ نشین مُشیروں کی ہیں جو چلمن سے لگے بیٹھے ہیں خیر ہماری بلا سے بہرحال ان میں شرعی طور پر کوئی جان اور عقلی لحاظ سے کوئی وزن نہیں اور نہ اکابر کی تصدیق و تائید ان کو حاصل ہے ان کے سابق بالکل غلط نظریات کے علاوہ چند بے بنیاد دعاوی کا اجمالی خاکہ یہ ہے (اور آگے کتاب میں جن کا ذکر ہوگا وہ ان کے علاوہ ہیں۔

جسد مثالی

سوال نکیرین اور راحت وعذاب قبر کے سلسلہ میں روح کے ساتھ جسم عنصری کی مشارکت کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۔ اعادۂ روح فی الجسد کی بابت براءؓ بن عازبؓ کی حدیث اول تو صاحب تسکین کو مفید نہیں اور اہل حق کو مضر نہیں کیونکہ اس میں مطلق جسد ہے (لا بشرط شئی) صاحب تسکین اس کا مصداق جسد عنصری کہتے ہیں اور اہل حق (اہل السنت والجماعت) جسد یعطی لہ فی البرزخ (مثالی) مراد لیتے ہیں علماء اہل سنت میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوا جس نے عنصری کا قول کیا ہو کتب اہل سنت میں کہیں عنصری کا نشان نہیں ملتا یہ تقییدی لفظ جناب (سرفراز) کی خانہ زاد ہے یہ ان کی اور ان کے ہمنواؤں کی فہم کی ایجاد ہے الخ بلفظہ (ندائے حق ص۲۱۳ ونحوہ فی ص۲۴) سبحان اللہ تعالیٰ مؤلف ندائے حق

کی کیا ہی تحقیق انیق اور راست گوئی ہے کہ حضرت براءؓ بن عازب رضؓ کی روایت صاحب تسکین کو مفید نہیں اور اہل حق کو مضر نہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ صحیح اور صریح روایت صاحب تسکین کے دعوے کے لیے نص صریح ہے اور سو فیصدی دعوے سے مطابق اور مفید ہے اور خوارج و روافض اور مؤلف ندائے حق وغیرہ کے لیے سمّ قاتل ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ صاحب تسکین کو حضرات محدثین کرامؒ فقہاء عظامؒ اور متکلمینؒ کی سو فیصدی تائید حاصل ہے اور حضرات جمہور کی معیت نصیب ہے اور بقول حضرت قاضی شمس الدین صاحب فتویٰ بھی انہی پر ہونا چاہیئے اور اہل حق اور اہل السنت والجماعت کی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ عذاب و نعیم قبر کے سلسلہ میں روح کا جسم کے ریزہ ریزہ سے تعلق ہوتا ہے اب مؤلف مذکور ہی از روئے انصاف یہ بتائیں (اگر انصاف نام کی کوئی چیز ان کے نزدیک ہے) کہ نفس ناطقہ نسمہ اور جسد مثالی ریزہ ریزہ ہوتا ہے یا جسد عنصری؟ اور کیا جب مطلق جسد کا لفظ بولا جاتا ہے تو انسانوں کے لیے جسد عنصری مراد نہیں ہوتی؟ اور پھر اہل السنت کے منصوص نظریہ سے کٹ اور ہٹ کر خوارج و روافض وغیرہم باطل فرقوں کے ہمنوا ہو کر اپنے آپ کو اہل حق اور اہل السنت کس منہ سے کہتے ہیں؟ اور کیا حضرات محدثین کرامؒ فقہاء عظامؒ اور متکلمینؒ آپ کے نزدیک اہل حق اور اہل السنت نہیں ہیں؟ کیا آپ نے ان کی واضح اور صریح عبارات نہیں دیکھیں جن میں روح کا جسم کے ذرہ ذرہ سے تعلق وہ تسلیم کرتے ہیں؟ اور کیا ان کی یہ کتابیں اہل السنت اور اہل حق کی کتابیں نہیں ہیں؟ اور کیا جسد خاکی اور عنصری کے ریزہ ریزہ سے تعلق تسلیم کرنا سرفراز اور اس کے ہمنواؤں کی خانہ زاد ایجاد ہے یا بفرض ان تمام اکابر اور جمہور کی پیروی میں یہ کہنا ہے؟ اور کیا آپ کے نزدیک محترم جناب قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ اور اہل السنت میں سے نہیں ہیں؟ آپ کو معلوم ہے وہ کیا فرما گئے ہیں؟ اور کیا آپ حضرات محدثین عظامؒ فقہاء کرام اور متکلمینؒ کی عبارات میں مثالی کا لفظ بتا سکتے ہیں آپ کو قیامت تک کی مہلت ہے ہمت کر دیکھیں دیدہ باید۔

بعض حضرات صوفیاء کرام کی عبارات میں جسم مثالی کا تذکرہ ضرور موجود ہے اور وہ بھی انہوں نے منکرین عذاب قبر کو جواب دینے کے لیے ایک مخلص ڈھونڈ نکالا ہے کہ جس کو جلا کر راکھ کر دیا ہو تو اس کے عذاب و راحت کا تعلق جسم مثالی سے ہے جس کا جسم خاکی موجود ہو اس کے لیے جسم مثالی کے وہ بھی قائل نہیں ہیں اور پھر میدان فتویٰ میں اعتبار صرف حضرات محدثین کرامؒ فقہاء عظامؒ اور متکلمینؒ کا ہے۔

زاویۂ نگاہ کی خرابی

مؤلف ندائے حق (اور اس کے مقدمہ باز بزرگ) کو تسکین الصدور کی دلیلوں اور حوالوں میں خاصی خامیاں، کوتاہیاں بلکہ کیڑے نظر آتے ہیں اور اس کے انگوٹھ

نہ ش محسوس ہوتے ہیں اور بعض مقامات پر انہوں نے دراز کار اور غیر متعلق باتوں کو جوڑ جوڑ کر تنکوں کا پل بھی بنایا ہے اور خاصی بھرتی کر کے کتاب کا عوام پر رعب ڈالنے کے لیے حجم بھی بڑھایا ہے اور بعض مقامات پر انتہائی دیدہ دلیری سے عبارات میں قطع و برید کر کے علمی خیانتیں کی ہیں اور سینہ زوری کے ساتھ بعض علماء اور حضرات فقہاء کرام کو اپنے ٹانگے پر سوار کرنے کی بے جا سعی کی ہے جس کی قدرے وضاحت ہم نے سماع الموتٰی میں کر دی ہے الغرض بات بن سکی ہے یا نہیں بنی انہوں نے بزعم خویش کچھ نہ کچھ لکھ کر اپنے حقیقت ناشناس حواریوں کو اپنی حسن کارکردگی کا احساس ضرور دلایا ہے لیکن پاک و ہند کے اکابر کے مقابلہ میں نہ تو ان صاحبوں کا علم وسیع ہے اور نہ تحقیق پختہ ہے اور نہ رائے صحیح ہے اور نہ فہم کامل ہے اور نہ ان اکابر کے تقویٰ و ورع اور خدا خوفی اور بصیرت دینی کے مقابل ان کی کوئی نسبت ہے ایسے حالات میں جو نتیجہ یہ خام خیال حضرات نکالیں گے وہ اظہر من الشمس ہے اور ندائے حق میں اول سے آخر تک انہوں نے یہی کچھ کیا ہے صفراوی بخار میں مبتلا مریض کو شہد اور کھانڈ بھی کڑوی محسوس ہوتی ہے اور بھینگے آدمی کا زاویۂ نگاہ ٹیڑھا ہونے کی وجہ سے کوئی چیز اپنی اصل حالت میں نظر نہیں آسکتی یہی حال مؤلف ندائے حق وغیرہ کا ہے کہ ان کو تسکین الصدور کے مسائل اور دلائل سیدھے نظر نہیں آتے اس کے برعکس پاک و ہند کے اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کو جن کو گہری دینی بصیرت۔ بے لوث علمی خدمت۔ غضب کی اصابت رائے اور بے لاگ حق گوئی کا قدرتی ملکہ حاصل ہے اپنی درست نگاہوں سے تسکین الصدور میں تمام درج شدہ مسائل اور پیش کردہ دلائل اور حوالے حق اور صحیح نظر آئے ہیں اور اس میں درج شدہ تمام مسائل ان کو اسلام۔ اہل السنۃ والجماعۃ۔ احناف اور دیوبندی مسلک کے عین مطابق معلوم ہوتے ہیں اگر مؤلف ندائے حق اور ان کے حقیقت ناشناس حواریوں کو تسکین الصدور کے مسائل و دلائل میں خرابی اور خامی نظر آتی ہے تو ان کو اکابر علماء دیوبند کی خدمت میں حاضر ہو کر زانوئے تلمذ طے کر کے علم حاصل کرنا چاہیئے کیونکہ اس دور میں صحیح علم علماء دیوبند کی وراثت ہے اور وراثت بیٹوں کو تو ملتی ہے مگر لے پالکوں کو نہیں ملا کرتی اور ان احباب پر لازم ہے کہ وہ اپنے سوء مزاج اور بھینگے پن کا معقول علاج کروائیں پھر ان کو ہر چیز اصلی صورت و شکل میں نظر آئے گی ۔ انشاء اللہ تعالےٰ ہم نے ندائے حق میں پیش کردہ صرف اس بات کے جواب کو ملحوظ رکھا ہے جس سے کسی طالب حق کے مغالطہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہوگا۔ دیگر بعض باتوں کا جواب ہم نے سماع الموتٰی میں دیدیا ہے باقی باتوں کو ہم نے سرے سے درخور اعتناء اور قابل التفات ہی نہیں سمجھا اور نہ لایعنی

اور نری مجذوبانہ باتوں کو نقل کر کے ان کے جوابات دے کر عوام کے اذہان کو مشوش کرنا مناسب سمجھا ہے اور جو زبان انہوں نے استعمال کی ہے ہم نے علمی سطح سے گری ہوئی وہ زبان استعمال نہیں کی اللہ تعالیٰ کا جہان بڑا وسیع ہے ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب ہمت انہیں کی بولی میں ان سے ہم کلام ہوں ہم اس میدان کے شہسوار نہیں ہیں اور نہ ہمارے پاس ایسی مجذوبانہ باتوں کے رد کرنے کے لیے فالتو وقت ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے مسائل بالکل حق اور دلائل و حوالے بڑے مضبوط اور ٹھوس ہیں جن کی اکابر علماء کرام نے اپنی وسیع دینی بصیرت کے ساتھ جاندار اور شاندار الفاظ میں بھرپور حمایت اور مکمل تائید کی ہے جیسا کہ ان کی تصدیقات سے ظاہر ہے۔ وَالْحَقُّ مَعَهُمْ حَيْثُ مَا دَارُوا۔

فقہاء کرامؒ پر بہتان

حضرات فقہاء کرامؒ نے فقہی طور پر یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ جب ولی جنازہ پڑھ چکے تو اس کے بعد کسی کو نماز جنازہ پڑھنے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ جنازہ فرض کفایہ ہے اور وہ ایک دفعہ ادا کرنے سے ادا ہو جاتا ہے اور نفل جنازہ مشروع نہیں یہی وجہ ہے کہ ہم نے تمام لوگوں کو اول سے آخر تک دیکھا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر جنازہ نہیں پڑھا حالانکہ آپ کا وجود مبارک آج بھی اسی طرح صحیح وسالم ہے جس طرح قبر مبارک میں رکھا گیا تھا کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وجود زمین پر حرام کر دیا گیا ہے کہ وہ اس کو کھائے (محصلہ ہدایہ ج ۱ ص۱۶۰ و بدائع الصنائع ج ۱ ص۳۱۱) علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ امت کا ترک جنازہ علی القبر اس بات کی دلیل ہے کہ عدم تکرار جنازہ پر اجماع ہے (محصلہ بدائع الصنائع) ان غیر متعلق عبارات اور خصوصاً علامہ کاسانیؒ کی عبارت سے استدلال کرتے ہوئے مؤلف ندائے حق لکھتے ہیں کہ یہ عبارت غمازی کر رہی ہے کہ تمام امت کا جیسے اجماع ہے حضرتؐ پر صلوٰۃ الجنازہ کے ترک پر بعد الدفن ایسے ہی تمام امت کا اجماع ہے اس امر پر کہ جسد اطہر میں اعادہ روح نہیں ہوا (بلفظہٖ ندائے حق ص۲۶۱) لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ملاحظہ کیا آپ نے نیلوی صاحب کی دینی بصیرت اور عشق محمدی؟ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام) محترم! معاف رکھنا یہ عبارت ہرگز اس امر کی غمازی اور چغلی نہیں کر رہی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے آپ کی روح مبارک کا کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ جسد اطہر میں اعادۂ روح نہیں ہوا۔ یہ آپ کی سوء فہم کا نتیجہ اور حضرات فقہاء کرامؒ پر خالص افتراء، نرا بہتان اور سفید جھوٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ ضد اور تعصب سے بچائے حضرات فقہاء کرامؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے ساتھ روح مبارک کا باقاعدہ تعلق تسلیم کرتے اور عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع پر متفق ہیں لَا رَيْبَ فِيهِ حضرات فقہاء کرامؒ نے اس امر کی دلیل بھی ساتھ ہی بیان کر دی ہے کہ نماز جنازہ

فرض کفایہ ہے جب ایک دفعہ ادا ہوگئی تو پھر دوبارہ اس کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نیلوی صاحب کو صحیح سمجھ اور احترامِ اکابر کی توفیق بخشے۔

راہِ فرار

مؤلف ندائے حق نے اپنے پردہ نشیں مشیروں کی بے پناہ انگیخت سے دعویٰ تو ایسا کیا کہ اہلِ حق اور اہل السنت والجماعت میں سے ایک شخص بھی ان کا ساتھی نہیں ہے وہ یہ کہ قبرِ مبارک میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر سے روحِ مقدس کا کوئی تعلق نہیں اور آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام نہیں سنتے (معاذ اللہ تعالیٰ) لیکن اس بے بنیاد اور پادر ہوا دعوے پر وہ ایک بھی صریح اور صحیح حوالہ پیش نہیں کر سکے اور تا قیامت کر بھی نہیں سکتے ہاں وہ شیش محل میں رہ کر دوسروں کے ٹھوس اور مضبوط دلائل پر مجذوبانہ انداز میں الفاظ کے ہیر پھیر سے پتھراؤ کے خوگر ہیں اور بھینگے آدمی کی طرح ان کو کچھ کا کچھ نظر آتا ہے اور اپنے لیے جو محفوظ قلعہ تلاش کیا ہے وہ یہ ہے کہ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ۔

لا دلیل علی النافی فی احکام الشرع وانما الدلیل علی المثبت (اصول سرخسی ص۱۱۲ ج۲ ندائے حق ص۱۲۴ و ص۱۴۳)

احکامِ شرع میں نافی کے ذمہ دلیل نہیں دلیل قائم کرنا تو مثبت کے ذمہ ہے۔

قارئین کرام! سمجھ گئے ہوں گے کہ حضرات ٹھوس صحیح اور مدلل مسائل کے مقابلہ میں دلیل اور برہان قائم کرنا خالہ جی کا گھر تو ہے نہیں اور اس سے مؤلف مذکور اور ان کی پوری جماعت سراسر قاصر اور قطعاً عاجز ہے۔ اس لیے اپنے بچاؤ کے لیے اصولِ سرخسی کا ہوائی قلعہ تلاش کیا ہے مگر یہ بھی غیر محفوظ اس میں بھی نہیں رہے تعاقب کرنے والوں نے قلعہ پر بھی یلغار کر دی ہے اور اس قلعہ میں بھی ان کو چین سے نہیں رہنے دیا اولاً اس لیے کہ مثبت و مدعی اور نافی و مدعیٰ علیہ کا درجہ قائم کرنا علمی اور تحقیقی رنگ میں خاصا مشکل ہے کبھی کوئی چیز بظاہر سلبی ہوتی ہے مگر درحقیقت وہ اثباتی ہوتی ہے اور اس کو بھی دلائل سے ثابت کیا جاتا ہے اور اس پہلو کو اختیار کرنے والا مثبت اور مدعی کہلاتا ہے اور اس کے مدمقابل والا نافی اور مدعیٰ علیہ قرار دیا جاتا ہے وثانیاً۔ خود مؤلف مذکور نے ص۳۴۳ میں صاحب ہدایہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مدعی کی ایک تعریف یہ ہے کہ جو غیر ظاہر سے متمسک ہو اور مدعیٰ علیہ وہ ہے جو متمسک بالظاہر ہو (ہدایہ ص۲) اس لحاظ سے ہم صحیح احادیث اور اقوال حضرات محدثین کرامؒ فقہاء عظامؒ اور متکلمینؒ کے ظاہر سے متمسک ہیں اور آپ اس کے خلاف ہیں اس لیے آپ مدعی ہیں اور ہم مدعیٰ علیہ ہیں لہٰذا آپ پر دلائل کا اثبات لازم ہے وثالثاً آپ کو یہ تو بظاہر معلوم ہی ہوگا کہ حضرات احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم قرأۃ خلف الامام۔ رفع الیدین

عندالرکوع وعندرفع الرأس من الرکوع آمین بالجہراور نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے جہر کے ساتھ بسم اللہ پڑھنے کے قائل نہیں ہیں اور ایسے ہی دیگر بے شمار مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں نافی ہیں اور یہ سب کے سب احکام شرع ہیں۔ بایں ہمہ نہ تو حضرات احناف نے صرف اتنی بات پر اکتفاء کی ہے کہ چونکہ ہم نافی ہیں اس لیے ہمارے ذمہ دلائل نہیں ہیں اور نہ فریق ثانی ان کو دلائل قائم کیے بغیر چھوڑتا ہے باوجودیکہ وہ ان تمام مسائل میں نافی ہیں بایں ہمہ وہ اپنے مقام پر نقلی اور عقلی دلائل پیش کرتے ہیں اور اس پر وہ مجبور ہیں چونکہ آپ کا دعوے غلط ہے قطعاً باطل اور خلاف اجماع ہے اور عوام کی گمراہی کا ایک بہت بڑا سبب ہے اس لیے آپ کو دلیل و برہان کا واضح ثبوت دینا ہوگا محض معصومانہ یا مجذوبانہ انداز سے آپ ہرگز گلو خلاصی نہیں کرا سکتے۔

سے بچھڑ کر قافلے والوں سے جب تم رہ گئے تنہا ۔۔۔ تو پھر دشمن ہوا پر دلربا بننے سے کیا ہوگا

مؤلف مذکور اسی صفحہ میں لکھتے ہیں کہ اگر یہ اجماعی مسئلہ ہے تو مؤطا امام مالک اور صحاح ستہ اور مسند شافعی اور مسند امام اعظم وغیرہ وغیرہ کتابوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں ہے؟ اور کیوں یہ خاموش ہیں!۔

الجواب:۔ یہ بھی نرا طفلانہ سوال ہے اولاً اس لیے کہ ان کتابوں میں تمام اجماعی مسائل کے تذکرہ کا ہرگز التزام نہیں کیا گیا بعض ایسے مسائل بھی ہیں جو اجماعی ہیں مگر ان کتابوں میں ان کا ذکر تک نہیں ہے مؤلف مذکور نے صفحہ ۲۵۳ تا ۲۵۵ میں ایک عجیب بے مغز اور نری ہوائی تقریر کی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ۔ یہ ہے اجماع صحابہ تابعین خیر القرون اور ائمہ مجتہدین کا کہ قبر عرفی میں حضور کو زندہ نہیں مانتے الخ (العیاذ باللہ تعالیٰ) مؤلف مذکور کا ان تمام حضرات پر یہ سراسر جھوٹ اور نرا افتراء ہے یہ تمام حضرات آپ کو قبر مبارک میں زندہ تسلیم کرتے ہیں اور ان میں سے ایک بھی ان کا منکر نہیں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس مفروض اجماع کا ذکر ان کتابوں میں کہاں ہے۔ آخر یہ کتابیں اس اجماع کے ذکر سے کیوں خاموش ہیں؟ ؎

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

وثانیاً۔ ابوداؤد وغیرہ صحاح ستہ ہی کی کتاب ہے اور اس میں اس کی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو شخص سلام کہتا ہے آپ اس کو سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف روح مبارک لوٹائی ہوئی ہوتی ہے۔ اسی پیش نظر کتاب میں اس کی بحث موجود ہے۔ اور صحاح ستہ اور حدیث وغیرہ ہی کی کتابوں میں تصریح ہے کہ عام مومنین بھی قبور کے پاس سلام کہنے والوں کا سلام سننے اور اس کا جواب دیتے ہیں اس کی تحقیق راقم کی کتاب سماع الموتیٰ میں ملاحظہ فرمائیں اور یہ سب کچھ ان کی حیات فی القبور

کی بیّن دلیل ہے۔

نرالی تحقیق

فتح القدیر۔ فتاوٰی عالمگیری نور الایضاح۔ طحطاوی اور دیگر متعدد کتابوں کے حوالہ سے ہم نے تسکین الصدور میں لکھا تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر آپ سے طلب مغفرت کی سفارش کرانا درست ہے۔ ان عبارات کا جواب مؤلف ندائے حق نے یہ دیا ہے۔ بس ہم اب آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ جتنی کتابوں میں یہ مسئلہ قبر پر حضورؐ سے دعاء استغفار استشفاع کا جو معتبر کتب میں لکھا جا چکا ہے۔ وہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے اور بس (انتہٰی بلفظہٖ ندائے حق صـ۲۱۱) یہ ہے مؤلف مذکور کا حضرات فقہاء کرام رحؒ کی عبارات کا معقول اور شافی جواب جو اس قابل ہے کہ روس کے عجائب گھر کے دروازہ پر آویزاں کیا جائے لاحول ولا قوۃ الا باللہ تعالیٰ اسی طرح کے کئی اور باطل نظریات ان کے ہیں بعض کا ذکر آگے کتاب میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ اور بعض کا ذکر ہم نے مسئلہ سماع الموتٰی میں کر دیا ہے۔

بیکار بھرتی

صاحب ندائے حق نے غیر متعلق حوالے تو کافی پیش کر دیے ہیں اور کشید کرنے کی بھی بے حد سعی کی ہے لیکن ایک حوالہ بھی اس پر نہیں پیش کر سکے اور نہ ہی بفضلہ تعالیٰ قیامت تک پیش کر سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک کا قبر شریف میں آپ کے جسد اطہر سے کوئی تعلق نہیں اور آپ عند القبر صلوٰۃ و سلام نہیں سنتے (معاذ اللہ تعالیٰ) حضرت مجدد الف ثانی رحؒ اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحؒ وغیرہ حضرات کی بالکل غیر متعلق عبارات سے (جن کا ذکر آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ) اس کا ہرگز ہرگز ثبوت نہیں ہوتا اور ابھی تک مؤلف ندائے حق وغیرہ اپنے اس باطل اور بے بنیاد نظریہ پر کوئی دلیل نہیں قائم کر سکے اس سے قطعاً عاجز سراسر قاصر اور یقیناً بے بس ہے ہیں۔

فتنہ انگیز کارنامہ

پوری کتاب ندائے حق میں بجائے اس کے کہ وہ اپنے باطل اور بے بنیاد دعاوی پہ ٹھوس عقلی و نقلی دلائل پیش کرتے انہوں نے جمہور کے دلائل پہ بلا وجہ تنقید کرنے اور ان میں کیڑے نکالنے پر ہی سارا زور صرف کیا ہے لیکن یہ سب کچھ ان کے سوء استعداد اور سوء مزاج کی واضح دلیل ہے محض تنقید کر دینے اور کچھ کہہ اور لکھ دینے سے دلائل حقہ کی تردید نہیں ہو جایا کرتی قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی محکم کتاب ہے لیکن قدیماً و حدیثاً مشرکین کے مہمل اور بے سود اعتراضات بھی خود قرآن کریم اور کتب اسلامیہ میں موجود ہیں آریا کے مشہور لیڈر سوامی دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش کا چودھواں باب ہی بسم اللہ سے لے کر والناس تک قرآن پر تنقید کے لیے وقف کیا ہے کیا معاذ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہ

سمجھ لینا چاہیئے کہ ایک پڑھا لکھا اور منطقی قسم کا آدمی اعتراض اور تنقید کر رہا ہے لہٰذا اس سے ضرور قرآن کریم کی صداقت متاثر ہو گئی ہے؟ یا مثلاً احادیث کے منکر موسلا دھار بارش کی طرح ان پر بلا وقفہ برستے ہیں۔ عبداللہ چکڑالوی۔ تمنا عمادی۔ اسلم جیراجپوری۔ اور مسٹر غلام احمد پرویز وغیرہ کے یہ بیباک کارنامے کس عالم اور عیوز مسلمان سے اوجھل ہیں؟ پھر کیا یہ یقین کر لینا چاہیئے کہ واقعی احادیث میں کمی کمزوری اور خامی ہے؟ کون مسلمان اس کے تصور کے لیے تیار ہے؟ حضرات صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنے والوں نے کیا کمی چھوڑی ہے! جس کی ادبی رنگ میں کمی اب مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت وغیرہ میں پوری کر دی ہے کیا سچ مچ یہ مان لینا چاہیئے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کی وہ برگزیدہ شخصیتیں جن پر کلام اور تنقید ہوئی ہے حقیقت میں ایسے ہی ناقابل اعتبار اور گئے گذرے اخلاق کی مالک ہیں؟ اسی طرح ائمہ دینؒ اور فقہاء کرامؒ و محدثین عظام پر جو کڑی جرحیں کی گئی ہیں کیا وہ قابل اعتماد ہیں؟ اوروں کا تو قصہ ہی جانے دیجئے امام الائمہ سراج الامت حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ پر جو اعتراضات کیئے گئے ہیں خصوصیت سے امام خطیب بغدادی الشافعیؒ نے اپنی تاریخ بغداد میں امام صاحبؒ پر انتہائی ناشائستہ اور نازیبا جرحی اور تنقیدی بحث جو تقریباً پچاس صفحات میں کی ہے کیا وہ سب درست ہے! جس میں بعض حوالوں کے رو سے امام صاحبؒ کو عربی اور نحو سے ہی نابلد قرار دیا گیا ہے دور نہ جایئے قریب کے زمانہ میں بعض غالی غیر مقلدوں نے فقہ حنفی پر جو کتابیں شائع کر کے لوگوں کے سامنے پیش کی ہیں جن میں حقیقۃ الفقہ خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ کیا ایسی کتابوں کے پیش نظر تمام کتب فقہ حنفی سے ہاتھ دھو دینا چاہیئے اور فقہ کی تمام کتابوں کو یہ کہہ کر رد کر دیا جائے کہ اگر ان میں درج شدہ مسائل ضروری اور اہم ہوتے تو ضرور ان کا ذکر قرآن و حدیث میں بصراحت ہوتا۔ ان حضرات کو ہوش میں آجانا چاہیئے کیونکہ سوء مزاج میں مبتلا بعض افراد کی گرفت اور دینی طور پر بیباک اور غلط کار لوگوں کی تنقید کوئی حیثیت نہیں رکھتی حق جمہور کے ساتھ ہے اور بحمداللہ تعالیٰ تسکین الصدور کی ذمہ دار حضرات نے تصدیق کر دی ہے۔

روح کے جسم عنصری کے ساتھ تعلق میں عقلاً کوئی استبعاد نہیں ہے

مسلمان کے ایقان و اطمینان کا ذریعہ تو قرآن کریم حدیث شریف اور اجماع امت کے واضح دلائل ہیں وہ ان کی موجودگی میں کسی اور چیز کا قطعاً محتاج نہیں ہوتا لیکن آج کی مادہ پرست دنیا اور عقل نارسا کی پجاری نئی پود کے لیے آج کی سائنس میں ایسی واضح مثالیں اور نظیریں بھی موجود ہیں جن سے وہ اپنے ضمیر کو سائنس کی ایجادات سے بھی مطمئن کر سکتے ہیں قریب کے زمانہ میں امریکہ نے تین مرتبہ چاند پر کامیابی

کے ساتھ اپنے آدمی اُتارے اور حیرت انگیز معلومات سے دنیا کو محو حیرت کر دیا پہلی مرتبہ ۱۶ر جولائی ۱۹۶۹ء کو امریکہ کے تین خلا باز۔ نیل آرمسٹرانگ۔ ایڈون آلڈرن اور مائیکل کولنز تین ہزار ایک ٹن وزنی خلائی جہاز اپالو یازدہم کے ذریعہ زمین سے روانہ ہو کر ایک سو دو گھنٹے پینتالیس منٹ اور بیالیس سیکنڈ میں چاند کی سطح پر پہنچے اول الذکر دونوں قمری گاڑی کے ذریعہ ۲۱ر جولائی ۱۹۶۹ء پاکستان وقت کے لحاظ سے ساڑھے سات بجے صبح قمری گاڑی سے چاند کی سطح پر اُترے اور دو گھنٹے پچپن منٹ تک کامیابی کے ساتھ تجربات کرتے اور مٹی کے نمونے جمع کرتے رہے اور چاند کی سطح پر انہوں نے لنچ بھی کھایا۔ اور اس وقت قمری گاڑی زمین سے دو لاکھ چالیس ہزار میل (سائنس دانوں نے جو نئی پیمائش کی ہے اس کے مطابق چاند زمین سے دو لاکھ چھبیس ہزار نو سو ستر میل دور ہے۔ اخبار امروز ۶ر اگست ۱۹۶۹ء ص۱) کے فاصلہ پر بحر سکوت کی دھول پر جمی رہی۔ آرمسٹرانگ اور آلڈرن چاند پر تجربات کے بعد گاڑی میں جا کر سو گئے تھے روانگی سے دو گھنٹے پچپن منٹ قبل انہیں بیدار کر دیا گیا اور اس طویل سفر میں خلائی جہاز اور قمری گاڑی اور خلا بازوں کے جسم کے ساتھ زمینی مرکز کیپ کینیڈی میں خلائی مرکز سے بدستور تعلق قائم رہا حتیٰ کہ ان کے دل کی رفتار تک سنائی دیتی رہی خلائی مرکز کے ڈاکٹر چارلس بیری نے بتایا کہ خلا باز جب چاند پر کام کر رہے تھے تو ان کے دل کی حرکت بالکل نارمل تھی حالانکہ چاند پر اُترائی کے وقت ان کے دل کی رفتار ستر بچھتر سے یکدم نوے اور تھوڑی دیر بعد ایک سو چھپن تک ہو گئی زمین کے مدار سے نکلنے کے بعد جب خلائی جہاز نے چاند کی طرف پرواز شروع کی تو اس کی رفتار چوبیس ہزار میل فی گھنٹہ تھی خلائی جہاز کو صحیح سمت پر رکھنے کے لیے گراؤنڈ کنٹرولر سائنسی آلات سے کام لیتے رہے اور انہوں نے خلا نوردوں کو بیدار کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ جی بھر کر سونے کی اجازت دی۔

ماخوذ از اخبار امروز لاہور ۱۸ر جولائی ۱۹۶۹ء ص۱ کالم ۴، ۲۲ر جولائی ۱۹۶۹ء ص۱ کالم ۱ تا ۵ ملخصاً)

اور اپالو پانزدہم[15] جب ۲۶ر جولائی ۱۹۷۱ء کو روانہ ہوا تو اس میں تین خلا نورد تھے۔ ڈیوڈ سکاٹ، جیمز ارون اور ورڈن ان میں مؤخر الذکر تو کمان گاڑی میں چاند کے گرد چکر لگاتا رہا اور پہلے دونوں چاند پر اُترے انہوں نے کئی مقامات پر مٹی اور پہاڑوں کے نمونے حاصل کئے اور ضروری تجربات کئے اس مہم کا مقررہ وقت سات گھنٹے تھا لیکن زمینی کنٹرول نے آکسیجن میں تیزی سے کمی آجانے کے باعث اس میں نصف گھنٹے کی کمی کر دی زمینی کنٹرول نے کمانڈر سکاٹ کو انتباہ کیا کہ اس کے دل کی دھڑکن درست طور پر سنائی نہیں دیتی اس لیے وہ مقررہ پروگرام سے زیادہ ہرگز کام نہ کریں۔ (اخبار مشرق لاہور ۲ر اگست ۱۹۷۱ء ص۱ کالم ۳) اس

مہم کے سربراہ سکاٹ نے چاند کی سطح پر پہنچنے کے بعد پروگرام کے مطابق چاند گاڑی کا دروازہ کھولا اور کوئی نصف گھنٹے تک اپنا آدھا جسم باہر نکال کر چاند کی فضا اور مناظر دیکھتے رہے اور جیمز اروِن اپنی نشست پر ہی بیٹھے رہے دریں اثنا ٹیلی ویژن پر ان کا ہر کام واضح اور صاف دکھائی دے رہا تھا۔ (اخبار امروز لاہور یکم اگست ۱۹۷۱ء ص۱ کالم ۷)

امریکہ نے ۲ مارچ ۱۹۷۲ء کو کیپ کینیڈی سے اپنا خلائی جہاز پانیر ۱۰ نظام شمسی کے سب سے دور دراز سیارہ مشتری کی طرف روانہ کر دیا ہے جو تقریباً تیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہا ہے۔ مشتری زمین سے تقریباً ایک ارب کیلومیٹر دور ہے جبکہ سورج کا فاصلہ زمین سے ۹۳۰۰۰۰۰۰ میل ہے گویا مشتری کا سورج سے فاصلہ زمین سے سورج کے فاصلہ سے پانچ گنا زیادہ ہے اور اس کا قطر زمین سے گیارہ گنا زیادہ ہے زمین کا استوائی قطر ۸۸۷۰۰ میل ہے اور قطبی ۸۲۸۰۰ میل ہے یہ خلائی جہاز اگر اس کے آلات ٹھیک طور پر کام کرتے رہے۔ تو ۲۱ ماہ کے بعد ۳ دسمبر ۱۹۷۳ء مشتری کے مدار میں داخل ہوگا اور اس کے سائنسی آلات اتنے طاقتور ہیں کہ زمین سے دو ارب چالیس کروڑ میل کے فاصلہ تک وہ زمین سے رابطہ قائم رکھے گا۔ (ملخصاً (اخبار امروز لاہور ۱۹ محرم ۱۳۹۲ھ، ۱۶ مارچ ۱۹۷۲ء ص۲ پس منظر (آخری ایڈیشن ۳ ستارے)

امریکہ نے حال ہی میں جو خلائی گاڑی وائی کنگ کامیابی سے مریخ پر اتاری ہے (زمین سے مریخ کی مسافت اکیس کروڑ پچاس لاکھ میل ہے) اس کے کھدائی کرنے والے ایک بازو میں پن خراب ہونے کی وجہ سے کام میں تعطل پیدا ہوگیا تھا زمین پر رہنے والے سائنسدانوں نے اس کی خرابی دور کر دی اور وہ کام کر رہی ہے۔

چنانچہ اخبار نوائے وقت لاہور ۲۹ رجب ۱۳۹۶ھ ۲۷ جولائی ۱۹۷۶ء ص۱ کالم ۵ میں یہ سرخی قائم کی ہے۔ خلائی گاڑی کے مشینی بازو کو زمینی مرکز سے درست کر دیا گیا آگے تفصیل یوں درج ہے۔ پساڈینا کیلے فورنیا ۲۶ جولائی (اف پ) مریخ پر اترنے والی وائی کنگ کی خلائی گاڑی کا جو مشینی بازو خراب ہوگیا تھا اسے سائنسدانوں نے زمینی آلات کی مدد سے ٹھیک کر دیا ہے اور وہ مریخ پر زندگی کے امکانات معلوم کرنے کے لیے بدھ کے روز سے پھر کھدائی شروع کر دے گا۔ وائی کنگ کی کدال کا یہ بازو اسے وائی کنگ سے جوڑنے والے ایک پن کے خراب ہو جانے کی وجہ سے معطل ہوگیا تھا الخ

یہ تو انسانی سائنس اور انسانی کوشش اور کاوش کا ایک نتیجہ ہے کیا اللہ تعالیٰ کی قادر مطلق ذات کو اس پر قدرت نہیں ہے کہ ارواح کو علیین یا سجین میں رکھنے کے باوجود (جیسا کہ روایات سے ثابت ہے)

ان کا تعلق قبروں میں ان کے اجسام یا اجسام کے ذرات سے وابستہ رکھے! اگر یہ اُمور وقوع پذیر ہو سکتے ہیں اور سورج کا تعلق زمین سے ایک واضح مشاہدہ کی حیثیت رکھتا ہے تو ارواح کے اجسام کے ساتھ تعلق رکھنے میں بھی عقلی طور پر ہرگز کوئی مضائقہ نہیں ہے مرنے کے بعد روح کے جسم عنصری کے ساتھ تعلق کو مستبعد سمجھنے والے حضرات میں اگر حق کی طلب و جستجو ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ بالآخر یہ اپنی غلطی کا ضرور احساس کر کے جمہور اور اکابر کا دامن تھام لیں گے کیونکہ حق کی راہ میں چلنے والے زیادہ دیر تک الگ نہیں رہ سکتے حق ان کو جمع کر کے ہی رہتا ہے کیونکہ حق کی فطرت ہی جمع و تالیف اور وحدت و یگانگت کی متقاضی ہے تفرقہ اور تحزب صرف اسی صورت میں رُونما ہوتا ہے جب حق کے ساتھ کچھ نہ کچھ باطل اور نفسانیت کی آمیزش ہو یا اوپر تو حق کی نمائش ہو اور اندر باطل مفاد پرستی انانیت اور ذاتیات کارفرما ہوں نعوذ باللہ من شرور انفسنا سے

ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہاراں اوروں کی نگاہوں میں وہ موسم ہو خزاں کا۔

http://mujahid.xtgem.com

سخنہائے گفتنی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ!

اَمَّا بَعۡدُ!

(۱) قیامت کی نشانیاں تو بہت کچھ ہیں مگر ان میں ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہر آنے والا دن پہلے دن سے ہر لحاظ سے متفاوت ہے گو اس دور میں مادی ترقی کو بہت کچھ عروج حاصل ہو رہا ہے لیکن افسوس کہ دین سے بے اعتنائی اور غفلت بھی برق رفتاری کے ساتھ ترقی پذیر ہے اور دین کے نام پر بہت سے فتنے پروان چڑھ رہے ہیں اور ہر پڑھا لکھا اور قادر علی الکلام آدمی اپنے کو مجدد اور مجتہد سے کم نہیں سمجھتا اور اپنی رائے اور فہم کو حرفِ آخر اور قطعی تصور کئے بیٹھا ہے اور واعجاب کل ذی رأی برأیہ[۱] کا ارشاد پورا ہو رہا ہے یعنی ہر آدمی اپنی رائے پر مغرور و نازاں ہو گا حالانکہ راہ نجات اور سلامتی کا طریقہ ہی وہی ہے جس پر حضرات سلف صالحین گامزن اور عمل پیرا تھے اُن کے دامن سے وابستہ رہنا ہی فلاح و کامیابی کا ضامن اور اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا ہلاکت و بربادی اور گمراہی و ضلالت کا سبب ہے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حضرات سلف صالحین کے دامن سے وابستہ رکھے آمین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے تمہاری خطا کا خطرہ نہیں لیکن مجھے تمہارے جان بوجھ کر (غلط کاری) اختیار کرنے کا خطرہ ہے

---

[۱] یہ ایک حدیث کا جملہ ہے جو حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حتی اذا رأیت شحا مطاعا وھوی متبعا واعجاب کل ذی رأی برأیہ فعلیک نفسک ودع امر العوام الحدیث (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۳ و موارد الظمآن) یعنی جب تو بخل کو مطاع اور خواہش نفسانی کو متقتدا اور ہر رائے والے کو اپنی رائے پر مغرور و نازاں دیکھے تو اس وقت تو اپنے نفس کی فکر کر اور عوام کا معاملہ چھوڑ دے

(مواردالظمآن ص٦١٢ ولفظہ وما اخشی علیکم الخطأ ولکنی اخشی علیکم العمد)

② چند سال سے پاکستان میں بعض مسائل وجہ نزاع بنے ہوئے ہیں جن میں علی الخصوص مسئلہ حیات الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع، قبر اور برزخ کے عذاب کی نوعیت اور توسل وغیرہ ان میں قابلِ ذکر ہیں بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ قبور میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواحِ طیبات کا ان کے اجسام مبارکہ سے کوئی تعلق نہیں ہاں یوں اُن کے اجسام مبارکہ بالکل محفوظ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے اور اسی طرح عذاب قبر ان میں سے بعض کے نزدیک صرف روح کو ہے اور بعض کے نزدیک صرف بے جان جسم کو اور دعا میں توسل بھی جائز نہیں جب کہ جمہور علماء کرام ان نظریات کے بالکل مخالف ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ حیات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جسم اور روح دونوں سے متعلق ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر صلوٰۃ وسلام کا بنفس نفیس خود سماع فرماتے اور جواب دیتے ہیں اور اسی طرح قبر میں نیکوں کو جو راحت و آرام اور گنہگاروں کو جو عذاب وسزا ہوتی ہے وہ بدن مادی اور روح دونوں سے متعلق ہے اور توسل کا مسئلہ اپنی جائز صورتوں کے ساتھ جائز اور مشروع ہے ملک کے طول وعرض میں جب یہ مسائل منظرِ عام پر آئے تو عامۃ المسلمین کا رجوع ملک میں حضرات علماء کرام کی ذمہ دار جماعت جمعیۃ علماء اسلام کی طرف ہوا جن میں محقق اور مدرس عالم بھی ہیں اور مناظر ومقرر بھی تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی قابلِ اعتماد ہیں اور ملکی سیاست میں بھی ان کا بفضلہ تعالیٰ خاصا حصہ ہے کافی غور وخوض کے بعد محض عوام کی رہنمائی کے لیے انہوں نے ان مسائل میں اپنے بزرگوں کی اور خود اپنی رائے کا اظہار ضروری سمجھا اُن میں سے بعض مسائل پر حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب ایم اے سیالکوٹی نے ایک عمدہ، مدلل اور بہترین کتاب مقام حیات لکھ کر اہلِ علم کی علمی تشنگی بجھائی ہے اس کتاب کے بعض حوالوں اور دلائل اور ان سے طرز استدلال میں تو علمی اور تحقیقی طور پر اختلاف ہوسکتا ہے لیکن مجموعی اعتبار سے یہ عمدہ اور ٹھوس کتاب ہے اور ہم نے بھی بعض حوالوں میں اس سے استفادہ کیا ہے مگر پھر بھی ان تمام مسائل پر مدلل طریقہ سے کتاب کی ضرورت باقی تھی جس کی ضرورت علماء کرام نے محسوس کی۔

③ ۲ر ربیع الاول ۱۳۸۲ھ مطابق ۴ر اگست ۱۹۶۲ء میں جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی اجلاس میں جو لاہور میں منعقد ہوا اور جس میں ملک بھر کے سینکڑوں ذمہ دار علماء کرام تشریف فرما تھے ان مسائل پر بھی خوب گرما گرم بحث ہوئی بالآخر بالاتفاق یہ طے ہوا کہ ان مسائل کی ترتیب وتدوین اور ان کے باحوالہ مدلل ومبرہن کرنے کے

پہلے ایک کمیٹی بنائی جائے اور وہ ان مسائل پر علمی مواد جمع کرے اور اس کے بعد ذمہ دار حضرات کی رائے سے ان کو شائع کیا جائے چنانچہ اس کمیٹی کے لیے پانچ حضرات منتخب ہوئے۔

(۱) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری دامت برکاتہم (۲) حضرت مولانا مفتی محمود صاحب دام مجدہم (۳) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھوی رحمہ اللہ تعالیٰ (۴) حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت فیوضہم اکوڑہ خٹک (۵) راقم اثیم، اور اس کمیٹی کا ناظم راقم کو منتخب کیا گیا باوجود نااہلی عدیم الفرصتی اور علالت کے ناچار الامر فوق الادب کے قاعدہ کے تحت اکابر کا حکم اور فیصلہ تسلیم کرنا پڑا آخر مشہور مقولہ ہے حکم حاکم مرگ مفاجات ان جملہ اکابر کی ہدایت اور حکم کے مطابق راقم نے ان مسائل کو جمع کیا اور ان کو اطلاع دی کہ مجموعہ مرتب ہو چکا ہے اس پر اظہار رائے کے لیے کوئی جگہ اور وقت متعین کریں مگر مشکل یہ پیش آئی کہ کراچی و ملتان اکوڑہ خٹک و سرگودھا اور گکھڑ ایک دوسرے سے سینکڑوں میل دور واقع ہیں اور مستزاد براں ان میں سے ہر بزرگ اپنے مقام پر انتہائی مصروف تھے اور راقم اثیم ان سب سے بڑھ کر مصروف تھا اگر ایک صاحب کو فراغت نصیب ہوتی تو دوسرے کسی الجھن میں مبتلا ہوتے اور اگر کسی دوسرے کو تھوڑی فرصت ملتی تو کوئی اور صاحب مصر و عرب وغیرہ کے دورہ پر ہوتے اور کچھ نہ ہوتا تو مرض و علالت ہی دامن گیر ہو جاتی الغرض رکاوٹ پر رکاوٹ اور تاخیر پر تاخیر پیش آتی رہی اور کتاب کی سماعت اور اس پر رائے زنی کا موقع میسر نہ آسکا حتیٰ کہ اس کمیٹی کے ایک بزرگ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھوی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۳۸۵ھ) اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے اور یہ معاملہ جوں کا توں معلق رہا مگر کیا کیا جائے تقدیر میں ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔

(۵) بالآخر ۲۴، ۲۵ شعبان ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۷، ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء کی تاریخیں منتخب ہوئیں اور ملتان خیر المدارس جگہ متعین ہوئی مگر حضرت مولانا عبدالحق صاحب دام مجدہم خود تشریف نہ لا سکے اور ایک نوازش نامہ ارسال فرمایا جو بعینہٖ درج ذیل ہے، اسی طرح سوء اتفاق سے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہ بھی شریک نہ ہو سکے۔ ان کا جو پیام آیا وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد یوسف صاحب بنوری دامت برکاتہم کا گرامی نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی مآثر مولانا المحترم وفقکم اللہ لکل خیر و سعادۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ:- میں رحیم آباد، رحیم یار خان اور چند گھنٹوں کے لیے ملتان گیا تھا، ۹ر نومبر سے ۲۶ر تک میں یہاں غیر موجود تھا، واپسی پر ڈاک میں مکتوب گرامی ملا اور آج ۲۸ نومبر پڑھنے کا اتفاق ہوا بہت صدمہ ہوا آج ۲۵ر شعبان ہے شام کا وقت ہے، اگر مجھے اس کا علم ہوجاتا تو میں ملتان ٹھہر جاتا انا للہ بہر حال نہ خود حاضری کا امکان نہ نائب مقرر کرنے کا سوال۔ میری غیر موجودگی میں جو صاحب ڈاک کے منتظم تھے وہ بھی تعطیل میں رخصت ہوگئے تھے، ورنہ مجھے ٹیلیفون یا تار سے مطلع کرتے۔ بہر حال اب جو کچھ آپ حضرات نے فیصلہ کرلیا ہوگا وہ بالکل درست ہوگا، مجھے اس سے اتفاق ہوگا۔ مجھے اس کا اطمینان ہے کہ وہ درست ہوگا اور صحیح ہوگا۔ اب زیادہ تأسف کیا ہوسکتا!

والسلام

محمد یوسف بنوری عفا عنہ

۲۵ شعبان ۱۳۸۷ھ

(۲) حضرت مولانا محمد عبدالحق صاحب شیخ الحدیث مدرسہ حقانیہ دامت برکاتہم کا نوازش نامہ

حوالہ نمبر ۱۵۹۳۷ ۱۸ر رجب ۱۳۸۹ھ

بگرامی خدمت مخدومی المحترم المکرم جناب حضرت العلامہ مولانا صاحب

زادکم اللہ مجداً وعزاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

گرامی نامہ باعث عزت افزائی بنا یاد فرمائی کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ مسائل مذکورہ کے بارہ میں مجھے آنمحترم کے گرانمایہ تحقیقات سے کلی اتفاق ہے۔ پھر دیگر حضرات اکابر و افاضل کے غور و خوض سے جو فیصلہ ہوگا۔ اس سے میرے اختلاف کی کیا مجال ہے۔ آپ حضرات نے جو بھی طے کیا، اس کی میں کاملاً تائید کرتا ہوں۔ میٹنگ میں بھی شمولیت سرمایہ سعادت سمجھتا ہوں۔ مگر افسوس کہ ان ہی دنوں بعض ایسے موانع اور اعذار درپیش ہیں، جس کی وجہ سے ملتان حاضر نہ ہوسکوں گا۔ ایسے قلیل وقت میں مجوزہ مشاغل کو ملتوی کرنا بھی مشکل ہے، حضرات اکابر نے جو بھی فیصلہ کیا۔ میرا اتفاق اس کے ساتھ لکھ لیں، اور اگر مزید ضرورت ہو۔ تو مسائل مذکورہ کے بارہ میں اُن حضرات کی رائے گرامی یہاں ارسال فرمادیں۔ میں بھی تائیدی دستخط ثبت کرلوں گا۔ امید ہے میری واقعی مجبوریوں کی وجہ سے نہ سکنے پر کبیدہ خاطر

نہ ہوں گے، آپ کا وجود علمی اور دینی دنیا کے لیے مغتنمات میں سے ہے۔ خداوند تعالیٰ مساعی جمیلہ کو برکت اور قبولیت سے نواز دے، آمین، آمین والسلام

بندہ عبدالحق غفرلہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

ملتان کے اس اجلاس میں جن حضرات نے شرکت کی اور اوّل سے آخر تک راقم کتاب سنتا رہا اور یہ بزرگ سنتے رہے اور بعض بعض مقامات میں اصلاح بھی کرتے رہے اور آخر میں بعض مسائل پر بحث بھی ہوئی اور ان کی ہدایت پر عمل کیا گیا، وہ یہ ہیں:۔

(۱) حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (۲) حضرت مولانا مفتی محمود صاحب دام مجدہم (۳) حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب دام مجدہم (ملتان) (۴) حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب دام مجدہم جامعہ رشیدیہ ساہیوال (۵) حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ (۶) حضرت مولانا غلام غوث صاحب دامت برکاتہم (۷) حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دام مجدہم (چکوال) (۸) حضرت مولانا محمد نذیر اللہ خان صاحب دام مجدہم (گجرات) (۹) راقم اثیم (۱۰) اور گاہے گاہے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کوہاٹی نائب مفتی خیرالمدارس ملتان بھی اس میں حصہ لیتے رہے۔

(۶) یہ بات بھی اچھی طرح ملحوظ خاطر رہے کہ قرآن کریم اور حدیث شریف کے معانی و مطالب جس طرح حضرات سلف صالحینؒ نے سمجھے اور بیان کئے ہیں وہی صحیح اور درست ہیں کیونکہ ان میں علم اور علم کا عمق، خدا خوفی اور ورع جس طرح موجود تھا وہ بعد کے آنے والوں کو نصیب نہیں ہو سکا اور زمانۂ رسالت کے قرب کی برکت اور خیر القرون کی سعادت سے جس انداز سے وہ بہرہ ور ہوئے وہ انہی حضرات کا حصہ ہے۔ خلیفہ راشد حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز (المتوفی ۱۰۱ھ) نے ایک موقع پر منکرین تقدیر کو نصیحت کرتے ہوئے ایسی بہترین باتیں ارشاد فرمائی ہیں جو بلا مبالغہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں انہوں نے طویل مضمون میں ان لوگوں کے شبہات کا ازالہ فرمایا اور پوری ہمدردی اور دلسوزی سے ان کی خیر خواہی کی، ان لوگوں کا یہ شبہ تھا کہ اگر تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ قرآن (و حدیث) سے ثابت ہے تو قرآن کریم میں ایسی آیات کیوں موجود ہیں جن سے تقدیر کی نفی ثابت اور معلوم ہوتی ہے۔ ان کے اس پا در ہوا شبہ کو رد کرتے ہوئے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے جو کچھ فرمایا وہ سارا مضمون پڑھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس کے چند جملے یہ ہیں:۔

ولئن قلتم لم انزل الله آية كذا ولم قال كذا لقد قرؤا منه ما قرأتم وعلموا من — اور اگر تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں آیت کیوں نازل فرمائی ہے (جس سے تقدیر کا انکار ثابت ہوتا ہے)

تاویل ما جهلتم وقالوا بعد ذالك كله بكتاب وقدر وما يقدر يكن وماشاء الله كان ومالم يشاء لم يكن ولا نملك لانفسنا نفعاً ولا ضراً ثم رغبوا بعد ذلك ورهبوا

(ابوداؤد جلد ۲ ص۲۷۸)

اور اللہ تعالیٰ نے اس طرح کیوں فرمایا ہے؟ (تو اس کا جواب یہ ہے) کہ بلاشبہ قرآن کریم کی یہ آیتیں اور مضمون حضرات سلف صالحینؒ نے بھی پڑھا ہے جیسا کہ تم پڑھتے ہو مگر وہ اس کا مطلب سمجھ گئے اور تم نہ سمجھ سکے اور باوجود اس کے انہوں نے (پہلے ہی سے اعمال کے) لکھنے کا اور تقدیر کا اقرار کیا سو جو چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں سے مقدر ہوتی ہے اور جس کو وہ چاہتا ہے وہ ہو کر رہتی ہے اور جس کو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی اور ہم اپنے لیے نہ تو نفع کے مالک ہیں اور نہ ضرر کے اور پھر وہ راغب (الی اللہ) بھی ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے بھی تھے۔

مراد واضح ہے کہ قرآن کریم کی ان آیات سے اگر تمہیں تقدیر کا انکار معلوم ہوتا ہے تو یہی قرآن کریم اور اس کی آیات حضرات سلف صالحینؒ کے سامنے بھی تو تھیں پھر کیا وجہ ہے کہ ان کو ان آیات سے نفی معلوم نہ ہوئی اور تمہیں معلوم ہو گئی کیسے باور کیا جائے کہ تم ان آیات کی تہ تک رسائی حاصل کر گئے اور ان پر یہ راز منکشف نہ ہو سکا۔ اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اگرچہ تم قرآن کریم کی آیات پڑھتے ہو لیکن ان کا مطلب نہیں سمجھتے اور ٹھوکر کھا جاتے ہو اور حضرات سلفؒ ان کی تہ تک پہنچ گئے تو انہی کے دامن سے وابستہ رہنا ضروری اور کامیابی کی چابی ہے اور ان سے اعراض نرا خطرہ کا الارم ہے۔ اور پھر جمہور امت اور اکثریت کا خطا سے محفوظ رہنا نصوص سے ثابت ہے اکیلے دوکیلے کی غیر معصوم رائے ان کے مقابلہ میں کیا وقعت رکھتی ہے؟ علامہ اقبال مرحوم نے کیا اچھا فرمایا ہے کہ ؂

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

اس لیے قرآن کریم کی ہر آیت اور ہر حدیث کا مطلب سمجھنے کے لیے حضرات سلف صالحینؒ کا دامن تھامنا ضروری ہے اور یہی نجات کا راستہ اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضیٰ۔

بابِ اوّل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اَلَّذِيْ لَا شَرِيْكَ لَهٗ فِي الْخَلْقِ وَالْاَمْرِ بِيَدِهِ الْمَوْتُ وَالْحَيٰوةُ وَهُوَ الَّذِيْ قَالَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ وَهُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ وَاَعْلٰى دَرَجَتَهٗ فِيْ اَعْلٰى عِلِّيِّيْنَ وَحَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ جَسَدَهُ الشَّرِيْفَ وَاَجْسَادَ سَائِرِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَنْ تَاْكُلَهَا وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ عِنْدَ قَبْرِهٖ سَمِعَهٗ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ نَائِيًا بُلِّغَهٗ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَجَمِيْعِ مُتَّبِعِيْهِ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ـ اٰمين ثُمَّ اٰمين ـ

قبر کی راحت اور عذاب حق ہے ۔ اور اس کا انکار کفر ہے ۔

جملہ اہل السنت والجماعت اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ قبر اور برزخ میں اہلِ ایمان اور اصحاب طاعت کو لذت و سرور نصیب ہوتا ہے اور کفار و منافقین اور گناہگاروں کو عذاب و تکلیف حاصل ہوتی ہے اس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے ، قرآن و سنت اور اجماع امت کے صریح دلائل کے پیش نظر یہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ حضرات فقہاء کرامؒ کا ذمہ دار گروہ عذاب قبر کے منکر کو کافر کہتا ہے حالانکہ وہ تکفیر کے مسئلہ میں بڑا ہی محتاط ہے اور ان کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر کسی ایک کلمہ میں مثلاً ننانوے معانی کا احتمال بھی پیدا ہو سکتا ہو جن میں ننانوے ۹۹ پہلو کفر کے نکلتے ہوں اور صرف ایک ہی پہلو اسلام کا پیدا ہوتا ہو تو قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قائل کی مراد اسلام ہی کا پہلو ہو ہاں اگر وہ خود ہی کفر کا کوئی معنی اور پہلو متعین

کردے تو پھر کفر کے فتویٰ سے اس کو کوئی تاویل نہیں بچا سکتی، مسئلہ کی وضاحت کے لیے ہم مسلّم حضرات فقہاء کرامؒ میں سے چند بزرگوں کی شہادت نقل کرتے ہیں:۔

① علامہ طاہرؒ بن احمد الحنفیؒ (المتوفی ۵۴۲ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ولا تجوز الصلوٰۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وینکر کرام الکاتبین وعذاب القبر کذا من ینکر الرؤیۃ لانہ کافر

جو شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی شفاعت اور کرام کاتبین اور عذابِ قبر اور رؤیۃ باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، کیونکہ وہ کافر ہے۔

(خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۱ ص۱۴۹)

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل روشن ہے کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں۔

② محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام محمدؒ بن عبد الواحد الحنفی (المتوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

ولا تجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ والرؤیۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتوارث ہذہ الامور عن الشارع صلی اللہ علیہ وسلّم

شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذاب قبر اور کرام کاتبین کے انکار کرنے والے کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے اس لیے کہ یہ امور شارع علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔

(فتح القدیر جلد ۱ ص۲۴۷ طبع مصر)

یہ حوالہ بھی اپنے مدلول میں صریح ہے فتاویٰ عالمگیری (جلد ۱ ص۲۰۱ طبع مصر) میں بھی انکار عذاب قبر کو کفر لکھا ہے۔

③ امام ابو عبد اللہ محمدؒ بن احمدؒ بن بکر الانصاری الخزرجی الاندلسی القرطبیؒ (المتوفی ۶۷۱ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

فاعلموا ایہا الاخوان ان عذاب القبر ونعیمہ حق کما صرحت بہ الاحادیث الصحیحۃ ولکن اللہ تعالیٰ یأخذ بابصار الخلائق واسماعہم

اے بھائیو تم بخوبی جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت برحق ہے جیسا کہ صحیح احادیث صراحت سے اس پر دلالت کرتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی (مکلّف) مخلوق میں سے

من الجن والانس عن رؤية عذاب القبر ونعيمه لحكمة الٰهية ومن شك فی ذلك فهو ملحد اھ (مختصر تذکرۃ القرطبیؒ لعبد الوہاب الشعرانیؒ ص۳۱ طبع مصر)

جنوں اور انسانوں کی آنکھوں اور کانوں سے قبر کے عذاب اور راحت کو اوجھل رکھتا ہے کیونکہ حکمت الٰہی کا تقاضا ہی یہی ہے اور جو شخص اس کا انکار کرے تو وہ ملحد ہے۔

علامہ ابو شکور السالمیؒ (المتوفی سنہ ھ) فرماتے ہیں کہ:-

فاما عذاب القبر للمؤمنين من الجائزات وللكافرين من الواجبات والله تعالى يقول النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا يعني فرعون وقومه دل انه كان صحيحا في اي موضع وعلى اي حال ومن انكر هذا يصير كافرا والله اعلم (تمہید ص۱۲۵ طبع لاہور)

عذاب قبر مومنوں کے لیے جائز اور کافروں کے لیے واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ فرعون اور اس کی قوم صبح وشام آگ پر پیش کی جاتی ہے۔ یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ عذاب صحیح ہے جس جگہ میں ہو اور جس حالت میں ہو جو اس کا منکر ہو سو وہ کافر ہے واللہ تعالیٰ اعلم

مولانا عبد العلی بحر العلوم الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۳۵ھ) لکھتے ہیں کہ

منکر الشفاعة لاهل الكبائر والرؤية وعذاب القبر ومنكر الكرام الكاتبين كافر (رسائل بحر العلوم ص۹۹)

اہل کبائر کے لیے شفاعت، رؤیت باری تعالیٰ۔ عذاب قبر اور کرام کاتبین کا انکار کرنے والا شخص کافر ہے۔

ذخیرۂ کتب حدیث میں صحیح اور صریح احادیث میں جن کا احصار وشمار بھی مشکل ہے۔ بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ قبر کی راحت اور عذاب کا ذکر ہے۔ اور عذاب قبر کا ذکر قرآن کریم میں بھی مذکور ہے مگر کچھ لوگ اپنی بد قسمتی سے قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں دیکھنے کے بجائے محض اپنی نارسا عقل اور مادی طبیعت کے زور سے ان مسائل کو حل کرنے کی بے جا سعی کرتے ہیں اور اپنی رائے سے قرآن کریم کی تفسیر کرنے کے خوگر ہیں وہ دیگر کئی مسائل کی طرح عذاب قبر کا بھی انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کی ناقص سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مرنے کے بعد ثواب وعقاب اور راحت وعذاب بے جان جسم کو ہو؟ لیکن نصوص قطعیہ اس باطل نظریہ کی پُر زور تردید کرتی ہیں اور یہ ثابت کرتی ہیں کہ جسم کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے اور قطع نظر احادیث کے قرآن کریم میں عذاب برزخ کا ذکر ہے اپنے دعویٰ کو مبرہن کرنے کے لیے ہم

چند آیات پیش کرتے ہیں:۔

(۱) اللہ تعالیٰ سرکشوں اور باغیوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ○

اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم موت کی سختیوں میں ہونگے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے) کہ نکالو اپنی جانیں آج کے دن تمہیں بدلہ ملیگا ذلّت کے عذاب کا اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹی باتیں کہتے تھے اور اس کی آیتوں سے تکبر کیا کرتے تھے۔

(پ۷۔ الانعام ۱۲)

خروج نفس اور روح کے بعد اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ میں جس عذاب کا ذکر کیا گیا ہے یہی اصطلاح شریعت میں عذاب قبر اور عذاب برزخ کہلاتا ہے اور چونکہ یہ الفاظ استعمال کرنے والے معصوم فرشتے ہیں جن کے صادق ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اور جو بغیر پروردگار کے بلائے بولنے کے مجاز نہیں اس لیے اگر مرنے کے بعد جلدی ہی عذاب نہ ہو تو (معاذ اللہ تعالیٰ) یہ کلام صادق نہ رہے گا اور جب یہ ارشاد حق ہے تو ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد عذاب ہوتا ہے۔ (ملخصًا از کتاب الروح ص۹۳)

(۲) دوسرے مقام پر نافرمانوں اور مجرموں کے تذکرہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○

اور اگر دیکھے تو جس وقت جان قبض کرتے ہیں فرشتے کافروں کی (اور) مارتے ہیں ان کے منہ اور ان کی کمریں اور کہتے ہیں چکھو عذاب جلنے کا۔

(پ۱۰۔ الانفال ۷)

مرنے کے بعد جو عذاب الحریق کافروں کو چکھایا جائے گا وہی عذاب قبر اور عذاب برزخ ہے اس آیت کریمہ سے بھی بلا کسی تاویل کے ثابت ہوا کہ موت کے وقت ہی سے کافروں کو عذاب کی وعید سنادی جاتی ہے اور لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہونے کے فوراً بعد عذاب شروع ہو جاتا ہے۔

(۳) ایک مقام پر فرعونیوں کا واقعہ نقل کرتے ہوئے رب العزت فرماتے ہیں کہ:۔

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ○

اور گھیر لیا فرعونیوں کو بری طرح کے عذاب نے وہ آگ ہے

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا — کہ پیش کئے جاتے ہیں اس پر صبح و شام اور جس دن قیامت

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ — قائم ہوگی حکم ہوگا کہ داخل کرو فرعونیوں کو سخت سے

اَشَدَّ الْعَذَابِ ○ پ ۲۴، المؤمن ۵) — سخت عذاب میں۔

اس ارشاد سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ صبح و شام یعنی بدوام و استمرار کے ساتھ فرعونیوں کو آگ کے عذاب پر پیش کیا جاتا ہے اور وہی عذاب قبر اور عذاب برزخ کہلاتا ہے کیونکہ قیامت کا عذاب تو وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے جو اَشَدَّ الْعَذَابِ ہوگا اور جو حکم فرعونیوں کا ہے وہی حکم جملہ کفار اور مشرکین کا ہے کیونکہ جو علت ان کے عذاب اور سزا کی ہے وہی دوسروں میں بھی پائی جاتی ہے۔

حافظ عماد الدین بن کثیر الشافعی رحمہ (المتوفی ۷۷۴ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

وهذه الآية اصل كبير في استدلال اهل السنة على عذاب البرزخ في القبور — یہ آیت کریمہ قبر میں عذاب برزخ کے اثبات کے سلسلہ میں اہل سنت کے لیے ایک بڑا قاعدہ اور ضابطہ ہے

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۸۱ طبع مصر)

(۴) حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان اور مجرم قوم کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ○ — بوجہ اپنے گناہوں کے وہ غرق کئے گئے پس ڈالے گئے

فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ○ — آگ میں پھر نہ پایا انہوں نے اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے

(پ ۲۹، نوح ۲۵) — سوا کوئی مددگار۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی مجرم قوم غرقاب ہوتے ہی فوراً عذاب میں مبتلا ہو گئی کیونکہ اُغْرِقُوْا ماضی کا صیغہ ہے اور اسی طرح فَاُدْخِلُوْا بھی ماضی ہے جس میں حرف فَ ہے جو تعقیب بلا مُہلت کے لیے آتا ہے۔ (الخیالی ص۱۱۱) اور مرنے کے بعد فوراً جو عذاب ہوتا ہے اسی کا نام عذاب قبر اور عذاب برزخ ہے ان آیات طیبات سے معلوم ہوا کہ اصل عذاب قبر کا ثبوت قرآن کریم میں موجود و مذکور ہے ہاں اس کی تفسیر و تشریح جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے وحی پاکر اپنی زبان مبارک سے بیان کر دی ہے جو بالکل حق ہے کیونکہ ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود — گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

عذاب قبر کی بعض احادیث

عذاب قبر کے بارے میں بکثرت احادیث وارد ہیں ہم اس مقام پر صرف چند احادیث باحوالہ عرض کرتے ہیں

(۱) حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ :-

مرّ النبي صلى الله عليه وسلّم بقبرين فقال انهما ليعذبان وما يعذبان في كبير اما احدهما فكان لا يستتر من البول وفي رواية لمسلم لا يستنزه من البول واما الآخر فكان يمشي بالنميمة ثم اخذ جريدة رطبة فشقّها بنصفين ثم غرز في كل قبر واحدة قالوا يا رسول الله لم صنعت هذا فقال لعله ان يخفّف عنهما ما لم ييبسا

(متفق علیہ، مشکوٰۃ جلد ۱ ص۴۲، بخاری ج ۱ ص ۳۵ و مسلم جلد ۱ ص ۱۴۱ و موارد الظمآن ص ۱۹۹)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے لیکن کسی بڑے گناہ میں عذاب نہیں ہو رہا ایک کو تو اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا پھر آپ نے کھجور کی تر ٹہنی لی اور اس کے دو حصے کر دیئے ایک حصہ ایک قبر میں گاڑ دیا اور دوسرا دوسری قبر میں پھر فرمایا شاید کہ ان سے عذاب ہلکا ہو جائے جب تک کہ یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں۔

اس حدیث میں شراح حدیث نے جو روائتی اور درایتی ابحاث کی ہیں اس وقت ان سے غرض نہیں ہے یہ صحیح روایت عذاب قبر کے بارے میں نص ہے اور اس موقع پر یہی پہلو مقصود ہے۔

(۲) حضرت زیدؓ بن ثابت سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ :-

بينا رسول الله صلى الله عليه وسلم في حائط لبني النجار على بغلة له ونحن معه اذ حادت به فكادت تلقيه واذا اقبر ستة او خمسة فقال من يعرف اصحاب هذه الاقبر قال رجل انا قال فمتى ماتوا قال في الشرك فقال ان هذه الامة تبتلى في قبورها فلولا ان لا تدافنوا لدعوت الله ان يسمعكم من عذاب

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خچر پر سوار ہو کر بنو نجار کے ایک باغ میں جا رہے تھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے یکایک خچر بدکا قریب تھا کہ آپ کو گرا دیتا معلوم ہوا کہ وہاں پانچ یا چھ قبریں تھیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان قبروں میں کون لوگ دفن ہیں؟ کوئی جانتا ہے؟ ایک شخص بولا ہاں حضرت میں جانتا ہوں یہ لوگ شرک میں فوت ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اس امت (یعنی مکلف انسان)

القبر الذی اسمع منه (الحدیث) (مشکوٰۃ جلد ۱ ص۲۵، مسلم جلد ۲ ص۳۸۶ و موارد الظمآن ص۲۰۰)

کا قبروں میں امتحان ہوتا ہے اگر مجھے یہ ڈر نہ ہو کہ تم مُردوں کو دفن نہیں کرو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ جو عذاب قبر میں سنتا ہوں وہ تمہیں بھی سنا دے۔

اس روایت سے بھی عذاب قبر کے اثبات پر صراحت سے روشنی پڑتی ہے۔

(۳) حضرت انسؓ بن مالک کی ایک طویل حدیث میں یہ بھی آتا ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

ویضرب بمطارق من حدید ضربۃ فیصیح صیحۃ یسمعها من یلیه غیر الثقلین۔ (متفق علیه ولفظه للبخاری) (مسند احمد ج۳ ص۱۲۶ مشکوٰۃ جلد ۱ ص۲۵)

منافق کو لوہے کے ہتھوڑوں سے سختی سے مارا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کی آواز کو انسانوں اور جنوں کے علاوہ قریب والی ساری مخلوق سنتی ہے۔

اور ایک روایت میں آتا ہے:۔

انهم لیعذبون فی قبورهم تسمعه البهائم (موارد الظمآن ص۲۰۰)

بلاشبہ ان (مجرموں) کو قبروں میں سزا دی جاتی ہے جن کی سزا کی آواز چوپائے بھی سنتے ہیں۔

چونکہ انسان اور جن مکلف مخلوق ہے، اس لیے ان سے ایمان بالغیب مطلوب ہے، اور ان کو قبر کا عذاب سنانا حکمت کے خلاف ہے بخلاف چوپایوں اور باقی جانوروں کے کہ وہ مکلف نہیں اس لیے وہ سن سکتے ہیں۔

(۴) حضرت ابوہریرہؓ کی ایک طویل حدیث میں آتا ہے کہ منکر نکیر جب نیک و بد سے سوال کر چکتے ہیں تو منافق اور مجرم کے متعلق:۔

فیقال للارض التئمی علیه فتلتئم علیه فتختلف اضلاعه فلا یزال فیها معذبا حتی یبعثه الله من مضجعه ذالك رواه الترمذی جلد ۱ ص۱۲۷ (مشکوٰۃ جلد ۱ ص۲۵)

زمین کو حکم ہوتا ہے کہ اس پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا سو زمین اس پر سمٹ جاتی ہے اور اس کی پسلیاں آر پار ہو جاتی ہیں یہ سزا اس کو اس وقت تک ہوتی رہتی ہے جب تک کہ قیامت کے دن قبر سے کھڑا نہیں کر دیا جاتا۔

ہم نے صرف چند حدیثیں عرض کی ہیں حقیقت یہ ہے کہ راحت قبر اور عذاب قبر کے بارے میں اس

کثرت سے احادیث وارد ہیں جن کا احصار و شمار آسانی سے نہیں ہو سکتا، حافظ ابن الھمام کے حوالے سے گذر چکا ہے کہ عذاب قبر کی احادیث متواتر درجہ کی ہیں اور ان کا انکار کفر ہے یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام کے سبھی طبقے عذاب قبر اور راحت قبر کے مسئلہ پر متفق ہیں مگر کچھ بدنصیب منکر ہیں۔

قبر کا حقیقی مفہوم

لفظ قبر اور اس کی جمع قبور اور اس کا مادہ قرآن کریم میں آیا ہے اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ (پ ۳۰ الفطار ۱-) جس وقت قبریں اکھاڑی جائیں گی اور منافقوں کی تردید کے سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ۔ پ ۱۰- التوبہ) اور تو ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑا نہ ہو۔

اور ایک اور مقام پر آیا ہے:۔

فَاَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ۔ (پ ۳۰ عبس ۱-) پس اس نے اس کو مارا یعنی اس کو قبر میں داخل کرنے کا حکم دیا (تفسیر عزیزی پارہ عم ص۸۸ ترجمہ اردو)

اور نیز ارشاد ہوتا ہے:۔

اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ (پ ۳۰ العادیات ۱۱) جس وقت قبروں کے مردے نکالے جائیں گے۔

اور كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ (پ ۲۸، الممتحنہ ۲) جیسا کہ کافر اہل قبور (کی حیات سے) ناامید ہو چکے ہیں۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رو فرماتے ہیں۔ یعنی منکروں کو توقع نہیں کہ قبر سے کوئی اٹھیگا اور پھر دوسری زندگی میں ایک دوسرے سے ملیں گے یہ کافر بھی ویسے ہی ناامید ہیں (حاشیہ ص۷۱۵)

اور احادیث میں اس کثرت سے یہ لفظ آیا ہے کہ اس کا آسانی سے شمار نہیں کیا جا سکتا اور لفظ قبر حقیقۃً اس گڑھے پر اطلاق کیا جاتا ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے اور جس میں اس کا جسد عنصری رکھا جاتا ہے سابق پیش کی ہوئی حدیثیں اس کا واضح ثبوت ہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن دو قبروں پر کھجور کی ٹہنی دو حصے کر کے گاڑ دی تھی وہ حسی قبریں اور گڑھے ہی تھے کیونکہ اس سے علیین اور سجین کا وہ برزخی مقام تو مراد نہیں جو مستقر ارواح ہے کیونکہ ٹہنی کے دو حصے وہاں نہیں گاڑے گئے تھے اسی طرح بنو نجار کے جس باغ میں پانچ یا چھ قبریں تھیں اور جن کے پاس سے گذرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خچر بدکا تھا وہ حسی قبریں ہی تھیں سجین کا وہ برزخی مقام نہ تھا جو ارواح کفار کا مستقر ہے کیونکہ خچر وہاں نہیں گیا تھا بلکہ بنو نجار کے باغ میں جو قبریں تھیں ان کے پاس سے گذا تھا اور

انہیں قبروں کی نشاندہی ایک انصاری نے کی تھی اور اسی طرح میت کے عذاب کی آواز کا انسانوں اور جنوں کے بغیر جانوروں کا سننا بھی اس ظاہری اور حسی قبر ہی سے متعلق ہے کیونکہ بہائم اور حیوانات علیین کے مقام پر تو نہیں پہنچتے بلکہ سطح ارضی پر ظاہری اور حسی قبروں کے آس پاس چلتے اور چرتے پھرتے رہتے ہیں اور اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے۔

ان المیت اذا وضع فی قبرہ انہ یسمع خفق نعالھم حین یولون مدبرین الحدیث (موارد الظمآن ص۱۹۱ واللفظ لہ و بخاری جلد ۱ ص۱۷۸ و مسلم جلد ۲ ص۳۸۶)

کہ میت جب قبر میں رکھی جاتی ہے اور دفن کرنے والے اس سے واپس ہوتے ہیں تو وہ ان کی جوتوں کی کھٹکھٹاہٹ کو سنتی ہے۔

میت جس قبر میں رکھی جاتی ہے اور دفن کرنے والے جس قبر سے واپس ہوتے ہیں تو وہ یہی حسی قبر اور گڑھا ہوتا ہے کیونکہ دفن کرنے والوں کی رسائی علیین اور سجین تک نہیں ہوتی۔ حضرت بشیرؓ بن خصاصیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشرکوں کی قبروں کے پاس سے گذرے تو تین دفعہ فرمایا کہ یہ لوگ کتنی بڑی خیر سے محروم ہو کر دنیا سے چلے گئے ہیں اور جب مسلمانوں کی قبروں کے پاس سے گذرے تو تین ہی مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ کیا ہی عمدہ خیر اور بھلائی کما کر دنیا سے رخصت ہوئے ہیں اسنے میں آپ نے توجہ فرمائی۔

فاذا ھو برجل یمشی بین القبور وعلیہ نعلان فناداہ یا صاحب السبتیتین القِ سبتیتیک الحدیث (موارد الظمآن ص۱۹۷ و مستدرک جلد ۱ ص۳۷۳ قال الحاکم والذہبی صحیح)

تو دیکھا کہ ایک شخص جوتی پہن کر قبروں کے درمیان چل رہا تھا آپ نے اس کو آواز دی اور فرمایا کہ اے جوتیاں پہننے والے اپنی جوتیاں اُتار۔

ظاہر امر ہے کہ وہ شخص حسی قبروں کے درمیان جوتیاں پہن کر چل پھر رہا تھا علیین اور سجین کے برزخی مقام میں تو نہ تھا۔ غزوہ احد میں جب ستر حضرات صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

کان یجمع الثلاثۃ والاثنین فی قبر واحد الحدیث (مستدرک جلد ۱ ص۳۶۵)

دو دو اور تین تین کو ایک قبر میں جمع کر کے دفن کیا۔

یہ قبریں بھی حسی تھیں کیونکہ ظاہر طور پر شہداء اُحد کو انہی میں دفن کیا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔

اذا وضعتم موتاکم فی قبورهم فقولوا	جب تم اپنے مُردوں کو قبروں میں رکھنے لگو تو اس وقت
بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ الحدیث	بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ کے الفاظ پڑھا کرو

(مستدرک جلد ۱ ص ۳۶۶ قال الحاکم والذہبی علی شرطہما)

اس سے بھی حسّی قبریں مراد ہے کیونکہ دفن کرنے والے انہیں قبروں میں دفن کرتے ہیں ۔

فاتح مصر حضرت عمروؓ بن العاص نے وفات کے وقت اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ جب تم مجھے دفن کر چکو اور میری قبر پر مٹی ڈال چکو ۔

ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر الجزور	تو میری قبر کے ارد گرد اتنا وقت کھڑا ہونا جتنے میں
ویقسم لحمها حتی استأنس بکم واعلم	اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکتا ہو تاکہ
ماذا اراجع به رسل ربی ۔	میں تمہارے ساتھ مانوس ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے
(مسلم جلد ۱ ص ۷۶ وابو عوانہ ج ۱ ص ۷۰ ومشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۹)	آئے ہوئے فرشتوں کو جواب دے سکوں ۔

اس حدیث سے بھی بخوبی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص کی وصیت میں جس قبر کا ذکر ہے وہ یہی حسّی گڑھا ہے کیونکہ دفن کرنے والے اسی کے پاس کھڑے ہو سکتے تھے علیین پہ جانا ان کے بس میں نہ تھا ۔

اور حضرت بریدہؓ نے وصیت کی تھی کہ جب میری وفات ہو جائے تو میری قبر پہ کھجور کی دو ٹہنیاں گاڑ دینا ۔ (بخاری جلد ۱ ص ۱۸۱)

ان تمام صحیح روایات سے یہ ثابت ہوا کہ لفظ قبر اور قبور ان حسّی گڑھوں پہ اطلاق ہوا ہے جن میں مُردوں کو دفن کیا جاتا ہے اور یہ سب الفاظ صحیح احادیث میں وارد ہیں جو صاحب شریعت حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان فیض رسان اور حضرات صحابہ کرامؓ کی زبانوں سے نکلے ہیں اس لحاظ سے جہاں بھی لفظ قبر یا قبور بولا جائے گا تو اس سے حقیقتہً شریعت میں یہی گڑھے مراد ہوں گے جن میں مُردے دفن کئے جاتے ہیں اور حشر تک انہی میں رہتے ہیں اگرچہ ان کے ذرات ہی کیوں نہ ہو چکے ہوں ؎

حشر تک سوتے رہیں گے قبر میں آرام سے اب تو اپنی منزل خواب گراں تک آ گئے

قبر کا مجازی معنی

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میت کا جسم محفوظ نہیں رہتا مثلاً وہ آگ میں جل جاتا یا جلا دیا جاتا ہے یا دریا برد ہو جاتا ہے اور اس کو مچھلیاں وغیرہ جانور ہڑپ کر جاتے ہیں یا درندے اور پرندے اس کو کھا جاتے ہیں اور قبر میں دفن کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی اور ظاہر بات ہے کہ سوال قبر اور قبر کی راحت یا تکلیف و عذاب اس کے بارے میں بھی ہے ایسے لوگوں کے بارے میں حضرات متکلمینؒ فقہاءؒ اور شراحؒ حدیث کے سامنے باطل فرقوں کی طرف سے یہ اشکال پیش آیا کہ جب ان لوگوں کو قبروں میں دفن ہی نہیں کیا گیا تو ان کے متعلق قبر میں سوال اور راحت و عذاب قبر کا کیا مطلب؟ اس مشکل سوال کے جواب میں علماء اسلام اور متکلمین نے جو کچھ فرمایا وہ بقدر ضرورت اپنے مقام پر باحوالہ عرض کیا جائے گا انشاء اللہ العزیز مگر اس مقام پر صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اس مشکل سوال سے جو مخلص ان حضرات نے تلاش کیا ہے وہ یہ ہے کہ قبر صرف اس حسی گڑھے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ برزخ علیین اور سجین کے اس مقام کا نام بھی ہے جو نیکوں اور بدوں کی ارواح کا مستقر ہے اور ان لوگوں کے لیے وہی مقام قبر ہے اور ان کی راحت و عذاب کا محل بھی وہی ہے۔ لہذا سوال قبر اور راحت و عذاب سب کے لیے ہے صرف انہی لوگوں کے لیے نہیں جو مٹی کے گڑھے میں دفن کئے جاتے ہیں چنانچہ علامہ قرطبیؒ اسی اشکال کے پیش نظر لکھتے ہیں کہ:۔

وقد اجمع اهل الکشف علی ان المیت یحس بضغطة القبر ویحس باختلاف اضلاعه ولو کان فی بطون السباع والطیور او کان قد حرق وذری فی الریح فتحس کل ذرة بالالم ولو کانت متفرقة اھ (مختصر تذکرہ قرطبیؒ ص۳۶ طبع مصر)

جملہ اہل کشف کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ میت قبر کی تنگی اور پسلیوں کے آر پار ہونے کو محسوس کرتی ہے اگرچہ وہ درندوں اور پرندوں کے پیٹ میں ہو یا اس کو جلا کر ہوا میں بکھیر دیا جائے میت کا ہر ذرہ تکلیف کو محسوس کرتا ہے اگرچہ اس کے ذرات متفرق ہو چکے ہوں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبر کی تنگی اور عذاب سے وہ لوگ بھی مستثنیٰ نہیں جن کو درندے اور پرندے کھا گئے ہوں یا ان کو جلا کر ہوا میں بکھیر دیا گیا ہو جہاں بھی ان کے ذرات ہوتے ہیں وہی جگہ ان کے حق میں قبر ہوتی ہے۔ حافظ ابن القیم الحنبلیؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

ومما ینبغی ان یعلم ان عذاب القبر هو

یہ جاننا مناسب ہے کہ عذاب قبر برزخ ہی کو کہتے

عذاب البرزخ فكل من مات وهو مستحق للعذاب ناله نصيبه منه قُبر او لم يُقبر فلو اكلته السباع او احرق حتى صار رمادًا و نُسف فى الهواء او صُلب او غرق فى البحر وصل الى روحه وبدنه من العذاب مايصل الى المقبور اھ (كتاب الروح ص طبع دائرة المعارف حيدرآباد دكن)

ہیں پس ہر ایسا شخص جو عذاب کا مستحق ہے جب مر جاتا ہے تو اس کو اس کے عذاب کا حصہ پہنچ ہی جاتا ہے قبر میں دفن کیا گیا ہو یا نہ سو اگر اس کو درندے کھا گئے ہوں یا جلا دیا گیا ہو حتیٰ کہ اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی گئی ہو یا سولی پہ لٹکا دیا گیا ہو یا دریا برد ہو چکا ہو بہرکیف اس کی روح اور بدن دونوں کو وہ عذاب حاصل ہوگا جو قبر میں دفن شدہ کو حاصل ہوتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی سنہ ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ:-

قال القاضى ان من لم يدفن ممن بقى على وجه الارض يتوجه السؤال والعذاب ويحجب الله ابصار المكلفين عن رؤية ذلك كما حجبها عن رؤية الملائكة والشياطين قال بعضهم وترد الحياة الى المصلوب ونحن لا نشعر به كما انا نحسب المغمى عليه ميتا وكذلك يضيق عليه الجو كضمة القبر ولا يستنكر شيئا من ذلك من خالط الايمان قلبه وكذلك من تفرقت اجزاؤه يخلق الله الحياة فى بعضها او كلها ويوجه السؤال عليها قاله امام الحرمين قال بعضهم وليس هذا بابعد من الذر الذى اخرجه الله

(رئیس المتکلمین امام اہل السنۃ) قاضیؒ (محمد ابوبکر بن الطیب الباقلانیؒ المتوفی سنہ ۴۰۳ھ) فرماتے ہیں کہ جو شخص دفن نہ کیا گیا ہو اور وہ زمین کی سطح پہ ہو تو اس سے بھی سوال ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مکلف مخلوق کی نگاہوں کو اسکے دیکھنے سے روک دیتا ہے جیسا کہ اس نے فرشتوں اور شیاطین کے دیکھنے سے اسکی نگاہیں روک دی ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ جس کو سولی پہ لٹکایا جاتا ہے زندگی اس کی طرف بھی لوٹائی جاتی ہے لیکن ہم اس کا شعور نہیں کر سکتے جیسا کہ ہم بیہوشی والے کو مردہ خیال کرتے ہیں (اور اس کی حیات کا شعور نہیں کر سکتے) اور قبر کی طرح اس پہ جو اور فضا کو تنگ کیا جاتا ہے جس شخص کے دل میں ایمان داخل ہو چکا ہے وہ ان میں سے کسی چیز کو بھی اوپرا نہیں سمجھتا اور اسی طرح جس کے اجزاء متفرق ہو چکے ہوں اللہ تعالیٰ بعض یا کل اجزاء میں حیات پیدا کر دیتا ہے اور پھر اس پہ سوال متوجہ ہوتا ہے امام الحرمینؒ (استاذ امام غزالیؒ ابو المعالی عبد الملکؒ المتوفی سنہ ۴۷۸ھ) نے ایسا ہی فرمایا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کارروائی ان چیونٹیوں سے زیادہ مستبعد

من صلب آدم واشهدهم على انفسهم الست بربكم قالوا بلى انتهى (شرح الصدور ص۵۹ طبع مصر)

تو نہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت سے نکالا اور پھر انکو ان کے نفوس پر یہ فرماتے ہوئے گواہ بنایا کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔

عذابِ قبر کے بارے میں مذاہب

قبر میں راحت و عذاب کے بارے میں جو مختلف اقوال، شروح حدیث کتبِ کلام و فقہ اور تفاسیر و علم تصوف میں نظر سے گذرے ہیں (جن میں بیشتر اقوال کا ذکر آگے متعدد عبارات میں آرہا ہے انشاء اللہ العزیز) وہ یہ ہیں۔

(۱) یہ کہ قبر میں راحت و عذاب اور سوال وغیرہ کچھ نہیں ہوتا کیونکہ جب میت میں حیات ہی نہیں ہوتی تو پھر یہ اُمور جو حیات پر متفرع ہیں کیونکر متحقق ہو سکتے ہیں؟ یہ مسلک ملاحدہ، خوارج، کچھ معتزلہ اور بعض مرجیہ وغیرہ کا ہے جن میں ضرار بن عمرو اور بشر المریسی وغیرہ کا نام آگے عبارات میں آئے گا۔ اور علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ معتزلہ کے ایک شیخ ضرار بن عمرو الغطفانی نے عذابِ قبر کا انکار کیا ہے جن خوارج سے ہم ملے ہیں ان کا بھی یہی مذہب ہے، اہلِ سُنّت اور بشر بن المعتمر و الجبائی اور بقیہ معتزلہ عذابِ قبر کے قائل ہیں ہم بھی اسی کے قائل ہیں اس لیے کہ اس کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے احادیث ثابت ہیں (ملل ونحل جلد ۲ ص۸۵ ترجمہ اردو) اور کتبِ علم عقائد اور شروح حدیث میں ان کا ٹھوس ردّ موجود ہے یہ مسلک قرآن وحدیث کی نصوص قطعیہ اور صریحہ کے خلاف ہے اور جمہور امت کا اتفاق و اجماع اس پر مستزاد ہے بعض دلائل کا ذکر پہلے کر دیا گیا ہے اور بعض کا ذکر آئندہ اوراق میں ہو گا انشاء اللہ تعالیٰ اور ایک بیّن حقیقت کے اثبات کے لیے اس سے زیادہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

(۲) یہ کہ عذابِ قبر اور راحت صرف بدن کو حاصل ہوتی ہے اور روح کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہ نظریہ محمد بن جریر کرامی، عبداللہ بن کرام، ابوالحسین الصالحی (جو فرقۂ صالحیہ کا سربراہ تھا) اور ان کے دیگر ہمنوا لوگوں کا ہے لیکن روح کے اتصال اور تعلق کے بغیر محض بے جان جسم کے عذاب و راحت کا قول نری حماقت ہے۔ چنانچہ علامہ شمس الدین احمدؒ بن موسیٰ المشہور بہ الخیالیؒ (المتوفی سنہ ۸۶۲ھ) اس گروہ کا ردّ کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

جوّز بعضهم تعذيب غير الحي ولا شك انه سفسطة (الخيالي ص۱۱۸ ونحوه في نبراس ص۳۲۲)

ان میں سے بعض نے بلا حیات بدن کے معذب ہونے کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ نری حماقت ہے۔

(۳) یہ کہ قبر میں عذاب و راحت محض روح کو ہوتی ہے کیونکہ بیشتر ابدان ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اور بعض کو جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے اور بعض کو درندے، پرندے اور مچھلیاں کھا جاتی ہیں اور ان کے اجسام ان حیوانات کا جزو بدن ہو جاتے ہیں تو پھر بدن کے معذب ہونے کا کیا مطلب؟ یہ مذہب علامہ ابن حزمؒ اور ابن میسرہؒ (یا ابن جبیرہؒ) وغیرہ کا ہے اور یہی غلط نظریہ مؤلف اقامۃ البرہان کا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ۔ باقی انبیاء علیہم السلام شہداء کرام اور مؤمنین کو برزخ میں جو نعیم و راحت حاصل ہوتی ہے۔ وہ صرف ان کی روحوں کو ہے۔ ابدان عنصریہ اس میں شریک نہیں ہیں بلفظہٖ (ص۱۹۸) العیاذ باللہ تعالیٰ۔ لیکن صحیح اور صریح حدیثیں اس مذہب کا پرزور رد کرتی ہیں اور جمہور علمائے ملت اس کے خلاف ہیں اور یہ حضرات جمہور وزنی دلائل سے ان کی تردید کرتے ہیں جیسا کہ عنقریب باحوالہ عبارتیں آرہی ہیں انشاء اللہ العزیز۔

(۴) یہ کہ قبر اور برزخ میں راحت و کلفت روح اور بدن دونوں کو ہوتی ہے لیکن بدن اولی، عنصری اور مادی کو نہیں بلکہ بدن مثالی کو جو ان کے نزدیک بدن عنصری کے اندر حلول کئے ہوئے ہوتا ہے جس کو بعض نفس ناطقہ اور بعض نسمہ بھی کہتے ہیں اور قبر میں روح کا تعلق اسی بدن مثالی سے ہوتا ہے اور راحت و عذاب اس بدن کو ہوتا ہے اگرچہ بدن عنصری اور مادی ریزہ ریزہ ہو کر فنا ہی کیوں نہ ہو جائے اور یہی وجہ ہے کہ دیکھنے والوں کو قبر میں کوئی راحت و تکلیف جو مردہ پر وارد ہوتی ہے محسوس نہیں ہوتی کیونکہ ان کی نگاہ تو بدن مادی پر پڑتی ہے اور بدن مثالی محسوس نہیں تو اسی طرح اس کی راحت و تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی یہ مسلک بعض حضرات صوفیائے کرامؒ کا ہے اور اس مسلک کے اختیار اور قبول کرنے کا باعث بھی وہی مجبوری ہے جو دوسرے لوگوں کو پیش آئی کہ بسا اوقات بدن مادی اور عنصری بالکل خاک ہو جاتا ہے یا اس کو جلا دیا جاتا ہے یا اس کو حیوانات ہڑپ کر جاتے ہیں تو پھر اس کو سزا کیونکر ہو سکتی ہے؟ اور چونکہ احادیث صحیحہ اور حضرات ائمہ دینؒ کی عبارات میں جسم اور بدن کا لفظ مذکور ہے اس لیے ان حضرات نے اس بدن سے بدن مثالی مراد لی ہے اور فرماتے ہیں کہ ارباب کشف نے اپنے کشف کے ذریعہ اس بدن کا ادراک کیا ہے اور متعدد کتب تفسیر اور تصوف میں بدن مثالی کا ذکر موجود ہے اور علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات لوگوں سے بدن مثالی ہی سے ہوتی ہے (روح المعانی جلد ۵ ص۳۲۶) اور زلیخا نے جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو ورغلانے کی کوشش کی تھی تو اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی مثالی صورت ہی ان کے سامنے پیش ہوئی تھی (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص۴۷۴ و صراط مستقیم ص۱۴۸) اور حضرت

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں عالم مثال کے وجود پر ایک مستقل باب قائم کر کے اس حقیقت کو آشکارا کیا ہے بلا شک یہ سب باتیں اپنے مقام پر حق اور صحیح ہیں لیکن یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیئے کہ جو حضرات قبر اور برزخ میں حساب و سوال اور عذاب و راحت بدن مثالی کے لیے تسلیم کرتے ہیں وہ یہ نہیں فرماتے کہ بدن مادی اور عنصری کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ بدن مثالی کے ساتھ بدن عنصری اور مادی بھی اس کارروائی میں برابر کا شریک ہوتا ہے چنانچہ صوفی کامل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے پہلے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ قبر میں روح کا تعلق بدن مثالی سے قائم کیا جاتا ہے اور عذاب و راحت اس سے ثابت ہوتا ہے پھر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

البتہ بعض احادیث میں رد روح الی الارض و عود فی الجسد آیا ہے جس سے اسی بدن دنیوی کے ساتھ تعلق اور بدن مثالی سے عدم تعلق متبادر ہوتا ہے سو ممکن ہے کہ سوال کے وقت وہ روح بدن مثالی کے اندر ہو کر ارض کی طرف بھی جاتی ہو اور اس بدن عنصری کے ساتھ اس مجموعہ کو ایک گونہ متعلق کر کے سوال اسی روح اور بدن مثالی سے ہوتا ہو مگر یہ تعلق عادتاً کسی حکمت سے اسی وقت شرط ہو جب کہ جسد عنصری باقی ہو اور اگر وہ متفرق و متلاشی ہو گیا ہو سوال و غیرہ اسی مجموعہ روح و بدن مثالی سے ہو جاتا ہو خواہ ارض میں یا غیر ارض میں الخ (التکشف ص۵۵ طبع اشرفیہ دہلی و طبع لاہور ص۱۸۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

غریق و سوختہ و مصلوب کے عذاب و ثواب قبر کی صورت

ناممکن اور ممتنع نہیں ہے کہ مصلوب اور غریق کی روح پھیر دی جائے اور ہم معلوم نہ کر سکیں کیونکہ وہ روح اسی قسم کی ہے جیسے بے ہوش اور سکتہ زدہ اور مبہوت زندہ ہوتے ہیں اور ان کی روحیں ان کے ساتھ ہی ہوتی ہیں اور بظاہر وہ مردہ دکھائی دیتے ہیں ان کی زندگی ہم کو معلوم و محسوس نہیں ہو سکتی جس کے ٹکڑے ٹکڑے اور اجزاء الگ الگ ہو کر پراگندہ ہو جاویں خدائے قادر مطلق پر نہ مشکل ہے اور نہ ممتنع ہے کہ ان اجزاء میں روح کو پیوست کر دے اور درد اور دکھ اور سکھ کا شعور ان اجزاء میں پیدا کر دے الخ (المصالح العقلیۃ حصہ سوم ص۳۲۲ مکتبہ دینیہ دیوبند) اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

---

لہ حضرت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعد وفات کے بھی حیات برزخیہ ثابت ہے وہ حیات شہداء کی حیات سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیات ناسوتی کے قریب ہے (میلاد النبی ماخوذ از ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ص۶ ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۶۰ء)

اسی طرح بلا شبہ مرنے کے بعد اجزائے بدن سے بھی روح کا تعلق رہتا ہے گو نیکوں کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں اور بدوں کی سجیّن میں لیکن روحوں کا روحانی تعلق ابدان کے ذرات کے ساتھ رہنا ضروری ہے خواہ کسی کو قبر میں دفن کریں خواہ جلادیں خواہ وہ ڈوب جائے ذرے ذرے کے ساتھ روح کا تعلق (بالاتر از فہم) رہتا ہے اس کی نظیر ایک تار برقی کافی ہے تار برقی کا تعلق دیکھئے کہاں سے کہاں تک رہتا ہے ایسا ہی روح کا تعلق باوجود علیین و سجیین کے تعلق کے بدن کے ساتھ بھی رہتا ہے اور ضرور ہے مگر اس کو دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتیں کیونکہ عالم غیب کے اسرار دنیا دار کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جانا ہی مناسب ہے کیونکہ پھر ایمان بالغیب نہیں رہیگا الخ (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص۳۲۷ و ص۳۲۸)

نیز حضرت مولانا تھانوی ارقام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تین مقام انسان کے لیے ٹھہرائے ہیں دنیا برزخ و دار قرار اور ہر ایک مقام کے لیے علٰحدہ علٰحدہ کچھ احکام ٹھہرائے ہیں جو اسی سے مخصوص ہیں اور انسان کو بدن اور نفس سے مرکب کیا اور دنیا کے احکام بدنوں پر ٹھہرائے اور روحوں کو بدنوں کے تابع کیا اس لیے شرعی احکام ان حرکات سے مرکب کئے ہیں جو زبان اور اندامون سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ دل میں کچھ اور باتیں چھپی ہوئی ہوں اور خدا تعالیٰ نے برزخ کے احکام روحوں پر ٹھہرائے اور جسموں کو روح کے تابع کیا پس جیسا کہ روح دنیا کے احکام میں بدنوں کے تابع ہو کر بدن کے دردناک ہونے سے دردناک ہوتی اور لذت پاتی ہے قبر یعنی عالم برزخ میں جسم دکھوں اور سکھوں میں روح کے تابع ہو جاتا ہے اور روح دکھ اور سکھ کو پہنچتی ہے تو بدن بھی اس دکھ سکھ کے تابع ہو جاتا ہے اور اس جگہ بدن ظاہر ہے اور روح پوشیدہ اور عالم قبر یعنی عالم برزخ میں روح غالب و ظاہر ہوگی اور بدن پوشیدہ اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری ہوں گے یعنی دکھ اور سکھ روح کو جب پہنچے گا تو وہ صاحب روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا جیسا کہ دنیا میں جسم کو کچھ راحت یا دکھ پہنچے تو اس کا اثر روح پر بھی سرایت کر جاتا ہے جب یہ ہے تو ان واقعات کا ظاہری جسم پر ظاہر ہونا ضروری نہیں وہ سب احکام روحانی ہیں جن کو روح مدرک کرتی ہے اور وہ سب واقعات بھی اس عالم کے ہیں پس ان کا محسوس ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ عادۃً ممکن بھی نہیں الا ماشاء اللہ تعالیٰ) خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت و لطف و احسان سے اس امر کا نمونہ دنیا میں بھی سونے والے کے حال سے ظاہر و باہر فرمایا ہے کیونکہ خواب میں جو دکھ اور سکھ سونے والے کو پہنچتا ہے وہ اس کی روح پر جاری ہوتا ہے اور اس میں بدن اس کے تابع ہوتا ہے ایسا ہی عالم برزخ میں بھی جسم اور روح کے لیے دکھ اور سکھ کا رائج جاری ہے بلکہ اس خواب سے بھی زیادہ کر ہوگا کیونکہ اس عالم برزخ میں روح کا تجرد اور ظاہر ہونا بہت کامل ہوتا ہے اور روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات

میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر بھی یہ رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور جدائی نہیں ہوتی انتہیٰ بلفظہٖ (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص۳۱۹ و ص۳۲۱) اس عبارت میں جس جسم کا ذکر ہے وہ یقیناً جسم عنصری، مادی اور خاکی ہے۔ کیونکہ دنیا میں جس جسم کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے وہ یہی جسم عنصری ہے یاد رہے کہ یہ پوری عبارت حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کی کتاب الروح ص۴۶ و ص۴۷ کا بعینہٖ لفظی ترجمہ ہے۔ نیز ارشاد فرماتے ہیں پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اس چشم سے لینا چاہیئے جس کو کسی قدر کشفی آنکھ نے بھی بتلایا ہے کہ اس تودہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اہل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے جو آدمی ان قویٰ سے کام لے جن سے کشف قبور ہوتا ہے تو وہ ان تعلقات کو دیکھ سکتا ہے الخ (حصہ سوم ص۲۳۶)

اور نیز فرماتے ہیں۔ غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ انسان میت سے کلام کر سکتا ہے ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کے لیے ایک مقام ملتا ہے اور یہ ایک ایسی مسلم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے پس یہ مسئلہ عام طور پر مسلمہ مسئلہ ہے بجز اس گمراہ فرقے کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے۔ (ایضاً ص۲۳۷)

مؤلف ندائے حق نے ص۸۰ سے ص۹۷ تک قبر کے معنی کی بزعم خویش تحقیق کی ہے اور اس پر خاصا اصرار کیا ہے کہ قبر اس گڑھے کو نہیں کہتے جس میں مردہ کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ قبر سے برزخ مراد ہے اور اس کے لیے انہوں نے چند حوالے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے اور ایک نظم الفرائد کا اور ایک مولانا عبدالحق کا دیا ہے حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۱: قبر سے مراد حدیث میں عالم برزخ ہے نہ حفرہ (گڑھا) (مجالس الحکمۃ ص۴۳) ۲: غرض ایک جسم تو یہاں ہے اور ایک جسم عالم مثال میں ہے وہاں کی دوزخ بھی مثالی ہے بس اس مثال ہی کا نام قبر ہے کیونکہ وہ جو عالم مثال ہے وہیں اس کو عذاب قبر بھی ہوگا اشکال تو تب ہوتا جب قبر سے مراد یہ گڑھا ہوتا جس میں لاش دفن کی جاتی ہے حالانکہ اصطلاح شریعت میں قبر گڑھے کو کہتے ہی نہیں بلکہ عالم مثال کو کہتے ہیں قبر اور وہاں پہنچنا کسی حال میں منتفی نہیں خواہ مردہ دفن ہو یا نہ (اشرف الجواب ج ۲ ص۲۴۲) ۳: مرنے کے بعد مثالی قبر میں اٹھایا جاتا ہے وہیں سوالات اور عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ اشرف الجواب ج ۲ ص۲۴۳) ۴: اس روح کو برزخ میں دوسرا جسد عطا ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس جسد سے تعلق رکھتا ہے اور قبر کا سوال و جواب اس جسد مثالی سے ہوتا ہے جو وہاں عطا ہوتا ہے اور جسد عنصری سے تعلق رہنے کا ایسا ہی درجہ ہے جیسے کوئی ایک رضائی اتار کر رکھ دے اور دوسری اوڑھ لے

چنانچہ پھر ناتو دوسرے جسم کے ساتھ ہوتا ہے اگرچہ ایک گونہ تعلق پہلے کے ساتھ بھی رہتا ہے تو روح کو وہاں جسد مثالی کے ساتھ ہوگی مگر تعلق اس جسد عنصری کے ساتھ بھی ہوگا۔ اب اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ اگر کسی میت کو شیر کھا جائے یا آگ میں جل جائے تب بھی حساب ہوگا ؟ سو یہ جواب سوال اسی جسد مثالی کے ساتھ ہوگا جو عالم برزخ میں عطا ہوتا ہے (ملفوظات ج ۴ ص ۱۳۴ و ج ۴ ص ۸۹۵)

مولانا محمد احسن صاحب سنبھلیؒ فرماتے ہیں کہ مراد قبر سے وہ گڑھا نہیں جس میں میت دفن کی جاتی ہے بلکہ اس سے مراد موت کے بعد دوبارہ اٹھ کھڑے ہونے تک سارا عالم برزخ ہے (نظم الفرائد حاشیہ شرح عقائد النسفیہ ص ۱۸۲ مترجماً)

ص ۱۶ مولانا عبدالحق حقانی مفسر و متکلم دہلویؒ فرماتے ہیں۔

قبر کے وسیع اور تنگ ہونے سے ہماری یہ مراد نہیں کہ یہ گڑھا کہ جسم کو جس میں چھپایا ہے وہ تنگ و وسیع ہوتا ہے بلکہ اس عالم میں روح پر تنگی اور کشادگی ہوتی ہے اور اصل قبر اس کی وہی ہے ہاں عرف عام میں اس جسم کے اعتبار اس گڑھے کو بھی قبر کہتے ہیں (عقائد الاسلام ص ۱۶۰ و ص ۱۶۱) حضرت تھانویؒ کی عبارت میں تصریح ہے کہ روح کا قبر اور برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے اور یہ تعلق بارشاد ان کے اس تودہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اہل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے (کما مر) ظاہر امر ہے کہ سلام کہنے والے حِسّی اور عرفی قبور کے پاس جایا کرتے ہیں عالم مثال میں نہیں جایا کرتے باقی رضائی کی مثال صرف سمجھانے کی خاطر ہے کہ ایک جسم چھوڑا کر اب روح اس میں تصرف و تدبیر نہیں کرتی کہ وہ تنمیہ اور غذا کا محتاج ہو (کما سیأتی انشاء اللہ تعالیٰ) اور دوسرا اپنا لیا مگر پہلے سے تعلق ہے ان تمام عبارات میں جیسا کہ خود حضرت تھانویؒ کی عبارت میں تصریح ہے اس اشکال کا جواب دیا گیا ہے جو ملحدین کی طرف سے کیا جاتا ہے کہ جس کو شیر وغیرہ درندے کھا جائیں یا جلا دیا جائے یا پانی میں ڈوب جائے تو اس کا سوال و جواب کہاں ہوتا ہے ؟ اور اس کی سزا و راحت کہاں ہوتی ہے حضرت تھانویؒ نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس گڑھے کو اصطلاح شریعت میں قبر نہیں کہتے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ حِسّی قبر اور گڑھا شرعاً قبر نہیں ہوتا بلکہ مراد یہ ہے کہ اسی کا نام قبر نہیں ہے تاکہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ قرار پائیں جن کو جلایا گیا یا جانور کھا گئے یا دریا وغیرہ میں غرق ہو گئے بلکہ قبر کا مفہوم اس سے وسیع ہے ہاں یہ مٹی کا گڑھا بھی قبر ہے جیسا کہ خود حضرت تھانویؒ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ کے

ترجمہ اور تفسیر میں لکھتے ہیں۔ پھر (بعد عمر ختم ہونے کے) اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں لے گیا (کقولہ تعالیٰ فِیْهَا نُعِیْدُکُمْ خواہ اول ہی خاک میں رکھ دیا جائے یا بعد چندے خاک میں مل جائے) (بیان القرآن ص۱۲۱ طبع دہلی)

اس مقام میں حضرت تھانویؒ خاک کے اس گڑھے کو قبر کہتے ہیں جس میں مردہ رکھا جاتا ہے۔ حضرت تھانویؒ شرعی طور پر میت کو دفن کرنے کے مسائل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں میت کی قبر کم از کم اس کے نصف قد کے برابر گہری کھودی جائے اور قد سے زیادہ نہ ہونی چاہیئے۔ جب قبر تیار ہو چکے تو میت کو قبلے کی طرف سے قبر میں اُتار دیں۔ قبر میں اتارنے والوں کا طاق یا جفت ہونا مسنون نہیں۔ قبر میں رکھتے وقت بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ کہنا مستحب ہے۔ میت کو قبر میں رکھ کر داہنے پہلو پر اس کو قبلہ رو کر دینا مسنون ہے۔ قبر میں رکھنے کے بعد کفن کی وہ گرہ جو کفن کھل جانے کے خوف سے دی گئی تھی کھول دی جائے۔ مردوں کے دفن کے وقت قبر پر پردہ کرنا نہ چاہیئے الخ۔ جب میت کو قبر میں رکھ چکیں تو جس قدر مٹی اس کی قبر سے نکلی ہو وہ سب اس پر ڈال دیں اس سے زیادہ مٹی ڈالنا مکروہ ہے۔ قبر میں مٹی ڈالتے وقت مستحب ہے کہ سرہانے کی طرف سے ابتداء کی جائے اور ہر شخص اپنے دونوں ہاتھوں میں مٹی بھر کر قبر میں ڈالدے اور پہلی مرتبہ پڑھے مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ اور دوسری مرتبہ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ اور تیسری مرتبہ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى بعد دفن کے تھوڑی دیر تک قبر پر ٹھہرنا اور میت کے لیے دعائے مغفرت کرنا یا قرآن مجید پڑھ کر اس کا ثواب اس کو پہنچانا مستحب ہے۔ بعد مٹی ڈال چکنے کے قبر پر پانی چھڑک دینا مستحب ہے۔ قبر کا مربع (چوکور) بنانا مکروہ ہے۔ قبر کا ایک بالشت سے بہت زیادہ بلند کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ قبر پر گچ کرنا یا اس پر مٹی لگانا مکروہ ہے۔ بعد دفن کر چکنے کے قبر پر کوئی عمارت مثل گنبد یا قبے وغیرہ کے بنانا بغرض زینت حرام ہے اور مضبوطی کی نیت سے مکروہ ہے (بہشتی زیور حصہ ۱۱ ص۹۸، ۹۹ ملخصاً) یہ بتانا تو مؤلف ندائے حق وغیرہ کا کام ہے کہ ان عبارات میں شرعی اور فقہی طور پر لفظ قبر گڑھے پر اطلاق ہوا ہے یا برزخ اور مثالی قبر پر؟

اس کے علاوہ بھی متعدد عبارتیں حضرت تھانویؒ کی اس بارے میں موجود ہیں، ان تمام عبارات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قبر میں عذاب و راحت کے سلسلہ میں بدن مثالی سے تعلق ہوتے ہوئے بھی بدنِ مادی اور عنصری کے ذرے ذرے سے روح کا تعلق ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے اگرچہ یہ ہماری عقل سے بالاتر ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ اجزاء خواہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں یا جلا دیئے جائیں مگر روح کا تعلق ان سے ضرور ہے، اس حد تک بدن مادی اور عنصری

سے تعلق تسلیم کر چکنے کے بعد عذاب و راحت کا تعلق بدن مثالی سے بھی ہو تو اس سے کسی نص یا جمہور کے مسلک پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

(۵) یہ کہ بدن کے نصف اعلیٰ میں روح ڈالدی جاتی ہے اور بدن کا نچلا حصہ روح کے تعلق سے محروم ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ سے ایک فتویٰ اسی مضمون کا آگے آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ ان کے علاوہ یہ معلوم نہیں کہ اور کون حضرات اس کے قائل ہیں؟ چنانچہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ (المتوفی ۱۳۹۴ھ) فرماتے ہیں کہ۔ اور بعض کہتے ہیں کہ روح کا حلول بدن کے نصف اعلیٰ میں ہوتا ہے، ظاہر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میت کے تمام اجزاء میں روح کا اعادہ ہوتا ہے جس بدن سے روح نکالی گئی تھی قبر میں پھر اسی بدن میں روح ڈالی جاتی ہے اور مردہ قبر میں اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس عہ میت کے اجزاء متفرق ہو گئے ہیں اس کے فقط دل یا دماغ میں یا اور کسی عضو میں حیات ڈالی جاتی ہے۔ اس تخصیص پر کوئی نقل نہیں دیکھی اور دلیل عقلی کافی نہیں الا یہ کہ اس طرح کہیں کہ جس میت کے اجزاء متفرق ہو گئے ہوں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ جتنے اجزاء کو چاہے اس کے جمع کر کے اس میں حیات پیدا فرما دیں اور پھر ان سے سوال فرمادیں اور مزید تحقیق کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ کوئی امکان ہے واللہ تعالیٰ اعلم اور جس شخص کو درندے یا پرندے کھا جائیں اس سے اس وقت سوال ہوتا ہے کہ جب وہ ان جانوروں کے پیٹ میں قرار پکڑ جائے اور یہ بات حقیقت ہے مجاز نہیں جیسے کہ بزازیؒ نے فتاویٰ بزازیہ میں اس کی تصریح کی ہے، بزازیؒ فقہاء حنفیہ میں سے ہے فتاویٰ بزازیہ میں لکھتے ہیں السوال فیما یستقر فیه المیّت حتی لو اکله السبع فالسوال فی بطنه انتهی یعنی سوال اسی جگہ ہوتا ہے جہاں میّت قرار پکڑے حتیٰ کہ اگر کسی کو درندے نے کھا لیا ہو تو اس سے درندہ کے پیٹ میں سوال ہوگا اھ (فتح الغفور ص۳۰ لمولانا کاندھلویؒ شرح منظومة القبور للسیوطیؒ) علامہ بزازی کی یہ عبارت امام سیوطیؒ نے بھی نقل کی ہے اور فی بطنه سے آگے یہ عبارت بھی ہے۔

فان جعل فی التابوت ایّاما لنقله الی مکان آخر لا یسأل مالم یدفن اه (شرح الصدور ص۱۴)	اور اگر میت کو دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے تابوت میں رکھا گیا تو جب تک اس کو دفن نہیں کیا جائے گا اس سے سوال نہ ہوگا۔

خط کشیدہ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تمام بدن میں روح نہیں لوٹائی

جاتی بلکہ صرف بالائی حصہ میں اس کا اعادہ ہوتا ہے، لیکن حضرت مولانا نے ظاہر احادیث کے حوالہ سے اس مسلک کا جواب دے دیا ہے مزید رد کی ضرورت نہیں ہے۔

(۶) یہ کہ اگر جسم موجود و محفوظ ہو تو عذاب قبر یا آرام جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے اور بصورت دیگر علیین یا سجین میں جہاں ارواح ہوتے ہیں عذاب یا آرام ان کو ہوتا ہے یا یوں سمجھیے کہ جب روح اور جسم دونوں کا تعلق ہوتا ہے تو ثواب و عقاب دونوں کو ہوتا ہے اور جب یہ تعلق باقی نہیں رہتا تو سزا اور راحت صرف روح کو ہوتی ہے مشہور صوفی امام عبد اللہ بن اسعد یمنی الشافعیؒ (المتوفی ۷۵۵ھ جو صاحب خوارق و کرامات و تصانیف کثیرہ تھے) اپنی کتاب روضۃ الریاحین میں (جس کا ترجمہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ المتوفی ۱۳۶۲ھ کے حکم سے حضرت مولانا جعفر علی صاحب نگینوی نے کیا ہے جس کا نام نزھۃ البساتین رکھا ہے) لکھتے ہیں کہ :۔

اور دلائل شرعیہ مثل احادیث صحیحہ اور آثار مشہورہ اس پر دال ہیں کہ قبر میں عذاب و ثواب روح و جسم دونوں کو اور صرف روح کو ثواب و عذاب علیین اور سجین میں ہوتا ہے بقدر اپنی سعادت و شقاوت کے اور یہ امر عقلاً بھی محال نہیں ہے اور نقلاً ثابت ہے جس کا بیان طویل ہے الی ان قال یہ جو کچھ بیان ہوا ہے کہ کبھی عذاب صرف روح کو ہوتا ہے اور کبھی جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے یہ عالم برزخ کا واقعہ ہے ورنہ بعد قیامت کے عذاب جسم کو روح کے ساتھ ہی ہوگا۔ اس پر جمیع اہل اسلام کا اجماع ہے اور کوئی مسلمان اس کا منکر نہیں ہے اھ (نزھۃ البساتین ص۲۲) قبر اور برزخ میں جسم اور روح دونوں کے معذب ہونے کا مسلک تو جمہور اہل السنت کا ہے لیکن صرف روح کے معذب ہونے کا قول علامہ ابن حزمؒ اور ابن میسرؒ وغیرہ کا ہے اور جمہور اس کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ باحوالہ آگے اس کا بیان ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ اس کی الگ تردید کی حاجت نہیں ہے۔

(۷) یہ کہ قبر و برزخ میں جب منکر و نکیر کا سوال ہوتا ہے تو اس وقت روح کلیتہً لوٹا دی جاتی ہے اور جب حساب و سوال ہو چکتا ہے تو اس وقت روح کو علیین یا سجین میں پہنچا دیا جاتا ہے اور بدن کے ساتھ عام لوگوں کی روح کا تعلق باقی نہیں رہتا (ہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اس سے ان کے نزدیک بھی مستثنیٰ ہیں بحث اپنے مقام پر ذکر کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ) یہ نظریہ فتح الباری عمدۃ القاری اور بعض دیگر کتابوں میں بعض حضرات کا منقول ہے لیکن روح کے جسم سے قبر میں الگ ہونے پر کوئی قطعی الدلالت

اور صریح دلیل موجود نہیں ہے اور نہ جمہور اہل سنت اس کے قائل ہیں اس لیے اس نظریہ کی طرف بھی زیادہ توجہ مبذول کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

(۸) یہ کہ قبر و برزخ میں ثواب و عذاب جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے، اور قبر و برزخ میں روح کا جسم کی طرف اعادہ ہوتا ہے بعض کے نزدیک یہ اعادہ اس طریق سے ہوتا ہے جس طرح دنیا میں روح جسم کے اندر داخل تھی اور بدن میں تصرف اور تدبیر کرتی تھی اور اس طرح بدن کو حیات کاملہ اور مطلقہ حاصل ہو جاتی ہے اور جمہور و اکثر اس کے قائل ہیں کہ روح بدن میں مکمل طور پر داخل نہیں ہوتی جس طرح کہ دنیا میں تھی بلکہ روح کا بدن سے اتصال اور تعلق قائم کر دیا جاتا ہے اور بعض کے نزدیک روح کا جسم پر یا اس کے اجزاء پر پرتو پڑتا ہے جس کو وہ اشراق اور اشراف سے تعبیر کرتے ہیں اور اس اتصال و تعلق سے ایک گونہ حیات (نوع من الحیواۃ) جو مُردہ کو حاصل ہوتی ہے اس سے وہ نکیرین کا جواب بھی دیتا ہے اور ثواب و عذاب بھی محسوس کرتا ہے یہی مذہب جمہور اہل سنت کا ہے اور یہی حق و منصور ہے۔ علامہ شمس الدین القہستانی الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۹۵۳ھ) لکھتے ہیں کہ :-

والمعذب فی القبر کحی بقدر ما یتالم بہ وھو اقرب الی الحق	جس کو قبر میں سزا دی جاتی ہے وہ اس انداز کا زندہ ہوتا ہے جس سے وہ اذیت محسوس کرے اور یہی بات حق کے قریب ہے۔

(جامع الرموز ج ۲ ص ۲۹۲ طبع نولکشور)

اس مذہب کے دلائل و براہین اپنے مقام پر آ رہے ہیں انشاء اللہ العزیز۔ اس مسلک پر سب سے بڑا اور وزنی اعتراض جو وارد ہوتا ہے (اور یہی باطل اور مرجوح فرقوں کو پریشان کئے ہوئے ہے) یہ ہے کہ جب میت کو درندے اور پرندے کھا جاتے ہیں یا وہ جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے تو اس کا بدن کہاں رہا؟ جب بدن ہی نہ رہا تو روح کا اس سے تعلق اور اتصال اور پھر اس تعلق اور اتصال کی وجہ سے اس کی حیات کا کیا مطلب؟ لیکن یہ بات نرا مغالطہ اور شبہ ہے کیونکہ قبر اور برزخ کا معاملہ اس جہان سے ہے جو ہماری مادی نگاہوں سے بالکل اوجھل ہے اور عادۃً اُس عالم کی چیزیں ہمیں اس جہان میں نظر بھی نہیں آسکتیں ورنہ ایمان بالغیب نہ رہے گا جب دلائل قوی ہوں تو ہر مومن کو ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ صحاح ستہ کی مرکزی کتابوں میں حضرت ابو سعید الخدریؓ (المتوفی سنہ ۷۴ھ) حضرت حذیفہؓ بن الیمانؓ (المتوفی سنہ ۳۵ھ) اور حضرت ابو ہریرہؓ (المتوفی سنہ ۵۸ھ) وغیرہ حضرات صحابہ کرامؓ

سے مختلف الفاظ کے ساتھ روایت مروی ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں :-

عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال کان رجل یسرف علی نفسہٖ فلما حضرہ الموت قال لبنیہ اذا انا مت فاحرقونی ثم اطحنونی ثم ذرونی فی الریح فواللہ لئن قدر اللہ علیّ لیعذبنی عذابا ما عذبہ احدا فلما مات فعل بہ ذٰلک فامر اللہ تعالٰے الارض فقال اجمعی ما فیک منہ ففعلت فاذا ھو قائم قال ما حملک علی ما صنعت قال مخافتک یا رب فغفر لہ، الحدیث (بخاری جلد ۱ ص ۴۹۵ واللفظ لہ و مسلم ج ۲ ص ۳۵۶)

آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے گناہوں کی وجہ سے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی تھی جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو تم مجھے جلا کر میری راکھ کو خوب پیس کر ہوا میں اڑا دینا بخدا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر تنگی کی تو مجھے وہ ایسی سزا دے گا جو اور کسی کو اس نے نہیں دی جب اس کی وفات ہوئی تو اس سے یہی کارروائی کی گئی اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس کے تمام ذرات کو جمع کر دے سو اس نے ایسا ہی کیا جب وہ جمع کر دیا گیا تو وہ آدمی تھا جو کھڑا کر دیا گیا فرمایا کہ یہ کارروائی تو نے کیوں کی، اس نے کہا تیرے ڈر سے اے میرے پروردگار سو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ اس نے کہا کہ میری راکھ کا آدھا حصہ خشکی میں اور آدھا دریا میں بکھیر دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (بخاری جلد ۲ ص ۱۱۱۱ و مسلم جلد ۲ ص ۳۵۶) حضرت ابوسعید الخدریؓ کی روایت مسند احمد ج ۳ ص ۷۷ میں بھی موجود ہے۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ پروردگار کو اس امر پر قدرت کاملہ ہے کہ وہ راکھ کے ذرات کو بحر و بر سے جمع کر کے اس سے بھلا چنگا آدمی اور انسان بنا دے اور پھر اس سے سوال کرے ہاں جو شخص اللہ تعالےٰ کی قدرت کو تسلیم نہیں کرتا یا معاذ اللہ تعالیٰ اس کی قدرت کو محدود مانتا ہے تو اس کے لیے یہ بات تسلیم کرنی بڑی ہی مشکل ہے اس کے نزدیک مردہ کی راکھ کو بھلا کیونکر جمع کیا جا سکتا ہے؟ آگے ہم حضرات جمہور کے مسلک کی تشریح کرتے ہیں کہ وہ قبر اور برزخ میں جسم کی طرف اعادۂ روح کے قائل ہیں اور اعادہ روح کے ساتھ جو حیات ہوتی ہے وہ برزخی بھی ہے بایں معنی کہ یہ کارروائی برزخ میں ہوئی اور جسمانی بھی ہے بایں تفسیر کہ قبر میں روح کا اتصال اور تعلق جس درجہ کا بھی ہے جسم مادی اور عنصری سے ہے جو بدن دنیا میں

حاصل تھا اس لحاظ سے جن حضرات نے اس حیات کو برزخی کہا ہے وہ بھی ٹھیک ہے اور جنہوں نے جسمانی کہا وہ بھی ٹھیک ہے ہمارے نزدیک یہ نزاع صرف لفظی ہے، ہاں لا تُسْتَمِعُ کا کوئی علاج نہیں ہے، اس کی کچھ ضروری بحث اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ اب ہم جمہور اہل سنت کے اس نظریہ کے اثبات پر صحیح حدیث اور اس کے شواہد اور اقوال حضرات ائمہؒ اور عبارات علماء پیش کرتے ہیں کہ قبر میں میت کے جسم کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے بایں طور کہ روح کا جسم سے اتصال و تعلق قائم کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کو ادراک و شعور ہو جاتا ہے اور اسی شعور سے راحت و کلفت اس کو محسوس ہوتی ہے، باقی مذاہب کا رد آئندہ پیش ہونے والے دلائل میں خود بخود ہوتا رہے گا اور ان کا مستقل رد نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

اس سابق بیان سے معلوم ہوا کہ جو میت جلا کر راکھ کر دی گئی ہو یا اس کو درندے کھا چکے ہوں تو اس کو جو سزا دی جاتی ہے وہ صرف روح اور بدن مثالی ہی سے متعلق نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ اس کے بدن عنصری کا تعلق بھی ہوتا ہے اس کے بدن کا تعلق کیونکر ہوتا ہے؟ اس کا جواب انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اوراق میں ملے گا بشرطیکہ صحیح بات کو ماننے کے لیے کوئی آمادہ ہو ورنہ اس کے حق میں دلائل کا انبار بھی بے سود ہے سچ ہے کہ ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سُود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

الحاصل لفظ قبر حقیقۃً اس گڑھے پر اطلاق کیا جاتا ہے جس میں میت دفن ہوتی ہے اور مجازی طور پر اس برزخی مقام پر بھی بولا جاتا ہے جہاں میت یا اس کے اجزاء اصلیہ ہوں عام اس سے کہ وہ درندوں اور پرندوں کا پیٹ ہو یا دریا کی گہرائی ہو، آتش کدہ ہو یا ہوا ہو لیکن یہ خیال رہے کہ اس موقع پر جمع بین الحقیقۃ والمجاز کا شبہ نہ ہو جو ارباب اصول کے نزدیک جائز نہیں ہے بلکہ یہ عموم مجاز کے طور پر ہے جس کے صحیح ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے ع

خذ ما صفا ودع ما کدر

قدرتِ خداوندی کی تو حد و بست نہیں اور نہ وہ مخلوق کے حیطۂ امکان میں ہے لیکن سنت اللہ یوں جاری ہے کہ حیاتِ جسم روح کے تعلق کے بغیر متحقق نہیں ہوتی اس لیے قبر کی حیات بھی روح کے

تعلق سے ہی ہوسکتی ہے اور دلائلِ صریحہ سے ثابت ہے کہ موت کے وقت روح جسم سے نکالی جاتی ہے اور اس کے مستقر پر (جو علیین اور سجین ہے) پہنچا دی جاتی ہے۔ مگر یہ بھی صحیح براہین سے ثابت ہے کہ قبر میں میّت کی طرف اس کی روح لوٹائی جاتی ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اعادۂ روح کے کچھ دلائل باحوالہ عرض کر دیں تاکہ ماننے والوں کے ایمان و ایقان میں اضافہ ہو اور نہ ماننے والوں کے لیے شاید کہ رُشد و ہدایت کا ذریعہ ثابت ہوں یا کم از کم اتمام حجت ہی ہو جائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

باب دوم

اعادۂ روح

اہل السنت والجماعت کا یہ مسلک ہے کہ میت جب قبر میں دفن کردی جاتی ہے تو اس کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹا دی جاتی ہے یہ اعادہ بالجملہ (پورا) ہو بایں طور کہ روح بکمالہ پورے جسم میں داخل ہو جائے جیسا کہ دنیا میں داخل تھی یا فی الجملہ یعنی اس قدر روح کا جسم سے اتصال اور تعلق ہو کہ جس سے راحت و تکلیف کا احساس ہو سکے یہ اپنے مقام کی بحث ہے اور اس کے بارے میں کچھ ضروری بحث آگے بیان ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ اس اعادہ کا ثبوت صحیح حدیث سے ہے جس کی سند یوں ہے حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو معاویہؒ[1] نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اعمشؒ[2] نے بیان کیا وہ منہالؒ[3] بن عمروؒ سے اور وہ زاذانؒ[4] سے اور وہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے

---

[1] ان کا نام محمدؒ بن خازمؒ تھا، حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ وہ احد مشائخ الحدیث الثقات المشہورین تھے (البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۵) علامہ ذہبیؒ الحافظ احد الائمۃ الاعلام الثقات فرماتے ہیں (میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۲۸۲) اور نیز لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور ثبت تھے (میزان جلد ۲ صفحہ ۹۹) امام عجلیؒ یعقوبؒ بن سفیانؒ اور نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں محدث ابن خراشؒ ان کو صدوق کہتے ہیں، ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور متقن تھے ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۱۳۷) حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (تقریب صفحہ ۳۱۸) علامہ خطیب بغدادیؒ نے اپنی تاریخ جلد ۵ صفحہ ۲۴۲ سے صفحہ ۲۴۹ تک کی صفحات میں علم حدیث میں ان کی ثقاہت اور اتقان پر متعدد حضرات محدثین کرامؒ کے زریں اقوال نقل کئے ہیں اور امام یحییٰؒ بن معینؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ کریں)

روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک انصاریؓ کے جنازہ کیلئے نکلے اور قبرستان میں پہنچے لیکن ابھی تک قبر تیار نہیں ہوئی تھی آپؐ بھی وہاں جلوہ افروز ہوتے اور ہم بھی آپؐ کے پاس ہی بیٹھ گئے آپؐ نے (ایک طویل حدیث میں) مومن اور کافر کی وفات کا تذکرہ فرمایا اس میں مومن کے بارے میں یہ ارشاد بھی مذکور ہے کہ :-

حتی ینتھی بھا الی السماء السابعۃ فیقول اللہ ... مومن کی روح کو پھر ساتویں آسمان پر پہنچا دیا جاتا ہے۔

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ) ابو معاویہؒ، اعمشؒ سے روایت کرنے میں حجت ہے (جو ثقہ اور ثبت راوی ہیں) ثبت تھے اور نیز لکھا ہے کہ اعمشؒ سے روایت کرنے میں وہ اضطراب کا شکار کبھی نہیں ہوئے (جلد ۹ ص۲۴۸) ؎۲ ان کا نام سلیمان بن مہرانؒ تھا۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ الحافظ الثقہ اور شیخ الاسلام تھے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۱۴۵) محدث ابن عمارؒ کا بیان ہے کہ حضرات محدثینؒ کی پوری جماعت میں اعمشؒ سے زیادہ اثبت اور کوئی نہ تھا امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور ثبت فی الحدیث تھے اور وہ کہتے ہیں وکان فیہ تشیع مگر امام عجلیؒ کی کھلی وضاحت ان پر تشیع کا الزام نہیں لگایا اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ وہ اہلسنت والجماعت کے ہاں مشہور دس قراؤں میں سے ایک قرأت کے مسلّم امام (بھی) تھے امام ابن معینؒ ان کو ثقہ اور امام نسائیؒ ثقہ ثبت کہتے ہیں ابن حبانؒ ان کو ثقات تابعینؒ میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص۲۲۳ و ص۲۲۴ ملتقطاً) ؎۳ منہالؒ بن عمروؒ۔ امام ابن معینؒ، نسائیؒ اور عجلیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے، امام دارقطنیؒ ان کو صدوق کہتے ہیں اور ابن حبانؒ انکو ثقات میں لکھتے ہیں، بعض حضرات نے ان پر یہ جرح کی ہے کہ ان کے گھر سے ساز کے ساتھ قرأت کی آواز آئی تھی لہٰذا ان کی روایت نامعتبر ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ساز کا افسانہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

ولم یصح ذلک عنہ وجرحہ بھذا تعسف ظاھر وقد وثقہ ابن معینؒ والعجلیؒ وغیرھما اھ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص۳۲۰)

مگر یہ الزام ان پر ثابت نہیں ہو سکا اور اس کی وجہ سے ان پر جرح کرنا سراسر زیادتی ہے۔ بلاشبہ وہ ثقہ تھے امام ابن معینؒ اور عجلیؒ وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔

امام شعبہؒ نے ان سے روایت اس لیے ترک کر دی تھی کہ ان کے گھر سے ساز کی آواز آئی تھی لیکن یہ حکایت ہی من گھڑت ہے امام احمدؒ نے صرف اتنا ہی فرمایا ہے کہ ابو بشرؒ ان سے زیادہ ثقہ ہے۔ غلابیؒ نے ابن معینؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ ان کی شان کو کچھ کم کرتے تھے جوزجانیؒ ان کو سیئ المذہب کہتے تھے اور ابن القطانؒ نے غمزہ یعنی ان کو دبایا یعنی مطعون کیا یہ حوالے مؤلف تدلئے حق نے ص۲۱۴ میں نقل کئے ہیں لیکن ان سے ان پر جرح ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ساز کی نسبت انؒ کی طرف غلط ہے اور سیئ المذہب کوئی جرح نہیں کیونکہ اسی ساز کی وجہ سے جو ثابت نہیں ان کا یہ مذہب سمجھا گیا ہے اور باقی تمام جرحیں مبہم ہیں تدریب الراوی ص۲۰۴ میں ہے۔

فان کان من جرح مجملا قد وثقہ احد من ائمۃ ھذا ... سو اگر جارح نے مجمل جرح کی ہو اور اس فن کے اماموں میں سے

(باقی صفحہ آئندہ پر)

اکتبوا کتاب عبدی فی علیین واعیدوہ الی الارض فانی منہا خلقتہم وفیہا اعیدہم ومنہا اخرجہم تارۃً اُخری فتعاد روحہ فی جسدہ فیاتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ من ربک الحدیث (مسند احمد جلد ۴ صـ ۲۸۷ وتفسیر ابن کثیر جلد ۲ صـ ۵۳۱ وتحریمات حدیث صـ ۲۰۸ اور یہ روایت امام ابن المبارکؒ کی کتاب الزہد والرقاق صـ ۴۳۱ طبع علمی پریس مالیگاؤں میں بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا نام علیین میں درج کردو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے ان کو زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی میں ان کو لوٹاؤں گا اور اسی سے دوسری مرتبہ نکالوں گا پس اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھلا کر من ربک الخ سے سوال کرتے ہیں۔

صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ

الشان لم یقبل الجرح فیہ من احد کائناً من کان الا مفسراً اھ

کسی ایک نے اسکی توثیق کی ہو تو جرح کسی کی بھی قبول نہ ہوگی خواہ جرح کرنے والا کوئی بھی ہو الّا یہ کہ جرح مفسر ہو۔

سکہ نادہؒ ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے اور بعض نے ابو عمر و بیان کی ہے الکندی نسبت ہے۔ امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ ایسے ثقہ تھے جن کی مثل کے بارے میں سوال ہی نہیں کیا جا سکتا (ثقۃ لا یسئل عن مثلہ) ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ جب ان سے روایت کرنے والا ثقہ ہو تو ان کی احادیث لا باس بہا ہیں علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں علامہ خطیبؒ اور عجلیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ وہ کثیر الخطاء تھے اور حاکم ابو احمدؒ فرماتے ہیں کہ لیس بالمتین عندھم اور حکمؒ نے فرمایا کہ وہ کثیر الکلام تھے۔ لیکن امام ابن حبانؒ کا ان کو کثیر الخطاء کہنا جمہور کے نزدیک مسلم نہیں امام ابن حبانؒ متشدد بھی تھے اور متساہل بھی تھے کبھی کبھی بے سروپا باتیں کہہ جاتے تھے چنانچہ ناقد فن رجال علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

ابن حبان ربما لا یدری ما یخرج من رأسہ

ابن حبانؒ نہیں جانتے کہ ان کے سر اور دماغ سے کیا نکلتا ہے

(الاجوبۃ الکاملۃ صـ ۵۳ مولانا عبدالحیؒ)

اگر جمہور کی جرح مفسرہ ہو تو لیس بالمتین سے عدالت ساقط نہیں ہوتی (تدریب الراوی صـ ۲۳۳) اور روایت میں عدالت ہی رکن اکبر ہے (توجیہ النظر صـ ۴۶ طبع مصر) اور کثیر الکلام ہونا فن حدیث کے لحاظ سے کوئی جرح نہیں ویسے کوئی صوفی قسم کا آدمی اس کی روایت لینے میں احتیاط کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا ذاتی نظریہ ہے تدریب الراوی صـ ۲۰۲ میں لکھا ہے کہ:۔

باقی حاشیہ صفحہ آیندہ پر ملاحظہ کریں

اور نیز مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۳۸۱ طبع حیدر آباد دکن میں بھی ہے اور تفسیر ابن جریر ج ۱۳ ص ۲۱۳ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

اور اسی حدیث میں کافر کے بارے میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں کہ آسمانوں کے دروازے اس کے لئے نہیں کھلتے

فیقول اللہ اکتبوا کتابہ فی سجین فی الارض السفلی فتطرح روحہ طرحا ثم قرأ ومن يشرك بالله فكانما خر من السماء فتخطفه الطير او تهوي به الريح في مكان سحيق ○ فتعاد روحہ فی جسدہ ویأتیہ ملکان فیجلسانہ ویقولان لہ من ربک الحدیث

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی کارگذاری اور نام وغیرہ سجین میں لکھو جو ساتویں زمین میں ہے پھر اس کی روح وہاں سے پھینکی جاتی ہے پھر آپ نے یہ ارشاد خداوندی پڑھا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے پس گویا کہ وہ آسمان سے گرا اور اس کو پرندے اُچک کر لے گئے یا ہوا نے گہرے گڑھے میں ڈال دیا اور پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھا کر من ربک الخ سے

صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ :- منھال بن عمرو گھر سے طنبور کی آواز سننے کی وجہ سے امام شعبہؒ کا ان کی روایت کو نہ لینا اور حکم بن عتیبہؒ کا کثیر الکلام ہونے کی وجہ سے زاذان رہ کی روایت کو نہ لینا ایسی جرح ہے (یعنی اصول حدیث کے لحاظ سے کوئی جرح نہیں) (محصلہ تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۰۳) حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ:-

وزاذان من الثقات روی عن اکابر الصحابۃ کعمرؓ وغیرہ اھ (کتاب الروح ص ۵۹)

زاذانؒ ثقہ راویوں میں سے تھے حضرت عمرؓ وغیرہ اکابر صحابہ کرامؓ سے اس نے روایتیں کی ہیں۔

مؤلف ندائے حق نے ص ۲۰۹ میں بحوالہ تقریب مذکور زاذان رہ کے بارے میں یعنی الحدیث وفیہ شیعیۃ کے الفاظ نقل کئے ہیں اور اسی طرح ص ۲۱۱ میں تفسیر بے نظیر کے حوالے سے بھی یہ الفاظ نقل کئے ہیں لیکن یہ بالکل غلط ہے تقریب ص ۱۲۶ میں اس سند کے راوی زاذان ابو عمر کندیؒ کے بارے میں لکھا ہے صدوق یرسل وفیہ شیعیۃ اور یہ روایت متصل ہے اور شیعہ ہونا بغیر داعیہ کے اصول حدیث کے لحاظ سے کوئی جرح نہیں اور اعادۂ روح الی الجسد اہل السنت والجماعۃ کا مسلک ہے نہ کہ شیعہ کا وہ اگر اعادہ روح مانتے ہیں تو نصف حصہ تک (بحوالہ ندائے حق ص ۲۱۱) اور تقریب ص ۱۲۶ میں زاذان ابو یحییٰ القتات کے بارے میں لکھا ہے۔ یعنی الحدیث مگر وہ اس سند کا راوی نہیں ہے وہ اور ہے۔

سوال کرتے ہیں۔

یہ روایت ابوداؤد طیالسی ص۱۰۲ میں بھی مذکور ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں فیرد الی الارض وتعاد روحه فی جسده الحدیث کہ اس کو زمین کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور یہ روایت تفسیر ابن جریر ج۱۳ ص۲۱۸ میں بھی ہے اور یہ روایت صحاح ستہ کی مشہور کتاب ابوداؤد جلد۲ ص۲۹۸ میں بھی اختصاراً مروی ہے، اور اس میں یہ جملہ بھی موجود ہے وتعاد روحه فی جسده الخ اور مشکوٰۃ جلد۱ ص۱۴۲ میں بحوالہ مسند احمد مذکور ہے اور مشکوٰۃ جلد۱ ص۲۵ میں بھی اختصاراً یہ روایت موجود ہے اور اس میں بھی وتعاد روحه فی جسده الخ کے الفاظ موجود ہیں اور آخر میں لکھا ہے رواه احمدؒ وابوداؤدؒ اور امام حاکمؒ نے یہ روایت مستدرک جلد۱ ص۳۷ میں نقل کی ہے اور اس میں مومن کے بارے یہ الفاظ موجود ہیں فترد روحه الی جسده الخ اور کافر کے حق میں یہ الفاظ مروی ہیں فیرمی بروحه حتی تقع فی جسده اھ (جلد۱ ص۳۸) سو اس کی روح کو پھینک دیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے جسم میں جا پڑتی ہے۔ امام حاکمؒ نے مختصر انداز میں کئی طرق اور متعدد اسانید کے ساتھ یہ روایت نقل کر کے آگے تحریر فرمایا ہے۔

هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین فقد احتجا بالمنهال بن عمروؒ وزاذانؒ ابی عمر الکندیؒ (وفی هذا الحدیث فوائد کثیرة لاهل السنة وقمع للمبتدعة اھ (مستدرک جلد۱ ص۳۹)

یہ حدیث بخاریؒ اور مسلمؒ کی شرط پر صحیح ہے (کیونکہ ابو معاویہؒ اور اعمشؒ تو بخاری اور مسلم کے مرکزی راوی ہیں اور) منہالؒ بن عمروؒ اور زاذانؒ ابو عمرو الکندیؒ سے بھی بخاریؒ اور مسلمؒ نے احتجاج کیا ہے، اور اس حدیث میں اہل سنت کے لیے کئی فوائد اور اہل بدعت کے عقائد کے قلع قمع کا خاصا ثبوت موجود ہے۔

علامہ ذہبیؒ اس روایت کے بارے میں اپنا فیصلہ یوں ارقام فرماتے ہیں کہ :-

وهو علی شرطهما فقد احتجا بالمنهالؒ اھ (تلخیص المستدرک جلد۱ ص۳۸)

یہ روایت بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے کیونکہ امام بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں نے منہالؒ سے احتجاج کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے استاد حافظ نور الدین الہیثمیؒ (المتوفی ۸۰۷ھ) اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :-

رواه احمد ورجاله رجال الصحیح اھ

اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے اور اس کے

(مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۴۹ و ص ۵۰)

تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

اور مولانا سیدا احمد حسن صاحب (المتوفی ۱۳۳۸ھ) حضرت امام بیہقیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:-

وقال البیھقی ھذا حدیث صحیح الاسناد اھ (تنقیح الرواۃ ج ۱ ص ۳۱۷)

امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

علامہ منذریؒ فرماتے ہیں کہ امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ:-

وھذا حدیث صحیح الاسناد (الترغیب والترھیب ص ۲۶۵ ج ۲)

یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

اور خود اپنا فیصلہ یوں صادر فرمایا:-

والحدیث صحیح (تنقیح الرواۃ جلد ۱ ص ۳۱۷)

کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ:-

وقد رواہ الامام احمدؒ وغیرہ وھو حدیث اجمع رواۃ الاثر علی شھرتہ واستفاضتہ وقال الحافظ ابو عبد اللہؒ بن مندۃ ھذا الحدیث اسناد متصل مشھور رواہ جماعۃ عن البراءؓ اھ (شرح حدیث النزول ص ۳۲ طبع امرتسر)

اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے اور تمام محدثین کا اس کے مشہور اور مستفیض ہونے پر اجماع ہے اور حافظ ابو عبد اللہؒ بن مندۃ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متصل الاسناد اور مشہور ہے اور حضرت براءؓ بن عازبؓ سے ایک جماعت نے اس کو روایت کیا ہے۔

اور حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ:-

وھو حدیث صحیح صححہ جماعۃ من الحفاظ اھ (اجتماع جیوش الاسلامیۃ علی غزو المعطلۃ والجھمیۃ ص ۳۵ طبع امرتسر)

یہ حدیث صحیح ہے اور حفاظ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے اس کو صحیح کہا ہے۔

اور دوسرے مقام پر یوں لکھتے ہیں کہ:-

وقال ابو موسیٰ الاصبھانی ھذا حدیث حسن مشھور بالمنھالؒ عن زاذانؒ وصححہ ابو نعیمؒ والحاکمؒ وغیرھما اھ (تھذیب سنن ابی داؤد ج ۴)

امام ابو موسیٰ الاصبہانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن اور مشہور ہے جو منہالؒ نے زاذانؒ سے روایت کی ہے امام ابو نعیمؒ اور حاکمؒ وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔

ملخصا وكذا في مختصر سنن ابي داؤد للمنذري ج ٧ ص ١٤٢

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

هذا حديث مشهور مستفيض صححه جماعة من الحفاظ ولا نعلم احدا من أئمة الحديث طعن فيه بل رووه في كتبهم وتلقوه بالقبول وجعلوه اصلاً من اصول الدين في عذاب القبر ونعيمه ومسألة منكر ونكير وقبض الارواح وصعودها الى بين يدي الله ثم رجوعها الى القبر اھ (كتاب الروح ص ٥٨-٥٩)

یہ حدیث ثابت مشہور اور مستفیض ہے اور حفاظ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ ائمہ حدیث میں کسی نے اس میں طعن کیا ہو بلکہ انہوں نے اس کو اپنی کتابوں میں روایت کیا اور اس کو قبول کیا ہے اور قبر کے عذاب و راحت اور منکر نکیر کے سوال اور ارواح کے قبض کرنے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف لے جانے اور پھر ان کو قبر کی طرف لوٹانے کے سلسلہ میں اس روایت کو اصول دین سے قرار دیا ہے۔

اور ایک اور مقام میں محدثانہ رنگ میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

فالحديث صحيح لا شك فيه (كتاب الروح ص ٥٦)

پس یہ حدیث صحیح ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

اور علامہ منذریؒ لکھتے ہیں۔

وذكر ابو موسى الاصبهاني انه حديث حسن مشهور بالمنهال اھ (مختصر ابي داؤد جلد ٤ ص ١٤٢ للمنذريؒ)

محدث ابو موسیٰ الاصبہانیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے اور منہالؒ کے طریق سے مشہور ہے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

رواه ابو داؤدؒ واحمدؒ باسناد رواته محتج بهم في الصحيح اھ (الترغيب والترهيب ج ٢ ص ٣٦٩)

امام ابو داؤدؒ اور امام احمدؒ نے اس کو ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس کے تمام راویوں سے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں احتجاج کیا ہے۔

اور علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

روى الامام احمدؒ وابو داؤدؒ باسناد صحيح عن البراءؓ (مختصر تذكرة قرطبيؒ ص ٣٤)

امام احمدؒ اور ابو داؤدؒ نے صحیح سند کے ساتھ یہ روایت حضرت براءؓ سے روایت کی ہے۔

اور حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ اس حدیث کو احادیث الصحاح میں شمار کرتے

ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر مظہری جلد ۲ ص ۲۲۳) اور علامہ علیؒ بن عبدالکافی السبکیؒ (المتوفی ۷۵۶ھ) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ورجال اسنادہ کلہم ثقات اھ (شفاء السقام ص ۱۵۰) اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب فرہارویؒ فرماتے ہیں کہ ان الاحادیث الصحیحۃ ناطقۃ بان الروح تعاد فی الجسد عند السوال اھ (نبراس ص ۲۲۳) صحیح حدیثیں اس امر پر ناطق ہیں کہ سوال کے وقت روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بھی اس حدیث کو کما ثبت فی الحدیث کہہ کر صحیح کہتے ہیں (فتح الباری ج ۳ ص ۵۰۴)

اور علامہ داؤدؒ بن سلیمان البغدادیؒ لکھتے ہیں کہ امام احمدؒ نے مسند میں امام ابوداؤدؒ نے سنن میں امام حاکمؒ نے مستدرک میں امام ابن ابی شیبہؒ نے مصنف میں۔ امام بیہقیؒ نے کتاب عذاب القبر میں امام طیالسیؒ اور امام عبدؒ بن حمیدؒ نے اپنے اپنے مسند میں ھنادؒ بن سریؒ نے کتاب الزہد میں اور اسی طرح امام ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ وغیرہ نے صحیح اسانید اور طرق کے ساتھ حضرت براءؓ بن عازبؓ کی یہ حدیث روایت کی ہے۔ (المنحۃ الوھبیۃ فی رد الوہابیۃ ص ۱۱ طبع استنبول)

الحاصل اس حدیث کا ایک ایک راوی ثقہ اور ثبت ہے اور امام بخاریؒ اور مسلمؒ جیسے امام فن اور پختہ کار حضرات محدثین کرامؒ نے اس سند کے تمام راویوں سے احتجاج کیا ہے اور سو فیصدی حضرات محدثین کرامؒ اس حدیث کی تصحیح کرتے ہیں اور عذاب قبر و تنعیم قبر وغیرہ اہم مسائل کے بارے میں اس حدیث کو اہل سنت والجماعت کا مستدل قرار دیتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن القیمؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:-

ورواہ ابوعوانۃ الاسفرائنی فی صحیحہ و ذھب الی القول بموجب ھذا الحدیث جمیع اھل السنۃ والحدیث من سائر الطوائف اھ (کتاب الروح ص ۵۱)	امام ابوعوانہ الاسفرائنیؒ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور اہل السنت اور اہل الحدیث کے تمام فرقے اس حدیث سے جو احکام ثابت ہیں ان کے قائل ہیں۔

اور علی الخصوص قبر میں عود الروح الی البدن کے بارے میں اس حدیث کو نص قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن القیمؒ اعادہ روح کے متعلق واشگاف الفاظ میں لکھتے ہیں کہ:-

النص الصحیح الصریح وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فتعاد الروح فی جسدہ اھ (کتاب الروح ص ۵۲)	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ (قبر میں) روح کو جسم میں لوٹایا جاتا ہے نص صحیح اور صریح ہے۔

اور علامہ علیؒ بن عبدالکافی السبکیؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :۔

وفیہ التصریح بعود الروح الی الجسد اھ — اس حدیث میں عود الروح الی الجسد کی صراحت موجود ہے۔ (شفاء السقام ص۱۴۸)

غرضیکہ یہ روایت اصول حدیث کے رُو سے بالکل صحیح ہے اس کی صحت میں ذرہ بھر کلام نہیں ہو سکتا اہل السنت والجماعت کا یہ قوی مستدل ہے اور اہل بدعت کے باطل عقائد کے رد کے لیئے یہ برھان قاطع اور ان کے حق میں یہ خالص نشتر ہے۔ اور اس حدیث سے جو امور ثابت ہیں ان پر علماء کا اجماع ہے۔ (المنحۃ الوھبیۃ ص۱۱)

اس حدیث پر کلام اور اس کا جواب

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس صحیح حدیث کے سلسلہ میں جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کو بھی نقل کر کے ان کے صحیح جوابات عرض کر دیئے جائیں تاکہ معاملہ بالکل بے غبار ہو جائے لیکن اس سے قبل کہ اعتراضات اور ان کے جوابات نقل کیے جائیں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے لے کر تقریباً چوتھی صدی تک اہل السنت والجماعت کے ہر مسلک اور ہر مکتبۂ فکر کے حضرات فقہاءؒ متکلمینؒ اور علماء حق اس عقیدے پر تھے کہ وفات کے بعد قبر میں میت کو جو راحت و کلفت پہنچتی ہے اس کا تعلق بدن مع الروح کے ساتھ ہوتا ہے اور میت کو ایک گونہ حیات (نوع من الحیواۃ) حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کو فہم و شعور اور ادراکِ عذاب و نعمت ہوتا ہے۔ معتزلہ کرامیہ اور روافض وغیرہ (جس کا ذکر اپنے مقام پر ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ) اگرچہ اس حق اور صحیح مسلک کے ساتھ اختلاف رکھتے تھے لیکن اہل السنت اور اہل السنت میں شمار کئے جانے والے فرقوں میں سے کوئی شخص اس کا منکر نہ تھا، ہماری دانست میں سب سے پہلے جس شخص نے قبر میں اعادۂ روح کا انکار کیا ہے وہ امام ابو محمد علیؒ بن احمد بن حزم الظاہریؒ (المتوفی ۴۵۶ھ) ہیں جنہوں نے محلی الفصل فی الملل والاھواء والنحل اور دیگر متعدد معلومات افزا کتابیں لکھ کر بہت بڑی دینی خدمت کی ہے جو رہتی دنیا تک یاد رہیگی ان کا علم بڑا طویل اور عریض تو تھا مگر صد افسوس ہے کہ ظاہریت کی وجہ سے عمیق نہ تھا اور بعض اصولی اور فرعی مسائل میں انہوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں اور علماء ربانی نے ان کا بعض مسائل میں خوب تعاقب کیا ہے

اور بعض باتیں تو ان کے بیباک قلم سے ایسی بھی صادر ہوئی ہیں، جن پر انتہائی حیرت ہوتی ہے مثلاً صحاح ستہ کی مرکزی کتاب الجامع الترمذی کے مصنف حضرت امام ترمذیؒ کے بارے میں ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ وہ مجہول ہیں (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۱۱۷ و تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۸۸) اگر امام ترمذیؒ مجہول ہیں تو روات حدیث میں معروف کون ہوگا؟ اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ابن حزمؒ قوت حافظہ کے گھمنڈ پر جرح و تعدیل اور اسماء رجال کی تعیین میں فاحش غلطیاں کر جاتے اور بری طرح وہم کا شکار ہو جاتے تھے (لسان المیزان جلد ۴ ص ۱۹۸) علامہ شمس الدین محمدؒ بن عبد الرحمن السخاویؒ (المتوفی سنہ ۹۰۲ھ) لکھتے ہیں کہ جن حضرات نے رواۃ حدیث پر بے تحاشا کلام اور جرح کی ہے، ان میں ایک ابن حزمؒ بھی ہیں (الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص ۱۶ طبع مصر) اور بڑے بڑے ائمہ دین ان کی زبان سے محفوظ نہیں رہ سکے چنانچہ امام ابو العباس بن العریف الصالح الزاہدؒ فرماتے ہیں کہ حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزمؒ کی زبان (شقیقتین) دونوں حقیقی بہنیں تھیں (تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۳۲۷ و لسان المیزان جلد ۴ ص ۲۰۱) علامہ ذہبیؒ ائمہ دین کی شان میں ان کی گستاخی کی یوں شکایت کرتے ہیں کہ :-

وقد امتحن ھذا الرجل وشد دعلیہ وشرد عن وطنہ وجرت علیہ امور لطول لسانہ واستخفافہ بالکبار ووقوعہ فی ائمۃ الاجتہاد باقبح عبارۃ وافظ محاورۃ وابشع رد الخ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۳۲۸)

ابن حزمؒ بڑی آزمائش میں مبتلا ہوئے اور ان پر سختی بھی کی گئی اور جلا وطن بھی کئے گئے اور کئی مصائب کا شکار بھی ہوئے کیونکہ وہ بڑے بڑے ائمہ کے حق میں زبان دراز کرتے اور ان کی توہین کا ارتکاب کرتے تھے اور حضرات ائمہ مجتہدینؒ کے بارے میں قبیح ترین عبارتیں اور گھٹیا محاورات استعمال کرتے اور نامناسب لہجہ میں تردید کرتے تھے۔

اور دوسرے مقام پر یوں رقمطراز ہیں کہ :-

وانا امیل الی محبۃ ابی محمد لمحبتہ بالحدیث الصحیح ومعرفتہ بہ وان کنت لا اوافقہ فی کثیر مما یقولہ فی الرجال والعلل والمسائل البشعۃ فی الاصول والفروع واقطع بخطائہ فی غیر مسالۃ ولکن لا اکفرہ ولا اضللہ وارجولہ

میں ابن حزمؒ کے ساتھ محبت کرتا ہوں کیونکہ وہ صحیح حدیث سے محبت کرتے اور اس کی معرفت رکھتے ہیں لیکن میں ان کے بہت سے نظریات میں مثلاً رواۃ وعلل حدیث اور اصول و فروع میں ناپسندیدہ طور پر مسائل میں کلام سے موافقت نہیں کرتا اور متعدد مسائل میں ان کو یقیناً خطاکار سمجھتا ہوں لیکن

العفو والمسامحة واخضع لفرط ذكائه وسعة علمه ۱۵ — میں انکی تکفیر و تضلیل نہیں کرتا اور ان کے لیے عفو و درگذر کا امیدوار ہوں اور ان کی فرط ذکاء اور وسعت علمی کا مقر ہوں

(سیر النبلاء بحوالہ مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۱۲۹)

اور علامہ جزائری نے بھی ان کی یہ شکایت کی ہے کہ وہ بڑے بڑے ائمہ کرام کو خطا کار بتاتے اور ان پر زبان درازی کرتے تھے (توجیہ النظر ص۲۳۳)

ہمارا مقصد ان حوالوں سے ما شاء وکلا حافظ ابن حزمؒ کی تحقیر و توہین نہیں بلکہ بتانا صرف یہ ہے کہ بعض مقامات میں حدیث کے راویوں سے متعلق اور بعض احادیث کو معلول ٹھہرانے میں ان سے صریح کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں اور اصول و فروع کے کئی مسائل میں ان سے لغزشیں ہوئی ہیں، لہٰذا ایسے مقامات میں بجائے علامہ ابن حزمؒ کی پیروی کے صحیح حدیث کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور جمہور سلفؒ و خلفؒ کا ساتھ دینا ہی باعث نجات ہے اور کامیابی صرف اسی پہلو میں بند ہے اس مختصر سی تمہید کے بعد ہم سہولت کے لیے اعتراضات کے نمبر قائم کر کے انکو نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد ان کے مختصر باحوالہ جوابات عرض کرتے ہیں، اخذ و فکر کرنا قارئین کرام کا کام ہے۔

اعتراض اوّل :- حافظ ابن حزمؒ حضرت براءؓ بن عازبؓ کی مذکور حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولم یرو احد ان فی عذاب القبر ترد الروح الی الجسد الا المنہال بن عمرو ولیس بالقوی (محلی جلد ۱ ص۲۲ طبع مصر الفصل فی الملل والاہواء والنحل ج۴ ص۶۵ طبع بیروت) — کہ کسی راوی نے عذاب قبر کے سلسلہ میں روح کے جسم کی طرف لوٹانے کا ذکر نہیں کیا مگر صرف منہالؒ بن عمروؒ نے اور وہ قوی نہیں۔

جواب :- اس اعتراض کی اصول حدیث کے رو سے کوئی وقعت نہیں کیونکہ ہم پہلے باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ منہالؒ بن عمروؒ ثقہ راوی ہیں اور ان کی روایت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرط پر صحیح ہے اور باحوالہ حضرات محدثین کرامؒ کے جم غفیر سے اس روایت کی تصحیح نقل کی جا چکی ہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ علامہ ابن حزمؒ کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

واما المنہال فمن رجال البخاری وحدیث زاذان مما اتفق السلف والخلف علی روایتہ وتلقیہا بالقبول اھ (شرح حدیث النزول ص۵۱) — منہالؒ بن عمروؒ صحیح بخاری کے راوی ہیں اور زاذانؒ کی اس حدیث کے روایت کرنے اور اس کے قبول کر لینے پر تمام حضرات سلف و خلفؒ کا اتفاق ہے۔

اور حافظ ابن القیمؒ علامہ ابن حزمؒ کو جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

واما قوله ان الحديث لا يصح لتفرد المنهال بن عمرو وحده وليس بالقوي فهذا من مجازفته رحمه الله فالحديث صحيح لا شك فيه اهـ

(كتاب الروح ص۵۶)

ابن حزمؒ کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کے روایت کرنے میں منہالؒ بن عمروؒ متفرد ہیں تو یہ محض اٹکل پچو بات ہے اللہ تعالیٰ ابن حزمؒ پر رحم کرے یہ حدیث صحیح ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

علامہ ابن حزمؒ نے منہالؒ بن عمروؒ کے تفرد کا جو دعوےٰ کیا ہے حافظ ابن القیمؒ اس کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ :-

فالمنهال احد الثقات العدول قال ابن معين المنهال ثقة وقال العجلي ثقة واعظم ما قيل فيه انه سمع من بيته صوت غناء وهذا لا يوجب القدح في روايته واطراح حديثه وتضعيف ابن حزم له لا شيء فانه لم يذكر موجبا لتضعيفه غير تفرده بقوله فتعاد الروح في جسده وقد بينا انه لم يتفرد بها بل قد رواها غيره وقد روى ما هو ابلغ منها او نظيرها كقوله فترد اليه روحه وقوله فتصير الى قبره فيستوي جالسا وقوله فيجلسانه وقوله فيجلس في قبره وكلها احاديث صحاح لا مغمز فيها

(كتاب الروح ص۵۸)

منہالؒ ثقہ اور عادل راویوں میں تھے، ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ منہالؒ ثقہ ہے عجلیؒ کہتے ہیں کہ کوفی اور ثقہ تھے بڑا الزام جو ان کی طرف نسبت کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے گھر سے گانے کی آواز آئی تھی لیکن یہ ان کی حدیث کے رد اور ترک کا موجب نہیں اور ابن حزمؒ کی اس تضعیف کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ انہوں نے تفرد کے بغیر تضعیف کی کوئی اور وجہ بیان نہیں کی مگر فتعاد الروح فی جسدہ کے قول میں منہالؒ متفرد بھی نہیں بلکہ ان کے علاوہ دیگر راویوں نے ان الفاظ کی مانند بلکہ اس سے زیادہ واضح الفاظ نقل کئے ہیں مثلاً یہ کہ میت کی روح اس کی طرف لوٹائی جاتی ہے، اور یہ کہ روح قبر میں پہنچتی ہے سو میت اس وقت سیدھی بیٹھ جاتی ہے اور فرشتے اس کو بٹھلاتے ہیں اور اس کو قبر میں بٹھلایا جاتا ہے اور یہ سب صحیح حدیثیں ہیں ان میں کسی قسم کا کوئی طعن نہیں ہے۔

خود حافظ ابن القیمؒ نے اس سے قبل اُن تمام روایات کو باحوالہ نقل کرکے اُن کی نشاندہی کی ہے جن میں یہ الفاظ آتے ہیں اور ان میں منہالؒ بن عمروؒ نہیں بلکہ دیگر راوی ہیں اور علامہ سبکیؒ لکھتے ہیں کہ :-

وقد تکلم فیہ ابن حزم من جهة المنهال بن عمرو وهذا الکلام لیس بشئ لان المنهال بن عمرو روی له البخاری و وثقه غیر واحد منهم ابن معین اھ

(شفاء السقام ص۱۵۱)

اس حدیث میں ابن حزمؒ نے منہالؒ بن عمروؒ کی وجہ سے کلام کیا ہے لیکن اس کلام کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ منہالؒ سے امام بخاریؒ نے احتجاج کیا ہے اور بیشمار حضرات محدثین کرامؒ نے ان کی توثیق کی ہے جن میں امام ابن معینؒ بھی ہیں۔

مولانا سید احمد حسن صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :-

ولما رأی ابن حزم حدیث المنهال رادا علی معتقده فی انکار عذاب الاجساد فی قبورها طعن فیه وطعنه مردود والحدیث صحیح اھ

(تنقیح الرواۃ جلد ۱ ص۱۲۱)

جب ابن حزمؒ نے دیکھا کہ منہالؒ بن عمروؒ کی حدیث ان کے اس عقیدہ کے خلاف ہے کہ قبور میں اجسام کو عذاب ہوتو اس حدیث پر جرح شروع کر دی۔ مگر ان کی جرح مردود ہے اور یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن حزمؒ نے پہلے یہ عقیدہ اختراع کیا کہ قبور میں مُردوں کے اجسام کو عذاب نہیں ہوتا کیونکہ اعادہ روح کے بغیر نرے جماد کو سزا دینے کا کیا معنیٰ؟ اور ان کے زعم فاسد میں اعادۂ روح کی کوئی روایت نہیں اگر ہے تو منہالؒ بن عمروؒ کی روایت ہے اور اس روایت کو دیکھ کر وہ خاصے پریشان ہوئے ہیں جو ان کے باطل عقیدہ پر کاری ضرب لگاتی ہے اور اس مخترع عقیدہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر رکھ دیتی ہے لیکن ان کی ذہانتِ طبع ان کے کام آگئی اور یہ کہہ کر گلو خلاصی چاہی کہ منہالؒ بن عمروؒ ضعیف ہے اور متفرد بھی پھر بھلا اس کی روایت کا کیا اعتبار؟ جن کی زبان سے بڑے بڑے حضرات ائمہ دینؒ۔ مجتہدینؒ اور امام ترمذیؒ نہیں محفوظ رہ سکے ان سے منہالؒ بن عمروؒ کیونکر بچ سکتے تھے؟ لیکن آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ حضرات محدثین کرامؒ میں چوٹی کے بزرگ ہاتھ دھو کر ابن حزمؒ کے پیچھے پڑھ گئے ہیں اور منہالؒ کی تضعیف اور ان کے تفرد کا معقول جواب دے کر حدیث مذکور کی تصحیح کرتے ہیں اور زوردار الفاظ میں اہل حق کے منصور مسلک کی تائید کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر کسی مسئلہ کی تحقیق و تمحیص اور کیونکر ہو سکتی ہے۔ مگر نہ ماننے والے کو اس کے انکار اور ضد سے کون روک سکتا ہے جو ضد اور لا نسلّم کا ہی خوگر ہو سچ ہے کہ ؎

کون روکے گا اُسے پینے سے میخانے میں آج ۔۔۔ ہاتھ جس کے گردنِ رطل گراں تک آگئے!

اعتراض دوم : علامہ ابن حزمؒ کا یہ اعتراض بھی ہے کہ :-

ترکہ شعبۃ وغیرہ وقال فیہ المغیرۃ بن مقسم الضبی وھو احد الائمۃ ماجازت للمنھال بن عمرو قط شھادۃ فی الاسلام اھ

(بحوالہ کتاب الروح ص۵۲)

منھالؒ بن عمروؒ کو امام شعبہؒ نے ترک کر دیا تھا اور مغیرہ بن مقسم الضبیؒ جیسے امام فرماتے ہیں کہ منہالؒ بن عمروؒ کی اسلام میں سرے سے شہادت ہی جائز نہیں ہے۔

(تو روایت کیونکر معتبر ہوگی ؟)

جواب:۔ امام شعبہؒ کی منہالؒ بن عمروؒ کی روایت کو ترک کرنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ ثقہ نہ تھے بلکہ اس کی وجہ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نقل کرتے ہیں یہ تھی کہ امام شعبہؒ نے فرمایا کہ میں نے منھالؒ بن عمروؒ کے گھر سے طنبور کی آواز سنی اس لیے میں نے ان کی روایت ترک کر دی ہے، محدث وہبؒ بن جریرؒ یہ قصہ سن کر امام شعبہؒ سے دریافت کیا فہلا سالتہ عسی کان لا یعلم آپ نے ان سے دریافت کیوں نہ کر لیا ممکن ہے یہ کارروائی ان کی لاعلمی میں ہوئی ہو، امام وہبؒ بن جریرؒ نے بجا فرمایا ہے کسی کے گھر سے طنبور اور ساز کی آواز کا بلند ہونا اس کی دلیل نہیں کہ صاحب خانہ اس کا مرتکب ہوا ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت گھر میں ہی موجود نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ آواز پڑوسی کے گھر سے بلند ہوئی ہو اور صاحب خانہ اس پر راضی نہ ہو اس سے ان کی ثقاہت وعدالت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے یہ سارا افسانہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ امام ابوالحسنؒ بن القطانؒ نے یہ حکایت نقل کرکے لکھا ہے کہ:۔

ولم یعم ذٰلک عنہ وجرحہ بھذا تعسف ظاھر وقد وثقہ ابن معین والعجلی وغیرھما

(تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص۳۲۰)

یہ کارروائی منھالؒ بن عمروؒ سے ثابت نہیں ہو سکی اور اس وجہ سے ان پر جرح کرنا کھلی زیادتی ہے حالانکہ امام ابن معینؒ اور عجلیؒ وغیرہ نے منھالؒ کو ثقہ کہا ہے۔

اور حافظ ابن القیمؒ اس افسانہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

وقد یمکن ان لایکون ذٰلک بحضورہ ولا اذنہ ولا علم وبالجملۃ فلا یرد حدیث الثقات بھذا وامثالہ۔ (تہذیب سنن ابی داؤد ج۷ ص۱۴۲ طبع مصر)

ممکن ہے کہ یہ ساز وطرب والی کارروائی انکی غیر حاضری میں ہوئی ہو اور ان کی اجازت اور علم کے بغیر صادر ہوئی ہو۔ الغرض ثقہ راویوں کی حدیث ایسی اور اس جیسی یاد رہوا باتوں سے رد نہیں کی جا سکتی۔

امام مغیرہؒ بن مقسمؒ سے اسی سے ملتی جلتی ایک رام کہانی حافظ ابن حجرؒ نے نقل کی ہے، اور پھر لکھا ہے کہ اس حکایت کا راوی محمد بن عمر خود قابل اعتماد نہیں تیہ نظر اس میں کلام ہے، بھلا ایسے نامعتبر راویوں

کی داستانوں سے ثقہ راویوں کو کیونکر مجروح قرار دیا جا سکتا ہے ؟ الحاصل اس اعتراض میں بھی کوئی جان نہیں ہے اور یہ نرالا بھی اعتراض ہے اگر ایسی بے بنیاد باتوں سے رُوات حدیث پر جرح قبول ہو تو حدیث کا خدا تعالیٰ ہی حافظ ہے، حضرات محدثین کرام ایسے کمزور اعتراضات کے سامنے کبھی سپر نہیں ڈالتے سے

نہ ڈرا سے ناخدا طوفاں میں بھی کچھ اہل ہمت کے سفینے کھیلتے رہتے ہیں موجوں کی روانی میں

مؤلف نذائے حق صـ۲۱۳ میں لکھتے ہیں کہ ۔ منہال بن عمروؒ کی جرح میں ابن حزمؒ متفرد نہیں شعبہؒ ۔ جوزجانیؒ، یحییٰ القطانؒ احمد بن حنبلؒ، حاکمؒ، غلابیؒ، مغیرۃ الضبیؒ، سب آپ کو مجروح کہتے ہیں جوزجانیؒ کہتے ہیں، منہالؒ بن عمرو سیئ المذہب ہے (تہذیب التہذیب ج ۱۰ صـ۳۲۰) الخ

الجواب :۔ ان تمام حضرات نے جس وجہ سے ان پر کلام کیا ہے اس میں مرکزی نقطہ یہ ہے کہ ان کے گھر سے ساز کی آواز آئی تھی امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ امام شعبہؒ نے ان کو ترک کر دیا تھا امام عبدالرحمٰنؒ بن ابی حاتمؒ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ۔

لانہ سمع من دارہ صوت قرأۃ بالتطریب (تہذیب التہذیب ج ۱۰ صـ۳۱۹) اس لیے کہ ان کے گھر سے ساز کے ساتھ پڑھنے کی آواز سنائی دی تھی ۔

اور اس تمام افسانہ اور رام کہانی کو نقل کر کے حافظ ابن حجرؒ نے لم یصح عنہ ذٰلک فرما کر (کہ ان سے یہ کارروائی ثابت ہی نہیں ہے) اس کا رد کر دیا ہے ان حضرات محدثین کرامؒ میں سے کسی نے ان کو حدیث میں ضعیف نہیں کہا اور نہ اس وجہ سے ان کی روایت رد کی ہے اور نہ ان کو اس لحاظ سے مجروح کہا ہے یہ مؤلف نذائے حق کا بے جا تعصب اور ضد ہے کہ وہ معقول جواب اور جمہور کی توثیق کے بعد بھی اپنے باطل نظریہ پر قائم ہیں بڑے شوق سے قائم رہیں مرنے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ حقیقت سب منکشف ہو جائے گی ۔

اعتراض سوم :۔ حافظ ابن القیمؒ امام ابو حاتم بستیؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ یہ روایت زاذانؒ نے حضرت براء بن عازبؓ سے نہیں سنی لہذا یہ روایت منقطع ہے (تہذیب سنن ابی داؤد جلد ۷ صـ۱۳۹)

جواب :۔ یہ اعتراض بھی بے معنی ہے، اولاً اس لیے کہ حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ابو عوانہ میں بھی مذکور ہے اور اس کی سند آخر میں اس طرح ہے عن زاذان سمعت البراءؓ الا زاذان فرماتے ہیں کہ میں نے خود یہ حدیث حضرت براءؓ سے سنی ہے (شرح حدیث النزول صـ۳۷)

وتہذیب سنن ابی داؤد جلد ۷ ص۶۲ وکتاب الروح ص۵۹) اور مستدرک جلد ۱ ص۳۷ اور ص۳۸ میں بھی یہ روایت اس طرح ہے زاذان قال سمعت البراءؓ الخ اور ابوداؤد جلد ۲ ص۲۹۸ میں بھی زاذان قال سمعت البراءؓ الخ کے الفاظ ہیں جب زاذانؒ جو ثقہ اور ثبت راوی ہیں چلا چلا کر یہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت حضرت براءؓ سے خود سنی ہے تو پھر اس کے منقطع ہونے کا ناکام بہانہ کون سنتا ہے؟ اور حافظ ابن تیمیہؒ کے حوالے سے یہ بات پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ حافظ ابوعبد اللہؒ بن مندہ (جو الامام الحافظ الجوال محدث العصر ابوعبد اللہ محمدؒ بن الشیخ ابی یعقوبؒ الخ تھے تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص۲۳۰ المتوفی سنہ ۳۹۵ھ) اس حدیث کی سند کو متصل کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:۔

ھذا الحدیث اسناد متصل مشھور الخ — اس حدیث کی سند متصل اور مشہور ہے۔

(شرح حدیث النزول ص۴۳)

اور حافظ ابن القیمؒ نے بھی یہ الفاظ حافظ ابن مندہؒ کے حوالے سے نقل کئے ہیں (دیکھئے کتاب الروح ص۵۹) وثانیاً اس روایت کو حضرت براءؓ بن عازبؓ سے تنہا زاذانؒ ہی روایت نہیں کرتے بلکہ راویوں کی اچھی خاصی جماعت اس کو روایت کرتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن مندہؒ فرماتے ہیں کہ:۔

رواہ جماعۃ عن البراءؓ۔ (شرح حدیث النزول ص۴۷ وکتاب الروح ص۵۹) — حضرت براءؓ سے ایک جماعت اس کو روایت کرتی ہے۔

اور پھر اس جماعت میں سے بعض مشہور راویوں کی نشاندہی کرتے ہوئے حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ:۔

قلت ھذا قد رواہ عن البراءؓ بن عازبؓ غیر واحد غیر زاذان منھم عدی بن ثابت ومحمد بن عُقبہ ومجاھد اھ (شرح حدیث النزول ص۴۹ واللفظ لہ و کتاب الروح ص۵۶) — میں کہتا ہوں کہ حضرت براءؓ بن عازبؓ سے زاذانؒ کے علاوہ بھی متعدد راویوں نے یہ روایت کی ہے ان میں عدیؒ بن ثابتؒ، محمدؒ بن عقبہؒ اور مجاہدؒ بھی ہیں۔

اور پھر باقاعدہ انہوں نے ان راویوں کی روایت کی نشاندہی کی ہے، اس لیے یہ اعتراض بھی مردود ہے اور سرے سے قابل التفات ہی نہیں ہے۔

اعتراض چہارم :- حافظ ابن القیمؒ امام ابوحاتم بستیؒ کا یہ اعتراض نقل کرتے ہیں کہ بعض روایتوں میں الاعمش اور المنہالؒ بن عمروؒ کے درمیان الحسن بن عمارہ ایک راوی آتا ہے اور وہ ضعیف ہے اور اس لحاظ سے اعمشؒ کی منہالؒ سے روایت منقطع ہے (محصلہ تہذیب سنن ابی داؤد جلد ۷ ص ۱۳۹)

جواب :- اس اعتراض میں بھی کوئی وزن نہیں اولاً اس لیے کہ حافظ ابن مندہؒ امام حاکمؒ علامہ ذہبیؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ وغیرہ حضرات محدثین کرامؒ اس حدیث کو متصل اور صحیح کہتے ہیں اور صحت حدیث کے لیے سند کا متصل ہونا اصول حدیث کے رُو سے بنیادی امر ہے لہٰذا الاعمش عن المنہال الخ کی سند بالکل صحیح اور متصل ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ جس سند میں الحسنؒ بن عمارہؒ کا واسطہ آیا ہے اس کی سند صحیح ہے یا ضعیف؟ اگر صحیح ثابت ہو جائے تو اصول حدیث کے لحاظ سے یہ المزید فی متصل الاسانید کی قسم سے ہوگی اور اس سے حدیث کی صحت میں مطلقاً کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی اور اگر وہ سند ضعیف ہے تو یہ کسی کمزور اور ضعیف راوی کا وہم ہوگا اور کسی کمزور اور واہی راوی کی کارستانی سے صحیح حدیث اور متصل سند پر کیا زد پڑتی ہے؟ وثانیاً :- منہالؒ بن عمرو سے علاوہ امام اعمشؒ کے رواۃ حدیث کی ایک خاصی جماعت اس کو روایت کرتی ہے چنانچہ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ :-

انه قد رواه عن المنهال جماعة كما قاله ابن عدي اهـ (تہذیب سنن ابی داؤد ج ۷ ص ۱۴۰)

یہ حدیث منہالؒ سے راویوں کی ایک خاصی جماعت نے روایت کی ہے جیسا کہ محدث ابن عدیؒ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

اگر راویوں کی اتنی بڑی جماعت میں ایک الحسنؒ بن عمارہؒ بھی کسی طریق میں آ گئے ہوں تو ان کی وجہ سے اس حدیث کی صحت اور سند کے اتصال پر کیا اثر پڑتا ہے؟ ان راویوں میں یونسؒ بن خبابؒ کا ذکر حافظ ابن القیمؒ نے کیا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ مذکور) اور امام حاکمؒ نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے (مستدرک ج ۱ ص ۳۸) نیز امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ ابو خالد الدالانیؒ عمروؒ بن قیس الملائیؒ اور الحسنؒ بن عبید اللہ نخعیؒ بھی یہ روایت منہالؒ بن عمروؒ سے بیان کرتے ہیں (ایضاً ص ۳۹) الحاصل اس صحیح روایت کے سلسلہ میں جتنے اعتراضات کئے گئے ہیں ان میں کسی ایک میں بھی کوئی وزن نہیں، محض اعتراض کرنے سے کیا نقص اور عیب لازم آتا ہے؟ کیا آخر اس گیتی پر رہنے والوں میں کم بخت اور حرماں نصیب لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے شریک اور اولاد تجویز نہیں کی؟ (معاذ اللہ تعالیٰ) اور کیا دریدہ دہن لوگوں نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو (العیاذ باللہ تعالیٰ) ساحر، مجنون

اور کذاب وغیرہ نہیں کہا؟ پھر ان کم بختوں کی واہی تباہی باتوں سے ان نفوس قدوسیہ کی بلند اور ارفع ہستیوں میں کیا کمی آگئی؟ غرضیکہ نرے اعتراضات سے کچھ نہیں بنتا جب تک کہ اس میں جان نہ ہو۔ ارباب باطن اس کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ جہاں پھول ہوتے ہیں وہاں کانٹے بھی ہوتے ہیں اور اسی سے دنیا کی رونق ہے سے

حدِ تکمیل تک پہنچے گا دستورِ چمن بندی ! اگر کانٹے بھی شامل ہوں گلوں کے ہم نشینوں میں

اعتراض پنجم:- حافظ ابن حزمؒ کا یہ خیال ہے کہ قبر میں نکیرین کا سوال اور عذابِ قبر تو حق ہے مگر یہ ساری کارروائی روح سے متعلق ہے اس میں روح کا جسم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا کیونکہ قیامت سے پہلے کسی کو حیات حاصل نہیں ہو سکتی چنانچہ انہوں نے اپنا یہ نظریہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وان عذاب القبر حق ومسألة الارواح بعد الموت حق ولا يحيى احد بعد الموت الى يوم القيٰمة انتهى (محلی جلد اص۲۲)	کہ عذاب قبر بھی حق ہے اور مرنے کے بعد ارواح سے فرشتوں کا سوال بھی حق ہے لیکن موت کے بعد قیامت تک کوئی شخص زندہ نہیں کیا جاتا۔

اور حافظ ابن القیمؒ علامہ ابن حزمؒ کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ اگر حضرت براءؓ بن عازبؓ کی حدیث کے پیشِ نظر قبر میں حیات تسلیم کر لی جائے تو یہ قرآن کریم کی نصوص کے خلاف ہے مثلاً ایک مقام پر اس طرح ارشاد ہوتا ہے کہ :-

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ الآية (پ۲۴- المومن-۲)	وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب تو موت دے چکا ہم کو دوبارہ اور زندگی دے چکا ہم کو دوبارہ۔

اور دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے کہ :-

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ - (پ۱- بقرہ-۳)	تم کیسے کفر کرتے ہو اللہ تعالیٰ کا حالانکہ تم بے جان تھے پھر اس نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تمہیں مار یگا پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دو دفعہ کی حیات اور دو دفعہ کی موت ہی قرآن کریم سے ثابت ہے اگر قبر میں بھی حیات تسلیم کی جائے تو بجائے دو دفعہ کی حیات کے تین دفعہ کی حیات ثابت ہو گی اور چونکہ حضرت براءؓ کی روایت میں عود الروح الی البدن کے ساتھ قبر میں حیات ثابت ہوتی ہے لہٰذا یہ حدیث نص قرآنی کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل اخذ نہیں (محصلہ کتاب الروح ص۴۵ وص۵۲ وتہذیب سنن ابی داؤد

جلد ۷ ص۱۲۱ یہ بحث حافظ ابن حزمؒ نے اپنی کتاب ملل ونحل جلد ۲ ص۱۱۵ تا ص۱۱۸ مترجم اردو دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں اور جلد ۴ ص۸۹ عربی طبع مصر میں کی ہے)

جواب:۔ حافظ ابن حزمؒ کا یہ نظریہ ان کی ظاہریت کا شاخسانہ اور قلّتِ تدبر کا نتیجہ ہے اوّلاً اس لیئے کہ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ کے جملہ سے قطعیت کے ساتھ بعث یوم القیٰمہ کی حیات ہی مراد لینا متعین نہیں ہے بلکہ بعض حضرات مفسّرین کرامؒ نے اس سے قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت کی حیات بھی مراد لی ہے چنانچہ علامہ ابوالسعودؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ بالنشور یوم ینفخ فی الصور او للسوال فی القبور و ایّا ماکان فھو متراخ من زمان الاماتۃ اھ (تفسیر ابوالسعود جلد ۱ ص۶۲)

پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا کا مطلب یہ ہے کہ نفخۂ ثانیہ کے بعد قبروں سے تمہیں نکالیگا، یا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ قبر میں سوال کے لیے تمہیں زندہ کریگا، کچھ بھی ہو یہ حیات زمانۂ اماتت کے بعد ہوگی۔

قاضی بیضاویؒ، امام رازیؒ، حافظ ابن کثیرؒ اور علامہ آلوسیؒ (وغیرہ) نے بھی اس جملہ کی تفسیر میں او للسوال فی القبور وغیرہ کے الفاظ نقل کئے ہیں (ملاحظہ ہو بیضاوی ص۵۶ تفسیر کبیر جلد ۱ ص۱۵۱ تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص۶۶، اور روح المعانی جلد ۲۴ ص۵۲ اَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ الآیۃ کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے) اور اس تفسیر کے لحاظ سے قیامت کے دن کی حیات ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ سے ثابت ہے غرضیکہ حیات فی القبر کی نفی پر ان آیات سے استدلال قطعی نہیں، بلکہ ان سے اثبات حیات فی القبر پر بھی استدلال کیا گیا ہے اور یہ استدلال علامہ ابن حزمؒ کے خلاف پڑتا ہے۔

امام ابوبکر الجصاص الرازی الحنفیؒ (المتوفی ۳۷۰ھ) شہداء کرامؓ کی حیات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

وقال الجمھور ان اللہ تعالیٰ یحییھم بعد الموت فینیلھم من النعیم بقدر استحقاقھم الی ان یفنیھم اللہ تعالیٰ عند فناء الخلق ثم یعیدھم فی الآخرۃ ویدخلھم الجنۃ لانہ اخبر انھم احیاء وذٰلک یقتضی انھم احیاء فی ھذا الوقت ولان تاویل من تاوّلہ علٰی ـــــ انھم

جمہور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد ان کو زندہ کرتا ہے سو ان کو ان کے استحقاق کے مطابق راحت پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے فناء کرنے وقت ان کو بھی فنا کردے پھر ان کو آخرت میں لوٹائیگا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا اور یہ بات اس کو چاہتی ہے کہ وہ اس وقت زندہ ہیں لہٰذا جن لوگوں نے اس کی یہ

احیاء فی الجنۃ یؤدی الی ابطال فائدتہ لان احدًا من المسلمین لا یشک انہم سیکونون احیاء مع سائر اھل الجنۃ اذ الجنۃ لا یکون فیھا میت

(احکام القرآن ج ۲ ص ۱۵۹ طبع مصر)

تاویل کی ہے کہ وہ جنت میں زندہ ہیں وہ اس ارشاد کے فائدہ کو باطل کرنے کے درپے ہیں کیونکہ مسلمانوں میں سے کسی ایک کو بھی اس میں شک نہیں کہ سب اہل جنت کی طرح حضرات شہداء بھی زندہ ہوں گے کیونکہ جنت میں تو کوئی بھی مردہ نہ ہوگا۔

اس عبارت سے ذیل کے فوائد حاصل ہوتے ہیں (۱) جمہور کا یہ مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ شہداء کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے (۲) اور زندہ کر کے ان کو جس نعمت کے وہ مستحق ہوتے ہیں اس سے نوازتا ہے۔ (۳) شہداء کی یہ حیات اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ مخلوق کو فنا نہ کر دے (۴) اس فنا کے بعد آخرت میں اللہ تعالیٰ دوبارہ شہداء کو زندہ کر کے جنت میں داخل کرے گا (۵) اگر شہداء کی اس حیات سے مرنے کے بعد فوری حیات مراد نہ لی جائے تو (معاذ اللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ کی خبر سچی نہیں رہتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر تو یہ دی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ فی الحال زندہ ہوں (چونکہ روح پر موت نہیں آتی اس لیے موت اور پھر حیات یہ اجسام ہی سے متعلق ہے۔ صفدر) (۶) جن لوگوں نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ وہ قبر و برزخ میں زندہ نہیں بلکہ جنت میں زندہ ہیں تو ان کی اس تاویل سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا فائدہ ہی باطل ہو جاتا ہے کیونکہ مسلمانوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اس پر یقین نہ رکھتا ہو کہ شہداء دیگر اہل جنت کی طرح زندہ ہوں گے کیونکہ جنت میں سرے سے موت ہی نہیں ہے۔ وثانیاً ان آیتوں میں دو دفعہ کی جس حیات کا ذکر ہے وہ حیات مطلقہ، حیات کاملہ اور پوری حیات ہے اور ایسی حیات یا تو دنیا میں ہوتی ہے اور یا قیامت کے دن ہوگی اور اس حیات کی علامت یہ ہے کہ اس میں روح تمام بدن میں سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے اور روح بدن کی تدبیر اور اس میں تصرف کرتی ہے اور ایسی مطلق اور کامل حیات میں بدن کو عادۃً خوراک، پانی اور لباس وغیرہ جملہ ضروریات کی حاجت پڑتی ہے اور بدن میں حس و حرکت ہوتی ہے اور وہ جنبش کرتا ہے جس کا اجنبی لوگ مشاہدہ کر سکتے ہیں اور اس کی حرکات محسوس ہو سکتی ہیں اور ایسی حیات صرف دو دفعہ ہوگی، دنیا میں اور آخرت میں؛ رہی قبر اور برزخ کی حیات تو وہ مطلق اور کامل حیات نہیں بلکہ فی الجملہ اور نوع من الحیوۃ ہے، اس میں روح کا اتصال ربط اور تعلق بدن عنصری کے اہم اجزاء کیساتھ ہوتا ہے جن سے فہم و شعور اور ادراک ہو سکے اور قبر کی راحت و کلفت کا ادراک ہو سکے اور اس حیات میں بدن عنصری نہ تو خوراک اور لباس وغیرہ کا محتاج ہوتا ہے اور نہ ظاہری طور پر

حس و حرکت اور جنبش کرتا ہے جس کا مشاہدہ کیا جا سکے اور اسی معنیٰ کو نہ سمجھتے ہوئے معتزلہ وغیرہ باطل فرقوں کو عذاب قبر اور راحت قبر کے بارے میں بڑی الجھنیں پیدا ہوئی ہیں مگر حقیقت کو نہیں پا سکے اور اہل حق سنت کی پیروی کی بدولت اس تک پا گئے ہیں اور ان کے لیے اس میں کوئی دقت باقی نہیں رہی چنانچہ حافظ ابن القیمؒ نے ابن حزمؒ کا یہ اعتراض نقل کر کے یہ جواب دیا ہے کہ:

قلت ما ذكره ابو محمد فيه حق و باطل اما قوله من ظن ان الميت يحيا في قبره فخطأ فهذا فيه اجمال ان اراد به الحياة المعهودة في الدنيا التي تقوم فيها الروح بالبدن وتدبيره وتصرفه وتحتاج معها الى الطعام والشراب واللباس فهذا خطأ كما قال والحس والعقل يكذبه كما يكذبه النص وان اراد به حياة أخرى غير هذه الحيوة بل تعاد الروح اليه اعادة غير اعادة المألوفة في الدنيا ليسأل ويمتحن في قبره فهذا حق ونفيه خطأ وقد دل عليه النص الصحيح الصريح وهو قوله صلى الله عليه وآله وسلم فتعاد الروح في جسده اه (كتاب الروح ص۵۲)

میں کہتا ہوں کہ ابو محمد بن حزمؒ کے اس قول میں حق بھی ہے اور باطل بھی ان کا یہ کہنا کہ "جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ میت قبر میں زندہ کی جاتی ہے غلط ہے"، اس میں اجمال ہے اگر ابن حزمؒ اس زندگی سے دنیا کی معہود زندگی مراد لیتے ہیں جس میں روح بدن میں قوام اور اس کی تدبیر اور تصرف کرتی ہے اور اس میں کھانے پینے اور لباس کی ضرورت پڑتی ہے تو ایسی حیات کا قول غلط ہے جیسا کہ ابن حزمؒ کہتے ہیں اور حس و عقل اور نص اس کی تکذیب کرتی ہے اور اگر قبر کی حیات سے اس معہود حیات کے علاوہ کوئی اور حیات مراد ہو جس میں روح بدن کی طرف لوٹائی جائے لیکن یہ اعادہ دنیا کی معہود زندگی کے اعادہ کے علاوہ ہو تاکہ قبر میں اس سے سوال اور امتحان ہو سکے تو ایسی حیات حق ہے اس کی نفی غلط ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح حدیث اس پر دال ہے کہ روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔

اور اس فی الجملہ اور نوع من الحیوۃ کی مثال خود حافظ ابن القیمؒ یوں بیان کرتے ہیں۔

واذا كان النائم روحه في جسده وهو حي وحياته غير حياة المستيقظ فان النوم شقيق الموت فهكذا الميت اذا اعيدت روحه الى جسده كانت له حال متوسطة

اور جب سونے والے آدمی کی روح اس کے جسم میں ہوتی ہے اور وہ زندہ ہوتا ہے لیکن اس کی زندگی بیدار آدمی کی زندگی سے متفاوت ہوتی ہے کیونکہ نیند موت کی بہن ہے سو اسی طرح جب مردہ کے جسم کی طرف اس کی

بين الحی و بين الميت الذی لم ترد روحه الی بدنه كحال النائم المتوسطة بين الحی والميت فتأمل هذا يزيح عنك اشكالات كثيرة الخ (كتاب الروح ص۵۳) ۔

روح لوٹائی جائے گی تو اس کی حالت زندہ اور اُس مُردہ کے درمیان درمیان ہوگی جس کی طرف اس کی روح نہیں لوٹائی گئی جیسے کہ خوابیدہ کی حالت زندہ اور مُردہ کے درمیان درمیان ہوتی ہے تو اگر اس مثال پر غور کریگا تو ان شاء اللہ تعالیٰ تیرے بہت سے اشکالات اس سے دُور ہو جائیں گے۔

حافظ ابن القیمؒ کا مسلک :۔ اگرچہ سابق بیان کردہ حوالے ان کے مسلک کو بالکل واضح کرتے ہیں مگر چونکہ مؤلف ندائے حق (دیکھئے ص۱۶۲ وغیرہ) اور ان کے حواریوں کو حافظ ابن القیمؒ کے مسلک کے سمجھنے میں بڑی غلطی ہوئی ہے اور اُلٹا وہ ہمیں کوستے ہیں کہ ہم نے ان کے مسلک کو نہیں سمجھا اس لیے بہت ضروری ہے کہ ہم ان بزرگوں اور دوستوں کے نظریات بھی عرض کر دیں اور حافظ ابن القیمؒ کا صحیح مسلک بھی خود انہی کی عبارات میں عرض کر دیں تاکہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو جائے۔ ان بزرگوں اور دوستوں کے دعاوی یہ ہیں (۱) حافظ ابن القیمؒ جسد عنصری کے ساتھ روح کے تعلق کے قائل نہیں ہیں (مصنفہ تسکین القلوب ص۸۱)۔ (۲) برزخ میں ارواح شہداء مثالی جسدوں میں نعیم جنّت کا لُطف اٹھاتی رہیں گی اور قیامت کے دن ان کو عنصری جسموں میں داخل کیا جائے گا۔ (اقامۃ البرہان ص۱۱۶)۔ (۳) شہداء کے ارواح کو بعد از وفات اجساد عنصری کے عوض میں اس سے بہتر نورانی اجساد مثالیہ عطا ہوں گے۔ (ندائے حق ص۲۲۲) (۴) مؤلف ندائے حق نے (ص۱۶۲ اور ص۱۶۳ میں) ۳۰ بزرگوں کے نام درج کئے ہیں، جن میں ایک حافظ ابن القیمؒ بھی ہے پھر آخر میں لکھتے ہیں کہ یہ سو فیصدی علماء اس امر پر متفق ہیں کہ بعد از مرگ اس جسدِ عنصری کے ساتھ (سوائے تعلق محبت کے) روح کا کچھ تعلق نہیں چہ جائیکہ داخل ہیں بلکہ ارواح کو مثالی جسد عطا ہوتا ہے جس میں قیام قیامت تک رہ کر رُوح ثواب و عذاب پاتا رہتا ہے الخ اور ان بزرگوں اور دوستوں کو کتاب الروح کی دو عبارتوں سے مغالطہ ہوا ہے۔ ایک ۱ یہ ہے کہ۔ حضرات شہداء کرامؓ نے جب اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں پیش کر دیں یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں نے ان کو تلف کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عوض میں ان کو برزخ میں ان سے بہتر جانیں عطا فرما دیں جن میں قیامت تک رہیں گے اور ان ابدان کی وساطت سے ان کو جو نعمت حاصل ہوتی ہے وہ ارواح مجردہ کی نعمت سے زیادہ کامل ہے (کتاب الروح ص۱۲۲ وندائے حق مترجماً ص۱۶۲) دوسری ۲ یہ ہے کہ باللہ تعالیٰ کی طرف سے شہداء کے اکرام و اعزاز کا تتمہ ہے کہ جو بدن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ٹکڑے ٹکڑے کرائے اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے ان کو ان

سے بہتر بدن عطا فرمائے جو ان کی روحوں کی سواری ہوں تاکہ وہ پوری طرح جنت کی نعمتوں کا لطف اٹھا سکیں جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کی روحیں اپنی بدنوں میں لوٹا دی جائیں گی جن میں وہ دار دنیا میں رہتی تھیں (کتاب الروح صـ۱۴۱ اقامۃ البرہان صـ۱۱۶)۔

الجواب:۔ ان بزرگوں اور دوستوں نے نفس مسئلہ پر بھی غور نہیں فرمایا اور حافظ ابن القیمؒ کی عبارات پر بھی غور نہیں فرمایا ورنہ مسئلہ اور حقیقت کی تہ تک پہنچنا ان کے لیے چنداں مشکل نہ تھا بات یوں ہے کہ صحیح احادیث میں آتا ہے کہ حضرات شہداء کرامؒ کی ارواح (فی حواصل طیر خضر وفی روایۃ اجواف) سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں جنت میں جہاں چاہیں سیر و سیاحت کرکے ان قندیلوں کی طرف لوٹ آتی ہیں جو عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہیں لیکن ان پرندوں سے اجساد مثالیہ مراد لینا قطعاً غلط ہے۔ اولاً جو حضرات جسم مثالی کے قائل ہیں وہ اس جسم کو دنیا کے جسم کے مشابہ تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوگا۔ جو اسی جسم عنصری سے مشابہ ہے (یعنی مرد و عورت کالا اور گورا پتلا اور دبلا وغیرہ ہونے میں۔ صفدر) مگر اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے الخ (اشرف الجواب صـ۳۱۲ بحوالہ ندائے حق صـ۱۶۲) جنت کے پرندے کیسے ہی خوبصورت اور کتنے ہی خوشنما اور پیارے ہوں بہر حال انسان کی شکل و صورت کے تو نہیں ہوتے اور نہ انسان ان کے ہم شکل و ہم صورت ہوتا ہے پھر یہ کیوں کر تسلیم کرلیا جائے کہ وہ پرندے انسانوں کے لیے اجسام مثالیہ ہیں؟ وثانیاً ، یہ پرندے ارواح کے لیے سواری ہیں جیسے دنیا میں انسان. گدھے. گھوڑے اور خچر وغیرہ پر سوار ہوتا ہے۔ یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ گدھا اور گھوڑا ، وغیرہ انسان کا جسم مثالی ہے بلکہ وہ اس کے لیے سواری ہے اسی طرح وہ پرندے شہداء کرامؒ کے اعزاز و اکرام کے لیے سواری ہوتے ہیں جس طرح دنیا میں لوگ ہوائی جہاز کار اور بس وغیرہ کے اندر (پیٹ میں) بیٹھ کر مزے اور آرام سے سیر و سیاحت کرتا ہے اسی طرح جنت کے ان پرندوں کے پیٹ میں بیٹھ کر ارواح جنت کی سیر کریں گے اور خود حافظ ابن القیمؒ کی دیگر عبارات میں بھی اور خود اس عبارت میں بھی اس کی تصریح موجود ہے کہ. تکون مرکباً لا رواحہم الخ (کتاب الروح صـ۱۴۱) تاکہ وہ پرندے شہیدوں کی ارواح کے لیے سواری ہوں اور ظاہر امر ہے کہ سواری کا جانور کسی طرح بھی سوار کا جسد مثالی نہیں ہوتا نہ شرعاً نہ عقلاً اور نہ عرفاً صحیح اور مرفوع روایات سے یہی ثابت ہے کہ شہداء کرامؒ کی ارواح سبز (یا بعض روایتوں میں سفید) رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں سوار ہوکر جنت میں سیر کرتی ہیں اور بعض موقوف آثار میں جو حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت قتادہؒ حضرت عکرمہؒ. حضرت

ابن شہاب زہریؒ اور حضرت ابوالعالیہؒ وغیرہ سے مروی ہیں (دیکھئے علی الترتیب شرح الصدور ص۹۹ و ص۱۰۱ و
تفسیر ابن جریر ج ۲ ص۳۹ و ج ۲ ص۳۹ ۔ و شرح الصدور ص۹۶ والدر المنثور ج ۱ ص۵۵ ملتقطاً من اقامۃ البرہان ص۱۱۰ و
ص۱۱۱ و ص۱۱۲) یہ آتا ہے کہ خود ارواح شہداء کرامؒ ان پرندوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں کسی اثر میں ہی طیر خضر آتا ہے۔
اور کسی میں کطیر خضر اور کسی میں فی صور طیر الغرض صحیح اور مرفوع روایات کے پیش نظر یہ پرندے ارواح کے لیے
سواری ہوں یا موقوف آثار کے مطابق یہ خود پرندوں کی شکل اختیار کر لیں کسی صورت میں بھی یہ روح کے لیے اجسام مثالیہ
نہیں بنتے کہ روح ان میں داخل ہو کر یا ان سے متصل ہو کر راحت (یا کفار و عصاۃ کے لیے عذاب و سزا) پاسکے
اور یہ پرندے ابدان عنصریہ کے نائب اور خلیفہ بن کر راحت (یا سزا) پائیں حضرات صوفیاء کرام جن کو جسد مثالی کہتے ہیں
وہ اور شئے ہے یہ پرندے ہرگز ہرگز نہیں ہیں مؤلف ندائے حق نے (اور اسی طرح مؤلف اقامۃ البرہان وغیرہ نے)
اسی مضمون کی روایات اور عبارات پیش کر کے سو بزرگوں کی گنتی پوری کر کے سو فیصدی کہکر محض اپنی کم فہمی یا کرامت سے
ان تمام حضرات کو اجسام مثالیہ کا قائل بنا دیا ہے جو حقیقت سے بالکل دور ہے اور یہ سو فیصدی حضرات جس کے قائل
ہیں بحمد اللہ تعالیٰ ہم بھی اس کے قائل ہیں اور سر مو بھی ان کے مخالف نہیں مگر ان حضرات کا ایک حوالہ بھی آپ حضرات
کو بال برابر بھی مفید نہیں ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھ عطا فرمائے وثالثاً ۔ سبز (یا سفید) رنگ کے پرندوں کے
مضمون کی یہ جملہ روایات و آثار حضرات محدثین کرامؒ فقہاء عظامؒ اور متکلمینؒ کے پیش نظر تھے پھر کیا وجہ ہے کہ انہوں
نے ان روایات و آثار سے اجسام مثالیہ سمجھ کر باطل فرقوں کا جواب نہ دیا اور کیوں جسد عنصری کے ذرات کے پیچھے
پڑ گئے کیا باطل فرقوں کے اس سوال کے کہ جب مردہ جلا دیا جائے یا اس کو درندے اور مچھلیاں وغیرہ کھا جائیں تو اس
سے سوال نکیرین اور اس کو راحت یا کلفت کیسے ہوتی ہے؟ جواب میں ان حضرات کو یہ کہنا سہل نہ تھا کہ بدن
عنصری جل گیا ہے تو کیا مضائقہ ہے بدن مثالی بصورت سبز یا سفید پرندہ تو موجود ہے آخر کیا وجہ ہے کہ وہ اس
سہل ترین جواب کو چھوڑ کر مشکل میں پڑ گئے اور امکان بعید کو بھی نہ چھوڑا کہ خواہ بدن عنصری ریزہ ریزہ ہو جائے ۔
روح کا کبھی نہ کسی درجہ میں اس کے ساتھ تعلق ضرور ہوتا ہے گو ہمیں اس کا شعور نہ ہو سکے لہذا ان سو فیصدی کا مسلک
بھی ان حضرات کو مفید نہیں ہو سکتا علاوہ ازیں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جو حضرات اجسام مثالیہ کے ساتھ روح
کا تعلق مانتے ہیں وہ اجسام عنصریہ سے بھی روح کا تعلق تسلیم کرتے ہیں حضرت تھانویؒ کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے اور
علامہ آلوسیؒ کا آگے آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ ۔ ورابعاً ۔ یہ کہنا کہ حافظ ابن القیمؒ (اور ان کے استاد محترم حافظ ابن تیمیہؒ جیسا
کہ مؤلف ندائے حق کا بے بنیاد دعوے ہے دیکھئے ص۱۹۱) جسد سے جسد مثالی مراد لیتے ہیں بالکل غلط اور ان پر سراسر

بہتان ہے ہم ان کی چند عبارات عرض کرتے ہیں غور سے ان کو دیکھیں کہ وہ حدیث میں وارد جسد سے کیا مراد لیتے ہیں

(۱) حافظ ابن القیمؒ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت پر کہ جسم کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے (تعاد روحہ فی جسدہ) حضرت براءؓ بن عازبؓ کی صحیح اور مرفوع حدیث کے علاوہ دیگر مرفوع احادیث بھی پیش کرتے ہیں جن میں سے ایک محدث کبیر الحافظ العالم عبدالرحمٰنؒ بن مندہؒ (المتوفی سنہ ۴۷۰ھ) کی سند سے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کی مرفوع طویل روایت نقل کرتے ہیں جس میں یہ بھی ہے کہ مرنے کے بعد جب روح کو جنت میں پہنچا دیا جاتا ہے اور وہاں وہ خوشیاں دیکھ لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اس کو زمین کی طرف لے جاؤ کیونکہ میں نے اسی سے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی سے پھر دوبارہ نکالونگا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

فوالذی نفس محمد بیدہ لھی اشد کراھیۃ للخروج منھا حین کانت تخرج من الجسد وتقول این تذھبون بی الیٰ ذٰلک الجسد الذی کنت فیہ؟ قال فیقولون انا مامورون بھذا فلا بد لک منہ فیھبطون بہ علیٰ قدر فراغھم من غسلہ واکفانہ فیدخلون ذٰلک الروح بین جسدہ واکفانہ۔ فدل ھذا الحدیث ان الروح تعاد بین الجسد والاکفان وھذا عود غیر التعلق الذی کان لھا فی الدنیا بالبدن وھو نوع آخر وغیر تعلقھا بہ حال النوم وغیر تعلقھا بہ وھی فی مقرھا بل ھو عود خاص للمسئلۃ۔

(کتاب الروح صلا و ص۲۲۸)

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جان ہے البتہ وہ روح جنت سے نکلنے کو اس سے بھی زیادہ ناپسند کرتی ہے جس طرح کہ اس نے بدن سے نکلنے کو ناپسند کیا تھا اور وہ روح کہتی ہے مجھے تم کہاں لے جاتے ہو؟ کیا اس جسم کی طرف جس میں میں تھی؟ آپ نے فرمایا تو فرشتے کہتے ہیں کہ ہاں ہمیں اسی کا حکم ہے اور تیرے لیے بھی اس سے کوئی چارہ نہیں ہے سو وہ اس کو اتار لاتے ہیں اتنے انداز کے بعد کہ لوگ میت کے غسل اور کفن سے فارغ ہو جاتے ہیں پس وہ اس روح کو اس جسم اور اس کے کفن کے درمیان داخل کر دیتے ہیں (اور جب اس کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو حضرت براءؓ کی حدیث کے مطابق یہ روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے) پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ روح جسم اور اکفان کے درمیان لوٹائی جاتی ہے اور یہ لوٹانا اس تعلق کے علاوہ ہے جو روح کا دنیا میں (تصرف و تدبیر کے طور پر) جسم سے تھا یہ عود اور نوع کا ہے اور یہ ایسا تعلق بھی نہیں جو نیند کے حال میں تھا اور یہ ایسا تعلق بھی نہیں جو روح کا اپنے ٹھکانے میں تھا بلکہ یہ لوٹانا خاص طور پر سوال کے لیے ہے۔

اس حدیث اور حافظ ابن القیمؒ کے استدلال سے صاف ظاہر ہے کہ روح کا عود اس جسم کی طرف ہوتا ہے جس میں روح پہلے رہتی رہی اور وہ یقینی طور پر جسم عنصری و مادی ہے نہ کہ جسم مثالی۔

(۲) قبر کے عذاب کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فکل من مات وھو مستحق للعذاب نالہ نصیبہ منہ قبر اولم یقبر فلو اکلتہ السباع او احرق حتی صار رمادا اونسف فی الھواء اوصلب اوغرق فی البحر وصل الی روحہ وبدنہ من العذاب مایصل الی المقبور۔	ہر وہ شخص جس کی وفات ہوگئی اور وہ عذاب کا مستحق ہے تو اس کو عذاب کا حصہ ضرور پہنچتا ہے اس کو قبر میں دفن کیا جائے یا نہ دفن کیا جائے پس اگر اس کو درندے کھا گئے یا وہ جلا کر راکھ کر دیا گیا اور وہ راکھ ہوا میں اڑا دی گئی یا سولی پر لٹکا دیا گیا یا دریا میں ڈوب گیا تو ان سب صورتوں میں اس کی روح اور اس کے بدن کو وہ عذاب پہنچے گا جو قبر میں دفن کئے ہوئے کو پہنچتا ہے۔
(کتاب الروح ص۸۷)	

مبتدی طالب علم بھی یہ جانتے ہیں کہ قبر میں جس بدن کو دفن کیا جاتا ہے اور اسی طرح درندے جس بدن کو کھاتے ہیں اور جس بدن کو جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے یا سولی پر لٹکایا جاتا ہے یا سمندر میں ڈوب جاتا ہے وہ صرف عنصری اور مادی بدن ہی ہوتا ہے مثالی بدن ہرگز نہیں ہوتا مگر حافظ ابن القیمؒ اس بدن کو بھی سزا بھگتے بغیر نہیں گوارا کرتے اور فرماتے ہیں کہ اس کو بھی باقاعدہ عذاب ہوتا ہے۔

(۳) احادیث کی روشنی میں ایک شخص کی وصیت کا کہ اس نے مرنے کے بعد اسے جلا کر راکھ کر دینے کی تاکید کی تھی، تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

فلم یفت عذاب البرزخ ونعیمہ لھذہ الاجزاء التی صارت فی ھذہ الحال حتی لوعلق المیت علی رؤس الاشجار فی مھاب الریاح لاصاب جسدہ من عذاب البرزخ حظہ ونصیبہ ولودفن الرجل الصالح فی اتون من النار لاصاب جسدہ من نعیم البرزخ وروحہ نصیبہ وحظہ فیجعل اللہ النار علی ھذا بردا وسلاما والھواء علی ذلک نارا وسموما اھ	عذاب برزخ اور اس کی راحت سے یہ اجزاء بھی نہیں چھوٹ سکے جو اس حالت میں (راکھ) ہو گئے۔ یہانتک کہ اگر کسی میت کو تحت ہوا کے جھونکوں میں درختوں کی چوٹیوں پر بھی لٹکا دیا جائے تو اس کے جسم کو بھی عذاب برزخ کا حصہ اور نصیبہ ضرور پہنچے گا اور اگر کسی نیک آدمی کو آتش کدہ میں دفن کیا جائے تو لامحالہ اس کے جسم اور روح کو بھی برزخ کی راحت کا حصہ اور نصیبہ پہنچیگا پس اللہ تعالیٰ اس پر آگ کو ٹھنڈک اور سلامتی والی بنا دیں گے اور اس کے لیے ہوا کو آگ اور گرم لو کر دیں گے۔
(کتاب الروح ص۸۸)	

یہ عبارت بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جسم سے مراد جسم عنصری اور مادی ہے جس کو راکھ کیا جاتا ہے اور جس کو درختوں پر لٹکایا جاتا ہے اور جس کو لوہاروں کے بھٹہ اور آتش کدہ میں دفن کیا جاتا ہے مگر اس کے لیے بھی عذاب قبر اور راحت سے کوئی مخلص اور مفر نہیں ہے۔

(۴) ایک اور مقام پر یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

انه غیر ممتنع ان ترد الروح الی المصلوب والغریق والمحرق ونحن لا نشعر بها اذ ذلک الرد نوع آخر غیر المعهود فهذا المغمیٰ علیه والمسکوت والمبهوت احیاء وارواحهم معهم ولا نشعر بحیاتهم ومن تفرقت اجزاءه لا یمتنع علی من هو علی کل شئ قدیر ان یجعل للروح اتصالا بتلک الاجزاء علی تباعد ما بینها وقربه ویکون فی تلک الاجزاء شعور بنوع من الالم واللذة اھ (کتاب الروح ص۸۹)

اس میں کوئی امتناع نہیں کہ سولی پر لٹکائے ہوئے اور غرق شدہ اور جلائے ہوئے کی طرف روح لوٹائی جائے لیکن ہم اس کا شعور نہیں کر سکتے اس لیے کہ روح کا لوٹایا جانا معہود طریقہ پر (جس کا ہمیں مشاہدہ اور شعور ہو) نہیں ہوتا بلکہ وہ اور نوع ہے مثلاً دیکھو کہ بیہوش آدمی اور سکتے والا اور مبہوت وحیران زندہ ہیں اور ان کی روحیں ان کی ساتھ ہوتی ہیں پر ہم ان کی حیات کو نہیں سمجھ سکتے اور اسی طرح جسکے اجزاء متفرق ہو چکے ہوں اس ذات پر جو ہر چیز پر قادر ہے ممتنع نہیں کہ روح کا اتصال ان اجزاء کے ساتھ قائم کر دیں جو دور ہوں یا نزدیک اور ان اجزاء میں دکھ اور لذت کی نوع کا شعور پیدا ہو جائے۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول ومفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ جس جسم کی بات ہو رہی ہے وہ جسم عنصری اور مادی ہی ہے۔

(۵) روح کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

وان لها شاناً غیر شان البدن وانها مع کونها فی الجنة فهی فی السماء وتتصل بفناء القبر وبالبدن فیه وهی اسرع شئ حرکة وانتقالاً وصعوداً وهبوطاً اھ (کتاب الروح ص۱۱۲)

روح کا معاملہ بدن کے معاملے کے علاوہ ہے اور باوجود اس کے کہ روح جنت میں ہوتی ہے اس کے باوجود وہ آسمان میں بھی ہوتی ہے اور قبر کے کنارے سے بھی متصل ہوتی ہے اور اس بدن سے بھی متصل ہوتی ہے جو قبر میں ہوتا ہے غرضیکہ روح حرکت انتقال چڑھنے اور اترنے میں سب چیزوں سے تیز تر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ روح جنت اور آسمان میں ہوتے ہوئے بھی قبر میں بدن کے ساتھ بھی متصل ہوتی ہے یہ نہیں کہ جنت اور آسمان میں ہوتے ہوئے قبر میں بدن کے ساتھ اس کا کوئی تعلق اور اتصال نہ ہو بلکہ اس کا تعلق

بدستور رہتا ہے۔

(۴) فرماتے ہیں کہ روح کے بدن کے ساتھ تعلق کی پانچ قسمیں ہیں جن کے احکام جدا جدا ہیں۔

الرابع تعلقہا بہ فی البرزخ فانہا وان فارقتہ وتجردت عنہ فانہا لم تفارقہ فراقاً کلیاً بحیث لا یبقیٰ لہا التفات الیہ البتۃ اھ (کتاب الروح ص۵۳)

چوتھی قسم روح کا بدن سے برزخ میں تعلق ہے روح اگرچہ بدن سے جدا اور الگ ہو جاتی ہے لیکن وہ کلی طور پر جدا نہیں ہوتی یاں طور کہ روح کا بدن کے ساتھ کوئی ربط اور التفات ہی نہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ برزخ میں روح کا بدن سے تعلق جس درجہ کا بھی ہو ہوتا ضرور ہے اور بالکلیہ انقطاع نہیں ہوتا

(۷) امام ابن حزم ظاہری نے اعادۂ روح کی نفی پر یوں استدلال کیا تھا کہ اگر اعادہ تسلیم کر لیا جائے تو اس سے قرآن کریم کے مضمون کی مخالفت لازم آتی ہے جس میں دو دفعہ کی حیات اور دو ہی دفعہ کی موت کا ذکر ہے حافظ ابن القیم رح اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

واما استدلالہ بقولہ تعالیٰ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فاوہ ینفی ثبوت ھذہ الاعادۃ العارضۃ للروح فی الجسد کما ان قتیل بنی اسرائیل الذی احیاہ اللہ بعد قتلہ ثم اماتہ لم تکن تلک الحیاۃ العارضۃ لہ للمسئلۃ معتداً بہا فانہ حی لحظۃ بحیث قال فلان قتلنی ثم خر میتا علی ان قولہ ثم تعاد روحہ فی جسدہ لا یدل علی حیاۃ مستقرۃ وانما یدل علی اعادۃ لہا الی البدن وتعلق بہ والروح لم تزل متعلقۃ ببدنہا وان بلی وتمزق۔

(کتاب الروح ص۵۲ و ص۵۳)

بہر حال ان کا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کرنا کہ وہ کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو مرتبہ مارا اور دو دفعہ زندہ کیا تو یہ استدلال روح کے جسم کی طرف عارضی طور پر (سوال وغیرہ کے لیے) اعادہ کی نفی نہیں کرتا جیسا کہ بنی اسرائیل کے مقتول (عامیل نامی شخص) اس کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا اور پھر اس کو مار دیا تھا یہ عارضی حیات جو محض سوال کے لیے تھی کوئی معتد بہ نہ تھی کیونکہ وہ ایک لحظہ کے لیے زندہ ہوا اور اس نے یہ کہا کہ مجھے فلاں نے قتل کیا ہے پھر مردہ ہو کر گر پڑا (اسی طرح سوال نکیرین کے وقت حیاۃ لوٹائی جاتی ہے پھر یہ کیفیت نہیں رہتی) علاوہ اس کے آپ کا یہ ارشاد کہ پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے دائمی اور مستقر حیات پر دلالت نہیں کرتا یہ تو صرف اس پر دلالت کرتا ہے کہ روح بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور اس سے متعلق ہوتی ہے اور روح ہمیشہ بدن سے متعلق رہتی ہے اگرچہ وہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائے۔

یہ عبارت بھی بالکل واضح ہے کہ روح کا اس بدن سے تعلق رہتا ہے جو عنصری ہے کیونکہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ

تو ہی ہوتا ہے۔ اور یہ تعلق بدستور ہمیشہ رہتا ہے۔ اگرچہ جسم عنصری ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو جائے اور ان کی اس عبارت میں پہلے جواب سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ سوالِ نکیرین کے وقت گو عارضی سہی مگر روح کے جسم کی طرف اعادہ کی وجہ سے حیات کاملہ اور مطلقہ حاصل ہو جاتی ہے جیسے مقتول نبی اسرائیل کو حاصل ہوئی تھی اور دوسرے جواب کے الفاظ بھی اس کے مؤید ہیں جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں اور ساتھ ہی تصریح موجود ہے کہ روح کے بدن کی طرف لوٹنے اور روح کے ریزہ ریزہ سے تعلق میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے اور یہ صرف قیاسی بات ہی نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ثم تعاد روحه فی جسده اس پر دال ہے۔

(۷) زنادقہ اور ملاحدہ کے شبہات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

واما عصرة القبر حتی تختلف بعض اجزاء الموتٰی فلو یرده حس ولا عقل ولا فطرة ولو قدر ان احدا نبش عن میت فوجد اضلاعه کما هی لم تختلف لم یمنع ان تکون قد عادت الی حالها بعد العصرة فلیس مع الزنادقة والملاحدة الا مجرد تکذیب الرسول (کتاب الروح صلا)

بہر حال قبر کی تنگی بایں طور کہ مُردوں کے بعض اجزاء (مثلاً پسلیاں) آر پار ہو جاتے ہیں تو اس کو نہ تو حس اور عقل رد کرتی ہے اور نہ فطرت اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ کسی نے میت کی قبر اکھاڑی اور اس کو مُردہ کی پسلیاں ویسے ہی نظر آئیں جیسے تھیں جو آر پار نہیں ہوئیں تو اس میں کوئی مانع نہیں کہ وہ قبر کی تنگی کے بعد اسی حالت پر لوٹ گئی ہوں جیسے پہلے تھیں الغرض زندیقوں اور ملحدوں کے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ جناب رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب کرتے ہیں۔

پوچھئے حافظ ابن القیمؒ (رئیس المؤحدین) سے کہ حضرت آپ کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ آپ زنادقہ اور ملاحدہ کے ساتھ جسم عنصری کے اعضاء کے آر پار ہونے اور حسّی قبر اور گڑھے کے بارے میں اُلجھ رہے ہیں ان کو قبر اکھاڑنے کے بغیر یوں کیوں نہیں فرما دیتے کہ بھتیا زندیق! قبر تو اس گڑھے کا نام ہی نہیں ہے اور نہ پسلیاں جسم عنصری کی آر پار ہوتی ہیں یہ معاملہ تو غیر محسوس برزخ اور جسد مثالی کا ہے۔ اے بھتیا ملحد! تم نے وہ کب دیکھا ہے جس کے بارے میں خواہ مخواہ ہم سے اُلجھ رہے ہو۔

(۸) حافظ ابن القیمؒ نے برزخ کے بارے میں شاذ اقوال اور ان کے قائلین کی نشاندہی کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے

وان البدن لا ینعم ولا یعذب فجمیع هؤلاء الطوائف ضلال فی امر البرزخ اھ (کتاب الروح ص۶۳)

(اور ان کا یہ بھی خیال ہے) کہ بدن کو نہ راحت ملتی ہے اور نہ سزا مگر یہ تمام فرقے برزخ کے معاملہ میں گمراہ ہیں۔

(۹) حافظ ابن القیمؒ نعیم قبر اور عذاب قبر کے بارے بعض فرقوں کا مسلک بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

هل النعيم والعذاب يقع على اجزاء الجسد او جزء منه اما عجب او غيره فيخلق الله فيه الالم واللذة اما بواسطة رد الحيوٰة اليه كما قاله بعض ارباب هٰذا القول او بدون رد الحيوٰة كما قاله آخرون منهم فهؤلاء عندهم لا عذاب في البرزخ الا على الاجساد ومقابلهم من يقول ان الروح لا تعاد الى الجسد بوجه ولا تتصل به والعذاب والنعيم على الروح فقط والسنة الصريحة المتواترة ترد قول هؤلاء وهؤلاء وتبين ان العذاب على الروح والجسد مجتمعين ومنفردين۔

(کتاب الروح صـ۱۲۲)

کیا راحت و عذاب تمام اجزاء جسم پر واقع ہوتے ہیں یا ایک جزو پر؟ دُم گزہ پر یا اس کے علاوہ؟ یا بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اس میں الم اور لذت پیدا کر دیتا ہے یا تو زندگی لوٹا کر جیسا کہ اس نظریہ کے بعض ارباب کا قول ہے۔ یا بغیر ردِ حیات کے جیسا کہ ان میں سے بعض کا قول ہے۔ سو ان کے نزدیک برزخ میں عذاب صرف اجسام پر ہوتا ہے اور ان کے مقابل کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ روح جسم کی طرف کسی طرح بھی نہیں لوٹائی جاتی اور نہ اس کے ساتھ اتصال ہوتا ہے اور تکلیف و راحت صرف روح کو ہوتی ہے اور سنت صریحہ متواترہ ان کا قول بھی رد کرتی ہے اور ان کا بھی اور واضح کرتی ہے کہ عذاب روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے اجتماعاً بھی اور انفراداً بھی۔

موصوف کی باقی عبارت تو بالکل واضح ہے مگر آخر کا جملہ مجتمعین و منفردین قابل تشریح ہے۔ حافظ ابن القیمؒ اور ان کے شیخ امام ابن تیمیہؒ کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبر اور برزخ میں راحت و تکلیف روح اور بدن دونوں کے لیے تسلیم کرتے اور اس پر اپنے معلومات کی بنا پر زبردست دلائل پیش کرتے ہیں جن میں سے بعض قارئین کرام نے ملاحظہ کر لیے ہیں لیکن ان کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر احیاناً روح بدن سے الگ بھی ہو جائے تو اُس حال میں انفرادی طور پر روح کو عذاب ہوتا ہے (اور غالباً ایسی ہی عبارات سے بعض حضرات کو ان کے اقوال سے شبہ ہوا ہے)۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

بل العذاب والنعيم على النفس والبدن جميعًا باتفاق اهل السنة والجماعة تنعم النفس وتعذب عليها تعذب منفردة عن البدن وتنعم وتعذب متصلة

بلکہ عذاب و راحت اہل السنۃ والجماعۃ کے اتفاق سے روح اور بدن دونوں پر وارد ہے روح کو بدن سے الگ بھی سزا اور راحت ہوتی ہے اور بدن کے ساتھ متصل ہو کر بھی اور

بالبدن والبدن متصل بها فيكون النعيم والعذاب عليهما في هذه الحال مجتمعين كما تكون على الروح منفردة عن البدن۔ (کتاب الروح ص۱۲۴)

بدن روح کے ساتھ متصل ہوتا ہے تو اس حال میں راحت وعذاب دونوں پر اجتماعی صورت میں ہوتا ہے جیسا کہ یہ کارروائی روح پر بدن سے الگ ہونے کی صورت میں بھی ہوتی ہے۔

اور خود حافظ ابن القیمؒ باطل اقوال نقل کرنے اور ان کے رد کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :۔

فلتعلم ان مذهب سلف الامة وائمتها ان الميت اذا مات يكون في نعيم او عذاب وان ذلك يحصل لروحه وبدنه وان الروح تبقى بعد مفارقة البدن منعمة او معذبة وانها تتصل بالبدن احيانا ويحصل له معها النعيم والعذاب الخ (کتاب الروح ص۱۲۳ و ص۱۲۰)

تو جان لے کہ سلف اُمّت اور اس امت کے اماموں کا مذہب یہ ہے کہ میّت کو راحت اور سزا ہوتی ہے اور یہ اس کے روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتی ہے اور روح کو بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی راحت و سزا ہوتی ہے اور روح بدن کے ساتھ بھی احیاناً متصل ہوتی ہے اس حالت میں بدن اور روح دونوں کو راحت و سزا ہوتی ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ علمی طور پر بڑی شخصیتیں ہیں اور ہم ان کا احترام کرتے ہیں لیکن باوجود کمال جستجو اور تفحص کے ہمیں کوئی ایسی صحیح اور صریح روایت یا کوئی ایسی قابل قبول عقلی دلیل نہیں مل سکی جس سے یہ ثابت ہو کہ قبر میں راحت و تکلیف شروع ہونے کے بعد روح کی بدن یا بدن کے (ریزہ ریزہ) اجزاء سے جدائی اور علیحدگی بھی ہوتی ہے اگر ان حضرات کے نزدیک کسی وقت روح کی بدن سے کلیۃً جدائی کی کوئی دلیل ہے جس کی بنا پر وہ افتراق کے قائل ہیں تو ان کے نزدیک صرف اس حالت میں روح کو بدن سے الگ تسلیم کر کے بھی سزا و راحت ہو سکے گی ورنہ یہ دونوں بزرگ اہل السنت والجماعت کا اجماع اور ائمہ کرامؒ کا اتفاقی نظریہ یہ بتاتے ہیں کہ عذاب و راحت کے سلسلہ میں بدن اور روح دونوں شریک ہیں اور اس پر وہ احادیث صریحہ اور متواترہ کا حوالہ بھی دیتے ہیں جس میں کوئی شک نہیں۔

(۱۰) یہی حافظ ابن القیمؒ عذاب و نعیم اور سوال قبر پر طویل بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں کہ :۔

ومعلوم ان هذا كله للجسد بواسطة الروح الخ (کتاب الروح ص۸۷)

یہ ایک معلوم بات ہے کہ یہ ساری کارروائی جسم کے لیے ہے مگر بواسطہ روح۔

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح اور روشن ہے۔

یہ سب عبارات حافظ ابن القیمؒ کی مشہور اور معتبر کتاب کتاب الروح کی ہیں جو بالفاظہا ہم نے عرض کر دی ہیں

ان کی موجودگی میں یہ دعوے کرنا کہ حافظ ابن القیمؒ قبر میں بدن سے روح کے اتصال اور تعلق کے قائل نہیں یا یہ کہ وہ بدن اور جسد سے بدن مثالی مراد لیتے ہیں یا یہ کہ شہداء کرامؓ کو سواری کے طور پر جو پرندے مرحمت ہوتے ہیں ان کے نزدیک وہ ابدان مثالیہ ہیں یا یہ کہ وہ عود الروح الی البدن کے قائل نہیں یا یہ کہ وہ حسی قبر اور گڑھے کو قبر کہتے ہی نہیں یا یہ کہ وہ عود الروح الی البدن کی وجہ سے علم و شعور اور الم و راحت کے ادراک کے درجہ میں بھی فی الجملہ حیات کے قائل نہیں یا یہ کہ وہ جسم عنصری کے ذرات اور ریزوں سے روح کے تعلق کے قائل نہیں یا یہ کہ وہ بدن سے روح کے کلیۃً انقطاع کے قائل ہیں یا یہ کہ وہ ارواح کو علیین جنت اور آسمانوں یا سجین ہی میں تسلیم کرتے اور ان کا تعلق ابدان یا ان کے ذرات سے تسلیم نہیں کرتے یا یہ کہ وہ عذاب و راحت ہمہ وقت صرف روح کے لیے تسلیم کرتے ہیں، یہ اور اس قسم کی تمام وہ غلط باتیں جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ان واضح اور صریح عبارات کے پیش نظر سراسر باطل ہیں مشہور ہے ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ ۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ علامہ ابن حزمؒ وغیرہ کے اس نظریہ کی پر زور تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن وقت السوال والسوال للبدن بلا روح قول طائفۃ من الناس وانکرہ الجمہور وقابلہم آخرون فقالوا السوال للروح بلا بدن وھذا قالہ ابن میسرۃ وابن حزمؒ وکلاھما غلط والاحادیث الصحیحۃ تردہ ولو کان ذٰلک علی الروح فقط لم یکن للقبر بالروح اختصاص اھ

(شرح حدیث النزول ص۵۱ و کتاب الروح ص۶۲)

صحیح اور متواتر حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ سوال کے وقت روح بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور روح کے بغیر بدن سے سوال کا لوگوں میں صرف ایک طائفہ قائل ہے لیکن جمہور اس کے منکر ہیں اور ان کے مقابلہ میں کچھ اور لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے اور بدن کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہ ابن میسرہؒ اور ابن حزمؒ کا قول ہے مگر یہ دونوں قول باطل ہیں اور صحیح حدیثیں ان کو رد کرتی ہیں۔ اور اگر یہ کارروائی صرف روح ہی کو پیش آتی تو روح کے قبر کے ساتھ اختصاص کا کوئی معنی نہ ہوتا ۔

نواب صدیق حسن خان صاحبؒ اسی عبارت کے پیش نظر لکھتے ہیں کہ :۔

احادیث متواترہ اند بر آنکہ عود می کند روح بسوئے بدن وقت سوال وایں تعلق ہمیشہ می ماند اگرچہ جسد جاں وریدہ و متفرق و منقسم گردد و سوال بدن بلا روح قول طائفہ است و جمہور انکارش کردہ اند و دیگر دربرابر ایشاں گویند کہ سوال روح را بلا بدن است وایں غلط فاحش است ورنہ قبر رابداں اختصاص

نہ باشد (التنکیت فی شرح اثبات التثبیت ص۲۳ طبع سنہ ۱۲۹۲ھ)

اور عذاب اور نعیم قبر پر بحث کرتے ہوئے حافظ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

بل العذاب والنعیم علی النفس والبدن جمیعًا باتفاق اهل السنة والجماعة اهـ (شرح حدیث النزول ص۸۵ وکذا فی کتاب الروح ص۳۲)

بلکہ عذاب اور راحت و آرام روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتا ہے اور تمام اہل السنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے۔

اور عذاب قبر کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

ولهذا صار بعض الناس الی ان عذاب القبر انما هو علی الروح فقط کما یقوله ابن میسرة وابن حزم وهذا قول منکر عند عامة اهل السنة والجماعة وصار آخرون یحتجون بالقدرة ویخبر الصادق ولا ینظرون الی ما یعلم بالحس والمشاهدة وقدرة الله حق وخبر الصادق حق لکن الشأن فی فهمه واذا عرفت ان النائم یکون نائمًا وتقعد روحه وتقوم وتمشی وتذهب وتتکلم وتفعل افعالًا وامورًا باطن بدنه مع روحه ویحصل لبدنه وروحه بها نعیم وعذاب مع ان جسده مضطجع وعینیه مغمضة وفمه مطبق واعضائه ساکنة وقد یتحرك بدنه لقوة الحرکة الداخلة وقد یقوم ویمشی ویتکلم ویصیح لقوة الامر فی باطنه کان هذا مما یعتبر به امر المیت فی قبره فان روحه تقعد وتجلس وتسأل وتنعم وتعذب وتصیح

اور بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ عذاب قبر صرف روح کو ہوتا ہے جیسا کہ ابن میسرہؒ اور ابن حزمؒ کہتے ہیں اور یہ قول اکثر اہل سنت والجماعت کے نزدیک مردود ہے اور دوسرے حضرات اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مخبر صادق کی خبر سے احتجاج کرتے ہیں اور حس اور مشاہدہ کی طرف وہ نہیں دیکھتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی حق ہے اور صادق کی خبر بھی حق ہے لیکن معاملہ اس کے سمجھنے کا ہے اور جب یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ سونے والا خوابیدہ ہوتا ہے اور اس کی روح بیٹھتی اور اٹھتی چلتی اور پھرتی اور بولتی اور کئی قسم کے افعال اور معاملات بدن کے اندر ہی کرتی ہے اور اس کے بدن اور روح کو راحت و کلفت حاصل ہوتی ہے حالانکہ اس کا جسم پڑا رہتا ہے اور اس کی آنکھیں اور منہ بند ہوتا ہے اور اس کے اعضاء ساکن ہوتے ہیں اور کبھی داخلی حرکت کی قوت کی وجہ سے بدن بھی حرکت کرتا ہے اور کبھی اٹھتا اور چلتا ہے اور کبھی بولتا اور آواز کرتا ہے کیونکہ اندر خاصی قوت ہوتی ہے اس سے قبر میں میت کا معاملہ بھی بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کی روح اٹھائی اور بٹھائی جاتی ہے اور اس سے سوال

وذلك متصل ببدنه مع كونه مضطجعا في قبره اھ
(شرح حديث النزول ص۸۵)

کیا جاتا ہے اور اس کو راحت و تکلیف حاصل ہوتی ہے اور وہ آواز کرتی ہے اور روح بدن سے متصل ہوتی ہے حالانکہ بدن قبر میں پڑا رہتا ہے۔

اور نیز حافظ ابن تیمیہؒ اختلاف اضلاع کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :-

فقد صرح الحديث باعادة الروح الى الجسد وباختلاف اضلاعه وهذا بين في ان العذاب على الروح والبدن مجتمعين۔
(فتاوی ج۴ ص۲۸۹ و مثلہ فی کتاب الروح ص۴۶)

بلاشبہ اس حدیث میں روح کے جسم کی طرف اعادہ اور پسلیاں آر پار ہونے کی تصریح ہے اور اس میں بالکل روشن دلیل ہے کہ عذاب روح اور بدن دونوں پر ہوتا ہے

ان صریح اقتباسات سے یہ معاملہ واضح ہو جاتا ہے کہ قبر میں روح کا جسم کے ساتھ اتصال ربط اور تعلق تو ہوتا ہے لیکن اکثر اوقات جسم بالکل ساکن اور ساکت رہتا ہے اور بایں ہمہ عذاب و آرام بدن اور روح دونوں کو حاصل ہے جیسے سونے والے کا معاملہ ہے کہ بظاہر اس کا جسم اور اعضاء تو ساکن رہتے ہیں لیکن خواب میں اس کی روح جو خوشی اور غمی دیکھتی ہے اس سے بدن کو بھی راحت و تکلیف حاصل ہوتی ہے ہاں زیادہ خوشی اور غمی کی وجہ سے اس کا بدن حسی طور پر بھی روح کی طرح اس خوشی اور غمی کے آثار سے عیاناً متاثر ہوتا ہے احتلام کی صورت میں لذت اور خوف و ہراس اور مار پٹائی کی وجہ سے بدن پر تکلیف ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ امام غزالیؒ اور حافظ ابن الہمامؒ وغیرہ کی عبارات سے اس کی مزید تشریح اپنے مقام پر آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

امام سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ :-

وقال ابن تيميةؒ الاحاديث متواترة على عود الروح الى البدن وقت السؤال وسؤال البدن بلا روح قول طائفة منهم ابن الزاغوني وحكي عن ابن جرير وانكره الجمهور وقابلهم آخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن قاله ابن حزم و آخرون منهم ابن عقيل وابن الجوزي وهو غلط والا لم يكن للقبر بذلك اختصاص انتهى۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ سوال کے وقت روح کے بدن کی طرف لوٹنے کی حدیثیں متواتر ہیں روح کے بغیر بدن سے سوال ایک طائفہ کا قول ہے جن میں ابن زاغونی بھی ہیں اور ابن جریر (الکرامی) سے بھی اس کی حکایت کی گئی ہے مگر جمہور نے اس کا انکار کیا ہے اور ان کے مقابلہ میں کچھ اور لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ سوال بدن کے بغیر صرف روح سے ہوتا ہے ابن حزمؒ ابن عقیلؒ اور ابن الجوزیؒ وغیرہ کچھ اور لوگوں نے ایسا ہی کہا ہے لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے اگر معاملہ صرف روح

(شرح الصدور صلا طبع مصر) کا ہی ہوتا تو پھر قبر سے اس کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

مؤلف مذلسئے حق نے (ص۱۴ میں) ابن حزمؒ ابن الجوزیؒ اور ابن عقیلؒ کا یہ حوالہ تو دیا ہے مگر افسوس ہے کہ وہ غلط کے الفاظ سے آخر تک بالکل ہضم کر گئے ہیں ابن الزاغونی کا نام علی بن عبید اللہ کنیۃ ابوالحسن اور فقہی نسبت الفقیہ الحنبلی ہے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وله تصانيف فيها اشياء من بحوث المعتزلة بدعوه بها لكونه نصرها وما هذا من خصائصهم بل قلّ من امعن النظر في علم الكلام الا واداه اجتهاده الى القول بما يخالف محض السنة ولهذا ذم علماء السلف النظر في علم الاوائل فان علم الكلام مولد من علم الحكماء الدهرية اه (لسان الميزان ج ۴ ص۲۴۳)

ان کی کئی تصانیف ہیں جن میں معتزلہ کی ابحاث سے کئی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے علماء نے ان کو بدعتی قرار دیا ہے کیونکہ انہوں نے ان ابحاث میں معتزلہ کی تائید کی ہے اور یہ صرف انہی کی خصوصیات میں سے نہیں بلکہ ایسے لوگ بہت کم ہیں جنہوں نے علم کلام کی گہرائیوں میں نگاہ دوڑائی ہو اور ان کے اجتہاد نے انہیں خالص سنت کی مخالفت تک نہ پہنچایا ہو اسی لیے علماء سلف نے پہلے لوگوں کے علم میں نظر کرنے کی مذمت کی ہے کیونکہ ان کا علم کلام حکماء دھریہ کے علم سے پیدا ہوا ہے۔

اسی ابن زاغونی کا سہارا مؤلف ندائے حق اور اقامۃ البرہان نے (ملاحظہ ہو ص۲۰) لیا ہے فوا اسفا۔

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وان عذاب القبر حق وانه على الروح والجسم الذى فيه اللحد (المنحة الوهبية ص۳ طبع استنبول)

بلاشبہ قبر کا عذاب حق ہے اور یہ عذاب روح اور اس جسم پر ہوتا ہے جس جسم کو لحد اور قبر میں دفن کیا جاتا ہے۔ (یعنی جسد عنصری)

اور قاضی محمدؒ بن علی الشوکانی رحؒ المتوفی ۱۲۵۰ھ) حیات فی القبور کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وقد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر (نيل الاوطار ج ۴ ص۹۰)

کہ اس کے بارے میں بکثرت حدیثیں وارد ہوئی ہیں جو تواتر کے درجہ کو پہنچتی ہیں۔

ایک طرف ان حضرات کی یہ صریح عبارات بھی ملاحظہ فرمائیں اور دوسری طرف مؤلف اقامۃ البرہان کا یہ باطل نظریہ بھی دیکھتے جائیں وہ لکھتے ہیں:۔

باقی انبیاء علیہم السلام شہداء کرام اور مومنین کو برزخ میں جو نعیم و راحت حاصل ہوتی ہے وہ صرف ان کی روحوں کو ہے ابدان عنصریہ اس میں شریک نہیں ہیں انتہی بلفظہ (اقامۃ البرہان ص۱۹۸) لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

امام قاسم بن قطلوبغا الحنفیؒ (المتوفی ۸۷۹ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

قال الامام القونویؒ اختلفوا فی انه یخلق فیه حیٰوة مطلقة کحیاته قبل الموت او حیٰوة بقدر مایحس الالم والصحیح هذا اھ (شرح المسائرة للقطلوبغا جلد ۲ ص۱۱ طبع مصر)	امام قونویؒ فرماتے ہیں کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا مردہ میں حیات مطلقہ پیدا کی جاتی ہے جیسا کہ موت سے پہلے تھی یا اس قدر حیات اس میں پیدا کی جاتی ہے جس سے دکھ وغیرہ کا احساس کر سکے؟ صحیح بات دوسری ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ قبر میں مُردہ کو مطلق اور کامل حیات حاصل نہیں ہوتی جیسی حیات موت سے پہلے اس کو دنیا میں حاصل تھی بلکہ اس انداز کی حیات اس کو حاصل ہوتی ہے جس سے عذاب و کلفت کا احساس ہو سکے یہی وجہ ہے کہ ہم نہ تو اس حیات کا احساس کر سکتے ہیں اور نہ اس کی پوری حقیقت کا ادراک کر سکتے ہیں،

علامہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد الحنفیؒ (المتوفی سن ۱۲۷۰ھ) اپنی بے نظیر تفسیر میں شہداء کی حیات پر بحث کرتے ہوئے یہ بھی ارقام فرماتے ہیں کہ :۔

واختلف فی هذه الحیٰوة فذهب کثیر من السلف الی انها حقیقة بالروح والجسد ولکنا لاندرکها فی هذه النشاۃ اھ (روح المعانی جلد ۲ ص۱۷)	اور اس حیات کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے اور بلا شبہ بہت سے سلف صالحینؒ اس طرف گئے ہیں کہ یہ حقیقۃً حیات ہے جو روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوتی ہے لیکن ہم اس دور اور حالت میں اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

مطلب واضح ہے کہ قبر کی زندگی اگر مطلق اور کامل زندگی ہوتی جس طرح دنیا میں ہوتی ہے تو اس کا ادراک تو ہر شخص کر سکتا ہے مگر چونکہ وہ حیات اس معہود حیات سے متفاوت ہے اور ایک گونہ اور نوع من الحیوٰۃ ہے۔ اس لیے ہمارے ادراک سے وہ بالاتر ہے ہاں احیاناً کسی کو اس کا ادراک کرا دیا جائے تو اس کا کون منکر ہے؟ جس طرح قبر کی حیات اہل دنیا کے احساس و ادراک سے بالاتر ہے اسی طرح ان کی راحت و کلفت بھی اہل دنیا کی نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے وہ اگر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بھی دیکھیں تو ان کو اس کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا۔

علامہ سید محمود آلوسی الحنفیؒ مفتی بغداد نے پہلے یہ لکھا تھا۔

وعندی ان الحیاة فی البرزخ ثابتة لکل من یموت من شهید وغیره وان الارواح وان کانت جواهر قائمة بانفسها مغایرة لما یحس به من البدن	اور میرے نزدیک حیات فی البرزخ ثابت ہے ہر مرنے والے کے لیے شہید ہو یا غیر شہید اور ارواح اگرچہ جواہر قائم بنفسہا ہیں اس محسوس بدن کے علاوہ اور مغایر لیکن ان کے ایک بدن

لكن لا مانع من تعلقها ببدن برزخي مغاير لهذا
البدن الكثيف الى ان قال واما القول بحياة هذا
الجسد الرميم مع هدم بنيته وتفرق اجزائه و
ذهاب هيئته وان لم يكن ذلك بعيدا عن قدرة
من يبدأ الخلق ثم يعيده لكن ليس اليه كثير حاجة
ولا فيه مزيد فضل ولا عظيم منة بل ليس فيه
سوى ايقاع ضعفة المؤمنين بالشكوك والاوهام و
تكليفهم من غير حاجة بالايمان بما يعدون قائله
من سفهة الاحلام۔

(روح المعانی ج ٢٧ ص ٢١)

برزخی ہے تعلق ہونے سے کوئی مانع نہیں (پھر آگے فرمایا) اور لیکن قول
کرنا ساتھ حیات اس جسم رمیم کے باوجود اسکی بنیاد ٹوٹ پھوٹ جانے
کے اور اس کے اجزاء کے بکھر جانے کے اور اس کی ہیئت (کذا فیہ)
کے چلے جانے کے اگرچہ اس اللہ کی قدرت سے بعید نہیں جو پہلی پیدائش
کرتا ہے اور پھر (روز محشر میں) اسی کو لوٹائے گا اور انہیں بوسیدہ
ہڈیوں کو زندہ کریگا لیکن تو اس قول کیطرف کوئی بڑی حاجت ہے اور نہ
اس قول میں کوئی بڑی فضیلت ہے اور نہ (شمہ بھر) بڑا احسان
بلکہ اس قول میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ کمزور ایمان والوں کو شکوک
اور اوہام میں ڈال دیں اور بلا ضرورت ان کو تکلیف دیں ایسی چیز
کے ماننے کی جس کے قائل کو وہ بے وقوف قرار دیتے ہیں۔

اس عبارت کا یہ ترجمہ بلفظہ ہم نے تسکین القلوب ص٩٥ و ص٩٦ سے نقل کیا ہے اور روح المعانی کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد مؤلف تسکین القلوب نے راقم کو بلا وجہ خوب کوسا ہے اور لکھتے ہیں کہ مولوی صاحب ناظرین کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے اس عبارت کو ہضم کر گئے اور یہ مغالطہ دیا کہ صاحب روح بھی مولوی صاحب کا ہم نوا ہے (تسکین القلوب ص٩٦) بے شک علامہ آلوسیؒ کا پہلے یہی نظریہ تھا لیکن تحقیق کے بعد اس کو ترک کر کے انہوں نے بعد کو جمہور کا ساتھ دیا ہے اور حضرات صوفیہ اور جمہور کے قول میں تطبیق دی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

وتحقيقه في شرح الشمائل للعلامة ابن حجرؒ ثم اعلم
ان اتصال الروح بالبدن لا يختص بجزء دون جزء
بل هي متصلة مشرقة على سائر اجزائه
وان تفرقت ربما كان جزء بالمشرق وجزء بالمغرب
ولعل هذا الاشراق على الاجزاء الاصلية لانها
التي يقوم بها الانسان من قبره يوم القيمة على
ما اختاره جمع واعلم ايضا ان الروح على القول
بتجردها لا مستقر لها بل لا يقال انها داخل العالم

اس کی تحقیق علامہ ابن حجرؒ کی شرح شمائل میں ہے پھر تو جان لے کہ
روح کا بدن کے ساتھ اتصال یوں مختص نہیں کہ کسی ایک جزو کے ساتھ
ہو اور دوسری سے نہ ہو بلکہ یہ بدن کے تمام اجزاء کے ساتھ متصل
ہے اور اس کا تمام اجزاء پر پرتو پڑتا ہے اگرچہ وہ اجزاء متفرق ہو
چکے ہوں اور ایک جزو مشرق میں اور دوسری مغرب میں ہو اور
شاید کہ روح کا یہ پرتو اصلی اجزاء پر ہو کیونکہ یہی وہ اجزاء ہیں جن کے
ساتھ انسان قیامت کے دن قبر سے اٹھے گا جیسا کہ ایک
بڑی جماعت نے اس کو اختیار کیا ہے (مولوی عبدالحق حقانیؒ فرماتے

الخارجه كما سمعت وانما المستقر حينئذ البدن الذي تتعلق به وقد نص بعض الصوفية على انه لا مانع من ان تتعلق نفس ببدنين فاكثر بل هو واقع عندهم وذكر بعضهم ان احد البدنين هو البدن الاصلي والآخر مثالي يظهر للعيان على وجه خرق العادة الخ۔

(روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۳)

ہیں۔ انسان کے اجزاء اصلیہ وہی ذرات ہیں کہ جو حضرت آدم کی پشت سے عہد لینے کے لیے نکالے گئے تھے ..... پس روح کا تعلق بعد از مرگ انہی اجزاء اصلیہ و ذرات کے ساتھ ہے عقائد اسلام بحوالہ مذاہب حق ص ۱۶۱ اور نیز ظاہر یہ ہے کہ اس قول کی بنا پر کہ روح مجرد ہے اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں بلکہ یوں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ عالم میں داخل ہے یا اس سے خارج ہے جیسا کہ تو نے سنا اور پختہ بات ہے کہ روح کا مستقر اس وقت وہ بدن ہے جس سے اس کا تعلق ہے اور بعض حضرات صوفیاء کرام نے اس کی تصریح کی ہے کہ کوئی مانع نہیں کہ روح دو بدنوں (بدن عنصری و بدن مثالی) اور ان سے زیادہ سے متعلق ہو بلکہ ان کے نزدیک یہ واقع اور ثابت ہے اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ دو بدنوں میں سے ایک بدن اصلی (عنصری و مادی) ہے اور دوسرا مثالی ہے جو خرق عادت کے طور پر مشاہدہ کے لیے بھی ظاہر ہو جاتا ہے

علامہ آلوسیؒ کی اس عبارت سے صراحت سے معلوم ہوا کہ بدن اصلی (عنصری) کے ساتھ روح کا باقاعدہ تعلق رہتا ہے اگرچہ وہ ریزہ ریزہ ہو جائے اور ایک جزء مشرق میں اور دوسری مغرب میں چلی جائے لہذا ان کی پہلی عبارت سے ان کا مختار مذہب یہ ثابت کرنا (جیسا مؤلف تسکین الصدور نے ص ۲۲۸ میں کیا ہے) کہ وہ روح کے بدن مثالی ہی سے تعلق کے قائل ہیں اور بدن عنصری و خاکی سے تعلق کے قائل نہیں ہیں بالکل غلط ہے اگر ان کا پہلا نظریہ یہی تھا تو اس عبارت سے ان کا رجوع الی قول الجمہور ثابت ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے پھر آگے اپنی تحقیق یہ لکھی ہے کہ روح اور نفس ایک ہی شئے ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

البحث الثالث اختلف الناس في الروح والنفس هل هما شيء واحد ام شيئان؟ فحكى ابن زيد عن اكثر العلماء انهما شيء واحد فقد صح في الاخبار اطلاق كل منهما على الآخر وما اخرجه البزار بسند صحيح عن ابي هريرةؓ رفعه ان المؤمن ينزل به الموت ويعاين ما يعاين

تیسری بحث لوگوں نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ کیا روح اور نفس دونوں ایک شئے ہے یا دو ہیں؟ ابن زیدہ نے اکثر علماء سے نقل کیا ہے کہ وہ دونوں ایک شئے ہے بلا شبہ حدیثوں میں ایک کا دوسرے پر اطلاق صحیح اور ثابت ہے محدث بزارؒ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت کی تخریج کی ہے

يود لو خرجت نفسه والله تعالىٰ يحب لقاءه وان المؤمن تصعد روحه الى السماء فتاتيه ارواح المؤمنين فيستخبرونه عن معارفهم من اهل الدنيا الحديث ظاهر في ذلك اهـ

(روح المعانی ص۱۵۱)

کہ مومن پر جب موت آتی ہے اور معائنہ کرتا ہے ان چیزوں کا جن کا بھی معائنہ کرتا ہے تو وہ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کا نفس نکلے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور مومن کی روح جب آسمان کی طرف جاتی ہے تو اس کے پاس مومنوں کی ارواح آتی ہیں اور وہ دنیا میں اپنے پہچاننے والوں کے بارے میں اس سے سوال کرتی ہیں الحدیث اس سے بالکل ظاہر ہے کہ نفس اور روح ایک شئی ہے۔

حافظ ابن القیم رحؒ نے فرمایا کہ جمہور کا یہی قول ہے کہ نفس اور روح دونوں ایک ہی شئی ہے (کتاب الروح ص۲۹۴)

الغرض قبر اور برزخ میں راحت اور تکلیف روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتی ہے لیکن دنیا والے اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) اپنی بلند پایہ کتاب حجۃ اللہ البالغہ باب اختلاف احوال الناس فی البرزخ میں لکھتے ہیں کہ :-

ويؤمروا بالتعذيب او التنعيم فيراهم المبتلى عيانا وان كان اهل الدنيا لا يرونهم عيانا اهـ

(حجة الله البالغه جلد ا ص۳۶ طبع مصر)

فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ انکو عذاب یا راحت پہنچائیں۔ مبتلیٰ بہ تو آنکھوں سے ان فرشتوں کو دیکھتا ہے لیکن اہل دنیا ان کو مشاہدۃً نہیں دیکھ سکتے۔

حیات فی القبور اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ

قبر کی زندگی کے بارے میں حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ کا مسلک بعض حضرات نے غلط سمجھا ہے۔ اور بے جا مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے اور ان کی ایک مجمل عبارت۔ "در قبر اصلاً تعلق روح بہ بدن نیست الخ" سے غلط مطلب اخذ کیا ہے (ملاحظہ ہو تسکین القلوب ص۹۳ و ندائے حق ص۲۳۶) اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت شاہ صاحبؒ ہی کی چند عبارات عرض کر دیں تاکہ حقیقت بالکل کھل کر سامنے آجائے اور علمی و تحقیقی طور پر کسی قسم کی کوئی الجھن باقی نہ رہے غور و فکر کرنا آپ کا کام ہے۔

(۱) روافض نے دیگر منکرین کی طرح عذاب قبر کے بارے ایک اعتراض کیا ہے جس کا جواب حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں سوال و جواب دونوں ان کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ونیز گویند کہ ما می بینیم شخصی را کہ مردہ بر زمین افتادہ است یا مصلوب بر جذع مدتے براں جذع ماندہ تا آنکہ اجزاء

اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم ایک شخص کو زمین پر مردہ پڑا ہوا دیکھتے ہیں یا کسی کو کافی مدت تک سولی پر لٹکا ہوا دیکھتے

او ہمہ متلاشی شدہ وہرگز در روے حیاتے وقیامے و
قعودے وتحرکے وکلامے وسوالے وجوابے وچیزے از
آثار ایں اُمور دریافتہ نشدہ بلکہ بر سینۂ او چند دانہ
خردل پاشیدہ ایم وآں دانہ ہا را بحال خود یافتہ ایم
ونیز کافر را بعد از موت تجسّس کردیم ودست رسانیدیم
اصلاً اثر احراق درو نمی بینیم جواب ایں شبہ از تقریر
سابق معلوم شد کہ اللہ تعالیٰ روح آں میّت را بقدریکہ
ادراک وتالّم وتلذذ ازو حاصل شود وبعدنے از ابدان
عنصریہ موجودہ یا مثالیہ مخترعہ متعلق میسازد وایں کار
سرانجام میفرماید ومحسوس بنودن ایں حرکات دلالت
بر عدم وقوع آنہا نمیکند زیرا کہ ذوات واشخاص
ملائکہ وجن را بحواس ادراک نمیکنیم چہ جائے حرکات و
معہذا واقع است بلا شبہ عند الملیّین ونیز نائم در خواب
خود می بیند کہ با زنے خوش شکل جماع میکند ومعانقہ
وبوس وکنار ہمہ بعمل مے آرد حتّٰی کہ انزال واحتلام ہم
میشود وتلذذ ہم برمیدارد واثر ایں اُمور دیگراں بر بدن
او ادراک نمیکنند ونیز حکماء وفلاسفہ باعانت روحانیات
کواکب وحرکات آنہا قائل اند وہیچکس را محسوس نمی
شود چنانچہ از ثابت بن قرہ در بابِ ثانی نقل آں گذشت
وخداتعالیٰ قادر است بر آنکہ دانہائے خردل را بہیئت
خود بخشں باقی دارد وروح آں میّت را باوصفِ تعلقے
کہ ببدن خود پیدا کردہ منعّم ومعذّب کردہ اند بنہایت
کار استبعاد است وَھُوَ لَا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ

ہیں یہاں تک کہ اس کے تمام اجزاء بکھر جاتے ہیں اور
اس میں زندگی۔ کھڑے ہونے۔ بیٹھنے۔ حرکت کرنے
کلام اور سوال کرنے وجواب دینے وغیرہ امور میں سے کسی
کا ہرگز کوئی نشان نہیں پایا جاتا بلکہ ہم نے اس کے سینے
پر رائی کے چند دانے بکھیرے لیکن ان دانوں کو اسی حالت
میں ہم نے پایا اور نیز کافر کی موت کے بعد ہم نے
اس کے جسم کو ٹٹولا اور ہاتھ اس کے بدن تک پہنچایا
لیکن اس میں جلانے کا ہرگز کوئی اثر ہم نے نہیں دیکھا،
(اندریں حالات عذاب قبر کا کیا مطلب) اس شبہ
کا جواب پہلے بیان سے معلوم ہوگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ
اس میّت کی روح کو اس اندازے کہ ادراک اور تکلیف
اور لذت اس سے حاصل ہو اور ابدان عنصریہ میں سے موجود
بدن کے ساتھ یا مثالی مخترع بدن کے ساتھ متعلق کر دیتا ہے
اور اس کام کو سرانجام دیتا ہے اور ان حرکات کا محسوس و مشاہد
نہ ہونا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ واقع نہ ہوں کیونکہ فرشتوں
اور جنّات کی شخصیتوں کا احساس ہم نہیں کرتے چہ جائیکہ ان
کی حرکات کا احساس ہو لیکن با ایں ہمہ تمام ملّتوں میں بلاشبہ
ان کا وجود مسلّم ہے اور نیز خواب دیکھنے والا نیند کی حالت
میں دیکھتا ہے کہ وہ کسی خوبصورت عورت سے جماع کرتا ہے اور
اس کو گلے لگاتا ہے اور بوس وکنار وغیرہ سب کام کرتا ہے
حتّٰی کہ انزال واحتلام بھی ہوتا ہے اور وہ لذت بھی اٹھاتا
ہے لیکن دوسرے اس کے بدن پر ان امور کا اثر وادراک نہیں کرتے
اور نیز حکماء اور فلاسفہ ستاروں کی روحانیات کی اعانت اور انکی

(تحفۂ اثنا عشریہ ص۲۹۴ و ص۲۸۵ طبع لکھنؤ)

حرکات کے قائل ہیں لیکن کسی کو وہ محسوس نہیں ہوتیں جیسا کہ باب دوم میں قرۃ بن ثابت سے اس کی نقل گذر چکی ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ رائی کے دانوں کو اپنی حالت پر باقی رکھے اور اس میت کی روح کا اس کے اپنے بدن کے ساتھ اس انداز سے تعلق پیدا کر دے کہ اس کو راحت و عذاب ہو زیادہ سے زیادہ یہ کارروائی ایک بعید سی معلوم ہوگی لیکن یہ استبعاد نہ تو بعید سمجھنے والے کو موٹا کرتا ہے اور نہ علمی بھوک دور کرتا ہے

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ راحت و عذاب قبر کے سلسلہ میں جو شبہ پیش کیا گیا ہے اس کے جواب میں ایک شق یہ بھی ہے کہ میت کی روح کا اس کے بدن عنصری کے ساتھ تعلق قائم کیا جاتا ہے اور اس تعلق کی بنا پر اس کو قبر کی راحت و تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور دوسروں کو اس کا احساس نہ ہونا اس کے عدم وقوع کی دلیل نہیں اور اس بات کو پھر موصوف نے خواب اور احتلام کی کثیر الوقوع صورت کے ساتھ سمجھانے کی سعی فرمائی ہے ان کی اس صریح عبارت کی موجودگی میں یہ دعویٰ کرنا کہ ان کے نزدیک روح کا بدن کے ساتھ بالکل کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایک غیر ذمہ دارانہ حرکت اور خالص مغالطہ ہے جسکی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

(۲) و مقام علیین بالائے ہفت آسمان است و پائین آں متصل سدرۃ المنتہیٰ است و بالائے آں متصل بپایۂ راست عرش مجید و ارواح نیکاں بعد از قبض دراں جا میرسند و مقربان یعنی انبیاء و اولیاء دراں مستقر می مانند و عوام و صلحاء را بعد از نویسانیدن و رسیدن تا عمالے اعمال بر حسب مراتب در آسمان دنیا یا درمیان آسمان و زمین یا در چاہ زمزم قرار می دہند و تعلقے بہ قبر نیز ایں ارواح را میباشد کہ بحضور زیارت کنندگان و اقارب و دیگر دوستاں بر قبر مطلع و مستانس میگردند زیرا کہ روح را قرب و بعد مکانی مانع ایں دریافت نمیشود

اور علیین کا مقام سات آسمانوں کے اوپر ہے اور اس کا زیرین حصہ سدرۃ المنتہیٰ سے متصل ہے اور اس کا بالائی حصہ عرش مجید کے دائیں پائے کے ساتھ متصل ہے اور نیک لوگوں کی ارواح کو قبض کرنے کے بعد وہاں پہنچایا جاتا ہے اور مقربین یعنی حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح کا مستقر بھی وہی ہے اور عام صلحاء کو وہاں پہنچانے اور ان کے نامہ اعمال لکھنے کے بعد حسب مراتب آسمان دنیا میں یا آسمان و زمین کے درمیان یا زمزم کے کنوئیں میں ٹکاتے ہیں اور ان ارواح کا قبر کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے کہ جو لوگ ان کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور جب ان کے اقارب اور دوسرے دوست حاضر ہوتے

بدن بھی اس کے لیے ایک مکان کی حیثیت رکھتا ہے گویا روح اپنے اس تعلق کی وجہ سے مکین ہے اور بدن اس کے لیے مکان ہے اور مردہ کو جلانے کی صورت میں گویا روح کو بے مکان کرنا ہے اور چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ابدان مبارکہ کا اصلی صورت میں موجود ہونا نص حدیث سے ثابت ہے اور بعض شہداء اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اجسام کا موجود ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے لہذا کوئی وجہ نہیں کہ ان کی ارواح مبارکہ کا تعلق ان کے اجسام عنصریہ سے نہ ہو کیونکہ :- ؎

دل ہو اور اس میں درد محبت کہیں نہ ہو   عبرت کا ہے محل کہ مکاں ہو مکیں نہ ہو

(۴) ایک مقام پر طویل بحث کے ضمن میں یہ بھی ارقام فرماتے ہیں کہ :-

زیراکہ ارواح را تعلق بہ بدن خود کہ در قبر مدفون است البتہ میباشد زیراکہ مدت دراز دریں بدن بودہ اند۔ (فتاویٰ عزیزی ج ا صـ۲ طبع مجتبائی دہلی)

اس لیے کہ ارواح کا اپنے ابدان کے ساتھ جو قبر میں مدفون ہیں یقیناً تعلق ہوتا ہے کیونکہ مدت دراز تک وہ ارواح ان ابدان میں رہ چکی ہیں۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول کے لحاظ سے واضح ہے کہ ابدان کے ساتھ قبور میں ان کی ارواح کا تعلق ایک یقینی امر ہے اور ظاہر امر ہے کہ موت سے پہلے جن اجسام کے ساتھ ارواح کا تعلق تھا وہ تو اجسام عنصریہ ہی تھے نہ کہ مثالیہ اور اختراعیہ اور انہی اجسام کو قبور میں دفن کیا جاتا ہے اور انہی کے ساتھ ارواح کا تعلق بھی البتہ یقینی بات ہے

(۵) توسل اور شفاعت باہل القبور کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ :-

و بالجملہ بعد ازاں کہ ثابت شد کہ روح باقی است و او را تعلقے خاص باجزاء بدن بعد مفارقت از وی و تغیر کیفیت وی نیز باقیست کہ بداں علم و شعور بزائران قبر و احوال ایشاں دارد و ارواح کمل کہ در حین حیات ایشاں بسبب قرب مکانت و منزلت از رب العزت کرامات و تصرفات و امداد داشتند بعد از ممات چوں ہماں قرب باقی اند نیز تصرفات دارند چنانچہ در حین تعلق کلی بجسد داشتند یا بیشتر ازاں انکار استمداد ازاں و جہی صحیح نمی نماید مگر آنکہ از اول منکر

اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ روح باقی ہے اور اس کا ایک خاص تعلق اجزاء بدن کے ساتھ اس سے مفارقت اور تغیر کیفیت کے بعد بھی باقی ہے کہ اس تعلق کی وجہ سے اس میں علم و شعور پیدا ہوتا ہے جس سے قبر کی زیارت کرنے والوں اور ان کے احوال سے آگاہی ہوتی ہے اور کامل لوگوں کی ارواح جن کو اللہ تعالیٰ کے ہاں زندگی میں تقرب و منزلت حاصل تھی اور کرامات و تصرفات و امداد کرتے تھے انکو بعد از وفات بھی یہ تقرب حاصل ہوتا ہے اور تصرفات کرتے ہیں جس طرح کہ وہ اس وقت کرتے تھے جب کہ ان کے ابدان کے ساتھ ارواح کا کلی تعلق تھا یا اس سے بھی بڑھکر

شوند ای تعلق روح را بہ بدن بالکلیہ و جمیع وجوہ بعد مفارقت
و زوال علاقہ حیات و آں خلاف منصوص است
و برایں تقدیر زیارت و رفتن بقبور ہمہ لغو بے معنی گردد
و آں امرے دیگر است کہ عامہ اخبار و آثار دال بر خلاف
آنست و نیست صورت استمداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب
کند حاجت خود از جناب عزت الٰہی بتوسل روحانیہ
بندہ کہ مقرب و مکرم درگاہ والا است و گوید خداوندا
ببرکت ایں بندہ کہ تو رحمت و اکرام کردہ اورا برآوردہ
گرداں حاجت مرا یا ندا کند آں بندہ مقرب و مکرم را کہ
اے بندۂ خدا و ولی وے شفاعت کن مرا و بخواہ از
خدا تعالیٰ مطلوب مرا تا قضا کند حاجت مرا پس
نیست بندہ درمیان مگر وسیلہ و قادر و معطی و مسئول
پروردگار است تعالیٰ شانہٗ و درو ے ہیچ شائبہ
شرک نیست چنانچہ منکر وہم کردہ و آں چناں است
کہ توسل و طلب دعا از صالحان و دوستان خدا در
حالت حیات کند و آں جائز است باتفاق پس
آں چرا جائز نباشد فرقے نیست در ارواح کاملان
در عین حیات و بعد از ممات مگر بترقی کمال اھ
(فتاوی عزیزی ج ۲ ص[illegible] طبع مجتبائی دہلی)

امداد حاصل کرنے کا انکار کرنے کی کوئی صحیح وجہ معلوم نہیں
ہوتی مگر یہ کہ پہلی بات سے انکار کر دیا جائے اور یہ کہا جائے
کہ روح کا تعلق بدن سے بالکلیہ نہیں اور بدن سے مفارقت
کے بعد تمام وجوہ سے زندگی کا تعلق زائل ہو چکا ہے اور
یہ منصوص کے خلاف ہے اور اس تقدیر پر قبور کی زیارت
اور وہاں جانا سب لغو بے معنی ہو جائے گا اور یہ ایک دوسری
بات ہے کہ عام اخبار اور آثار اس کے خلاف ہیں اور مدد
طلب کرنے کی صورت اس کے سوا کچھ نہیں کہ محتاج اپنی حاجت
اللہ تعالیٰ سے طلب کرے اس روحانی توسل کے ذریعہ کہ
مقبول بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہے اور یوں کہے کہ اے
پروردگار اس بندہ کی برکت سے جس پر تو نے رحمت و نوازش
فرمائی ہے میری حاجت پوری کر یا یوں کہے کہ اے بندۂ خدا
اور اللہ تعالیٰ کے ولی میرے حق میں سفارش کر اور اللہ تعالیٰ
سے میرے لیے دعا کر کہ وہ میری حاجت کو پورا کرے پس بندہ
اس صورت میں صرف وسیلہ ہے اور قادر اور دینے والا اور جس سے
سوال کیا گیا ہے صرف پروردگار ہے جل شانہٗ اور اس صورت میں
شرک کا کوئی شائبہ موجود نہیں ہے جیسا کہ منکر کو وہم ہوا ہے اور
اس قسم کا توسل اور طلب دعا صالحین اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں
سے زندگی میں بالاتفاق جائز ہے پس بعد از وفات کیوں جائز نہیں؟
کیونکہ کامل لوگوں کی ارواح میں زندگی اور بعد از وفات بجز اس کے
اور کوئی فرق نہیں کہ مرنے کے بعد ارواح کو ترقی ہوتی ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ روح کا وہ کلی تعلق جو جسم کے ساتھ دنیا میں تھا (یا قیامت کے دن ہوگا) اگرچہ موت کے بعد وہ تو باقی نہیں رہا مگر روح کا بدن سے بلکہ بدن کے اجزا سے ایک ایسا تعلق بدستور باقی رہتا ہے

جس سے علم و شعور وغیرہ حاصل ہوتا ہے اور برعکس اس کے اگر یہ دعوے کیا جائے کہ روح کا بدن کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا تو یہ دعوے خلافِ منصوص ہے اور ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ :-

بالجملہ انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن او شبہ نیست (فتاوی عزیزی ۱۷ ص۹۸)	حاصل کلام یہ ہے کہ اگر اموات کے ادراک و شعور کا انکار کفر نہ ہو تو اس کے الحاد ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔

تصویر کا دوسرا رُخ :- حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی کتابوں میں ایسے الفاظ اور عبارتیں بھی ملتی ہیں جن سے نظر بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے بعد روح کا بدن سے تعلق نہیں رہتا اور عذاب و راحت روح کو حاصل ہے چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

معذب روح است نہ بدن تا بقائے بدن شرط تعذیب باشد (تفسیر عزیزی پارہ تبارک ص۱۳۶ طبع لاہور)	سزا روح کو دی جاتی ہے نہ کہ بدن کو تاکہ بدن کا باقی رہنا سزا دینے کے لیے شرط ہو۔

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

ارواح را بعد موت فنا نیست بلکہ انقطاع تعلق بہ بدن است الخ (فتاوی عزیزی ج ۲ ص۱۰۵)	اور ارواح کے لیے موت کے بعد فنا نہیں بلکہ بدن سے انقطاع تعلق ہوتا ہے۔

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

بلکہ تحقیق آنست کہ معنی حیات تعلق روح بہ بدن است و در قبر اصلاً تعلق روح بہ بدن نیست بلکہ بقائے شعور و ادراک روح را بعد از مفارقت از بدن تعبیر بحیات فرمودہ اند پس حمل حیات قبر بر مجازیت متعین است لاغیر۔ (تفسیر عزیزی ص۱۰۸ بر حاشیہ قرآن کریم و تسکین القلوب ص۹۳)	بلکہ تحقیق یہ ہے کہ حیات کا معنی روح کا بدن سے تعلق ہے اور قبر میں اصلاً روح کا بدن سے یہ تعلق نہیں بلکہ شعور و ادراک بدن سے مفارقت کے بعد بھی روح میں باقی رہتا ہے اور اسی کو حیات سے تعبیر کرتے ہیں پس قبر کی حیات کو مجاز پر حمل کرنا متعین ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

الجواب :- زیادہ قرین قیاس یہی بات ہے کہ ہم ان عبارات کو خود موصوف کی اپنی عبارات کی روشنی میں حل کریں نہ یہ کہ ان میں رنگ و معنی اپنی طرف سے بھریں یہ بات تو ان کی سابق واضح عبارات میں گذر چکی ہے کہ آپ ارواح کا تعلق اجسام عنصریہ سے مانتے ہیں بلکہ اجزاء بدن کے بکھر جانے اور متفرق ہونے کے بعد بھی وہ روح کا جسم سے تعلق مانتے ہیں اور اسی ایک گونہ تعلق کی وجہ سے وہ عبدالغفور سفارش کے بھی قائل ہیں اور یہ سارا قصہ اس بدن

کا تسلیم کرتے ہیں جس بدن میں دنیا کے اندر روح رہ چکی ہے اور جو بدن قبر میں دفن کیا جاتا ہے اور اس بدن سے تعلق کے نہ ماننے کو خلاف منصوص فرماتے ہیں اس پوری بحث کو ملحوظ رکھنے کے بعد ان کی ان بالا (اور اسی مضمون کی دیگر) عبارات کے دو[۱] جواب ہیں۔ اول[۱] یہ کہ روح کا بدن کے ساتھ تعلق تین قسم کا ہے نباتی[۱]۔ نفسانی[۲] اور حیوانی[۳] نباتی کا یہ مطلب ہے کہ بدن اس تعلق سے بڑھتا ہے (اَنْبَتَہٗ نَبَاتًا قرآن کریم کے الفاظ ہیں) اور اس تعلق کی وجہ سے بدن محتاج خوراک ہو اور حس و حرکت اس میں محسوس ہو اور یہ تعلق دنیا کی حقیقی حیات میں ہوتا ہے (یا قیامت کو ہوگا) بایں طور کہ روح بدن میں علیٰ وجہ الکمال والتمام داخل ہو کر بدن میں تصرف کرے کہ اس کی حرکات حس و مشاہدہ میں آسکیں اور بدن کی تدبیر کرے جس سے بدن جسمانی خوراک کا محتاج ہو اور اس خوراک کے بعد بدن میں نشوونما ہو جیسا کہ دنیا میں ہوتا تھا قبر میں اس قسم کا تعلق روح کا جسم سے نہیں ہوتا بلکہ وہاں فی الجملہ تعلق ہوتا ہے جس سے ادراک و شعور پیدا ہو اور جس سے راحت و الم محسوس ہو سکے اور اس تعلق کے لیے بدن کا صحیح و سلامت رہنا بھی کوئی شرط نہیں وہاں اگر کوئی بدن محفوظ ہو تو اس کا انکار بھی جہالت ہے۔ بلکہ بدن کے اجزاء پریشان اور ذرات سے بھی یہ تعلق قائم ہوتا ہے ہاں مگر روح کا بدن سے دنیوی خوراک حاصل کرنے اور نشوونما کے سلسلہ میں اصلاً اور بالکل کوئی تعلق نہیں ہوتا باقی ادراک و شعور والا تعلق بدستور ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ منکرین عذاب قبر کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

جوابش آنکہ در قبر احیاء و اماتت حقیقیہ نیست بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلقے پیدا میشود کہ تغذیہ و تنمیہ بدن ہمراہ آں نمی باشد تا معنی حیات متحقق باشد بلکہ آں تعلق شبیہہ است بہ تعلق عاشق بمعشوق یا مالک بمملوک یا صاحب خانہ بخانہ کہ آلہ تعذیب و تنعیم مقبور شد (تحفہ اثنا عشریہ ص۲۸۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں زندہ کرنا اور مارنا حقیقی نہیں (بلکہ) بدن پر روح کی شعاعوں کے عکس اور پر تو پڑنے کے سبب سے روح کا بدن کے ساتھ ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے کہ حاجت خوراک اور بدن کی نشوونما اس کے ساتھ نہیں ہوتی تاکہ (حقیقی) حیات کا معنی متحقق ہو بلکہ یہ تعلق اس تعلق کے مشابہ ہے جو تعلق عاشق کو معشوق سے یا مالک کو غلام سے یا صاحب خانہ کو گھر سے ہوتا ہے کہ یہ چیزیں عذاب و راحت پہچانے کا آلہ ہیں۔

مطلب واضح ہے کہ قبر میں جو حیات حاصل ہوتی ہے وہ حقیقی اور کامل حیات نہیں جس میں روح کا بدن کے ساتھ ایسا تعلق ہو کہ خوراک (حسی) کی ضرورت ہو اور بدن میں نشوونما پیدا ہو بلکہ یہ تعلق صرف اس ڈھنگ کا ہے

کہ جس میں بدن روح کے لیے راحت و تکلیف کا آلہ بنے جیسے معشوق کی تکلیف سے عاشق کو اور مملوک کی اذیت سے مالک کو یا مثلاً گھر کے جل جانے کی وجہ سے صاحب خانہ کو تکلیف ہوتی ہے یہی حال روح و بدن کا ہے کہ اصل راحت و کلفت جو کچھ بھی ہے اور جتنی کچھ بھی ہے وہ تو روح کو ہے لیکن اس میں اس کا آلہ بدن ہے اور پھر آگے اسی بحث میں لکھتے ہیں ۔

"اما عقلی پس گویند کہ سوال وجواب وتکلم ولذت والم و ادراک ہمہ موقوف بر حیات است وحیات با فساد بنیہ و بطلان مزاج ممکن نیست پس ایں امور میت را ممکن نیست جوابش آنست کہ میت بایں معنیٰ بدن است نہ روح و فساد بنیہ و بطلان مزاج بر بدن واقع شدہ است نہ بر روح آرے روح را برائے تالم وتلذذ جسمانی و اعمال حواس تعلقے ببدن خودش یا ببدن دیگر مثالی ورا تعلق تدبیر و تصرف وتغذیہ و تنمیہ خواہند داد وحاصل آنکہ چوں روح از بدن جدا شد قوائے نباتی از وجدا میشود نہ قوائے نفسانی وحیوانی واگر وجود قوای نفسانی وحیوانی فیضاناً یا بقاءً مشروط باشد باوجود قوای نباتی ومزاج لازم آید کہ ملائکہ را شعور و ادراک حسّی وحرکت وغضب ودفع منافر نباشد پس حالِ ارواح در عالم قبر مثل حال ملائکہ است کہ بتوسط شکلے و بدنے کار میکنند ومصدر افعال حیوانی ونفسانی میگردند بے آنکہ نفس نباتی ہمراہ داشتہ باشند۔"

(تحفۂ اثنا عشریہ صـ ۲۸۴)

بہر حال عقلی طور پر وہ یوں اعتراض کرتے ہیں کہ سوال وجواب اور بولنا اور لذت اور دکھ اور ادراک وغیرہ تمام امور حیات پر موقوف ہیں اور حیات بدن کے فاسد ہو جانے اور مزاج کے باطل ہو جانے کے بعد ممکن نہیں ہے پس یہ امور میت کے لیے کیسے ممکن ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ میت اس معنیٰ میں بدن ہے نہ کہ روح اور بدن کا فساد اور مزاج کا بطلان سب کچھ بدن پر واقع ہوتا ہے نہ کہ روح پر ہاں روح کا جسمانی دکھ اور لذت اٹھانے اور حواس کے اعمال کے لیے اپنے بدن کے ساتھ یا بدن مثالی کے ساتھ ایک تعلق ہوتا ہے لیکن یہ تعلق اس تعلق کے علاوہ ہے جس سے بدن کی تدبیر اور تصرف اور خوراک رسانی اور نشو ونما ہو اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بدن سے روح الگ ہو جاتی ہے تو نباتی (بڑھنے اور نشو ونما والی) قوتیں اس سے جدا ہو جاتی ہیں نفسانی اور زندگی کی قوتیں اس سے جدا نہیں ہوتیں اور اگر نباتی قوتیں فیضان وبقا میں نفسانی اور حیوانی قوتوں کے لیے شرط ہوں تو لازم آئے گا کہ فرشتوں کو شعور و ادراک حس وحرکت اور غصہ اور نفرتوں کو دور کرنے کا شعور نہ ہو سو روح کا عالم قبر میں وہی حال ہے جو فرشتوں کا ہے کہ کسی شکل اور بدن کے واسطہ سے کام کرتے ہیں اور ان حیوانی اور نفسانی افعال کے لیے صادر ہونے کی جگہ ہیں بغیر اسکے کہ نباتی نفس اپنے ساتھ رکھتے ہوں ۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ جسم سے روح کے جس تعلق کی نفی فرما رہے ہیں وہ تعلق نباتی ہے۔ نفسانی اور حیوانی کی نفی نہیں فرمائی ہے۔

دوئم :- حضرت شاہ صاحبؒ یہ فرماتے ہیں کہ جبتک بدن مادی اور عنصری موجود ہو تو اس وقت تک روح کا تعلق اسی سے قائم رہتا ہے لیکن جب بدن عنصری ہی قائم نہ رہے (مثلاً یہ کہ اس کو جلا کر راکھ کر دیا گیا ہو) تو اس صورت میں سزا و راحت روح کو ہوتی ہے اور اس خاص صورت میں روح کا بدن مثالی سے تعلق قائم کر دیا جاتا ہے اور اس صورت میں چونکہ مادی اور عنصری بدن ہی باقی نہیں رہا اس لیے روح کا اس سے سرے سے کوئی تعلق نہیں رہتا اور غالباً یہ ان اقوام کے بارے میں ہو سکتا ہے جن کو درندے وغیرہ کھالیں یا جن کو جلا کر راکھ کر دیا جائے (مگر اس راکھ کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے انسان بنا کر اس کے ساتھ روح کا تعلق قائم کر سکتا ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت میں تصریح ہے اور وہ اس کتاب کے ص۲۴ میں مذکور ہے) بخلاف ان اقوام کے جو مردوں کو دفن کرتی ہیں وہاں اور نہ سہی تو آدمی کی ریڑھ کی ہڈی کا نچلا حصہ جس کو حدیث میں عجب الذنب (دُم گزہ) سے تعبیر کیا گیا ہے وہ تو بہر حال قائم ہی رہتا ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ بدن کے اجزاء کے تفرق کے بعد بھی روح کا تعلق ان سے مانتے ہیں۔ کما مر۔ چنانچہ وہ تصریح فرماتے ہیں کہ :۔

وایں ہم در صورتے است کہ آں بدن قائم باشد و مدفون والّا عذاب و نعمت روح را است کہ نفس مجرد است و بدن حقیقی او روح ہوائی است و روح را تعلیق میکنند ببدنے دیگر از عالم مثال یا مرکب از اجزاء جمادات بہیئتے و شکلے کہ بیننده را امتیاز درمیان آں بدن و بدن دنیاوی حاصل نہ شود و ایں از باب تناسخ نیست زیرا کہ حقیقت تناسخ انتقال روح است از تدبیر بدنے بتدبیر بدنے دیگر بطریق تغذیہ و تنمیہ و ایں تعلیق محض است بنا بر ایلام و تلذذ نیز اھ (تحفۂ اثنا عشریہ ص۳۸۲)

اور یہ (تعلق روح کا بدن سے) بھی اس صورت میں ہے کہ بدن قائم ہو اور مدفون اور اگر ایسا نہیں تو عذاب و نعمت روح ہی کو ہے کیونکہ وہ نفس مجرد ہے اور اس کا حقیقی بدن ہوائی روح ہے اور روح کا عالم مثال کے ایک اور بدن سے تعلق قائم کر دیا جاتا ہے جو اجزاء جمادات سے اس صورت و شکل سے مرکب ہے کہ دیکھنے والے کو اس بدن اور اس دنیوی بدن میں امتیاز حاصل نہیں ہوتا اور یہ تناسخ کی قسم سے نہیں ہے کیونکہ تناسخ کی حقیقت یہ ہے کہ روح ایک بدن کی تدبیر سے دوسرے بدن کی تدبیر کی طرف انتقال کرے لیکن بطور خوراک دینے اور نشو و نما کے اور یہ تعلق تو محض تکلیف اور لذت پہنچانے کے لیے ہے پھر یہ تناسخ کیسے ؟

اس عبارت کے پیش نظر مطلب یہ ہوگا کہ جبتک مادی وعنصری بدن قائم ہے روح کا تعلق اس سے وابستہ رہتا ہے لیکن صرف نفسانی اور حیوانی درجہ میں نہ کہ نباتی حیثیت سے اور جب یہ بدن قائم نہ رہے تو پھر یہ تعلق بدن مثالی کے ساتھ قائم کر دیا جاتا ہے تو جہاں حضرت شاہ صاحبؒ یہ فرماتے ہیں کہ روح کا بدن سے سرے سے اصلاً کوئی تعلق نہیں اور روح کا تعلق بدن مثالی سے قائم کر دیا جاتا ہے تو یہ اس صورت سے مختص ہے جس میں بدن اصلی اور عنصری باقی نہ رہے۔

حضرت شیخ عبدالحق الدهلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ حضرات علماء نے

واختلاف کردہ اند کہ عذاب در قبر بزندہ گردانیدن میت است یا در مقابلہ داشتن روح باوے یا بنوعی دیگر کہ پروردگار تعالیٰ خواہد و مارا بدریافت کنہ حقیقت آں راہ نباشد وحق آنست کہ باحیا است چنانکہ ظاہر احادیث دال است براں اھ

(اشعۃ اللمعات باب اثبات عذاب القبر ج ۱ ص ۱۱۵ طبع نولکشور لکھنؤ)

اس میں اختلاف کیا ہے کہ عذاب قبر مُردہ کو زندہ کر کے دیا جاتا ہے یا روح کو اسکے مقابل رکھ کر (اس کی شعاعوں سے) اس میں حیات پیدا کر کے یا کسی اور نوع سے جس کو پروردگار ہی جانتا ہے؛ اور ہمارے لیے اس کی حقیقت کی تہ تک پہنچنے کی کوئی راہ نہیں ہے اور حق یہ ہے کہ زندہ کر کے اسے عذاب دیا جاتا ہے جیسا کہ احادیث کا ظاہر اس پر دال ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سے سوال ہوا۔

وسئل عن الروح هل تلبس حينئذ الجثة كما كانت فاجاب نعم لكن ظاهر الخبر انها تحل في نصفه الاعلى انتهى

(شرح الصدور ص ۶۰ طبع مصر)

کہ (عذاب وراحت کے وقت) روح کا جسم سے کوئی تعلق ہوتا ہے جیسا کہ (زندگی میں) تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں تعلق ہوتا ہے لیکن ظاہر حدیث اس کو چاہتی ہے کہ روح نصف اعلیٰ میں داخل ہوتی ہے (کیونکہ دل اور دماغ وغیرہ جو محل علم و شعور اور فہم خطاب ہیں اسی نصف اعلیٰ میں ہوتے ہیں اس پر حضرت ملا علی ن القاریؒ کی گرفت بھی اسی کتاب میں مذکور ہے۔

الغرض حضرت براءؓ بن عازبؓ کی مذکور حدیث میں عود الروح الی البدن کے ساتھ قبر میں جو حیات ثابت ہے وہ حق اور صحیح ہے لیکن دنیوی زندگی کی طرح محسوس حیات نہیں بلکہ نوع من الحیوٰۃ ہے اور ایسی حیات کے تسلیم کرنے سے قرآن کریم کی کسی نص کی مخالفت لازم نہیں آتی اور نہ یہ حیات کسی دیگر عقلی اور نقلی دلیل کے خلاف ہے، یہ علامہ ابن حزم اور ابن هبیرہؒ وغیرہ کی کوتاہ فہمی کا نتیجہ ہے کہ وہ اس کو نصوص قرآنیہ کے خلاف سمجھتے ہیں اور

یہ مخالفت محض ان کے اذہان تک محدود ہے خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں۔

ع یہ اپنی حد نظر ہے کسی کی دید کہاں۔

ہاں بعض حضرات کا یہ نظریہ بھی ہے کہ نکیرین کے سوال کے وقت روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے پھر بلا تکلیف نکال لی جاتی ہے لیکن بعد از میت میں ایسا ادراک وشعور باقی رہتا ہے کہ جب بھی کوئی اس کی زیارت کو آتا ہے تو وہ اس کو (اس کے سلام وکلام کے لب ولہجہ سے) پہچان لیتی ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

المنکر والنکیر یأتیان المیّت فیرسل فی ذلك المیّت الروح ثم یقعد فاذا سُئِلَ سلت روحه بلا الم ونؤمن بان المیّت یعرف من یزوره اذا اتاه وآکده یوم الجمعة بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس۔

(تحریرات حدیث ص۲۵۷)

منکر ونکیر میت کے پاس آتے ہیں تو اس میت میں روح ڈالدی جاتی ہے پھر اس کو بٹھایا جاتا ہے جب اس سے سوال ہو چکتا ہے تو اس کی روح بلا تکلیف کے نکال لی جاتی ہے اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ جب میت کے پاس کوئی شخص زیارت کرنے کو آتا ہے تو وہ اس کو پہچان لیتی ہے خصوصاً جمعہ کے دن طلوع فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے۔

قارئین کرام! آپ اس مفصل اور مدلل باحوالہ بحث سے بخوبی معلوم کر چکے ہیں کہ قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت اور اسی طرح قبر کی راحت وعذاب کے سلسلہ میں جمہور فقہاءؒ اور متکلمینؒ کے نزدیک روح کا بدن مادی عنصری سے باقاعدہ تعلق اتصال اور ربط ہوتا ہے اگرچہ اس کے اجزاء ریزہ ریزہ اور ذرہ ذرہ ہو کر بکھر جائیں اور بقول علامہ آلوسیؒ ایک جزو مشرق میں اور دوسری مغرب میں چلی جائے اور روح کا بدن سے یہ اتصال علم۔ ادراک اور شعور تک ہی محدود رہتا ہے جسم میں تدبیر اور جسم کے نشو ونما سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا جیسا کہ دنیا میں ہوتا تھا اور سابق پیش کردہ حوالے اس کا واضح اور بیّن ثبوت ہے۔ بشرطیکہ کوئی حکم ربانی کی اتباع کرنا چاہے۔ ؎

بقائے دائمی کا لطف ہوتا ہے اُسے حاصل
ضروری جس نے سمجھا اتباعِ حکمِ ربانی

باب سوم

آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ حضرت براءؓ بن عازبؓ کی روایت کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور یہ روایت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرط پر صحیح ہے اور سو فیصدی حضرات محدثین کرامؒ اس کو صحیح کہتے ہیں اور عذاب قبر اور راحت قبر اور نکیرین کے سوال کے سلسلہ میں اس روایت کو اہل السنت والجماعت کے استدلال کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور مبتدعین کے خانہ ساز عقائد کے قلع قمع کے لیے اس کو حجت قاطعہ سمجھتے ہیں یہ ضرورت تو نہیں کہ اس حدیث کے بعد کسی اور حدیث کا تذکرہ کیا جائے۔ مگر ہم محض تکمیل بحث کے لیے اس حدیث کے تین شاہد عرض کرتے ہیں جن کو امام قرطبیؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ وغیرہ نے حضرت براءؓ کی مذکورہ حدیث کی تائید و تقویت کے لیے پیش کیا ہے۔

شاہد اوّل

حافظ ابن القیمؒ، امام ابو عبد اللہ عبد الرحمنؒ بن مندہؒ (المتوفی ۳۹۵ھ) جو المحدث۔ الحافظ اور العالم تھے کے حوالہ سے سند کے ساتھ حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ سے روایت نقل کرتے ہیں جس کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ:۔

ثم یقول لھٰذہ النفس الطیبۃ ادخلوھا الجنۃ وأروھا مقعدھا من الجنۃ واعرضوا علیھا ما اعددت لھا من الکرامۃ والنعیم ثم اذھبوا بھا الی الارض فانی قضیت انی منھا خلقتھم وفیھا [illegible]

پھر اللہ تعالیٰ اس پاکیزہ روح کے بارے میں فرماتا ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دو اور اس کا وہ ٹھکانا جو جنت میں ہے اس کو دکھا دو اور اس پر عزت اور خوشی کی وہ چیزیں پیش کرو جو میں نے اس کے لیے تیار کی ہیں پھر اس کو زمین [illegible] یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں نے

تارةً أخرى فوالذى نفس محمد بيده لهى اشد كراهية للخروج منها حين كانت تخرج من الجسد وتقول اين تذهبون بى الى ذالك الجسد الذى كنت فيه ؟ قال فيقولون انا مأمورون بهذا فلا بد لك منه فيهبطون به على قدر فراغهم من غسله واكفانه فيدخلون ذلك الروح بين جسده واكفانه . فدل هذا الحديث ان الروح تعاد بين الجسد واكفان وهذا عود غير التعلق الذى كان لها فى الدنيا بالبدن وهو نوع آخر اهـ

(كتاب الروح ص٦١ و ص٦٢)

جس طرح انکو زمین سے پیدا کیا ہے، اسی طرح ان کو زمین کی طرف لوٹاؤنگا اور اسی سے انکو نکالوں گا سو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) کی جان ہے البتہ وہ روح وہاں سے نکلنے کو اتنا ہی ناپسند کرتی ہے جتنا اس نے جسم سے نکلنے کو ناپسند کیا تھا اور وہ روح کہتی ہے کہ مجھے کہاں لے جاتے ہو؟ کیا اس جسم کی طرف لیجاتے ہو جس میں میں تھی؟ آپ نے فرمایا کہ وہ فرشتے کہتے ہیں ہمیں یہی حکم ملا ہے اور تیرے لیے اس سے کوئی چارہ نہیں، پس اس کو نیچے اتار لاتے ہیں اس اثناء میں لوگ میّت کے غسل اور کفن سے فارغ ہو چکتے ہیں پس وہ فرشتے اس کی روح کو اس کے جسم اور کفن میں داخل کر دیتے ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ روح جسم اور کفن کے اندر لوٹا دی جاتی ہے لیکن یہ لوٹانا اس تعلق کے علاوہ ہے جو روح کا جسم سے دنیا میں تھا بلکہ یہ ایک دوسری نوع کا تعلق ہے اھ

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کی یہ روایت بھی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے لیکن بقول حافظ ابن القیمؒ یہ اعادہ اور تعلق اس طرح کا نہیں جس طرح کہ دنیا میں تھا بلکہ اس کی نوعیت جدا ہے اور اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ جسد سے جسد مثالی مُراد نہیں بلکہ وہ جسد مراد ہے جس میں دنیا میں روح تھی اور وہ یقیناً جسم عنصری اور مادی ہے مثالی ہرگز نہیں اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میّت کے غسل اور کفن پہنانے کے وقت تک روح اس کے کفن اور جسم کے درمیان تک لوٹا دی جاتی ہے اور حضرت براءؓ کی سابق حدیث کے مطابق جب مُردہ کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کی روح اس کے بدن کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔ جس سے اس کو سوال نکیرین کے وقت فہم و شعور حاصل ہو جاتا ہے گویا تدریجاً تدریجاً باذن خدا وندی روح یہ مراحل طے کرتی ہے۔

شاهد دوم

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ مسند احمد وغیرہ کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے مومن اور کافر کی روح کے اخراج کے بارے میں تفصیل بیان

فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ مومن کی روح کے لیے آسمانوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اس کو تقرب خداوندی حاصل ہوتا ہے اور کافر کی روح کے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھلتے آخر میں فرمایا کہ :-

فترسل بین السماء والارض فتصیر الی قبرہ فیجلس الرجل الصالح فی قبرہ غیر فزع الحدیث

سو اس کی روح آسمان و زمین کے درمیان ارسال کی جاتی ہے پس وہ قبر میں پہنچ جاتی ہے تو نیک آدمی اپنی قبر میں بلا کسی خوف و گھبراہٹ کے بیٹھ جاتا ہے۔

(شرح حدیث النزول ص ۵۰ وکتاب الروح ص ۶۱)

ان حضرات نے یہ حدیث ان الفاظ سے نقل کی ہے لیکن مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۰ میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے فترسل من السماء ثم تصیر الی القبر فیجلس الرجل الصالح الحدیث یعنی اس کی روح آسمان سے نیچے چھوڑ دی جاتی ہے تو پھر وہ قبر کی طرف رجوع اور میلان کرتی ہے پس نیک آدمی کو بٹھایا جاتا ہے۔

اس روایت کے متعلق حافظ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن القیمؒ دونوں لکھتے ہیں کہ :-

وقال الحافظ ابو نعیم الاصفہانی ھذا حدیث متفق علی عدالۃ ناقلیہ اھ

حافظ ابو نعیم الاصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام رواۃ کی عدالت حضرات محدثین کرامؒ کے نزدیک ایک اتفاقی امر ہے۔

(شرح حدیث النزول ص ۵۰ وکتاب الروح ص ۶۱)

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ روح کا تعلق بدن کے ساتھ قبر میں قائم کر دیا جاتا ہے اور اس تعلق کی وجہ سے سوالِ قبر اور باقی امور انجام پذیر ہوتے ہیں۔

شاہد ۳ سوم

امام قرطبیؒ، حافظ ابو نعیمؒ کے حوالہ سے حضرت جابرؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مومن اور کافر کی موت کا اور ان کی ارواح کے اخراج کا تذکرہ فرمایا اس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

حتیٰ یدخل حفرتہ وترد الروح الی جسدہ المیت (مختصر تذکرۂ قرطبی ص ۳۳ طبع مصر)

یہاں تک کہ مُردہ کو اس کی قبر میں داخل کیا جاتا ہے اور اس کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔

حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت جابرؓ کی یہ مرفوع روایتیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پاک سے صادر ہوئی ہیں حضرت براءؓ بن عازبؓ کی سابق حدیث کی مؤید ہیں ان تمام روایات میں اس کی تصریح موجود ہے کہ قبر میں مُردہ کی طرف اس کی روح لوٹائی جاتی ہے اور نکرین کے

سوال اور عذابِ قبر اور راحتِ قبر میں جسم کی روح سے مشارکت ہوتی ہے یہ جملہ امور نہ تو صرف بدن سے متعلق ہوتے ہیں اور نہ محض روح سے بلکہ دونوں سے وابستہ ہوتے ہیں اور جمہور اہل السنت والجماعت کا یہی مسلک ہے اور یہی حق اور صحیح ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ وغیرہ کے حوالوں سے آپ معلوم کر چکے ہیں یہ کہنا کہ اعادۂ روح الی الجسد کا کوئی ثبوت نہیں یا اس کے ثبوت پر کوئی روایت موجود نہیں سراسر باطل اور محض خود فریبی ہے اور دلائل صحیحہ اس بے بنیاد نظریہ کے خلاف ہیں اور براہین واضحہ کی رہنمائی سے یہ باطل نظریہ یکسر محروم ہے اور

؎ ہر گام پہ وہ ٹھوکریں کھاتا ہی رہے گا — جو قافلہ بے خضر سیر راہ گذر ہے

اس لیے ضروری ہے کہ صحیح حدیث اور حضرات سلف صالحینؒ کے ذکر کردہ زرّیں اقوال کو اپنا مشعل راہ بنایا جائے اور انہی کے دامن تحقیق سے وابستہ رہ کر حق کا ساتھ دیا جائے اور اسی میں اپنی دنیوی اور اخروی کامیابی کا راز سمجھا جائے بھلا غور فرمایئے کہ حدیث اور حضرات سلفؒ کی تحقیق سے اعراض و اغماض کر کے حق کہاں مل سکتا ہے؟ اور نجات کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حق کا دلدادہ بنائے اور حق ہی اس کا اوڑھنا اور بچھونا ہو آمین ثم آمین۔ حق پر قائم رہنا ہی مومن کے امتحان و آزمائش کا معیار ہے۔ ؎

خدا نے کر مصائب لیس الہی کو آنا بلہ ہے — کرانا ہے وہ جن سے دینِ قیّم کی نگہبانی

باب چہارم

اس باب میں بعض حضرات ائمہ دینؒ، محدثینؒ، متکلمینؒ اور فقہاء کرامؒ کی بعض عبارتیں عرض کی جاتی ہیں جن سے قبر میں اعادۂ روح کے بارے میں حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے اور اہل السنت کا منصور مسلک واضح سے واضح تر ہو جاتا ہے جس میں کسی منصف مزاج کو شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، امام الائمہ حضرت ابو حنیفہ نعمانؒ بن ثابتؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

واعادة الروح الی العبد فی قبرہ حق۔ (فقہ الاکبر مع الشرح لعلی ن القاریؒ ص۱۲۰ طبع کانپور)	قبر میں روح کا بندے کی طرف لوٹایا جانا حق ہے۔

اس کی شرح میں حضرت ملا علی ن القاری الحنفی (المتوفی ۱۰۱۴ھ) ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

واعادة الروح ای ردھا او تعلقھا الی العبد ای جسدہ بجمیع اجزائہ او ببعضھا مجتمعة او متفرقة فی قبرہ حق اھ (ص۱۲۰)	اور روح کا لوٹانا یعنی اس کا مکمل طور پر رد کرنا یا اس کا تعلق بندے کی طرف یعنی اس کے جسم کی طرف تمام اجزاء بدن میں یا بعض میں عام اس سے کہ اس کے اجزاء مجتمع ہوں یا متفرق اس کی قبر میں حق ہے۔

اور پھر آگے لکھتے ہیں۔

واعلم ان اهل الحق اتفقوا علی ان الله یخلق فی المیت نوع حیوٰة فی القبر قدر ما یتألم و	تو جان لے کہ اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالےٰ قبر میں میت کے اندر ایک گونہ زندگی پیدا کر دیتا ہے جس سے

يتلذذ ولكن اختلفوا في انه هل يعاد الروح اليه؟ والمنقول عن ابي حنيفة التوقف الا ان كلامه هٰهنا يدل على اعادة الروح اذ جواب الملكين فعل اختياري فلا يتصور بدون الروح اھ (شرح فقه اكبر ص١٢١)

وہ تکلیف اور لذت محسوس کرتا ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کیا روح اس کی طرف لوٹائی جاتی ہے؟ امام صاحبؒ سے اس سلسلہ میں توقف نقل کیا گیا ہے لیکن ان کا کلام اس جگہ اعادہ روح پر دلالت کرتا ہے کیونکہ فرشتوں کو جواب دینا ایک اختیاری فعل ہے اور بدوں روح کے ایسا تصور نہیں ہو سکتا۔

اعادۂ روح کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ روح کا تعلق بحالہ جسم سے ہو جیسا کہ دنیا میں تھا یا آخرت میں ہوگا۔ اس میں اختلاف ہے اگر حضرت امام صاحبؒ سے توقف کا قول کسی معتبر طریقہ سے ثابت ہے تو اس سے یہی پہلی صورت مراد ہوگی اور پہلے امام قرطبیؒ کے حوالہ سے عرض کیا جا چکا ہے کہ حق یہ ہے کہ قبر میں اعادۂ روح کی یہ صورت نہیں ہوتی اور دوسری صورت یہ ہے کہ اعادۂ روح سے فی الجملہ تعلق مراد ہو جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ کی صریح عبارات کے حوالہ سے یہ بات پہلے نقل کی جا چکی ہے اور یہ اعادہ صحیح اور صریح احادیث سے ثابت ہے اس میں کوئی شک نہیں اور حضرت امام ابوحنیفہؒ نے خود اپنی کتاب فقہ الاکبر میں اس اعادۂ روح کی تصریح کر دی ہے لہٰذا اس نقد کے ہوتے ہوئے توقف کے اُدھار کو کون مانتا ہے؟ علاوہ ازیں بہت ممکن ہے کہ امام صاحبؒ کا توقف روح کے اعادہ اور عدم اعادہ سے متعلق نہ ہو بلکہ یہ توقف کل بدن یا بعض بدن کے متعلق ہو چنانچہ ملا علی القاری لکھتے ہیں کہ:

ولعل توقف الامام في ان الاعادة متعلق بجزء البدن او كله اھ (مرقات جلد ا ص١٩٨)

اور شاید کہ امام صاحبؒ کا توقف اس بات میں ہو کہ اعادہ جزء بدن سے متعلق ہے یا کل بدن سے؟

رہا یہ شبہ کہ فقہ اکبر تو امام صاحبؒ کی تصنیف ہی نہیں جیسا کہ بعض حضرات کو یہ مغالطہ ہوا ہے تو یہ نرا شبہ ہے کیونکہ تاریخ کی واضح شہادتیں اس پر قائم ہیں اور علماء اسلام کا جم غفیر اس بات کو تسلیم کر چکا ہے کہ فقہ اکبر حضرت امام صاحبؒ کی تصنیف ہے اس لیے یہ شبہ بھی کوئی معنٰی اور وزن نہیں رکھتا۔ مقدمہ البیان الازہر میں ہم نے اس پر بقدر ضرورت بحث کر دی ہے یہ معتزلہ کے مخترعات میں سے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ الفقہ الاکبر امام صاحبؒ کی نہیں بلکہ ابوحنیفہ البخاریؒ کی ہے (مفتاح السعادۃ ج۲ ص۲۹) غرضیکہ قبر میں اعادۂ روح کے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہ حوالہ صحیح اور نقل صریح ہے لا شک فیہ۔

امام اہل سنت حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) اپنی کتاب الصلوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

والايمان بالحوض والشفاعة والايمان بمنكر و

حوض کوثر، شفاعت، منکر و نکیر، عذاب قبر، ملک الموت

نکیر وعذاب القبر والایمان بملک الموت یقبض الارواح ثم ترد فی الاجساد فی القبور فیسألون عن الایمان والتوحید اھ (کتاب الصلوٰۃ ص۴۲ طبع قاہرہ)

کے ارواح کو قبض کرنے پھر ارواح کے قبروں میں جسموں کی طرف لوٹائے جانے پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس پر بھی ایمان لانا لازم ہے کہ قبر میں ایمان و توحید کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔

ان صریح عبارات سے معلوم ہوا کہ قبر میں عود الروح الی الجسد کا عقیدہ صرف بعد کے مقلدین حضرات ہی کا اختیار کردہ نہیں بلکہ حضرات ائمہ اربعہؒ میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی صاف لفظوں میں اس کا اقرار کرتے ہیں ان میں سے ایک بزرگ اس کو حق اور دوسرے ایمان سے تعبیر کرتے ہیں قطع نظر صحیح احادیث کے علماء احناف کے لیے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد بھی کافی تھا، حالانکہ یہ مسئلہ نرے اجتہاد پر مبنی نہیں بلکہ اس کی بنا صحیح اور صریح احادیث پر ہے جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اگرچہ حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی اس بارے میں صراحت نظر سے نہیں گذری لیکن صحیح اور صریح حدیث کے خلاف کب وہ نظریہ قائم کر سکتے تھے لہذا ان کی تحقیق بھی یہی سمجھنی چاہیئے کہ اعادہ روح حق ہے۔

حضرت امام محی الدین یحییٰؒ بن شرفؒ بن حسن، النووی الشافعیؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

اعلم ان مذہب اھل السنۃ اثبات عذاب القبر وقد تظاھرت علیہ دلائل الکتاب والسنۃ قال اللہ تعالیٰ النار یعرضون علیھا غدوا وعشیًا الآیۃ و تظاھرت بہ الحادیث الصحیحۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من روایۃ جماعۃ من الصحابۃؓ فی مواطن کثیرۃ ولا یمتنع فی العقل ان یعید اللہ تعالیٰ الحیٰوۃ فی جزء من الجسد ویعذبہ واذا لم یمنعہ العقل وورد الشرع بہ وجب قبولہ واعتقادہ الی ان قال ثم المعذب عند اھل السنۃ الجسد بعینہ او بعضہ بعد اعادۃ الروح

تو جان لے کہ اہل السنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ قبر کا عذاب حق ہے اور اس پر کتاب وسنت کے روشن دلائل ثابت ہیں مثلاً قرآن کریم میں ہے کہ آل فرعون صبح و شام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور بہت سے مقامات پر حضرات صحابہ کرامؓ کی خاصی جماعت نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس پر صحیح احادیث بھی روایت کی ہیں اور عقل بھی اس کو ممتنع نہیں سمجھتی کہ اللہ تعالیٰ جسم کی کسی جزء میں زندگی لوٹا دے اور اس کو سزا دے اور جب عقل بھی اس کو ممتنع نہیں سمجھتی اور شریع میں بھی اس کا ثبوت ہے تو اس کو قبول کرنا اور اس پہ اعتقاد کرنا واجب ہے پھر آگے فرمایا کہ پھر اہل السنت کے نزدیک بعینہٖ جسد

اليه او الى جزء منه وخالف فيه محمد بن جرير وعبد الله بن كرام وطائفة فقالوا لا يشترط اعادة الروح قال اصحابنا هذا فاسد لان الالم والاحساس انما يكون فى الحى قال اصحابنا ولا يمنع من ذلك كون الميت قد تفرقت اجزاؤه كما نشاهده فى العادة او اكلته السباع او حيتان البحر او نحو ذلك فكما ان الله تعالى يعيده للحشر وهو سبحانه وتعالى قادر على ذلك فكذا يعيد الحياة الى جزء منه وان اكلته السباع والحيتان اه

(شرح مسلم جلد ۲ ص ۳۸۵ و ص ۳۸۶)

عنصری یا اس کی جزو کو سزا دی جاتی ہے اور اس میں محمد بن جریر اور عبد اللہ بن کرام اور ایک گروہ مخالف ہے وہ کہتے ہیں کہ عذاب کے لیے اعادہ روح شرط نہیں ہے لیکن ہمارے اکابر کہتے ہیں کہ یہ بالکل باطل ہے کیونکہ درد اور اس کا احساس زندہ ہی کو ہو سکتا ہے اور ہمارے بزرگ ہی فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی ممانعت نہیں کہ میت کے اجزاء بکھر جائیں جیسا کہ عادۃً ہم اس کا مشاہدہ کرتے ہیں یا اس کو درندے کھا جائیں یا مچھلیاں ہڑپ کر جائیں یا اسی طرح کی کوئی اور صورت پیش آجائے تو جیسے کہ اللہ تعالیٰ میدان محشر میں جسم کو لوٹانے پر قادر ہے، اسی طرح جسم کی کسی جزء میں زندگی لوٹانے پر بھی قادر ہے اگرچہ اس کو درندے اور مچھلیاں کھا جائیں

تنبیہ

محمد بن جریر سے اس مقام پر وہ محمد بن جریر طبریؒ مراد نہیں جو مشہور مفسر، محدث اور مؤرخ تھے، جن کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی بلکہ یہ محمد بن جریر طبری کرامی ہے جو کرامیہ فرقہ کا روح رواں تھا (ملاحظہ ہو۔ عبد الحکیمؒ علی الخیالی ص ۱۱۱)

محمد بن جریر الطبریؒ کے بارے میں مؤلف ندائے حق ص ۲۱۹ میں مستقل عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ ابن جریر دو ہیں ایک سنی دوسرا شیعہ یہ تیسرا کرامی کہاں سے نکل آیا؟ یہ آپ کی تحریر سے معلوم ہوا پھر اس کی وفات کی تعیین کیوں نہیں؟ جناب یہ محمد بن جریر سنی ہیں نبراس ص ۲۲۳ میں ہے واجاب الصالحى من المعتزلة وبعض الكرامية والامام ابن جرير الطبرى من اهل السنة بان الميت يعذب بعذاب بلا حياة وقال المحققون هذه سفسطة اور نظم الفرائد حاشیہ شرح عقائد نسفیہ ص ۱۶۷ میں مرقوم ہے وذهب الصالحى من المعتزلة وابن جرير وطائفة من الكرامية الى انه بلا احياء الميت اور خیالی میں وابن جریر الطبری کے بعد وطائفة کا لفظ کاتب سے رہ گیا ہے اور خیالی پڑھنے والے پر مخفی نہیں کہ کئی جگہ متن اور حاشیہ میں غلطیاں ہیں جو کاتب کی بے پرواہی سے ہو گئی ہیں اور ہر کتاب

میں ہوتی ہیں کوئی کتاب غلطیوں سے خالی نہیں (مصلہ)

الجواب :- ابن جریر کرامی کا ذکر راقم نے از خود نہیں کیا بلکہ فاضل اجل نکتہ رس محقق عالم حضرت مولانا محمد عبد الحکیم صاحب سیالکوٹی رح (المتوفی ۱۰۶۷ھ) کے حوالہ سے کیا ہے جسکو علماء کرام اور خصوصاً مدرسین حضرات بخوبی جانتے ہیں بلاشبہ کاتب بھی انسان ہوتے ہیں اور ان سے کتابت میں غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں اور عبارات بھی چھوٹ جاتی ہیں جیسا کہ ابن کثیر کے ایک نسخہ میں ایک عبارت چھوٹ گئی ہے اور باقی نسخوں میں موجود ہے کما مر لیکن غلطی کی نشاندہی کے لیے بھی دلیل درکار ہوتی ہے محض دعویٰ سے کچھ نہیں بنتا ہاں صاحب نبراس نے امام ابن جریر الطبری کو اس مقام پر من اہل السنۃ لکھا ہے اور صاحب نبراس حضرت مولانا عبد العزیز فرہاروی بڑے ذہین وسیع النظر اور مصنف عالم تھے مگر من ذا سلم من الوہم۔ وہم سے کون بچا ہے؟ یہ ان کا وہم ہے محمد بن جریر سے اس مقام میں ابن جریر سُنی مراد نہیں بلکہ کرامی ہی ہے اور اس میں حضرت مولانا سیالکوٹی کی رائے درست ہے راقم کے پیش نظر الخیالی کے دو نسخے ہیں اور دونوں میں الکرامی کا لفظ موجود ہے آپ نے تمام دنیا کے ابن جریر نامی راویوں کا تھوڑا ہی احاطہ کر لیا ہے کہ یہ الکرامی آپ کے لیے کوئی نرالی بات ہو علم بڑا وسیع ہے یہ نہیں کہ جس چیز کا علم مجھے اور آپ کو نہ ہو تو وہ ہوتی ہی نہیں یقین جانیئے یہ ابن جریر سُنی نہیں ہیں اس لیے کہ محمد بن جریر الطبری سُنی اپنی مشہور تفسیر ابن جریر میں يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ الآیۃ کی تفسیر میں متعدد دلائل سے قبر میں مُردہ کے لیے اعادۃ الروح الی الجسد کے طور پر حیات ثابت کرتے ہیں اور حضرت براء ابن عازب کی روایت سند کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

وذکر قبض روح المؤمن فتعاد روحه فی	مومن کی روح کے قبض کرنے کا ذکر فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا
جسده ویأتیه الملکان فیجلسانه فی	کہ پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے تو اس
قبره فیقولان من ربك الحدیث	کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو قبر میں بٹھاتے ہیں
(تفسیر ابن جریر ج ۱۳ ص ۲۱۳)	سو وہ کہتے ہیں تیرا رب کون ہے؟

پھر اس کی چار سندیں اور بیان کی ہیں پھر ص ۲۱۷/۱۳ میں الگ سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے اور پھر ص ۲۱۸/۱۳ میں الگ سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے جس میں آتا ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وذکر الکافرین	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کی روح کے قبض کرنے کے سلسلہ
تقبض روحہ قال فتعاد روحہ فی جسدہ المیت	میں فرمایا پس اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے

اور ان روایات کو نقل کر کے وہ قبر میں حیات ثابت کرتے ہیں اور حیات بھی بایں طور کہ روح کا جسم کی طرف اعادہ ہوتا ہے اس کے برعکس ایک حوالہ بھی انہوں نے ایسا نقل نہیں کیا جس سے یہ ثابت ہو کہ قبر میں روح کا جسم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا جیسا کہ کرامیہ کا مذہب ہے پھر کیسے اس سُنّی مفسر کو محض اپنی ہوائے نفسانی کے تحت بیک جنبش قلم کرّامی سمجھ لیا جائے اور کرامی کو سُنّی بنا دیا جائے یہ بات بھی طلبۂ کرام سے مخفی نہیں کہ وطائفۃ کا لفظ واو عطف کے ساتھ لفظ ابن جریرؒ پر عطف بھی ہو مہذا اس کے جھوٹ جانے سے بھی ابن جریرؒ کا سُنّی ہونا ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ ظاہر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

وقد اخذ ابن جریر وجماعة من الكرامية من هذه القصة ان السوال فی القبر یقع علی البدن فقط وان الله تعالیٰ یخلق فیه ادراکا بحیث یسمع ویعلم ویلذ ویألم وذهب ابن حزم وابن هبیرة[1] الی ان السوال یقع علی الروح فقط من غیر عود الی الجسد وخالفهم الجمهور فقالوا تعاد الروح الی الجسد اوبعضه کما ثبت فی الحدیث ولو کان علی الروح فقط لم یکن للبدن بذلك اختصاص ولا یمنع من ذلك کون المیت قد تتفرق اجزاؤه لان الله تعالیٰ قادر علی ان یعید الحیاة الی جزء من الجسد ویقع علیه السوال کما هو قادر علی ان یجمع اجزاءه والحامل للقائلین

بے شک اس واقعہ سے ابن جریرؒ اور کرامیہ کی ایک جماعت نے یہ اخذ کیا ہے کہ قبر میں سوال صرف بدن سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بدن میں ایسا ادراک پیدا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ سنتا اور جانتا اور لذت اور درد محسوس کرتا ہے اور ابن حزمؒ اور ابن ہبیرہؒ کا مذہب یہ ہے کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے اور روح جسم کی طرف نہیں لوٹائی جاتی لیکن جمہور ان کی مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روح کو پورے جسم یا بعض حصہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اور اگر یہ کاروائی محض روح سے وابستہ ہوتی تو بدن کی اس میں کوئی خصوصیت نہ ہوتی (حالانکہ بدن اس میں ملحوظ ہے) اور اس میں کوئی امتناع نہیں کہ کبھی میت کے اجزاء بالکل بکھر جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ بدن کے ایک حصہ کی طرف روح لوٹا دے

---

[1] دیگر متعدد کتابوں میں ابن میسرہؒ آیا ہے۔ فتح الباری میں ابن ہبیرہ ہے۔ اغلب ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے اور صحیح ابن میسرہ ہی ہے واللہ اعلم ۱۲۔

بان السوال يقع على الروح فقط ان الميّت قد
يشاهد فى قبره حال المسئلة لا اثر فيه اقعاد
ولا غيره ولا ضيق فى قبره ولا سعة وكذلك
غير المقبور كالمصلوب وجوابهم ان ذٰلك
غير ممتنع فى القدرة بل له نظير فى العادة و
هو النائم فانه يجد لذةً والماً لا يدركه جليسه
بل اليقظان قد يدرك الماً ولذةً لما يسمعه
او يفكر فيه ولا يدرك ذٰلك جليسه وانما اتى
الغلط من قياس الغائب على الشاهد واحوال
ما بعد الموت على ما قبله والظاهر ان الله
تعالىٰ صرف ابصار العباد واسماعهم عن
مشاهدة ذٰلك وستره عنهم ابقاءً عليهم
لئلا يتدافنوا وليست للجوارح الدنيوية قدرة
على ادراك امور الملكوت الا من شاء الله تعالىٰ
وقد ثبتت الاحاديث بما ذهب اليه الجمهور
كقوله انه يسمع خفق نعالهم وقوله تختلف اضلاعه
لضمة القبر وقوله يسمع صوته اذا ضربه
بالمطراق وقوله يضرب بين اذنيه وقوله
فيقعدانه وكل ذالك من صفات الاجساد و
ذهب ابو الهذيل ومن تبعه الى ان الميّت
لا يشعر بالتعذيب ولا بغيره الا بين النفختين
قالوا وحاله كحال النائم والمغشى عليه لا يحس
بالضرب ولا بغيره الا بعد الافاقة والبعث

اور اس سے سوال ہو جیسا کہ وہ تمام اجزاء کے جمع کرنے پر
قادر ہے جو لوگ سوال قبر صرف روح کے لیے مانتے ہیں اس
کا باعث ان کے نزدیک یہ ہے کہ میّت کو کبھی مشاہدہ کیا جاتا
ہے کہ اس میں اٹھانے وغیرہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ اس کی
قبر میں تنگی اور فراخی نظر آتی ہے اور اسی طرح بعض مُردوں
کو بجائے دفن کرنے کے سُولی پر لٹکا دیا جاتا ہے ان کے اس
شبہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں بلکہ
اس کی ایک نظیر موجود ہے جو عادتاً وقوع میں آتی ہے
وہ یہ کہ خوابیدہ شخص لذت اور دکھ محسوس کرتا ہے اور اس کے
پہلو میں دوسرا شخص اس کو محسوس نہیں کر سکتا بلکہ بیدار آدمی
بھی کبھی تکلیف اور لذت محسوس کرتا ہے کیونکہ اس نے
کوئی بات سُنی ہوتی ہے یا محوِ فکر ہوتا ہے اور دوسرے
اس کو محسوس نہیں کر سکتے یہ ساری غلطی اس لیے سرزد ہوئی
ہے کہ غائب (یعنی اُمورِ برزخ) کو حاضر پر قیاس کر لیا گیا ہے
اور بعد الموت کے حالات کو زندگی کے حالات پر قیاس کر لیا
گیا ہے اور ظاہر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی نگاہوں
اور ان کے کانوں کو اس کے مشاہدہ سے روک دیا ہے اور ان
پر شفقت کرتے ہوئے یہ اُمور ان سے پوشیدہ رکھے ہیں تاکہ وہ
مُردوں کو دفن کئے بغیر ہی نہ چھوڑ دیں اور دنیا کے اعضاء کو یہ
قدرت ہی نہیں کہ اس جہان کے امور کا ادراک کر سکیں مگر جن
کے متعلق اللہ تعالیٰ چاہے اور بے شبہ احادیث اُسی مسلک کے
ثبوت پر موجود ہیں جو جمہور نے اختیار کیا ہے مثلاً آپ علیہ السلام
کا یہ ارشاد کہ میّت قبر سے لوٹنے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ

الثابتة فی السوال حالة تولی اصحاب المیت عنه ترد علیھم انتھیٰ بلفظہ۔
(فتح الباری ج ۳ ص۱۸۴ طبع مصر)

سنتی ہے اور آپ کا یہ ارشاد کہ قبر کی تنگی کی وجہ سے اس کی پسلیاں آرپار ہو جاتی ہیں اور آپ کا یہ ارشاد کہ جب اس کو ہتھوڑا اور گرز ماری جاتی ہے تو (ثقلین کے بغیر دوسری مخلوق کو) اس کی آواز سنائی دیتی ہے اور آپ کا یہ ارشاد کہ اس کے دو کانوں کے درمیان ضرب لگائی جاتی ہے اور آپ کا یہ ارشاد کہ فرشتے اسکو بٹھاتے ہیں اور یہ سب امور اجسام کی صفات ہیں (نہ کہ ارواح کی) اور ابوالھذیل اور اس کے پیرو اس طرف گئے ہیں کہ نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کے درمیان میت کو عذاب وغیرہ کسی چیز کا شعور نہیں ہوتا یہ لوگ کہتے ہیں کہ میت کا حال اس شخص کے حال کے مناسب ہے جو سویا ہویا اس پہ غشی طاری ہو وہ افاقہ سے پہلے مار وغیرہ کسی چیز کا احساس نہیں کرتا لیکن وہ حدیثیں جو دفن میت کے وقت لوگوں کی واپسی کے وقت میت سے سوال کے بارے میں آئی ہیں ان کے خلاف ہیں اور ان کا رد کرتی ہیں۔

نوٹ ہم نے فتح الباری کی اس مقام پر پوری عبارت نقل کر دی ہے مؤلف ندائے حق کا ص۲۲۹ و ص۲۳۰ میں یہ شکوہ کرنا کہ ہم نے جو عبارت خلاف مطلب تھی وہ چھوڑ دی ہے نرا بہتان ہے یہاں حافظ ابن حجرؒ نائم کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور اس کو صحیح سمجھتے ہیں اس کی تردید نہیں کرتے۔

اور علامہ بدر الدین العینی الحنفیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں۔

ولا بُعد فی رد الحیوٰة الی بعض اجزاء البدن فیختص بالاحیاء والمسالۃ والعذاب وان لم یکن ذٰلك مشاھدًا لنا اھ
(عمدۃ القاری ج ۸ ص۱۴۷ طبع مصر)

اور اس میں کوئی بُعد نہیں کہ بدن کے بعض اجزاء کی طرف زندگی لوٹائی جائے اور وہی بعض اجزاء حیات اور قبر کے سوال اور عذاب سے مختص ہوں اگرچہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہ ہو سکے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ عینیؒ کے نزدیک بھی فی الجملہ اعادۂ روح الی البدن میں کوئی بعد نہیں

اگرچہ اس کا مشاہدہ ہمیں نہ ہو سکے بلکہ وہ اسی کو اکثر اہل السنۃ کا قول بتاتے ہیں چنانچہ وہ سماع موتی کی بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

ولجيب عن الآية بان الذى يسمعهم هو الله تعالى والمعنى انه صلى الله عليه وسلم لا يسمعهم ولكن الله تعالى احياهم حتى سمعوا كما قال قتادةؒ وقال السهيلىؒ وعائشة رض لم تحضر وغيرها ممن حضر احفظ للفظه وقد قالوا له اتخاطب قوما قد جيفوا فقال ما انتم باسمع لما اقول منهم واذا جاز ان يكونوا فى تلك الحالة عالمين جاز ان يكونوا سامعين اما باذان رؤسهم اذا قلنا ان الارواح تعاد الى الاجساد عند المسألة وهو قول الاكثر من اهل السنة واما باذان القلب والروح على مذهب من يقول بتوجيه السوال الى الروح من غير رجوعه الى الجسد والى بعضه اھ

(عمدة القاری ج ۷ ص ۱۴۳ طبع مصر)

اس آیت کریمہ کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو سناتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکو نہیں سنایا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا حتیٰ کہ انہوں نے سن لیا جیسا کہ قتادہؒ نے فرمایا ہے امام سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ (بدر کے موقع پر) حاضر نہ تھیں اور ان حضرات نے جو وہاں موجود تھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے الفاظ کو خوب یاد رکھا ہے اور انہوں نے آپ سے کہا بھی کہ حضرت! آپ ایسے لوگوں سے خطاب کرتے ہیں جو مردار اور بدبودار ہو چکے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ تم سے بھی زیادہ سنتے ہیں اور جب یہ جائز ہے کہ وہ اس حالت میں جاننے والے ہیں تو یہ بھی جائز ہے کہ وہ سننے والے بھی ہوں یا تو سر کے کانوں سے جب ہم یہ کہیں کہ قبر میں سوال کے وقت ارواح کو اجسام کی طرف لوٹایا جاتا ہے جیسا کہ اکثر اہل السنۃ والجماعۃ کا قول ہے اور یا وہ دل اور روح کے کانوں سے سنتے جیسا کہ ان لوگوں کا مذہب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قبر میں سوال روح سے ہوتا ہے بغیر اسکے کہ اس کو جسم یا اس کے بعض حصہ کی طرف لوٹایا جائے۔

علامہ عبدالرؤف المناویؒ (المتوفی ۱۰۳۱ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ :-

زاد فى حديث البراءؓ فتعاد روحه فى جسده ظاهره فى جميع الجسد لكن سئل الحافظ عن ذلك فاجاب بان ظاهر الخبر انها تحل فى النصف الاعلى انتهى قلت ويمكن ان يقال قوة حلولها فى النصف الاعلى بحيث يسمع الحديث حتى يجلس فيه زاد

حضرت براءؓ کی حدیث میں فتعاد روحہ فی جسدہ کی زیادت بھی ہے اس کا ظاہر اس کو چاہتا ہے کہ روح کا اعادہ سب جسم میں ہوتا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ظاہر خبر اس کو چاہتا ہے کہ روح کا حلول نصف اعلیٰ میں ہوتا ہے انکی بات ختم ہوئی میں کہتا ہوں ممکن ہے یہ کہا جائے

في رواية فتعاد روحه في جسده وظاهره في كله
ونقله المصنف في ارجوزته عن الجمهور ولكن
قال ابن حجر ظاهر الخبر في النصف الاعلى وجمع
بان مقرها في النصف الاعلى ولها اتصال بباقيه
وقيل وجزم به القاضي اهـ
(فيض القدير ج ٢ ص٣٧٢ و ص٣٧٣ طبع مصر)

کہ نصف اعلیٰ میں روح کے حلول کی قوت ہوتی ہے جس سے
لحد میں وسعت ہوتی ہے اور مردہ قبر میں بیٹھ جاتا ہے اس میں
فتعاد روحہ فی جسدہ کا ظاہر اسی کو چاہتا ہے کہ سب بدن
میں روح کا اعادہ ہوتا ہے مصنف نے اپنے رجزوں میں اس کو
جمہور سے نقل کیا ہے لیکن ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ظاہر خبر نصف اعلیٰ
کو چاہتی ہے اور تطبیق یوں دی گئی کہ روح کا مقر نصف اعلیٰ ہے
لیکن اس کا باقی بدن سے بھی اتصال ہوتا ہے اور کہا گیا ہے کہ قاضی
ابوبکر الباقلانیؒ نے اسی پر جزم کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اگرچہ یہ دعویٰ کیا ہے (جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے) کہ روح بدن کے نصف اعلیٰ میں لوٹائی جاتی ہے اور علامہ مناویؒ نے اس کی جمع و تطبیق کی صورت بھی پیدا کر دی ہے لیکن حضرت ملا علی القاریؒ حافظ ابن حجرؒ کی تردید کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

فتعاد روحه في جسده ظاهر الحديث ان
عود الروح الى جميع اجزاء بدنه فلا
التفات الى قول البعض بان العود انما يكون
الى البعض ولا الى قول ابن حجر الى نصفه
فانه لا يصح ان يقال من قبل العقل بل يحتاج
الى صحة النقل انتهى۔

(مرقات ج ۴ ص۲۵ طبع ملتان)

فتعاد روحہ فی جسدہ کی حدیث کا ظاہر اسی کو چاہتا ہے کہ
روح کا اعادہ تمام بدن کی طرف ہوتا ہے لہٰذا ان بعض لوگوں
کے قول کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جا سکتی جو یہ کہتے ہیں کہ عود روح
بعض بدن کی طرف ہوتا ہے اور نہ ابن حجرؒ کے قول کی طرف
التفات کیا جا سکتا ہے جس میں نصف بدن کی طرف عود کا ذکر
ہے کیونکہ یہ محض عقلاً کہنا درست نہیں بلکہ اس میں صحت
نقل کی ضرورت ہے (جو مفقود ہے)

نیز حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ:

قال العسقلاني في فتاوٰه ارواح المومنين في
عليين وارواح الكفار في سجين ولكل روح
بجسدها اتصال معنوي لا يشبه الاتصال
في الحيوٰة الدنيا بل اشبه شيء به حال النائم

(ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ مومنوں کی
ارواح علیین میں اور کافروں کی سجین میں رہتی ہیں ہاں ہم
ہر ایک روح کا تعلق معنوی اپنے جسم سے بھی ہے لیکن یہ دنیوی
زندگی کے اتصال کے مشابہ نہیں یہ سونے والے کے حال کے

وان كان هو اشد من حال النائم اتصالاً وبهذا
يجمع بين ما ورد ان مقرها في عليين او سجين
وبين ما نقله ابن عبد البر عن الجمهور انها
عند افنية قبورها قال ومع ذلك فهي ماذون
لها في التصرف وتأوى الى محلها من عليين
او سجين قال واذا نقل الميت من قبر الى
قبر فالاتصال المذكور مستمر وكذا لو تفرقت
الاجزاء اھ

زیادہ مشابہ ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اتصال ہے اور
اسی سے تطبیق ہو جائے گی اس میں کہ ارواح کا مقر علیین
یا سجین ہے اور اس میں جو ابن عبد البرؒ نے نقل کیا ہے کہ ارواح
قبروں کے کناروں پر ہوتی ہیں معہذا ان کو آنے جانے کی اجازت
ہوتی ہے اور وہ اپنے محل علیین یا سجین میں بھی پہنچ جاتی
ہیں ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ جب میت کو ایک قبر سے دوسری قبر
تک منتقل کیا جاتا ہے اور اسی طرح جب اس کے اجزا متفرق
ہو جاتے ہیں تو روح کا یہ اتصال بدستور باقی رہتا ہے۔

(مرقات ج ۲ ص۲۵ طبع ملتان)

یہ اتصال محض معنوی بیرونی اور اشراقی اتصال ہی نہیں بلکہ یہ اتصال حیات کا ہے جیسا کہ خود حافظ ابن حجرؒ قرع
نعال کی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

فيه ان الميت يحيا في قبره للمسألة خلافاً لمن
رده واحتج بقوله تعالى قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ
وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ الآية قال فلو كان يحيى في
قبره للزم ان يحيى ثلاث مرات ويموت
ثلاثاً وهو خلاف النص والجواب بان المراد
بالحياة في القبر للمسألة ليست الحياة المستقرة
المعهودة في الدنيا التي تقوم فيها الروح بالبدن
وتدبيره وتصرفه وتحتاج الى ما يحتاج اليه
الاحياء بل هي مجرد اعادة لفائدة الامتحان
الذي وردت به الاحاديث الصحيحة فهي
اعادة عارضة كما حي خلق لكثير من الانبياء
لمسألتهم لهم عن اشياء ثم عادوا موتى اھ

اس میں دلیل ہے کہ میت کو قبر میں سوال کے لیے زندہ کیا جاتا
ہے برخلاف اس کے جس نے اس کو رد کیا ہے اس نے اللہ تعالےٰ
کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ وہ (کافر قیامت کے دن)
کہیں گے اے ہمارے رب تو نے دو مرتبہ ہمیں مارا اور دو مرتبہ
زندہ کیا اگر قبر میں بھی زندگی ہو تو لازم آتا ہے کہ وہ تین مرتبہ زندہ
کیا جائے اور تین مرتبہ مرے اور یہ نص کے خلاف ہے اس کا جواب
یہ ہے کہ قبر میں سوال کے لیے جو حیات ہوتی ہے وہ دنیا کی مستقر
اور معہود حیات کی طرح نہیں ہے جس میں روح بدن کی مقوم
اور اس میں تدبیر اور تصرف کرتی ہے اور اس کو اس چیز کی حاجت
نہیں ہوتی جس کے زندہ (خوراک وغیرہ کے) محتاج ہوتے ہیں
بلکہ یہ محض اعادہ ہے جس کا فائدہ وہ امتحان ہے جس کے بارے
حدیثیں وارد ہوتی ہیں اور یہ اعادہ عارضی ہوتا ہے جیسا کہ

(فتح الباری ج ۲ ص ۲۹۴) | بہت سے لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے زندہ کئے گئے تاکہ ان سے کچھ اشیاء کے بارے سوال ہو سکے اس کے بعد وہ پھر مر گئے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبر کی زندگی دنیا کی معہود زندگی کی طرح نہیں جس میں روح بدن کے لیے مقوم اور اس کی مدبر اور اس میں متصرف ہو اور بدن اس حیات کے ساتھ ان محسوس اشیاء کا محتاج ہو جن کا دنیا میں محتاج تھا بلکہ یہ اعادہ عارضی اور امتحان کے لیے ہے جیسا کہ صحیح احادیث اس پر دال ہیں اور یہ حیات دنیا اور آخرت کی معہود اور کامل حیات نہیں جس سے آیت کریمہ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ الآیۃ کی مخالفت لازم آئے چونکہ حافظ ابن حجرؒ قبر میں ثواب و عذاب کا جسم اور روح دونوں پر مترتب ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ان کی عبارت عرض کی جا چکی ہے اس لیے ان کے نزدیک یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ سوال کے بعد پھر اس کو بالکل بے روح اور بے جان بنا دیا جاتا ہے کیونکہ بغیر فی الجملہ حیات کے ثواب و عذاب اور راحت و الم کس پر؟ بلکہ اس کا مطلب یہ لینا چاہیئے کہ ان کے نزدیک سوال کے وقت تو بالجملہ اور کامل حیات ہوتی ہے پھر یہ کامل اور عارضی حیات ختم ہو جاتی ہے اور فی الجملہ اور ایک گونہ حیات باقی رہ جاتی ہے ان کی عبارت کے آخری حصہ کما احی خلق الخ سے مغالطہ نہیں ہونا چاہیئے اس میں تشبیہ صرف حیات عارضہ سے ہے اور تم عادہ اموتی دنیا میں بطور معجزہ عارضی طور پر زندہ ہونے والوں سے متعلق ہے نہ کہ اہل قبور سے جیسا کہ کسی بھی اہل فہم سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔

حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ان مذهب سلف الامة وائمتها ان الميت اذا مات يكون فى نعيم او عذاب وان ذلك يحصل لروحه وبدنه (کتاب الروح ص ۶۳) | بلاشبہ امت کے اسلاف اور ہمارے ائمہ کا یہ مذہب ہے کہ جب کسی شخص کی وفات ہو جاتی ہے تو وہ راحت اور عذاب میں مبتلا ہوتا ہے اور یہ راحت و تکلیف اس کی روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتی ہے۔

یہ عبارات بھی اس امر پر نص صریح ہیں کہ عذاب و راحت کے سلسلہ میں بدن کا روح سے تعلق ہوتا ہے حضرت مولانا سید احمد حسن صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ومذهب اهل السنة اثبات عذاب القبر خلافا للخوارج والمعتزلة وبعض المرجئة | اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ وہ عذاب قبر کو تسلیم کرتے ہیں بخلاف خوارج معتزلہ اور بعض مرجئہ کے کہ وہ اس

فانهم نفوا ذلك والاحاديث الباب بترد عليهم ثم المعذب عند اهل السنة الجسد بعينه بعد اعادة الروح اليه وما قيل ان السوال فى القبر يقع على البدن فقط وقال بعضهم يقع على الروح فقط فيرد عليهم قوله صلى الله عليه وسلم فتعاد روحه فى بعض الروايات اه (تنقيح الرواة جلد ١ ص٣١ وص٣٢)

کی نفی کرتے ہیں لیکن عذاب قبر کے باب کی حدیثیں ان کے خلاف پڑتی ہیں پھر اہل سنت کے نزدیک عذاب جسد عنصری کو ہوتا ہے مگر اعادہ روح کے بعد باقی جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قبر میں سوال صرف بدن سے ہوتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جو بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس کی روح اس کی طرف لوٹائی جاتی ہے ان اقوال کو رد کرتا ہے۔

علم عقائد کے مسلم امام علامہ صدر الدین علی بن محمد الاذرعی الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۷۹۲ھ) لکھتے ہیں کہ:

وكذلك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعا باتفاق اهل السنة والجماعة اه (شرح عقيدة الطحاوى ص٣٣٠ طبع مكة مكرمه)

اور اسی طرح اہل سنت والجماعت کے اتفاق سے عذاب قبر روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عذاب قبر روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے اور اس پر تمام اہل سنت والجماعت متفق ہیں اس میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ علامہ آلوسی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:

والجمهور على عود الروح الى الجسد او بعضه وقت السوال على وجه لا يحس به اهل الدنيا الا من شاء الله تعالى منهم ووراء ذلك مذاهب فمذهب ابن جرير وجماعة من الكرامية ان السوال فى القبر على البدن فقط وان الله تعالى يخلق فيه ادراكا بحيث يسمع و يعلم ويلذ ويألم وعلى هذا المذهب يمكن ان يقال ما قيل على الاول ومذهب ابن حزم وابن ميسرة انه على الروح فقط ومذهب

جمہور (اہل السنت) اس کے قائل ہیں کہ روح کو پورے جسم یا بعض جسم کی طرف سوال کے وقت ایسے انداز سے لوٹایا جاتا ہے جس کو اہل دنیا محسوس نہیں کر سکتے ہاں مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے تو محسوس کرا دے اور اس کے علاوہ اس مسئلہ میں کچھ اور مذاہب بھی ہیں سو ابن جریر (کرامی) اور کرامیہ کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ قبر میں سوال صرف بدن سے ہوتا ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اس میں ایک گونہ ادراک پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ سنتا اور جانتا اور لذت و تکلیف محسوس کرتا ہے لیکن اس مذہب پر بھی ویسے ہی اعتراض ہے

ابی الھذیل و اتباعہ ان المیت لایشعر بشئ اصلاً الا بین النفختین والحق ان الموتیٰ یسمعون فی الجملۃ اھ

(روح المعانی جلد ۲۱ ص ۵۷)

جیسا کہ پہلے پر تھا (کہ مثلاً بلا روح بدن کی حیات کا کوئی معنی نہیں) اور ایک مذہب ابن حزمؒ اور ابن میسرہؒ کا ہے وہ یہ کہ یہ ساری کارروائی صرف روح سے متعلق ہوتی ہے اور ایک مذہب ابوالہذیل اور اس کے اتباع کا ہے کہ میت کو سرے سے کوئی شعور نہیں ہوتا مگر نفخۂ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان اور حق بات یہ ہے کہ مُردے فی الجملہ سُنتے ہیں۔

علامہ بدرالدین ابوعبداللہ محمد بن علی البعلی الحنبلیؒ (المتوفی سنہ ۷۷۸ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

و فی الصحاح انہا ترد الیہ بعد الموت ویسأل وترد فتکون متصلۃ بالبدن بلا ریب و اللہ اعلم (مختصر الفتاوی ص ۱۹ المصریۃ)

صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ روح موت کے بعد بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور اس سے سوال ہوتا ہے اور پھر لوٹا دی جاتی ہے مگر بلاشبہ وہ بدن سے متصل رہتی ہے۔

امام ابوبکر الجصاص الرازی الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

واذا جاز ان یکون المؤمنون قد احیوا فی قبورھم قبل یوم القیٰمۃ وھم منعمون فیہا جاز ان یحیی الکفار فی قبورھم فیعذبوا اھ

(احکام القرآن جلد ۱ ص ۱۰ طبع مصر)

اور جب یہ جائز ہے کہ مومنوں کو قیامت کے دن سے پہلے قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور وہ قبور میں راحت پاتے ہیں تو جائز ہے کہ کفار کو بھی قبروں میں زندہ کیا جائے اور عذاب دیا جائے۔

امام تقی الدین علی بن عبدالکافی السُبکی الشافعی (المتوفی سنہ ۷۵۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

وقد اجمع اھل السنۃ علی اثبات الحیوٰۃ فی القبور وقال امام الحرمین فی الشامل وقد اتفق سلف الامۃ علی اثبات عذاب القبر واحیاء الموتیٰ فی قبورھم ورد الارواح فی اجسادھم وقال الفقیہ ابوبکر بن العربی فی الامد الاقصیٰ فی تفسیر اسماء الحسنیٰ ان احیاء المکلفین فی القبر وسوالھم جمیعًا لاخلاف فیہ بین اھل السنۃ

قبور میں اثبات حیات پر اہل سنت کا اجماع ہے، امام الحرمینؒ اپنی کتاب شامل میں فرماتے ہیں کہ امت کے اسلاف اثبات عذاب قبر اور مُردوں کو قبروں میں زندہ کرنے اور ان کی ارواح کو ان کے جسموں کی طرف لوٹانے پر متفق ہیں، فقیہ ابوبکر بن العربیؒ اپنی کتاب امد الاقصیٰ فی تفسیر اسماء الحسنیٰ میں لکھتے ہیں کہ جملہ مکلفین کے قبروں میں زندہ کرنے اور ان سے سوال کرنے میں اہل سنّت کا کوئی اختلاف نہیں ہے

قال سيف الدين الآمدي في كتاب ابكار الافكار اتفق سلف الامة قبل ظهور المخالف واكثرهم بعد ظهوره على اثبات احياء الموتى في قبورهم ومسئلة الملكين لهم واثبات عذاب للمجرمين والكافرين اه (شفاء السقام ص۱۵۱ طبع دائرة المعارف حيدرآباد دکن)

امام سیف الدین آمدیؒ اپنی کتاب ابکار الافکار میں لکھتے ہیں کہ مخالف کے ظاہر ہونے سے پہلے امت کے تمام اسلاف اور ظہور مخالف کے بعد اکثریت اسبات پر متفق رہی ہے کہ مُردوں کا قبروں میں زندہ کرنا اور ان سے نکیرین کا سوال اور مجرموں اور کافروں کے لیے اثبات عذاب بالکل حق ہے۔

اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ :-

ان حياة جميع الموتى بارواحهم واجسامهم في قبورهم لاشك فيها اه (شفاء السقام ص۱۵۳)

بلاشبہ تمام مُردوں کا اپنی قبروں میں اپنی ارواح اور اجسام کے ساتھ زندہ ہونا شک سے بالاتر ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ متقدمین میں اس مسئلہ کے اندر کوئی اختلاف نہ تھا کہ مُردوں کو قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور ان کی ارواح کو ان کے اجسام میں لوٹایا جاتا ہے اور منکر ونکیر کا سوال ہوتا ہے ہاں بدقسمتی سے بعد کو اس میں اختلاف پیدا ہوا لیکن اس اختلاف کے بعد بھی امت کی اکثریت متقدمین اور سلف صالحین کی ہمنوا ہی رہی ہے اور حق انہیں کے ساتھ ہے۔

مشہور مصنف اور مسلّم امام عقائد قاضی عضد الدین عبد الرحمٰن بن احمد الایجیؒ (المتوفی ۷۵۶ھ) لکھتے ہیں کہ :-

احياء الموتى في قبورهم ومسئلة منكر ونكير وعذاب القبر للكافر والفاسق كلها حق عندنا واتفق عليه سلف الامة قبل ظهور الخلاف واتفق عليه الاكثرون بعده اه (مواقف مع الشرح ص۵۸۱ طبع نولکشور)

مُردوں کا قبروں میں زندہ کرنا اور منکر ونکیر کا سوال اور کافر وفاسق کے لیے عذاب قبر یہ سب ہمارے نزدیک حق ہیں اور اختلاف سے پہلے سلف اُمت کے تمام حضرات اور اختلاف رونما ہونے کے بعد اُمت کی اکثریت ان اُمور کے حق ہونے پر متفق رہی ہے۔

یہ عبارت بھی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ قبروں میں مُردوں کے زندہ کرنے کے بارے میں اسلام کے ابتدائی اَدوار میں کوئی اختلاف نہ تھا اور اُس وقت بھی حضرات بلاقیل وقال اس کو تسلیم کرتے تھے جب اختلاف پیدا ہوا تو اس کے بعد بھی امت مسلمہ کی اکثریت احیاء الموتی فی القبور اور اسی طرح دیگر بیان کردہ مسائل کے حق ہونے کی قائل رہی ہے اور حق ہمیشہ جماعت کے ساتھ ہی ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے صریح فرمان اور ارشاد سے یہ ثابت ہے، قاضی صاحب موصوفؒ نے احیاء موتیٰ کے بارے میں منکرین حیات کے اس اعتراض کو بسط سے نقل کیا ہے کہ بعض مُردوں کو درندے اور پرندے کھا جاتے ہیں اور ان کے اجزاء ان کے پیٹوں میں متفرق ہو جاتے ہیں اور بعض کو جلا کر راکھ بنا کر ہوا میں اڑا دیا جاتا ہے اور بعض سولی پر لٹکا دیے جاتے ہیں تو ان میں صلاحیت حیات کہاں سے اور کیسے آ جاتی ہے؟ اور مشاہدہ بھی اس کے خلاف ہے کیونکہ کسی کو ان میں حیات نظر نہیں آتی اور مشاہدہ کے خلاف قول کرنا ایک قسم کی حماقت ہے۔ (محصلہ مواقف مع الشرح ص۶۷۵)

اِس اعتراض کا تفصیلی جواب دیتے ہوئے موصوف یہ لکھتے ہیں کہ:۔

وقد تحير الاصحاب فى التفصى عن هذا فقالوا اى القاضى واتباعه فى صورة المصلوب لا بُعد فى الاحياء والمسائلة مع عدم المشاهدة كما فى صاحب السكتة فانه حى مع انا لا نشاهد حيوا ته' وكما فى رؤية النبى جبرائيل عليهما السلام وهو بين اظهر اصحابه مع ستره عنهم و قال بعضهم لا بُعد فى رد الحياة الى بعض اجزاء البدن فيختص بالاحياء والمسائلة والعذاب وان لم يكن ذلك مشاهداً لنا واما الصورة الاخرى يعنى بها ما يشمل الثانية والثالثة اذهما من واد واحد فان ذالك اى التمسك بها مبنى على اشتراط البنية فى الحيواة وهو ممنوع عندنا كما مرّ فلا بُعد فى ان تعاد الحيوٰة الى الاجزاء المتفرقة او بعضها وان كان خلاف العادة فان خوارق العادة غير ممتنعة فى مقدور الله تعالى كما سلف تقريره

بلاشبہ (اہل السنت والجماعت کے) اصحاب اس مشکل سے جان چھڑانے میں حیران ہوئے ہیں سو قاضی (ابوبکر باقلانیؒ) اور ان کے اتباع نے مصلوب کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے زندہ کرنے اور اس سے سوال کرنے میں کوئی استبعاد نہیں اگرچہ اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا جیسے صاحب سکتہ کہ وہ زندہ ہوتا ہے حالانکہ ہم اس کی زندگی کا مشاہدہ نہیں کر سکتے اور جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اپنے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں دیکھتے تھے حالانکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اُن سے اوٹ میں ہوتے تھے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس میں کوئی بُعد نہیں کہ بدن کے بعض اجزاء کی طرف زندگی لوٹائی جائے سو وہ بعض حصہ زندہ ہونے اور سوال اور عذاب سے مختص ہو اگرچہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہ ہو سکے اور بہرحال دوسری صورت، اس سے مراد دوسری اور تیسری دونوں صورتیں ہیں کیونکہ وہ دونوں ایک ہی میدان (و اسلوب) سے ہیں، سو بیشک ان لوگوں کی دلیل اس بات پر مبنی ہے کہ حیات کے لیے جسم کا ڈھانچہ باقی رہنا ضروری ہے اور

والله اعلم بالصواب۔

(مواقف مع الشرح ص۷۱۱)

ہم اس کو نہیں مانتے جیساکہ پہلے گذر چکا ہے سو اس میں کوئی بُعد نہیں کہ اجزاء متفرقہ یا ان میں سے بعض کی طرف حیات لوٹائی جائے اگرچہ یہ عادت کے خلاف ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت میں خوارق عادات بھی داخل ہیں اور وہ ممتنع نہیں ہیں جیساکہ پہلے اس کا بیان ہو چکا ہے۔

والله اعلم بالصواب

منکرین حیات فی القبور کا سب سے بڑا وزنی اور مرکزی اعتراض ہی یہی تھا کہ جب ڈھانچہ باقی نہیں رہتا تو حیات کہاں سے آجاتی ہے؟ اسی اشکال کو حل کرنے کے لیے اکابر اہل سنت نے یہ کہا کہ حیات کے لیے ڈھانچہ شرط نہیں ہے بلکہ اجزاء متفرقہ میں بھی حیات کا تحقق قدرت خداوندی میں داخل ہے اور بعض اجزاء کی طرف حیات کا اعادہ بھی داخل تحت القدرت ہے گو عادت کے خلاف ہی سہی لیکن قدرت باری تعالیٰ مخلوق کی عادت کی پابند نہیں ہے اور اسی کو ہم نے پہلے حیات فی الجملہ سے تعبیر کیا ہے، اگر جسم کے اجزاء کا نکیرین کے سوال کے سلسلہ میں دخل نہ ہوتا یا عذاب قبر کے سلسلہ میں اجزاء بدن کا واسطہ نہ ہوتا تو ان اکابر کو یہ کہدینے میں ہرگز کوئی تامل نہ ہوتا کہ سوال یا عذاب تو محض روح کو حاصل ہے بدن اور اس کے اجزاء رہیں یا نہ رہیں لیکن یہ حضرات کسی موقع پر بھی اجزاء بدن کو فراموش نہیں ہونے دیتے، اس کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ قبر کی حیات میں بدن کا تعلق ایک طے شدہ حقیقت اور ناگزیر امر ہے۔ متقدمین بلا اختلاف اور متاخرین کی اکثریت قبر میں روح کے بدن کے ساتھ تعلق کی قائل ہے۔ مواقف کے شارح علامہ علی بن محمد الجرجانی المعروف بہ سید شریف (المتوفی سنہ ۸۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ۔

واذا ثبت التعذیب ثبت الاحیاء والمسئلة لان کل من قال بعذاب القبر قال بهما (شرح مواقف ص۷۱۲ طبع نولکشور)

اور جب میت کا معذب ہونا ثابت ہوا تو اس کا زندہ کرنا اور اس سے سوال بھی ثابت ہو گیا کیونکہ جو شخص عذاب قبر کا قائل ہے وہ زندہ کرنے اور سوال کا بھی قائل ہے۔

مطلب واضح ہے کہ قبر میں عذاب اور سوال جبھی متحقق ہو سکتا ہے کہ اس میں زندگی اور حیات ہو اور جب عذاب قبر ثابت ہے تو لامحالہ میت کا قبر میں زندہ کرنا اور سوال بھی ثابت ہے۔

محقق حیث اطلق حافظ ابن الہمامؒ لکھتے ہیں کہ:

ولهذا كان الحق ان الميّت المعذب في قبره توضع فيه الحيوٰة بقدر ما يحسّ بالالم والبنية ليست بشرط عند اهل السنة حتى لو كان متفرق الاجزاء بحيث لا تتميز الاجزاء بل هي مختلطة بالتراب فعذب جعلت الحيوٰة في تلك الاجزاء التي لا ياخذها البصر وان الله تعالى على ذٰلك لقدير اھ
(فتح القدير جلد ۲ ص۴۹ طبع مصر)

اور اسی لئے حق بات یہی ہے کہ جس میّت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے اس میں اس انداز کی حیات رکھی جاتی ہے جس سے وہ تکلیف محسوس کرتا ہے اور ڈھانچے کا محفوظ رہنا اہل سنت کے نزدیک شرط نہیں ہے یہاں تک کہ اگر میّت کے اجزاء بکھر جائیں اور خاک میں رل مل جائیں اور اس کو سزا دی جائے تو ان باریک اجزاء میں بھی حیات رکھی جاتی ہے جن کو نگاہ نہیں دیکھ سکتی اور اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے (اس کی شان سے یہ بعید نہیں ہے)

اور یہی حافظ ابن الہمامؒ اور ان کے شاگرد رشید کمال الدین محمد بن محمد المقدسیؒ (ایک حنفی اور دوسرے شافعی ہیں اور دونوں عقائد کے مسلّم عالم ہیں (المتوفی ۹۰۵ھ) اپنی علم کلام کی مایۂ ناز کتاب المسامرہ میں منکرین کے شبہات کو نقل کر کے آگے جواب دیتے ہیں۔

وما استحيل به ما ذكر من السوال وعذاب القبر ونعيمه من جهة ان اللذة والالم والتكلم كل منها فرع الحيوٰة والعلم والقدرة ولا حيوٰة بلا بنية اذ البنية قد فسدت وبطل المزاج ومن جهة كون الميت ساكنا لا يسمع سوالنا اذا سألناه ومنهم اي من الموتى من يحرق فيصير رمادا وتذروه الرياح فلا يعقل حيٰته وسؤاله واشار الى دفعها بقوله مجرد استبعاد لخلاف المعتاد وهو لا ينفي الامكان فان ذٰلك الامر الذي يتكلم فيه من سوال الملكين وعذاب القبر ونعيمه ممكن اذ لا يشترط في

سوال قبر اور عذاب وراحت کو جو بایں وجہ محال سمجھا گیا ہے کہ لذت اور دکھ اور گفتگو یہ حیات وعلم اور قدرت کی فرع ہے اور ڈھانچے کے بغیر زندگی کہاں سے؟ کیونکہ اجزاء تو باطل ہو گئے اور ڈھانچہ ختم ہو گیا اور بایں وجہ بھی کہ میّت خاموش رہتی ہے جب ہم اس سے سوال کرتے ہیں تو وہ جواب نہیں دیتی اور بعض مردے جلا کر راکھ کر دیئے جاتے ہیں اور ان کی راکھ کو ہوا اڑا دیتی ہے تو ایسے حالات میں میّت کی حیات اور اس سے سوال عقل کے بالکل خلاف ہے۔ مصنفؒ نے ان اعتراضات کو دفع کرنے کے لئے یہ جواب دیا کہ اس کو محض خلاف عادت ہونے کی وجہ سے بعید سمجھا گیا ہے اور یہ امکان کی نفی نہیں کرتا کیونکہ نکیرین کا سوال اور عذاب قبر اور راحت جس کی

الحیوٰة البنیة کما قدمناه ولو سلم اشتراطها جاز ان یحفظ اللّٰہ تعالیٰ من الاجزاء مایتأتی بہ الادراك بان یصلح بنیته وان کان المیت فی بطون السباع وقعور البحار و غایة مافی الباب ان یکون بطن السبع و نحوه قبراله ولا یمتنع ان لا یشاهد الناظر منه مایدل علی ذلك فان النائم ساکن بظاهره وهو مع ذلك یدرك من الآلام واللذات مایحس تاثیره عند یقظته من منامه وخروج منی من جماع رأه فی منامه اهـ (المسامرہ مع المسایرہ جلد ۲ ص۱۷۷ و ص۱۷۸ طبع مصر)

گفتگو ہو رہی ہے بالکل ممکن ہے کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حیات کے لیے ڈھانچہ شرط نہیں ہے اور اگر وہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ جائز ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کے ڈھانچے سے اُن اجزاء کو درست کر دے جن سے عذاب کا ادراک ہو سکے اگرچہ میّت درندں کے پیٹوں اور دریاؤں کی گہرائیوں میں ہو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ درندے وغیرہ کا پیٹ اس کے لیے قبر ہوگا اور اس سے بھی کوئی محال لازم نہیں آتا کہ دیکھنے والا میّت سے عذاب وغیرہ کا کچھ اثر نہیں دیکھتا کیونکہ خوابیدہ شخص بظاہر ساکن ہوتا ہے لیکن متعدد تکالیف اور لذّات کا احساس کرتا ہے۔ اور بسا اوقات ان کا اثر بیداری کے بعد بھی ظاہر ہو جاتا ہے مثلاً وہ مار جو اس کو بحالت نیند پڑی اس کا درد اور منی کا خروج کہ بحالت نیند اس نے جماع کیا بیداری کے بعد بھی ظاہر ہوتا ہے۔

ماتن اور شارح کی اس طویل عبارت میں بھی یہی امر اجاگر کیا گیا ہے کہ جس حیات کا قبر میں سوالِ نکیرین اور راحت اور عذاب کے لیے اثبات کیا جاتا ہے اس کے لیے ڈھانچے کا برقرار رہنا شرط اور ضروری نہیں ہے بلکہ یہ حیات اس کے بغیر بھی ثابت ہے اور اگر شرط بھی ہو تب بھی اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ اس کے اجزاء میں سے وہ ضروری اجزاء جمع کر دے جن میں ادراک و شعور رکھ دیا جائے، اگرچہ مُردے درندوں کے پیٹ میں ہوں یا سمندر کی تہ میں خدا تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید ہے؟ رہا یہ سوال کہ دیکھنے والوں کو میّت کا اُٹھنا بیٹھنا حس و حرکت چیخ و پکار کچھ نظر نہیں آتا تو یہ بجا ہے لیکن اس سے ان واردات کا جو میّت پہ گذرتی ہیں انکار کرنا اور ان کا امتناع ثابت کرنا بالکل بے کار اور بے جا ہے کیونکہ کوئی عقلمند اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ بسا اوقات ایک خوابیدہ شخص کو خواب میں دشمن کی مار پڑتی ہے لیکن وہ بالکل ساکن رہتا ہے اور اس کو درد اور کرب باقاعدہ محسوس ہوتا ہے اور جاگنے کے بعد وہ بعض اوقات درد کا احساس اور شکایت بھی کرتا ہے اور اکثر اوقات بحالت نیند احتلام ہو جاتا ہے اور سونے والا مجامعت کرتا ہوا اس

کی لذت محسوس کرتا ہے اور بظاہر وہ کوئی حرکت نہیں کرتا بلکہ بالکل ساکت اور ساکن نظر آتا ہے اور جب بیدار ہوتا ہے تو منی سے اس کا پاجامہ اور تہبند وغیرہ آلودہ اور پلید ہو چکے ہوتے ہیں اور اس پر غسل لازم ہو چکتا ہے تو کیا کوئی احمق یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم اس کے پہلو میں بیدار تھے اس کو کب دشمن نے پٹیا یا مجامعت کے لیے اس نے کب حرکت کی اس لیے نہ تو اس پر غسل واجب ہے اور نہ اس کا بیان درست ہے؟ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کاروائی روح اور جسم دونوں کے تعلق سے ہوتی ہے نہ صرف روح سے اور نہ تنہا جسم سے، بس اس ادنیٰ سی نظیر اور مثال سے قبر کا سوال اور عذاب وراحت بھی سمجھ میں آسکتی ہے، پھر آگے یہی ماتن وشارح معتزلہ وغیرہ کا استدلال نقل کرکے اس کا رد کرتے ہیں چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

وقد تمسك المنكرون لسؤال وعذاب القبر ونعيمه وهم ضرار بن عمرو وبشر المريسي واكثر متاخري المعتزلة بان ذلك يقتضي اعادة الحيوٰة الى البدن لفهم الخطاب ورد الجواب وادراك اللذة والالم وذلك منتفٍ بالمشاهدة وذكر المصنف الجواب عن ذلك وتوضيحه، انا نمنع اقتضاء ذلك عود الحيوٰة الكاملة الى جميع البدن وغاية ما يقتضي اعادة الحيوٰة الى الجزء الذي به فهم الخطاب ورد الجواب والانسان قبل موته لم يكن يفهم بجميع بدنه بل بجزء من باطن قلبه واحياء جزء لفهم الخطاب ويجيب ممكن مقدور عليه وامور البرزخ لا تقاس بامور الدنيا اه

(المسامرة مع المسايرة جلد ۲ ص ۲۱۱)

ضرار بن عمرو، بشر المریسی اور اکثر متاخرین معتزلہ نے جو قبر میں سوال عذاب اور راحت کے منکر ہیں یہ دلیل پیش کی ہے کہ اگر یہ امور ثابت ہیں تو لازم آئے گا کہ بدن میں حیات لوٹائی جائے تاکہ میت خطاب سمجھے اور جواب دے سکے اور لذت وتکلیف کا ادراک کر سکے اور یہ چیز مشاہدہ سے منتفی ہے، مصنفؒ نے اس کا جو جواب دیا اس کی توضیح یہ ہے کہ ہم یہ نہیں تسلیم کرتے کہ حیات کاملہ تمام بدن کی طرف لوٹ آتی ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ ایسی جزء کی طرف حیات لوٹائی جاتی ہے جس سے فہم خطاب اور رد جواب متحقق ہو اور انسان مرنے سے پہلے سارے بدن سے تھوڑا ہی سمجھتا تھا بلکہ اس کے دل کے اندر ایک جزء تھی جس سے وہ سمجھتا تھا اور اس جزء کا زندہ کرنا جس سے فہم خطاب اور جواب دینا ممکن ہو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے اور برزخ کے معاملات کو دنیا کے امور پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اس عبارت میں منکرین کے انکار کا اصل منشا بیان کیا گیا ہے کہ وہ قبر و برزخ اور آخرت کے امور کو اپنی نارسا عقل کی ترازو سے تولنا چاہتے ہیں، حالانکہ قبر اور برزخ کا معاملہ دنیا کے معاملات سے الگ تھلگ اور جداگانہ ہے اس کا صحیح ادراک و شعور مرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے، اس جہان میں تو صرف اس قدر ضروری ہے کہ اس کو تسلیم کیا جائے اور شک و شبہ کو قریب نہ آنے دیا جائے۔

علامہ ابوالمظفر طاہر بن محمد الاسفرائنی (المتوفی ۴۷۱ھ) لکھتے ہیں کہ :-

واخبر انہم یحیون فی القبور وقد ورد فی معنی احیاء الموتی فی القبور ما د یطلی من آلاء الاخبار والآثار (التبصیر ص۱۵ طبع مصر)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ مُردے قبروں میں زندہ کیے جاتے ہیں اور مردوں کے زندہ کرنے کے بارے میں اس قدر آیات احادیث اور آثار وارد ہوئے ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔

امام ابوالیسر محمد بن محمد بن عبدالکریم البزدوی الحنفیؒ (المتوفی ۴۹۳ھ) رقمطراز ہیں۔

مسألۃ ۔ سوال منکر ونکیر فی القبر حق عند اھل السنۃ والجماعۃ وھما ملکان یسألان من مات بعد ما یحیی من ربک وما دینک و من نبیک فیقدر المؤمن علی الجواب ولا یقدر الکافر وفیہ احادیث کثیرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی ھذا الباب ان الملکین یجیئان فی القبر الی المیت ویحیی اللہ المیت فیسألون عما ذکرنا وقد انکرت المعتزلۃ و عامۃ المبتدعۃ ھذا انتہٰی (اصول الدین ص۱۶۵ طبع القاھرۃ)	مسئلہ ۔ قبر میں منکر اور نکیر کا سوال اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حق ہے اور وہ دو فرشتے ہیں جو مُردہ سے اس کے زندہ کیے جانے کے بعد سوال کرتے ہیں تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے؟ مومن تو جواب پر قادر ہوتا ہے لیکن کافر جواب پر قادر نہیں ہوتا اور اس باب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بکثرت احادیث موجود ہیں کہ دو فرشتے قبر میں میت کے پاس آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ میت کو زندہ کر دیتا ہے پس وہ فرشتے ان امور مذکورہ کے بارے میں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے سوال کرتے ہیں اور معتزلہ اور عام متبدعین نے اس کا انکار کیا ہے۔

امام موصوف رحؒ کی اس عبارت سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ معتزلہ اور اکثر بدعتی قبر میں میت کی حیات اور سوال کے منکر ہیں اور اہل السنت والجماعت حیات فی القبر اور سوال کے قائل ہیں۔

نیز موصوفؒ لکھتے ہیں کہ :-

فان قالوا تعذيب الميت مستحيل فان الالم لا يحصل الا بالحياة فانه لا الم الّا بالعلم ولا علم الّا بالحياة فنقول عند اهل السنة والجماعة يحييهم الله تعالى فيعذبهم وهم احياء فان قالوا المخالفون في تعذيب الميّت وبه ورد الخبر على زعمكم فانه روى يعذب الميّت ببكاء اهله فنقول اريد به ميّت في حقنا فان في حقنا هو ميّت وكذا في حق احكام الله تعالى۔

(صـ ۱۶۴)

اگر وہ یہ کہیں کہ مُردہ کو عذاب دینا محال ہے کیونکہ درد و الم تو حیات سے ہوتا ہے اس لیے کہ علم کے بغیر کوئی الم نہیں ہوتا اور حیات کے بغیر علم نہیں ہوتا تو ہم کہتے ہیں کہ اہل السنت والجماعت کے نزدیک اللہ تعالے ان کو زندہ کرتا ہے اور زندہ کرنے کے بعد انکو سزا دیتا ہے اور اگر وہ کہیں کہ اختلاف تو میّت کے سزا لینے میں ہے اور تمہارے زعم کے مطابق حدیثیں بھی اسی سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں کیونکہ وارد ہُوا ہے کہ میّت کو اس کے اہل و عیال کے رونے سے سزا ہوتی ہے۔ تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے حق میں وہ میّت ہے کیونکہ وہ ہمارے حق اور اللہ تعالی کے احکام (تکلیفی) کے حق میں میّت ہے۔

یعنی چونکہ ہمارے اس جہان کے اعتبار سے اس کی زندگی محسوس نہیں ہوتی اور اللہ تعالی کے احکام نماز روزہ وغیرہ تکلیفی احکام کے لحاظ سے بھی وہ میّت ہے اس لیے اس کو میّت کہا جاتا ہے اور قبر و برزخ کے معاملہ میں وہ زندہ ہوتا ہے اس لیے اس کو عذاب و راحت کا ادراک و شعور یا قاعدہ ہوتا ہے۔

فخر المناطقہ والفلاسفہ امام المتکلمین حضرت ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الشافعیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) اپنی مدلل اور مشہور علم کلام کی کتاب میں عذاب قبر وغیرہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

واما عذاب القبر فقد دلت عليه قواطع الشرع اذ تواتر عن النبي صلى الله عليه وسلّم وعن الصحابة رضي الله عنهم بالاستعاذة منه في الادعية واشتهر قوله عند المرور بقبرين انهما ليعذبان ودل عليه قوله تعالى وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا الآية وهو ممكن فيجب

بہر حال عذاب قبر کے اثبات پر شریعت حقہؐ کی قطعی دلیلیں قائم ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تواتر سے ثابت ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے اور آپ کی یہ حدیث بھی مشہور ہے کہ جب آپ دو قبروں کے پاس سے گذرے تو فرمایا کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے اور اللہ تعالی کا یہ فرمان بھی اس کی دلیل ہے کہ فرعونیوں

التصدیق به ووجه امکانه ظاهر وانما
تنکره المعتزلة من حیث یقولون انا نری
شخص المیت مشاهدة وهو غیر معذب
وان المیت ربما تفترسه السباع وتأکله و
هذا هوس اما مشاهدة الشخص فهو
مشاهدة لظاهر الجسم والمدرك للعقاب
جزء من القلب او من الباطن کیف کان
ولیس من ضرورة العذاب ظهور حرکة فی ظاهر
البدن بل الناظر الی ظاهر النائم لا یشاهد
ما یدرکه النائم من اللذة عند الاحتلام
ومن الالم عند تخیل الضرب وغیره ولو
انتبه النائم واخبر عن مشاهداته وآلامه
ولذاته من لم یجر له عهد بالنوم لبادر
الی الانکار اغترارا بسکون ظاهر جسمه
کمشاهدة انکار المعتزلة لعذاب القبر واما الذی
تأکله السباع فغایة ما فی الباب ان یکون بطن
السبع قبرا فاعادة الحیواة الی جزء یدرك
العذاب ممکن فما کل متألم یدرك الالم
من جمیع بدنه واما سوال منکر ونکیر فحق
والتصدیق به واجب لورود الشرع به وامکانه
فان ذلك لا تستدعی منهما الا تفهیما بصوت
او بغیر صوت ولا یستدعی منه الا فهما ولا
یستدعی الفهم الا الحیاة والانسان لا یفهم

کو سخت عذاب نے گھیر لیا وہ آگ ہے جس پر صبح و شام ان
کو پیش کیا جاتا ہے اور عذاب قبر ممکن بھی ہے لہٰذا اس کی تصدیق
واجب ہے اور امکان کی وجہ ظاہر ہے، معتزلہ نے اس کا اس لئے
انکار کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم میت کو عیاناً دیکھتے ہیں لہٰذا اس
کو کوئی عذاب نہیں ہوتا اور بعض اوقات میت کو درندے چیر
پھاڑ کر کھا جاتے ہیں، لیکن یہ ان کا محض بہانا اور غلط نظریہ ہے
کیونکہ مشاہدہ تو ظاہری جسم کا ہوتا ہے اور عذاب کا ادراک
کرنے والی جزء دل یا باطن میں ہوتی ہے کچھ بھی ہو عذاب
سے یہ لازم نہیں آتا کہ ظاہری بدن پر بھی حرکت ہو بلکہ سونے
والے شخص کے ظاہری جسم کو دیکھنے والا شخص اس لذت کا
مشاہدہ نہیں کر سکتا جس کا احساس خوابیدہ کو احتلام کے
وقت ہوتا ہے اور اس درد کا ادراک بھی بیدار شخص نہیں کر
سکتا جس کا سونے والا مار پٹائی کے تخیل سے احساس کرتا ہے
اگر سونے والا شخص بیدار ہونے کے بعد اپنی تکالیف اور
لذات کے وہ مشاہدات جو اس پر گذرے ہیں کسی ایسے
شخص کو بتلائے جو نیند کے اس ماجرا سے ناآشنا ہے تو
وہ یقیناً اس کا فٹ انکار کر دیگا کیونکہ وہ تو ظاہر اس کے سکون
جسم سے دھوکہ کھا جائیگا جیسا کہ معتزلہ نے اپنے مشاہدہ کی بنا
پر عذاب قبر کا انکار کر دیا ہے رہا وہ شخص جس کو درندے
کھا گئے ہوں تو اس باب میں جو آخری بات کہی جاسکتی
ہے وہ یہ ہے کہ درندے کا پیٹ اس کے لیے قبر ہو
جائے گا سو ایسی جزء کی طرف اعادہ حیواۃ جس سے ادراک
عذاب ہو سکے بالکل ممکن ہے کیونکہ درد میں مبتلا ہر

بجميع بدنه بل بجزء من باطن قلبه واحياء جزء يفهم السؤال ويجيب ممكن مقدور عليه اهـ (الاقتصاد في الاعتقاد ص ۹۱ طبع قاهره)

شخص تمام بدن سے درد کا ادراک نہیں کیا کرتا اسی طرح منکر نکیر کا سوال بھی حق ہے اور اس کی تصدیق واجب ہے کیونکہ نکیرین کا سوال صرف اس بات کو چاہتا ہے کہ وہ آواز سے یا بغیر آواز کے اس کو مفہوم سمجھا دیں اور وہ اس کو سمجھ لے اور فہم وعلم صرف حیات کو چاہتا ہے اور انسان تمام بدن سے نہیں سمجھتا بلکہ دل کے اندر ایک جزء سے سمجھا کرتا ہے اور ایسی جزء کا زندہ کر دینا جس سے وہ سوال سمجھے اور جواب دے سکے ممکن اور داخل تحت القدرت ہے۔

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل روشن اور بے غبار ہے مزید تشریح کی حاجت نہیں۔

علامہ مسعود بن عمرؒ سعد الدین تفتازانی الشافعیؒ (المتوفی ۷۹۲ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

ويجوز ان يخلق الله تعالى في جميع الاجزاء او في بعضها نوعا من الحيوٰة قدر ما يدرك الم العذاب ولذة التنعيم وهذا لا يستلزم اعادة الروح الى بدنه ولا ان يتحرك ويضطرب اهـ (شرح عقائد ص [illegible])

اور جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے تمام اجزاء میں یا بعض میں ایک گونہ حیات پیدا کر دے جس سے وہ عذاب کا درد اور خوشی کی لذت کا ادراک کر سکے اور یہ اس کو مستلزم نہیں کہ (مکمل طور پر) روح اس کے بدن کی طرف لوٹائی جائے اور نہ اس کو مستلزم ہے کہ وہ حرکت و اضطراب اور جنبش بھی کرے۔

اس عبارت میں علامہ موصوفؒ نے اصولی طور پر دو امر ذکر کیے ہیں، اوّل یہ کہ قبر میں میت کے تمام یا بعض اجزاء میں ایک گونہ حیات پیدا کی جاتی ہے جس سے وہ قبر میں عذاب کا دکھ اور خوشی و راحت کا سکھ ادراک کر سکتی ہے اور سوال قبر اور عذاب و راحت کے لیے اتنی ہی حیات کافی ہے اور ایسی حیات جائز اور ممکن ہے اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے اور دوسرا یہ کہ میت میں کامل اور پوری حیات ہو جس طرح دنیا میں تھی یا قیامت کو ہوگی اور جس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ آدمی اُٹھتا بیٹھتا، نقل و حرکت اور جنبش کرتا اور اختیاری افعال کرتا نظر آتا ہو، علامہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی کامل اور مطلق حیات قبر میں نہیں ہوتی اور معتزلہ وغیرہ کا شبہ بھی یہی تھا کہ اگر اس میں حیات ہے تو پھر اس کے آثار کیوں نظر نہیں آتے؟ اسی شبہ کا ازالہ علامہ موصوفؒ

نے کر دیا کہ یہ حیات قبر میں نہیں تاکہ تمہیں اس کے آثار اور علامات نظر آسکیں۔ علاوہ ازیں اگرچہ علامہ موصوفؒ کا معتزلہ کے جواب میں یہ ارشاد ایک حد تک کافی ہے، جس میں انہوں نے جسم کے تعلق سے ایک گونہ حیات تسلیم کی ہے لیکن علامہ عبدالعزیزؒ فرہاروی اس پر بھی مطمئن نہیں ہیں چنانچہ وہ علامہ تفتازانیؒ کے اس قول و ارشاد ولهذا لا يستلزم اعادة الروح فی البدن الخ پر گرفت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وعندی فی هذا الجواب بحث وهو ان الاحاديث الصحيحة ناطقة بان الروح يعاد فی الجسد عند السؤال فالجواب بانكار الاعادة غير موجه اھ (نبراس ص۲۲۳)

میرے نزدیک اس جواب میں کلام ہے وہ یہ کہ صحیح حدیثیں صراحت سے دلالت کرتی ہیں کہ سوال کے وقت روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے تو پھر روح کے لوٹائے جانے کا انکار کر کے جواب کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

مطلب صاف ہے کہ علامہ تفتازانیؒ کا اعادۂ روح فی البدن کا انکار کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ صحیح احادیث کے خلاف ہے پھر اسی پر بحث کرتے ہوئے علامہ فرہارویؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وحاصل الجواب ان الحيوٰة للميت ليست كحيوٰة غيره باعادة الروح فی الجسد اعادة كاملة اھ (ص۲۲۳)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ میت کی زندگی دوسروں کی زندگی کی طرح نہیں ہوتی کہ اس کے بدن میں روح پوری طرح لوٹائی جائے۔

یعنی بایں طور کہ روح بدن میں تدبیر و تصرف کرے اور حسی طور پر بدن خوراک، پانی اور لباس وغیرہ کا محتاج ہو جیسا کہ دنیا میں تھا روح کا بدن کی طرف اس طور پر اعادہ نہیں ہوتا اور پہلے حافظ ابن القیمؒ وغیرہ کی عبارتوں میں اس کی مزید تشریح گذر چکی ہے۔

علامہ شمس الدین الخیالیؒ معتزلہ وغیرہ کے اس سوال کا کہ میت کو جب درندے کھا چکے ہوں اور اس کے اجزاء ہی متفرق ہو چکے ہوں تو عذاب کیسے ہو سکتا ہے؟ جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

واما تعذيب المأكول بخلق نوع من الحيوٰة فی بعض الاجزاء الاصلية الباقية وان تفرقت فی الجوف وفی خلال البدن فانها تتألم وتتلذذ بلا شعورنا انتهى (الخيالی ص۱۱۱)

بہرحال جب میت کو کوئی جانور کھا گیا ہو اس کو بایں طور سزا دینا کہ کھانے والے کے پیٹ میں ایک گونہ حیات اس میں پیدا کر دی جائے اس کا روشن امکان ہے جس طرح کہ ہمارے پیٹ اور بدن کے (زخم کے) درمیان کوئی کیڑا ہوتا ہے اس کو تکلیف بھی ہوتی ہے اور لذت بھی

مگر ہمیں بالکل شعور نہیں ہوتا۔

اگر عذاب صرف بدن کو ہوتا تو اس میں تعلق نوع من الحیوٰۃ ایک گونہ حیات تسلیم کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اسی طرح اگر محض روح کو عذاب ہوتا جیسے کہ ابن حزمؒ اور ابن میسرہؒ وغیرہ کا خیال ہے تو میت کو کھا جانے والے کے پیٹ میں کھائے ہوئے اجزاء میں ایک گونہ حیات ثابت کرنے کی حاجت بھی باقی نہ رہتی اور اگر صرف بدن مثالی کو عذاب ہوتا ہے تو وہ کھانے والے کے پیٹ میں نہیں جاتا اس کے پیٹ میں جس بدن کے اجزاء جاتے ہیں وہ تو جسد عنصری کے اجزاء ہیں عقلمند اور منصف مزاج آدمی کے لیے یہ بات بالکل کافی ہوگی کہ یہ اکابر اجزاء بدن کی حیات اور ان کے معذب ہونے کے لیے امکان بعید کو بھی نہیں چھوڑتے پھر کیا وجہ ہے کہ اگر سزا اور خوشی صرف بدن مثالی کو ہوتی ہے تو اس کا ذکر کیوں نہیں کرتے؟ کتب عقائد و فقہ کی تمام کتابوں کو چھان ڈالئے ایک حوالہ بھی جمہور اہل سنت کے طریق سے ایسا نہیں ملے گا جس سے یہ ثابت ہو کہ قبر میں سوال یا عذاب و آرام صرف بدن مثالی کو ہوتا ہے اگر یہ بات ان کے نزدیک کچھ بھی وزن رکھتی تو کم از کم احتمال ہی کے درجہ میں وہ اس کا ذکر کر دیتے یہ یاد رہے کہ علامہ خیالیؒ نے مسئلہ کو ذہن نشین کرنے کے لیے یہ ایک مثال دی ہے ملا احمد جُنیدؒ کا اس کو قیاس بنا کر یہ ارشاد فرمانا کہ یہ قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ کیڑا جزو بدن نہیں ہوتا بلکہ اس سے ملابس ہوتا ہے (حاشیہ شرح عقائد مصری ص۱۱ بحوالہ ندائے حق ص۱۲) صحیح نہیں ہے کیونکہ علماء عقائد نے تصریح کی ہے کہ بدن کے جو اجزاء کھانے والے کے پیٹ میں جاتے ہیں اور پھر وہ اجزاء بدن بنتے ہیں وہ زائد اور فالتو اجزاء ہوتے ہیں اجزاء اصلیہ نہیں ہوتے چنانچہ علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں والاجزاء الماکولۃ فضلۃ فی الاکل لا اصلیۃ (شرح عقائد ص۹) یعنی جو اجزاء کھائے جاتے ہیں اور کھانے والے کے پیٹ میں پہنچتے ہیں وہ زائد اور فالتو اجزاء ہیں (مثلاً گوشت اور چربی وغیرہ) اصلی اجزاء نہیں ہوتے۔ اور جن اجزاء کا قیامت کے دن اعادہ ہوگا یا جن اجزاء کے ساتھ قبر اور برزخ میں روح کا تعلق قائم کیا جاتا ہے وہ اجزاء اصلیہ ہیں گو وہ ذرہ ذرہ ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ علاوہ ازیں جو پروردگار راکھ کے ذرات کو جمع کر کے ان سے انسان بنا کر اس سے سوال کر سکتا ہے وہ اپنی قدرت کاملہ سے کھائے ہوئے تمام اجزاء کو بھی جمع کر کے ان سے انسان بنا سکتا ہے صرف مضبوط ایمان اور پختہ عقیدہ کی ضرورت ہے معتزلہ کے شکوک سے ہی آدمی لیس نہ ہو۔ چنانچہ مؤلف ندائے حق ص۱۶۲ میں مولانا عبدالحق صاحب حقانیؒ کی کتاب عقائد الاسلام کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ انسان کے اجزاء اصلیہ وہی ذرات ہیں جو حضرت

آدم علیہ السلام کی پشت سے عہد لینے کے لیے نکالے گئے تھے ... پس روح کا تعلق بعد از مرگ انہی اجزاء اصلیہ اور ذرات کے ساتھ ہے انتہیٰ بلفظہٖ لیکن یہ اجزاء و نفس ناطقہ نسمہ نہیں کہلاتے جیسا کہ مولف ندائے حق کا صلا میں یہ وہم ہے نسمہ کے معنی روح کے ہیں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں اَلنَّسَمَۃُ بفتحات الروح (المسوی ج ۲ صلا) خیال کے مشہور محشی علامہ ایوبیؒ اس مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

واعلم ان المذاهب فی هذا المقام ثلاثة	تو جان کہ مذاہب اس مقام میں تین ہیں پہلا مذہب
الاول المیت حی فی قبرہ فیعذب وهذا هو	اہل سنت اور اہل حق کا ہے وہ یہ کہ میت کو قبر میں حیات
مذهب اهل السنة والحق والثانی انه جماد	حاصل ہوتی ہے جس سے اس کو عذاب ہوتا ہے دوسرا
لا یعذب ولا یدرك العذاب وهذا هو	جمہور معتزلہ اور روافض کا مذہب ہے وہ یہ کہ میت
مذهب جمهور المعتزلة والروافض والثالث	بالکل جماد ہوتی ہے نہ تو اس کو عذاب ہوتا ہے اور نہ
انه جماد یعذب وهذا مذهب الصالحية	ادراک عذاب اور تیسرا مذہب معتزلہ کے صالحیہ فرقہ اور
من المعتزلة ومذهب ابن جریر (صلا)	ابن جریر (کرامی) کا ہے وہ یہ کہ میت میں روح بالکل نہیں
	ہوتی اور معہذا اس کو عذاب ہوتا ہے۔

یہ عبارت بھی بالکل صاف اور بے غبار ہے علمی طور پر اس میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔

مولانا عبدالحکیم بن شمس الدین سیالکوٹیؒ (المتوفی سنہ ۱۰۶۷ھ) جو اپنے وقت کے متبحر محقق اور نکتہ رس عالم تھے، قبر میں حیات کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ :-

لا یخفیٰ علیك ان لیس المراد بالحی هٰهنا ما	یہ بات تجھ پر مخفی نہ ہے کہ زندہ سے مراد اس مقام پر وہ
یعاد فیه الروح ویصدر عنه الافعال الاختیاریة	زندہ نہیں جس میں (بکمالہ) روح داخل ہو اور اس سے اختیاری
بل ما یدرك الالم واللذة فاذا خلق الله فیها	طور پر افعال سرزد ہوں بلکہ ایسا زندہ مراد ہے جو دکھ
ادراکا یکون سببا لادراك الالم واللذة	اور لذت کا ادراک کر سکے جب اللہ تعالیٰ اس میں ایسا
یکون حیا لا جمادا اھ	ادراک پیدا کر دے جو دکھ اور لذت کے احساس کرنے کا سبب
(عبدالحکیم علی الخیالی صلا)	بن جائے تو وہ زندہ ہوگا نہ کہ جماد۔

مولانا سیالکوٹیؒ نے بھی وہی کچھ ارشاد فرمایا جو دیگر علماء عقائد اور متکلمین کہتے ہیں کہ عذاب اور آرام کا تعلق بدن مادی اور عنصری کے ساتھ ہے اور وہ بھی حیات کے بعد نہ بایں طور کہ وہ جماد کا جماد رہے اور

اس میں سرے سے حیات ہی نہ ہو واں یہ بات جداہے کہ زندہ سے اس مقام پر وہ زندہ مراد نہیں جس میں سو فیصدی روح داخل ہو اور اس سے اختیاری طور پر افعال صادر ہوں کہ دوسرے لوگ بھی ان کا احساس کر سکیں جیسا کہ دنیا میں تھا یا قیامت کو ہوگا بلکہ زندہ سے اس مقام پر وہ زندہ مراد ہے جس میں ایسا ادراک و شعور پیدا کر دیا جائے جس سے اس کو عذاب و آرام اور الم و لذت کا ادراک اور احساس ہو سکے جب یہ کیفیت اس میں متحقق ہو جائے تو وہ زندہ کہلائے گا نہ کہ جماد۔

مولانا عبدالعزیز فرہاروی لکھتے ہیں کہ:۔

یکون حینئذ حیا لا جمادًا محضًا ولیس الحیوٰۃ منحصرۃ فیمن یفعل الافعال الاختیاریۃ۔ (نبراس ص۳۲۱)

کہ اس وقت (روح کے تعلق سے) وہ زندہ ہوگا نہ کہ جمادِ محض اور حیات اسی میں منحصر نہیں ہے کہ اس سے افعال اختیاریہ صادر ہوں۔

یعنی حیات فی القبر کے لیے افعال اختیاریہ کا سرزد ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ اس جہان کی زندگی میں وہ اس سے صادر ہوتے تھے۔

علم کلام کے مشہور محقق عالم علامہ ابو شکور السالمی (محمد بن عبدالسعید بن شعیب الکشی) عذاب قبر کی تحقیق کرتے ہوئے باطل فرقوں کو جواب دیتے ہوئے اثناء کلام میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ:۔

فاذا کان الروح متصلا بالشخص سواء کان عظمًا اولحمًا اوترابا فانہ یتألم اھ (تمہید ص۱۲۵ طبع لاہور)

جب روح کا بدن سے تعلق ثابت ہے تو بدن کو الم اور دکھ پہنچے گا عام اس سے کہ بدن ہڈی یا گوشت یا مٹی ہو جائے۔

اس عبارت میں بھی بدن مادی اور عنصری کو نظر انداز نہیں کیا گیا بلکہ اس کو مدار کلام بنایا ہے۔

عالم ربانی محقق جلال الدین الدوانی (المتوفی ۹۲۸ھ) عذاب قبر کی بحث میں لکھتے ہیں کہ:۔

واختلف الناس فی عذاب ثم اختلف ہؤلاء فمنہم من اثبت التعذیب وانکر الاحیاء وھو خلاف العقل وبعضہم لم یثبت التعذیب بالفعل بل قال تجمع الآلام فی جسدہ فاذا حشر احس بہا دفعۃ وھذا انکار لعذاب القبر

عذاب قبر کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے ایک قوم نے عذاب قبر کا کلیتہً انکار کیا ہے (یہ لوگ ملحد ہیں عبدالحکیم علی الدوانی ص۹۳) اور دوسرے عذاب قبر کو تسلیم کرتے ہیں پھر ان میں بھی اختلاف ہے ان میں ایک فرقہ کہتا ہے کہ عذاب تو ثابت ہے لیکن مردہ کو زندہ نہیں کیا جاتا لیکن یہ قول

بالحقيقة ومنهم من قال باحيائه لكن من
غير اعادة الروح ومنهم من قال بالاحياء
واعادة الروح معًا ولا يلزم ان يرى اثر
الحيوٰة فيه حتى ان الماكول فى بطن الحيوانات
يحيى ويسئل وينعم ويعذب ولا ينبغى
ان ينكر لان من اخفى النار فى الشجر الاخضر
قادر على اخفاء العذاب والنعيم اه
(الدوانى على العقائد العضدية ص۹۳ طبع علیمی دہلی)

خلافِ عقل ہے اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ فی الحال مُردہ کو عذاب نہیں ہوتا بلکہ تمام تکالیف کو اس کے جسم میں جمع کر دیا جاتا ہے جب قیامت کے دن اس کو اٹھایا جائے گا تو اس وقت تمام تکالیف کا اس کو احساس ہوگا درحقیقت اس قول میں بھی عذابِ قبر کا انکار ہے اور تیسرا گروہ کہتا ہے کہ اس کو زندہ کیا جاتا ہے مگر (بکمالہ) روح اس میں نہیں لوٹائی جاتی اور چوتھا گروہ کہتا ہے کہ اس کو زندہ کیا جاتا ہے اور روح اس کی طرف لوٹائی جاتی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زندگی کا اثر اس میں دیکھا جا سکے یہاں تک کہ جس مُردہ کو حیوان کھا جائیں تو اس کو ان حیوانوں کے پیٹ میں زندہ کیا جاتا ہے اور اس سے سوال ہوتا ہے اور اس کو راحت و تکلیف دی جاتی ہے اور اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں جو ذات سبز درخت میں آگ کو مخفی رکھ سکتی ہے، اس کو عذاب و راحت کو (مخلوق سے) چھپانے پر بھی قدرت ہے۔

محقق دوانیؒ نے اس عبارت میں عذابِ قبر تسلیم کرنے والوں کے چار فرقے اور گروہ ذکر فرمائے ہیں، ایک کو تو خلافِ عقل کہہ کر رد کر دیا ہے اور دوسرے گروہ کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ یہ گروہ عذابِ قبر کو تسلیم کرنے کے دعوے کے باوجود درحقیقت عذابِ قبر کا منکر ہے اور تیسرے اور چوتھے گروہ کے مسلک کو نقل کر کے ان پر کوئی گرفت نہیں کی بلکہ چوتھے گروہ کی طرف سے دلیل بھی پیش کر دی ہے اور بظاہر محقق دوانیؒ اسی مسلک کے قائل معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ اہلِ علم اسلوبِ کلام سے بخوبی یہ سمجھ سکتے ہیں۔ رہا تیسرا گروہ تو اس کو بھی وہ حق پر سمجھتے ہیں اس گروہ کا مسلک یہ ہے کہ مُردہ کو قبر میں زندہ تو کیا جاتا ہے مگر روح کا بکمالہ اعادہ اس کی طرف نہیں ہوتا بلکہ اسی حد تک ہوتا ہے جس سے اس کو الم و عذاب اور لذت و سرور اور جواب و سوال کا ادراک شعور اور احساس ہو سکے چنانچہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

قوله من غير اعادة الروح بل قدر ما يدرك

یعنی ان کے قول من غیر اعادہ الروح کا یہ مطلب

الالم واللذة والجواب والسوال انتہیٰ

(عبد الحکیم ص۹۳ علی الدوانی)

ہے کہ اس قدر روح کا تعلق اس سے قائم کیا جاتا ہے جس سے وہ الم ولذت اور جواب وسوال کا ادراک کر سکے۔

حضرت امام غزالیؒ اپنی مشہور متداول اور مفید کتاب احیاء العلوم میں موت کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

ولا یبعد ان تعاد الروح الی الجسد فی القبر ولا یبعد ان تؤخر الی یوم البعث والله اعلم بما حکم به علی عبد من عباده وانما تعطل الجسد بالموت یضاهی تعطل اعضاء الزمن لفساد مزاج یقع فیه وبسدة تقع فی الاعصاب تمنع نفوذ الروح فیہا فتکون الروح العالمة العاقلة المدرکة باقیة مستعملة لبعض الاعضاء وقد استعصی علیها بعضها اھ

(احیاء العلوم جلد۴ ص۴۰۹ طبع مصر)

اور اس میں کوئی بُعد نہیں کہ قبر میں جسم کی طرف (فی الجملہ) روح لوٹائی جائے اور اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ (بکمالہ) جسم کی طرف روح کے لوٹانے کو قیامت تک مؤخر کیا جائے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر کوئی حکم نافذ کرتا ہے تو اس کو وہ بخوبی جانتا ہے موت کی وجہ سے جسم کے معطل ہونے کی ایسی مثال ہے جیسے فساد مزاج یا اعصاب میں سُدّہ آجانے کی وجہ سے اعضاء مفلوج اور شل ہو جاتے ہیں اور دوران خون اور نفوذ روح میں رکاوٹ آجاتی ہے حالانکہ روح جو علم وعقل اور ادراک سے متصف ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے بعض اعضاء اس کے تصرف میں ہوتے ہیں اور بعض شل ہونے کی وجہ سے اس کا اثر قبول نہیں کرتے۔

یعنی جس طرح مفلوج اور شل اعضاء بظاہر دوسرے اعضاء کی بہ نسبت بے حس وحرکت معلوم ہوتے اور سوکھے اور پتلے نظر آتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ کلیتہً روح کا تعلق ہی ان سے منقطع ہو جاتا ہے، ہاں یہ بھی درست ہے کہ جس طرح روح کا تعلق دیگر اعضاء صحیحہ سے ہوتا ہے وہ فالج زدہ اور شل اعضاء سے نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ روح باوجود مکمل کوشش کے مفلوج اعضاء میں پورا اثر نہیں کر سکتی بس اسی طرح موت کے بعد جسم کی مثال ہے کہ روح کا جسم سے ایک گونہ تعلق ہوتا ہے لیکن یہ تعلق دنیوی تعلق سے الگ اور حس سے بالاتر ہے۔

اور حافظ بدر الدین العینی الحنفیؒ لکھتے ہیں:-

ومن يعذب فى القبر توضع فيه الحيٰوة على الصحيح وان اختلفوا فى كيفيتها اھ

(عینی شرح کنز ص ۱۶۳)

اور جس شخص کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے صحیح مذہب کے رو سے اس میں زندگی رکھی جاتی ہے اگرچہ اس زندگی کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے۔

علامہ نیشاپوریؒ (المتوفی سـ ـــہ) شہداء کی حیات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

ثم ان اكثر المفسرين على انهم احياء فى الحال فمن الجائز ان يجمع الله تعالى من اجزاء الشهيد جملة فيحييها ويوصل اليها التنعيم وان كانت فى حجم الذرة فيرى معظم جسد الشهيد ميتا فلا يحس بحياته اھ

(تفسیر نیشاپوری بہامش طبری ج ۲ ص ۲ طبع مصر)

اکثر مفسرین کرامؒ اس کے قائل ہیں کہ شہداء فی الحال زندہ ہیں تو یہ امر بالکل ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ شہید کے جسم کے اجزاء کا ایک حصہ جمع کر کے اس میں حیات ڈال دے اور اس کو راحت پہنچائے اگرچہ وہ حصہ ذرہ برابر ہو اور شہید کا باقی تمام جسم مردہ نظر آئے اور اس کی حیات کا احساس نہ ہو سکے۔

اس عبارت میں بھی یہ حقیقت واشگاف کی گئی ہے کہ قبر و برزخ میں حیات کا یہ مطلب نہیں کہ دیکھنے والوں کو اس حیات کا احساس ہو اور نہ یہ مطلب ہے کہ بقدر ضرورت حیات کے لیے جسم مادی سے قطع نظر درست ہے، اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ شہید کے مادی اور عنصری جسم کے اعضاء سے ایک ایسا حصہ جمع کر دے جس میں ایک گونہ حیات پیدا کر دے چاہے وہ حصہ ذرہ بھر ہی کیوں نہ ہو اور راحت و نعمت کا تعلق اس سے وابستہ کر دیا جائے۔ اور امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۷۱۰ھ) اپنی فقہ کی مشہور کتاب الکافی شرح الوافی میں عذاب قبر کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

فانه ثابت عند اهل السنة وان اختلفوا فيما بينهم فقال بعضهم نؤمن باصل العذاب ونسكت عن الكيفية لان الواجب علينا تصديق ما ورد به السنة المستفيضة وهو التعذيب بعد الموت فنؤمن به ولا نشتغل بكيفيته و عند العامة توضع فيه الحيوٰة بقدر ما يتألم لا الحيوٰة المطلقة وقيل توضع فيه الحيوٰة

عذاب قبر اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے اگرچہ (اس کی کیفیت کے بارے میں ان کا) آپس میں اختلاف ہے بعض یوں کہتے ہیں کہ ہم نفس عذاب کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کی کیفیت سے خاموشی اختیار کرتے ہیں کیونکہ ہم پر واجب ہے کہ ہم سنت مشہورہ سے جو چیز ثابت ہے اس کی تصدیق کریں اور وہ مرنے کے بعد عذاب ہے سو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی کیفیت کے درپے نہیں ہوتے

من كل الوجه اه

(بحوالہ مائۃ مسائل ص۴۲)

اور اکثر کے نزدیک میت میں اس انداز کی حیات ڈالی جاتی ہے جس سے اس کو سزا کا ادراک ہو سکے کامل حیوۃ اس میں نہیں ہوتی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں من کل الوجہ زندگی ڈالی جاتی ہے ۔

مشہور حنفی فقیہ علامہ محمد بن عابدین الشامیؒ (المتوفی سنہ ۱۲۵۲ھ) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ولا يرد تعذيب الميّت في قبره لانه توضع فيه الحيوٰة عند العامة بقدر ما يحس بالالم والبنية ليست بشرط عند اهل السنّة بل تجعل الحيوٰة في تلك الاجزاء المتفرقة لا يدركها البصر اه

(شامی جلد ۳ ص۲۰۱ طبع مصر)

اور یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ میت اور بے جان کو قبر میں سزا کیسے دی جاتی ہے ؟ کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک اس میں اس قدر حیات ڈالی جاتی ہے جس سے وہ تکلیف کا احساس کر سکتی ہے اور ڈھانچے کا باقی رہنا اہل سنت کے نزدیک شرط نہیں ہے بلکہ یہ حیات ایسے اجزاء متفرقہ میں پیدا کی جاتی ہے جن کو نگاہ محسوس نہیں کر سکتی ۔

یعنی حیات کا تعلق ان اجزاء سے قائم کیا جاتا ہے جو مادی اور عنصری جسم سے وابستہ ہوتے ہیں اگرچہ وہ اجزاء پریشان ہی کیوں نہ ہوں اور نگاہ بھی ان پر نہ پڑ سکے ۔

بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (المتوفی سنہ ۱۲۲۵ھ) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

فان قيل بعض الاحاديث الصحاح تدل على ان ارواح المؤمنين حتى الانبياء وارواح الكفار كلها في القبور كما ورد في حديث البراءؓ الطويل يقول الله تعالى في حق المؤمن اكتبوا كتاب عبدي في عليين واعيدوه الى الارض فاني منها خلقتهم وفيها اعيدهم ومنها اخرجهم تارة اخرى فيعاد روحه في جسده وكذا

پس اگر یہ کہا جائے کہ بعض صحیح حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مومنوں کی روحیں بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی اور کفار کی جملہ روحیں قبور میں ہوتی ہیں جیسا کہ حضرت براءؓ کی طویل حدیث میں آتا ہے اللہ تعالیٰ مومن کے حق میں فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا نامۂ عمل علیین میں لکھ دو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے انکو زمین ہی سے پیدا کیا ہے اور اسی

قال في الكافر يعاد روحه في قبره قال ابن عبد البرؒ هذا اصح ما قيل و قد رأى النبي صلى الله عليه وسلم موسى عليه السلام في قبره يصلي ليلة اسري به وانه صلى الله عليه وسلم قال من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي غائبا بلغته فكيف التطبيق قلنا وجه التطبيق ان مقر ارواح المومنين في عليين او في السماء السابعة ونحو ذلك كما مر ومقر ارواح الكفار في سجين ومع ذلك لكل روح منها اتصال بجسده في قبره لا يدرك كنهه الا الله تعالى وبذلك الاتصال يصح ان يعرض على الانسان المجموع المركب من الجسد والروح مقعده من الجنة او النار ويحس اللذة او الالم ويسمع سلام الزائر ويجيب المنكر والنكير و نحو ذلك مما ثبت بالكتاب والسنة كما ان جبرائيل عليه السلام مع كون مستقره من السموات كان يدنو من النبي صلى الله عليه وسلم حتى يضع يديه على فخذيه قال الشعبي في بحر الكلام هي متصلة باجسادها فتعذب الارواح ويتألم الاجساد منها كالشمس في السماء ونورها في الارض والله تعالى اعلم (تفسیر مظہری جلد ۱۰ صـ۱۲۴ و صـ۱۲۵)

میں ان کو لوٹا دیگا اور اسی سے انکو دوبارہ نکالونگا۔ پس روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اسی طرح کافر کے بارے میں فرمایا کہ اس کی روح قبر میں لوٹائی جاتی ہے ....

امام ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب سے زیادہ صحیح بات ہے جو کہی گئی ہے اور معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور آپ نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر غائبانہ درود پڑھتا ہے تو وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے تو ان مختلف احادیث میں تطبیق کیسے ہوگی؟ ہم کہتے ہیں کہ اس طرح پہ ہے کہ مومنوں کی ارواح کا مستقر علیین یا ساتواں آسمان اور اس کی مانند کوئی اور جگہ ہے جیسا کہ گذر چکا ہے اور کفار کی ارواح کا ٹھکانا سجین ہے لیکن باایں ہمہ ہر روح کا جسم کے ساتھ قبر میں تعلق ہے۔ جس کی حقیقت بجز پروردگار کے کوئی نہیں جانتا اور اس اتصال کی وجہ سے صحیح ہے کہ انسان پر جو جسم و روح دونوں کے مجموعہ اور مرکب کا نام ہے اس کا ٹھکانہ جنت یا دوزخ کا پیش کیا جائے اور وہ لذت یا دکھ محسوس کرے اور زیارت کرنے والے کا سلام سنے اور منکر و نکیر کو جواب دے اور اسی کی مانند اور امور جن کا کتاب و سنت سے ثبوت ہو چکا ہے جس طرح کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا مستقر آسمانوں میں ہے اور معہذا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے قریب ہو جاتے تھے حتیٰ کہ اپنے دونوں ہاتھ آپ کی رانوں

پہ رکھتے تھے امام شعبیؒ (اپنی کتاب) بحر الکلام میں فرماتے
ہیں کہ ارواح اجسام کے ساتھ متصل ہوتی ہیں سو انکو
عذاب دیا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے اجسام بھی درد
محسوس کرتے ہیں جس طرح کہ سورج آسمان پر ہے اور اس
کی روشنی زمین پر پڑتی ہے واللہ اعلم۔

حضرت قاضی صاحبؒ کی یہ عبارت بڑی واضح اور ہر لحاظ سے معنی خیز ہے اس کی مزید تشریح و تفسیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس عبارت سے ان مختلف احادیث کی آپس میں تطبیق ہو جاتی ہے جن میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے اور غیر بالغ نظریں ان کے جمع کرنے میں ٹھوکریں کھاتی ہیں مثلاً ایک آپ نے اسی پیش نظر کتاب میں باحوالہ محدثین کرامؒ کی تصحیح کے ساتھ پڑھی ہے کہ قبر میں جسم کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے۔ (فتعاد الروح فی جسدہ) اور دوسری طرف یہ حدیثیں بھی صحیح ہیں کہ شہیدوں اور مومنوں کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں مثلاً ایک حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ (المتوفی ۳۲ھ) سے یوں آتی ہے کہ کچھ لوگوں نے ان سے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا الآیۃ کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ:۔

انا قد سالنا عن ذلك فقال ارواحهم فی جوف طیر خضر لها قنادیل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حیث شاءت (الحدیث) (مسلم جلد ۲ ص۱۳۵)

ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹ میں چلی جاتی ہیں اور ان کے لیے عرش پہ قندیلیں لٹکی رہتی ہیں اور وہ جنت میں جہاں چاہیں چلتی پھرتی ہیں۔

سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹ ان کے لیے سواری اور مرکب ہوتے ہیں جیسے دنیا میں لوگ ہوائی جہاز اور کار وغیرہ کے اندر داخل ہو کر سفر کرتے ہیں تناسخ پر اس سے استدلال کرنا جیسا کہ بعض زائغین نے کیا ہے قطعاً باطل ہے۔ اور اسی طرح ان سواریوں کو ابدان مثالیہ قرار دینا جیسا کہ مؤلف اقامۃ البرہان نے ص۹۹ میں کیا ہے باطل ہے اور اس کے بطلان کے لیے علماء متکلمین اور حضرات فقہاء کرامؒ کے دو صریح حوالے کافی ہیں جن سے جسد عنصری کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

اور ایک حدیث حضرت کعبؓ بن مالک (المتوفی ۵۰ھ) کی ہے:۔

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال نسمۃ المؤمن طیر یعلق فی شجرۃ الجنۃ حتیٰ یرجعہ اللّٰہ الی جسدہ یوم یبعثہ۔

(مسند احمد ج ۳ ص۴۵۵ وسنن ابن ماجہ ص۳۱۳ موطا امام مالک ص۲۴۰ واللفظ لہ وموارد الظمآن ص۱۸۶)

آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی روح پرندوں کی طرح اڑتے ہوئے جنت کے درختوں سے کھاتی ہے یہاں تک کہ اللّٰہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے جسم کی طرف اس کو لوٹائے۔

لفظ نسمہ جسم اور روح دونوں پر اور اسی طرح روح ہوائی پر اور صرف تنہا روح پر بھی بولا جاتا ہے چنانچہ مجمع البحار ص۱۶۵ میں ہے وعلی الروح المفردۃ بحوالہ مذاکرہ حق (ص۳۸) اور حضرت شاہ ولی اللّٰہ صاحبؒ نے بھی نسمہ کے معنی روح کے کئے ہیں چنانچہ اس کتاب میں دوسری جگہ ان کا حوالہ مذکور ہے اور خود مؤلف مذاکرہ حق ص۴۲ میں لکھتے ہیں کہ عموماً نسمہ کے معنی روح کے کئے جاتے ہیں الخ چونکہ اس حدیث میں جسد کا لفظ مستقل طور پر موجود ہے اس تقابل کے لحاظ سے یہاں نسمہ کے معنی روح ہی زیادہ مناسب ہیں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ وغیرہ نے نسمہ کے جو اور معنی بیان کیے ہیں اپنے مقام پر وہ بھی درست ہیں لیکن یہاں نسمہ سے روح ہی مراد ہے۔

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شہداء اور عام مومنوں کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں تو بظاہر ان متعارض روایات کو پیش نظر رکھ کر قاضی ثناء اللّٰہ صاحبؒ نے محدثانہ اور فقیہانہ انداز میں یہ جواب دیا کہ مومنوں کی ارواح کا مستقر جنت ہو یا علیین یا ساتواں آسمان کچھ بھی ہو مگر ان ارواح کا فی الجملہ تعلق اور اتصال قبروں میں اجساد کے ساتھ ہوتا ہے جس کی پوری کیفیت پروردگار ہی جانتا ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے لذت اور کلفت کا احساس اور ادراک ان کو ہوتا ہے اور اسی ادراک وشعور کے ساتھ وہ منکر ونکیر کے سوال کا جواب دیتے ہیں اور اسی اتصال کے سبب عند القبر سلام کہنے والے کا سلام سنتے (اور جواب دیتے) ہیں ہاں ان ارواح کا اجسام کی طرف مکمل طور پر لوٹایا جانا اور بکمالہ اعادہ قیامت کے دن ہی ہوگا اور موطا امام مالکؒ کی روایت کے آخر میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے (حتی یرجعہ اللّٰہ الی جسدہ یوم یبعثہ)

حضرت ملا علی ن القاریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

حتّٰی یرجعہ اللّٰہ فی جسدہ ای یردہ الیہ کاملاً فی بدنہ اھ (مرقات ج ۴ ص۱۲ طبع ملتان)

حتّٰی یرجعہ اللّٰہ فی بدنہ کا یہ مطلب ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ کامل طور اس کی روح اس کے بدن میں (قیامت کے دن) لوٹائیگا۔

مولانا حسین علی صاحبؒ اس حدیث کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ:۔

یعنی تجمیع جسدہ یوم یبعثہ وھو یوم القیامۃ (تحریرات حدیث صـ۲۰۹)

یعنی تمام جسد کے ساتھ روح کا تعلق اس دن ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ اس کو کھڑا کریگا اور وہ قیامت کا دن ہے۔

علامہ الشیخ سلیمان بن سحمانؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وقد تقرر ان الاموات لا یساوون الاحیاء فی وجه من الوجوه اذ الموت غیر الحیوٰة المعهودة وما ثبت لهم من الحیوٰة فهی برزخیة غیر الحیوٰة المعهودة فی الدنیا فمن اراد بها الحیوٰة المعهودة فی الدنیا التی تقوم فیها الروح بالبدن وتدبره وتصرفه ویحتاج معها الی الطعام والشراب واللباس فهذا خطاء ظاهر والحس والعقل یکذبه کما یکذبه النص واما من اراد حیوٰة اخرٰی غیر هذه الحیوٰة بل تعاد الروح الیه اعادة غیر الاعادة المألوفة فی الدنیا لیسئل ویمتحن فی قبره ویرد السلام علی المسلمین فهذا حق ونفیه خطاء وقد دل علیه النص الصحیح الصریح وهذه الحیوٰة متفاوتة فحیوٰة الانبیاء اکمل من حیوٰة الشهداء وحیوٰة الشهداء اکمل من حیوٰة غیرهم وهذه الحیوٰة حیوٰة برزخیة لا یعلم کنهها الا الله اھ (البیان المبدی لشناعة القول المجدی صـ۱۰۳ طبع امرتسر)

بلاشبہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مُردے کسی وجہ سے بھی زندوں کے مساوی نہیں ہیں کیونکہ موت معہود حیات کے غیر ہے اور جو زندگی اموات کے لیے ثابت ہے وہ برزخی حیات ہے جو معہود دنیوی زندگی کے غیر ہے سو جس شخص نے مُردوں کی زندگی سے دُنیا کی معہود زندگی مراد لی بایں طور کہ روح بدن کا قوام اس کی تدبیر اور اسمیں تصرف کرے اور اس کی وجہ سے بدن خوراک پانی اور لباس کا محتاج ہو تو یہ نظریہ بالکل غلط ہے نقل کی طرح حس وعقل بھی اس کی تکذیب کرتے ہیں اور اگر اس زندگی کے علاوہ اور زندگی مراد ہے کہ بدن کی طرف روح تو لوٹائی جائے لیکن دنیا کی معہود زندگی کی طرح اعادہ نہ ہو بلکہ محض اس لیے ہو کہ تاکہ اس سے قبر میں سوال وامتحان ہو سکے اور وہ سلام کرنے والوں کے سلام کا جواب دے سکے تو یہ حق ہے اور اس کی نفی غلط ہے اور اس پر نص صحیح اور صریح دلالت کرتی ہے اور یہ زندگی درجہ بدرجہ ہے سب سے اکمل حیات انبیاء علیہم السلام کی پھر شہداء کی اور پھر دوسروں کی ہے اور یہ زندگی برزخی ہے جس کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ

جانتا ہے

امام عبدالوہاب الشعرانی لکھتے ہیں کہ :-

وقول الجلال المحلی السابق فترد روح المعذب الی جسدہ کلہ او ما بقی منہ اشارۃ للخلاف فی ذلک فان الحلیمی یقول ترد الروح الی جسدہ کلہ وابن جریر الطبری و امام الحرمین یقولون ترد الروح الی ما بقی منہ اھ (الیواقیت والجواہر جلد ۲ ص۱۲۹ طبع مصر)

جلال الدین محلی کے سابق قول میں جس میں انہوں نے کہا ہے کہ جس شخص کو سزا دی جاتی ہے اس کے سب بدن میں یا باقی حصہ کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اس میں اختلاف ہے کیونکہ علامہ حلیمی کہتے ہیں کہ روح پورے بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور امام ابن جریر طبری اور امام الحرمین فرماتے ہیں کہ روح بدن کے اس حصہ کی طرف لوٹائی جاتی ہے جو باقی رہا ہے (اس سے معلوم ہوا کہ امام ابن جریر طبری بھی اعادۂ روح الی البدن کے قائل ہیں)

رئیس المحدثین ابن حجر ثانی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب (المتوفی ۱۳۵۲ھ) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

ثم لاہل السنۃ قولان قیل ان العذاب للروح فقط وقیل للروح والجسد والمشہور الثانی اختارہ اکثر شارحی الہدایۃ وہو المختار وان صار البدن ذرۃ ذرۃ فان الشعور لکل شئ عند جمہور الامۃ وتفرد ابن حزم الاندلسی وقال لا شعور الا للثقلین وقال الصوفیۃ العذاب للبدن المثالی اھ (العرف الشذی ص۳۵۵)

پھر اہل سنت کے دو قول ہیں ایک یہ کہ عذاب صرف روح کو ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے مشہور یہی قول ہے اور ہدایہ کے اکثر شارحین نے اسی کو اختیار کیا ہے اور (میرے نزدیک بھی) یہی مختار ہے اگرچہ بدن ذرہ ذرہ ہی کیوں نہ ہو جائے کیونکہ جمہور امت کے نزدیک شعور ہر چیز کو ہے ابن حزم اندلسی اس میں متفرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ انسانوں اور جنوں کے علاوہ کسی چیز میں شعور نہیں ہے اور صوفیاء اس کے قائل ہیں کہ عذاب بدن مثالی کو ہوتا ہے۔

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے اہل سنت کا ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ قبر میں عذاب صرف روح کو ہوتا ہے، آپ پہلے باحوالہ پڑھ چکے ہیں کہ کشتی اہل سنت پر سوار ہونے والوں میں علامہ ابن حزم اندلسیؒ اور ابن ہبیرہؒ (یا ابن ہبیرہؒ) ہی اس کے قائل ہیں اور باقی سب اہل سنت ان کا پر زور رد کرتے ہیں جیسا کہ امام

ابن تیمیہؒ علامہ ابن القیمؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کے حوالہ سے یہ عرض کیا گیا ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ اس عبارت میں اکثر شراح ہدایہ کا حوالہ دیتے ہیں کہ وہ روح اور جسم دونوں کے معذب ہونے کے قائل ہیں اور اسی کو انہوں نے اختیار کیا ہے اور یہی قول مشہور ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ خود بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں اور فرماتے ہیں وھو المختار اور فیض الباری ج ۲ ص۴۹۲ میں اسی ثانی قول کے متعلق فرماتے ہیں والاقرب عندی الثانی ۔ یعنی میرے نزدیک اقرب الی الحق یہی ثانی قول ہے۔

اور حضرت انور شاہ صاحبؒ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ:۔

ثم السوال عندی یکون بالجسد مع الروح کما اشار الیہ صاحب الھدایۃ فی الایمان اھ (فیض الباری جلد ۱ ص۱۸۵)

پھر سوال میرے نزدیک جسم سے ہوتا ہے جو روح سے متعلق ہو جیسا کہ صاحب ہدایہ نے کتاب الایمان میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

رہا حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ ارشاد ــــ تحقیق آنست کہ معنی حیات تعلق روح بہ بدن است و در قبر اصلاً تعلق روح بہ بدن نیست بلکہ بقائے شعور و ادراک روح را بعد از مفارقت از بدن تعبیر بحیات فرمودند۔ (حل مشکلات قرآن ص۱۳) یہ حوالہ ندائے حق ص۲۳۵ میں دیا گیا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ روح کا بدن سے ایسا تعلق جو بدن کی تدبیر اس کی نشو ونما اور اس میں تصرف کرے جس پر حیات کاملہ مرتب ہوتی ہے قبر میں وہ تعلق روح کا بدن سے اصلاً نہیں رہتا باقی قبر میں سوال ادراک وشعور عذاب وراحت کی حد تک روح کے جسم عنصری کے ساتھ تعلق کو وہ اقرب اور مختار فرماتے ہیں اور ہمارے خیال میں حضرت شاہ صاحبؒ کے یہ الفاظ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کے الفاظ کی نقل ہے جس کی بحث پہلے باحوالہ گذر چکی ہے۔

نیز حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

حکایۃ ۔ سمعت ببلدتی کشمیر وانا اذذاک ابن اربع سنین ان رجلین تکلما فی ان العذاب ھل یکون للجسد او للروح ؟ فاستقر رأیہما علی ان العذاب لھما ثم ضربا لہ مثلاً فقال ان مثل الجسد مع الروح کمثل اعمی واعرج ذھبا الی حدیقۃ لیجتنوا من ثمارھا فعجز الاعمی

حکایت ۔ میں چار سال کا تھا کہ میں نے اپنے علاقہ کشمیر میں دو آدمیوں کو عذاب کے بارے کلام کرتے سنا کہ کیا عذاب جسم کو ہوتا ہے یا روح کو؟ ان دونوں کی رائے اس پر ٹھہری کہ عذاب دونوں کو ہوتا ہے پھر دونوں نے اس کی مثال بیان کی وہ اس طرح کہ جسم اور روح کی ایسی ہی مثال ہے جیسے اندھا اور لنگڑا جو دونوں ایک باغ میں گئے تاکہ وہاں سے پھل چنیں

ان يراها ويعجز الاعرج ان يجنيها فتشاورا في امرهما فركب الاعرج على الاعمى فجعل الاعمى يذهب به الى الاشجار والاعرج يرى الثمار ويجنيها فهذا هو حال البدن مع الروح فان البدن بدون الروح جماد لاحراك له والروح بدون البدن معطلة عن الافعال فاحتاج احدهما الى الآخر فهما اشتركا في الكسب اشتركا في الاجر والوزر ايضا وبعد مرور خمس وثلاثين سنة رأيت في القرطبي عن ابن عباسؓ عين ما قاداه من فطرتهما فانظرها يمكن مثله من نحو ارسطو؟ كلا ثم كلا

(فيض الباري ج ۴ ص ۱۱۵)

لیکن اندھا دیکھنے سے عاجز تھا اور لنگڑا (کھڑا ہو کر) پھل چننے سے قاصر تھا، دونوں نے آپس میں اس بارے مشورہ کیا اور لنگڑا اندھے (کے کندھے) پر سوار ہوگیا اندھا اس کو درختوں کی طرف لے جاتا اور لنگڑا پھل دیکھ کر چن لیتا یہی حال ہے بدن کا روح کے ساتھ کیونکہ بدن روح کے بغیر جماد ہے اس میں کوئی حرکت نہیں اور روح بغیر بدن کے افعال سے معطل ہے اس لیے ایک کو دوسرے کی حاجت ہے جب بدن اور روح کسب میں دونوں شریک ہیں تو اجر یا گناہ میں بھی شریک ہیں پینتیس ۳۵ برس گذرنے کے بعد میں نے یہی بات حضرت ابن عباس رضی کے حوالے سے تفسیر قرطبیؒ میں دیکھی جو ان دو آدمیوں نے اپنی فطری ذوق سے کہی تھی تو دیکھئے کیا ایسی چیز ارسطاطالیس وغیرہ (یونانی حکماء) سے ممکن ہے؟ ہرگز نہیں پھر ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو غضب کی ذہانت اور حافظہ عطا فرمایا تھا گو یہ واقعہ انہوں نے چار سال کی عمر میں سنا لیکن بخاری شریف پڑھاتے وقت وہ علم کے ناپیدا کنار سمندر میں غوطہ زن تھے لہٰذا اس مبنی برحقیقت واقعہ سے پہلو تہی کرنا عقلاء کی شان کی خلاف ہے یہ واقعہ تفسیر قرطبی ج ص کے علاوہ تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۲۲۸ اور کتاب الروح ص ۲۲۷ میں بھی حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

مفتی اعظم دیوبند کا فتویٰ: حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ (المتوفی س ۱۳۴۶ھ) سے اسی سلسلہ کے چند سوالات ہوئے جن کے انہوں نے جوابات دیئے ذیل میں بعض سوال و جواب درج ہیں سوال ۳۱۲۲ زید کہتا ہے کہ مرنے کے بعد قیامت تک انسان کی روح قبر ہی میں رہتی ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ سوال ۳۱۲۳ مرنے کے بعد عذاب روح کو ہوتا ہے یا جسم کو یا دونوں کو؟

الجواب (۱) قبر میں بھی روح کا تعلق رہتا ہے اور مستقر اصلی اس کا علیین یا سجین ہے۔ (۲) عذاب روح پر مع جسم کے ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر احادیث سے ثابت ہے فقط۔

(فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل جلد پنجم ص ۲۲۶ و ص ۲۲۷ طبع دیوبند)

سوال ۲۱۹۴ مرنے کے بعد جو سوال وغیرہ ہوتے ہیں تو روح مرنے کے بعد آسمان پر چلی جاتی ہے پھر قبر میں لائی جاتی ہے یا جسم میں بند کر دی جاتی ہے؟ الجواب جسم سے روح کو تعلق رہتا ہے۔ فقط۔ (فتاوٰی دار العلوم ص۳۶۲ ج۵)

حضرت شاہ صاحبؒ اور پھر مفتی اعظمؒ کی عبارات سے جس جسم کا ثبوت ملتا ہے وہ جسم عنصری کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے جیسا کہ کسی بھی صاحب فہم و بصیرت سے یہ مخفی نہیں ہے مؤلف ندائے حق کا از ص۲۲۳ تا ص۲۳۶ متعدد عبارات (جن میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ اور حضرت نانوتویؒ کی بھی ایک عبارت ہے) نقل کر کے جو اصل مسئلہ سے غیر متعلق ہیں یہ باور کرانا یا مبتدی طالب علموں کو ورغلانا کہ قبر میں حیات جسم عنصری سے متعلق نہیں یا روح کا اس جسم سے تعلق نہیں صرف دفع الوقتی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے صاحب ہدایہ کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ یوں ہے کہ:۔

ومن یعذب فی القبر یوضع فیہ الحیوٰۃ فی قول العامۃ (ہدایہ جلد ۲ ص۴۸۴)

جس شخص کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے تو عام علماء کے قول کے مطابق اس میں حیات ڈالی جاتی ہے۔

فقہاء کرامؒ کے طبقہ میں صاحب ہدایہ (الامام الفقیہ الزاہد علیؒ بن ابی بکرؒ ــــ المتوفی ۵۹۳ھ) کا مقام اور پایہ بہت بلند ہے ان کے بعد آنے والے فقہاء ان کے علم و تحقیق اور دیانت و امانت اور زہد و تقوٰی پر کلی اعتماد کرتے ہیں، صاحب ہدایہ کا یہ ارشاد دراصل مشہور اعتراض کا جواب ہے۔ چنانچہ علامہ اکمل الدین محمد بن محمودؒ البابرتی الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۷۸۶ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

قولہ ومن یعذب جواب عما یقال قولکم الخ یلازم لا یتحقق فی المیت یشکل بعذاب المیت فی القبر وقید بقول العامۃ احترازاً عن قول ابی الحسین الصالحی فان المیت عندہ یعذب من غیر حیوٰۃ ولا یشترط الحیوٰۃ لتعذیب المیت انتہٰی۔

(عنایہ برحاشیہ فتح القدیر جلد ۴ ص۹۹ طبع مصر)

صاحب ہدایہ کا یہ قول کہ جس کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے الخ اس اعتراض کا جواب ہے کہ جب درد و الم میت میں متحقق نہیں ہو سکتا تو قبر میں میت کو عذاب کس طرح ہوگا؟ (تو اس کا جواب یہ دیا کہ قبر میں میت میں حیات ڈالی جاتی ہے اکثر کا یہی قول ہے) اور اکثر کی قید اس لیے لگائی کہ ابو الحسین الصالحی (صالحیہ فرقہ کے سربراہ) کے قول سے احتراز کرنا مقصود ہے کیونکہ اس کے نزدیک میت کو بلا شرط حیات سزا دی جاتی ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ۔ اس سوال کو بھی نظر انداز نہیں کرتے کہ جسم جب ریزہ ریزہ ہو جائے تو اس کو عذاب دینے کا کیا مطلب ہو گا؟ جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

ولا بُعد فی تعذیب الجسد بعد تمزقہ فانہ یبنی علی عدم الشعور فی الجمادات وھو فی حیّز الخفاء ۔ (فیض الباری جلد ۱ صـ۱۸۶)

اور اس میں بھی کوئی بُعد نہیں کہ جسم ریزہ ریزہ ہو جاتے اور پھر ہم اس کو عذاب دیا جائے اس کے خلاف نظریہ اس بات پر مبنی ہے کہ جمادات میں شعور نہیں اور یہ خیال محل نظر ہے۔ بعض علماء جمادات میں شعور مانتے ہیں ان کا قول اسی پر مبنی ہے جبکہ جمہور اس نظریے کے قائل نہیں کما مرّ عن الخیالیؒ۔

الغرض حضرت شاہ صاحبؒ بھی اسی کے قائل ہیں کہ قبر میں سوال اور عذاب و راحت میں روح کے ساتھ جسم بھی شریک رہتا ہے اور یہی بات حق اور مختار ہے، عرف شذی کی عبارت کے آخر میں حضرت شاہ صاحبؒ نے صوفیاءؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عذاب قبر جسم مثالی کو ہوتا ہے (جو جسد مادی اور عنصری کے اندر داخل ہوتا ہے) اگر جسد عنصری اور مادی ریزہ ریزہ بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ جسم مثالی تو موجود ہے، گویا صوفیائے کرامؒ نے جسم مثالی کو لے کر ان لوگوں کو جواب دینے کی سعی کی ہے جو جسد مادی اور عنصری کے ریزہ ریزہ ہو چکنے کے بعد عذاب کو اس کے لیے مستبعد سمجھتے ہیں اس مشکل سے صوفیائے کرامؒ نے بزعم خود جان چھڑانے کا یہ سہل طریقہ اختیار کیا ہے لیکن صحیح حدیث مع شواہد، علماء عقائد، شراح حدیث اور فقہاء عظام کی صریح عبارات باحوالہ عرض کی جا چکی ہیں کہ قبر میں سوال نکیرین اور عذاب و راحت کے سلسلہ میں روح کے ساتھ جو بدن اور بدن کے اجزاء شریک ہوتے ہیں وہ بدن مادی اور بدن عنصری ہے یا تبع اور ضمنی طور پر بدن مثالی بھی شریک ہو تو ہو مگر جب دلائل اور براہین سے بدن مادی اور عنصری ثابت ہے، جس کے بارے میں متعدد صریح حوالے پہلے عرض کئے جا چکے ہیں تو صوفیاء کرامؒ کے نرے بدن مثالی کو قبر میں عذاب و راحت کے لیے ثابت کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، ہاں اگر ان سابق دلائل میں بدن مادی کا ذکر نہ ہوتا یا علماء عقائد میں سے کسی ایک نے بھی صرف بدن مثالی کا تذکرہ کیا ہوتا تو پھر اس پر غور کیا جا سکتا تھا مگر ان دلائل کی موجودگی میں اس نظریہ کی طرف توجہ مبذول کرنے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے، چنانچہ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ صوفیاء کرامؒ کے اس مسلک کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

ثم لا حاجة فی اثبات عذاب القبر الی ما قاله الصوفية ان العذاب علی البدن المثالی

پھر اثبات عذاب قبر کے لیے اس بات کی کوئی حاجت نہیں جس کو صوفیاء کرامؒ بیان کرتے ہیں کہ عذاب بدن مثالی

دون المادي وحينئذٍ لا بعد ان لم نشاهد احداً يعذب في قبره فان الا سهل ان يقال انه من عالم الغيب واقامة الدلائل العقلية عليه جهل ومن يطيق ذلك ؟ اه

(فیض الباری جلد۲ ص۱۷۷)

کو ہوتا ہے نہ کہ بدن مادی کو لہٰذا اگر قبر میں ہم کسی کو عذاب کا مشاہدہ نہیں کر سکتے تو کیا حرج ہے؟ (کیونکہ ہم تو بدن مادی کو دیکھتے ہیں اور عذاب بدن مثالی کو ہوتا ہے) عذاب قبر کے بارے میں آسان بات یہ ہے کہ عذاب اُس عالم میں دیا جاتا ہے جو ہماری نگاہوں سے غائب ہے اور اس پر دلائل عقلیہ کا قائم کرنا نرا جہل ہے اور پھر یہ کس کے بس کا روگ ہے؟

حضرت شاہ صاحبؒ نے تو صوفیاء کرامؒ کے اس بے دلیل قول کو صرف رد ہی کیا ہے لیکن امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد صاحب سرہندیؒ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) بعض صوفیاء کرامؒ کے عذاب و ثواب قبر کے بارے میں اس بدن مثالی کے رد میں فاروقی جوش ہی دکھاتے ہیں، چنانچہ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

نزد فقیر قول بنقل روح از قول بتناسخ ساقط تر است زیرا کہ تناسخ را از برائے تکمیل نفوس اعتبار کردہ اند اگرچہ ایں اعتبار باطل است و نقل روح را بعد از حصول کمال گمان بردہ اند اگرچہ ہیچ کمال نیست ہر گاہ تبدل ابدان از برائے تحصیل کمالات قرار دادہ باشند بعد از حصول کمال نقل ببدن ثانی برائے چہ بود؟ اہل کمال تماشائی نیستند ہمت ایشاں بعد از حصول کمال تجرد از ابدان است نہ تعلق با بدان زیرا کہ آنچہ مقصود از تعلق بود حاصل شد و ایضاً در نقل روح اماتت بدن اول است و احیاء بدن ثانی است پس بدن اول را از حصول احکام برزخ چارہ نبود و از عذاب و ثواب قبر گذر نہ و بدن ثانی را چوں حیات ثانی اثبات می نمایند حشر در حق او در دنیا

فقیر کے نزدیک روح کے (لیے دوسرے بدن ثانی حصول کمال کے لیے) انتقال کا قول تناسخ کے قول سے بھی ساقط تر ہے کیونکہ انہوں نے تناسخ کو نفوس کی تکمیل کے لیے اعتبار کیا ہے اگرچہ یہ اعتبار باطل ہے اور روح کے انتقال کا گمان حصول کمال کے بعد کیا ہے اگرچہ یہ کوئی کمال نہیں ہے جب انہوں نے ابدان کا تبدل کمالات کی تحصیل کے لیے قرار دیا ہے تو کمال کے حصول کے بعد دوسرے بدن کی طرف نقل کس لیے؟ اہل کمال کوئی تماشائی تو نہیں (کہ بدن پر بدن کا بیس بدلتے رہیں) ان کی ہمت تو حصول کمال کے بعد ابدان سے تجرد ہے نہ کہ ابدان سے تعلق کیونکہ تعلق سے جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا ہے اور نیز روح کے انتقال سے پہلے بدن (یعنی مادی و عنصری) کی اماتت اور دوسرے کی احیاء ہوتی ہے سو پہلے بدن (عنصری) کو احکام برزخ کے حصول سے تو کوئی چارہ نہیں اور عذاب و ثواب سے

ثابت گشت زد آں خلاف مقررات عقائد اہلسنت است) انگارم کہ معتقد این نقل روح معلوم نیست کہ بعذاب و ثواب قبر قائل باشند و بحشر و نشر معتقد بودند افسوس ہزار افسوس این قسم بطالان خود را بکسند شیخی گرفتہ اند و مقتدائے اہل اسلام گشتہ اند ضلوا فاضلوا اھ

(مکتوبات دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۵۸ صـ۳۶ طبع امرتسر)

کوئی مخلص نہیں اور دوسرے بدن کے لیے جب وہ دوسری بات ثابت کرتے ہیں تو اس کے حق میں دنیا ہی میں حشر ثابت ہو گیا (اور یہ اہل السنت کے ثابت شدہ عقائد کے خلاف ہے) بہر حال معلوم نہیں کہ نقل روح کے معتقد کیا قبر کے عذاب و ثواب کے قائل ہیں ؟ اور حشر و نشر کے معتقد ہیں ! افسوس ہزار افسوس کہ اس قسم کے مسخرے اپنے آپ کو بزرگی کے مسند پر براجمان سمجھتے ہیں اور اہل اسلام کے مقتدا بنے ہوئے ہیں سو وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبر میں جو عذاب و ثواب ہوتا ہے اس میں بدن اول یعنی بدن عنصری کی پوری مشارکت ہوتی ہے اور اس بدن کو اس سے کوئی چارہ نہیں اور یہ بدن اول روح کا آلہ بن کر قبر کے عذاب و ثواب میں برابر کا شریک ہے اور احکام برزخ و قبر میں اس بدن اول کا برابر دخل ہے اور اس سے اس کے لیے کوئی مخلص نہیں ہے الخ اہل کمال کو جب بدن اول کی وجہ سے کمال حاصل ہو گیا تو ان کو کسی اور بدن کی ضرورت نہیں۔

نوٹ : مؤلف تسکین القلوب نے صـ۹۳ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدن مبارک کے ساتھ روح اطہر کے عدم تعلق پر حضرت مجدد الف ثانی رح کی اس عبارت میں خط کشیدہ عبارت کو درمیان اور کمر سے پکڑ کر استدلال کیا ہے حالانکہ یہ عبارت تو عوام الناس کے بدن اول یعنی بدن عنصری کی روح کے ساتھ عذاب و ثواب میں مشارکت بتلا رہی ہے جب عوام کے حق میں ایسا ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک کا بدن اطہر سے تعلق کیوں نہ ہوگا ؟ اور معاذ اللہ تعالیٰ وہاں لا تعلقی کیسے ثابت ہوگی ؟

اور حضرت مجدد صاحب رح دوسرے مقام پر عالم مثال کی بحث کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ

عذاب قبر ازیں قبیل نیست کہ حقیقت عقوبت را نہ صورت و شبہ عقوبت

(مکتوبات دفتر سوم صـ۵۸)

عذاب قبر عالم مثال کے قبیل سے نہیں ہے کیونکہ عذاب قبر خود ایک حقیقت ہے نہ کہ عذاب کی صورت اور اس کی مثال اور شبیہ۔

اور ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ :-

و آنچہ او علیہ و علی آلہ الصلوات و التسلیمات اند

اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (آپ پر اور آپ کی

احوال آخرت خبر دادہ است ہمہ حق است از عذاب گور و ضغطۂ آن و سوال منکر و نکیر دراں و فنائے عالم و انشقاق سموات و انتشار کواکب و برداشتن زمین و کوہہا و پارہ پارہ شدن اینہا و حشر و نشر و اعادۂ روح بجسد و زلزلۂ ساعت وہول قیامت و محاسبۂ اعمال و شہادت جوارح باعمال مکتسبہ اھ

(مکتوبات دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۶۷ صفحہ ۲۵)

دل پر صلوات و تسلیمات ہوں) احوال آخرت کی جو خبر دی ہے وہ سب حق ہے مثلاً عذاب قبر، قبر کی تنگی، قبر میں منکر و نکیر کا سوال۔ جہان کا فنا ہونا۔ آسمانوں کا پھٹ جانا۔ ستاروں کا بکھر جانا۔ ستاروں کا بکھر جانا۔ زمین اور پہاڑوں کا اپنی جگہ سے اُکھڑ جانا۔ اُن کا ریزہ ریزہ ہو جانا۔ حشر و نشر۔ اعادۂ روح بجسد۔ قیامت کا زلزلہ۔ قیامت کا ہولناک منظر۔ اعمال کا محاسبہ اور اعضاء کا اپنے کئے ہوئے اعمال کے بارے میں گواہی دینا وغیرہ وغیرہ)

اس عبارت میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ نے حرف واؤ کے ساتھ جس میں ترتیب ملحوظ نہیں ہوتی بلکہ صرف جمع کے لیے آتا ہے مرنے کے بعد کے اُن متعدد اُمور کا تذکرہ فرمایا ہے جن کی خبر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے دی ہے جن میں عذاب قبر۔ قبر کی تنگی۔ سوال منکر و نکیر اور اسی طرح دیگر متعدد اُمور کے علاوہ اعادۂ روح بجسد کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے اور اس جملہ میں حدیث کے اُن الفاظ کو ادا کیا گیا ہے جو فتعاد روحہ فی جسدہ کے ساتھ وارد ہوتے ہیں اور یہ ارشاد قبر کے عذاب و ثواب کے بارے میں عام مُردوں کے متعلق ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق وہ صاف لفظوں میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ الانبیاء یصلون فی قبورھم جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر یہ حوالہ آئیگا حضرت مجدد الف ثانی رحمہ کی ایسی اور اتنی واضح تصریحات کے باوجود بھی اگر کوئی شخص یہ بے بنیاد دعویٰ کرے کہ حضرت مجدد صاحب عام لوگ تو درکنار آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی روح مبارک کا جسد اطہر سے تعلق نہیں تسلیم کرتے ان پر ایک افتراء اور علم و انصاف کا خون کرنا ہے جو انصاف اور علم کی دُنیا میں سرے سے قابل سماعت ہی نہیں ہے۔

فائدہ:۔ ہم نے تسکین الصدور میں یہ دعوےٰ کیا تھا کہ کسی اسلامی کتاب میں اس کا ثبوت نہیں مل سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی روح مبارک کا آپ کے جسد اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور یہ کہ آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے (محصلہ) اس کا جواب نہ تو مؤلف ندائے حق دے سکے ہیں اور نہ کوئی اور مؤلف تسکین القلوب نے صفحہ ۹۲ و صفحہ ۱۴ میں پہلے یہ لکھا ہے کہ ۔ مناسب

تو یہ تھا کہ ایک لمبی بحث لکھ کر مولوی صاحب کو یہ تنبیہ کر دی جاتی کہ زندگی بھر آئندہ ایسا دعویٰ نہ کریں اھ صفحہ ۹۳ اور اس کے بعد انہوں نے اس بے بنیاد دعویٰ پر تین عبارتیں بطور دلیل کے پیش کی ہیں (۱) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کی عبارت "در قبر اصلاً تعلق روح بہ بدن نیست" اھ جس کی پوری تشریح ہم نے خود ان کی اپنی عبارات کی روشنی میں عرض کر دی ہے (۲) حضرت مجدد الف ثانیؒ کی وہ خط کشیدہ عبارت جو اوپر بیان ہوئی جس سے ان کے دعویٰ کا رد ثابت ہوتا ہے (۳) حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات ج ۳ صفحہ ۱۶۱ کی وہ عبارت جس کا ان کے دعویٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے اس عبارت میں انہوں نے تصوف کے رنگ میں ولایت محمدی اور ولایت احمدی کا ذکر کیا ہے اس میں قبر شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کے جسد اطہر سے عدم تعلق کا قطعاً اور یقیناً کوئی ثبوت نہیں یہ الگ بات ہے کہ مؤلف تسکین القلوب نے اس عبارت کے ترجمہ میں جگہ جگہ بین القوسین اپنی ذہنی تشریح کو داخل کر کے بزور اپنا مطلب کشید کرنے کی ناکام کوشش اور کاوش کی ہے اور آخر میں بات ٹالنے اور جان چھڑانے کے لیے یوں ارشاد فرمایا ہے "وتشریحہ مقام آخر" گویا ان کے نزدیک جہاں بیان اور شرح کی انتہائی ضرورت ہے وہ بیان کا مقام ہی نہیں لیکن اگر بالفرض اس عبارت سے مؤلف تسکین القلوب کی مراد ہی لی جائے تو مندرجہ ذیل امور کا جواب ان کے ذمہ لازم ہے (۱) اس عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "لیکن اثر اس تعیین (تعلق بالبدن) کا کچھ باقی تھا ہزار سال چاہیے کہ وہ اثر زائل ہو" اھ صفحہ ۹۴ اس سے معلوم ہوا کہ ہزار سال تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کا تعلق بدن مبارک سے رہا اگر زائل ہوا تو بعد کو ہوا تو ان کو لازم ہے کہ دعویٰ یوں کریں کہ ہزار سال کے بعد تعلق منقطع ہوا اھ (۲) وہ عام اموات کے ارواح کے ان کے ابدان عنصریہ کے ساتھ تعلق قائم رہنے کے بارے میں حضرات فقہاء کرامؒ اور متکلمینؒ کے مطابق فتویٰ دے چکے ہیں کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ اس فتویٰ سے الگ ہے؟ (۳) خود مؤلف تسکین القلوب نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کا جسد اطہر سے مجہول الکنہ تعلق تسلیم کیا ہے کیا انہوں نے حضرت مجدد صاحبؒ کی اس عبارت کی خلاف ورزی نہیں کی؟ یا یہ راقم کے لیے وقف ہے کہ صفحہ ۱۱۲ میں لکھا کر اس نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی رائے گرامی ٹھکرا دی (محصلہ) للہ کچھ تو فرمائیے کہ بات کیا ہے تسکین الصدور کا چیلنج ابھی تک برقرار ہے اور ان شاء اللہ العزیز قیامت تک رہے گا اس کا ابھی تک کوئی جواب نہیں ملا۔

الغرض عذاب اور راحت قبر کے بارے میں بدن مثالی کا قول جن حضرات نے اختراع کیا ہے وہ محض معتزلہ وغیرہ باطل فرقوں کے قوی اشکال سے ایک مخلص ہے اور بلا ضرورت ہے عذاب و ثواب جو کچھ ہے وہ بدن

مادی اور عنصری سے وابستہ ہے اور جمہور محدثین و متکلمین اور فقہاء اسی کے قائل ہیں جیسا کہ باحوالہ یہ بات عرض کی جا چکی ہے اور حدیث سے بھی یہی کچھ ثابت ہے، رأس الموحدین حامیٔ سنت ماحیٔ بدعت حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) عذاب اور راحت قبر پر بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

فیجوزان یقع المسئلة والعذاب والتنعیم ببعض جسد المؤمن والکافر دون بقیة اجزائہ وقیل ان اللہ یجمع تلک الاجزاء المتفرقة للضغطة والمسئلة کما یفعل ذلک للحشر (تحریرات حدیث ص۲۵۶)

سو جائز ہے کہ قبر میں سوال و عذاب اور راحت مومن اور کافر کے بعض جسم سے وابستہ اور متعلق ہو نہ کہ سب اجزاء سے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر کی تنگی اور سوال کے لیے ان متفرق اجزاء کو جمع کر دیتا ہے جیسا کہ وہ حشر کے دن ایسا کرے گا۔

علم کلام کی مشہور اور متداول کتابوں کے حوالہ سے یہ بات پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ قبر میں روح کا جسم سے اس قدر تعلق کافی ہے جس سے فہم خطاب اور رد جواب متحقق ہو اور الم و راحت کا ادراک و شعور ہو سکے اور اس کے لیے تمام جسم کی حیات ضروری نہیں بلکہ اگر روح کا تعلق باطن قلب یا بدن مادی کے اجزاء سے پروردگار کو منظور ہو قائم کر دے تو مطلب پورا ہو جاتا ہے انہی عبارات کے پیش نظر حضرت مرحوم بعض جسد المؤمن والکافر کی قید لگاتے ہیں اور یہ نہیں فرماتے کہ عذاب و آرام صرف روح کو ہوتا ہے یا محض بدن مثالی کو جب مطلق لفظ جسد بولا جاتا ہے تو شرعاً و عقلاً و عرفاً اس سے بدن مادی و عنصری ہی مراد ہوتی ہے اگر بدن مثالی کی مشارکت بھی ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کما مر مگر ہاں یہ زندگی دنیا کی حسی حیات سے جدا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عبد الہادیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وفی الجملة رد الروح علی المیت فی البرزخ ورد السلام علی من یسلم علیہ لا یستلزم الحیاة التی یظنها بعض الغالطین وان کان نوع حیاة برزخیة وقول من زعم انها نظیر الحیوٰة المعهودة مخالف للمنقول والمعقول الخ (الصارم المنکی ص۱۸۷)

اور خلاصہ یہ ہے کہ برزخ میں میت کی طرف روح کا لوٹنا اور اس کا سلام کرنے والوں کو جواب دینا اس حیات کو مستلزم نہیں جس کو بعض مغالطہ کا شکار ہونے والوں نے سمجھا ہے اگرچہ یہ برزخ کی حیات کی ایک قسم ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ وہ (دنیا کی) معہود زندگی کی طرح ہے ان کا قول نقل و عقل کے مخالف ہے۔

کیونکہ نہ تو اس میں میت کی حیات محسوس ہوتی ہے اور نہ وہ جنبش و حرکت کرتی ہے اور ایسی زندگی جس کو کامل اور مطلق حیات کہتے ہیں وہ قبر اور برزخ میں نہیں ہوتی۔ ایسی زندگی دنیا میں ہوتی ہے اور پھر آخرت کو ہوگی۔

قارئین کرام! ہم نے اس باب میں آپ کا خاصا وقت لیا ہے، حوالے اگرچہ ابھی اور بھی کافی موجود ہیں۔ مگر ہمارا مقصد تمام حوالوں کا استیعاب نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ صریح اور صحیح حدیث کی روشنی میں ائمہ دینؒ، متکلمینؒ، فقہاءؒ اور شراح حدیث نے جو کچھ سمجھا وہ یہ ہے کہ قبر میں نکیرین کا سوال اور عذاب و راحت بدن مادی و عنصری اور اس کے اجزاء اور روح دونوں سے وابستہ ہے اور صرف روح یا صرف بدن کی سزا کے جمہور اہل اسلام ہرگز قائل نہیں ہیں صرف روح کے عذاب کے علامہ ابن حزمؒ اور ابن میسرہؒ یا ابن ہبیرہؒ قائل ہیں اور جمہور ان کے خلاف ہیں اور بدن من غیر روح کے معذب ہونے کے محمد بن جریر کرامی اور ان کے اتباع قائل ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ دعوے کرے کہ جس عذاب و ثواب کا ذکر نصوص یا احادیث و آثار میں آتا ہے دراصل اس کا محل روح ہی ہے یا یہ کہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ مردہ کا بدن خواہ ریزہ ریزہ ہو جائے تب بھی عذاب قبر بغیر روح کے ہے۔ تو قطعاً یہ قول مردود ہوگا اور یہ دونوں قول جمہور اہل سنت کے ہرگز نہیں ہیں اور یہ دلائل کی رو سے غلط ہیں اور حق جمہور کے ساتھ ہے۔

غیر مقلدین حضرات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام پر بعض غیر مقلدین حضرات کے اقوال بھی عرض کر دیں کہ قبر و برزخ میں حیات کا تعلق جسم سے متعلق ہوتا ہے اور یہ حیات صرف روح ہی کی نہیں ہوتی:۔

(۱) محمد بن علی بن محمد المعروف بہ القاضی الشوکانیؒ (المتوفی ۱۲۵۵ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

وورد النص فی کتاب اللہ تعالیٰ فی حق الشہداء انہم احیاء یرزقون وان الحیاۃ فیہم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین اھ

(نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۶۴ طبع مصر)

اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں صراحت سے شہداء کے بارے میں آیا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انکو رزق ملتا ہے اور بلاشبہ یہ حیات ان کے جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی حیات بطریق اولیٰ اجسام سے متعلق ہوگی۔

قاضی صاحبؒ نے اس عبارت میں تصریح کر دی ہے کہ حضرات شہداءؓ کی حیات محض روحانی ہی نہیں بلکہ حیات ان کے اجساد و اجسام سے متعلق ہے، اور یہی کچھ قاضی صاحبؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

معنی الآیۃ عند الجمہور انہم احیاء حیاۃ محققۃ ثم اختلفوا فمنہم من یقول انہا ترد

اس آیت کا معنی جمہورؒ کے نزدیک یہ ہے کہ شہداء کو حقیقی حیات حاصل ہے پھر اس کی تعبیر میں اختلاف

اليهم ارواحهم فی قبورهم فينتعمون وقال مجاهد يرزقون من ثمر الجنة اى يجدون ريحها ويسوا فيها وذهب من عدا الجمهور الى انها حيواة مجازية والمعنى انهم فی حكم الله مستحقون للتنعم فی الجنة والصحيح هو الاول ولا موجب للمصير الى المجاز اھ

(تفسیر فتح القدیر جلد ۱ ص ۳۶۵ طبع مصر)

واقع ہوا ہے، ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ قبروں میں ان کی روحیں ان کی طرف لوٹا دی جاتی ہیں ادران کو راحت پہنچائی جاتی ہے۔ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ان کو جنت کا رزق ملنے کا یہ معنی ہے کہ وہ جنت کے پھلوں کی خوشبو محسوس کرتے ہیں نہ یہ کہ ان کو حاصل ہوتے ہیں اور جمہور کے علاوہ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ان کی حیات مجازی ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جنت کے عیش کے مستحق ہوتے ہیں لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے اور مجازی معنی لینے کی کوئی مجبوری نہیں ہے۔

اور پھر آگے یُرۡزَقُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

والمراد بالرزق ههنا هو الرزق المعروف فی العادات على ماذهب اليه الجمهور كما سلف۔ (فتح القدير جلد ۱ ص ۳۶۵)

اس مقام پر رزق سے وہ رزق مراد ہے جو عادۃً لوگوں کے ہاں رزق معروف ہے۔ اور اسی کے جمہور قائل ہیں، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

ان عبارات میں قاضی صاحب موصوفؒ نے شہداء کے لیے حقیقی حیات اور اس کے لوازمات تسلیم کئے ہیں لیکن اس کا تعلق چونکہ درحقیقت اس عالم سے ہے جو ہماری مادی نگاہوں سے اوجھل ہے اس لئے اگر کسی شہید کی قبر میں ہمیں حقیقی حیات اور اس کے آثار اور رزق اور اس سے ان کا انتفاع محسوس نہیں ہوتا تو یہ کوئی انکار کی بات نہیں آخر اس جہان میں جنات بھی ہیں اور فرشتے بھی لیکن باوجود موجود ہونے کے وہ ہمیں نظر نہیں آتے تو کیا معاذ اللہ ان کا انکار کر دینا چاہیئے؟ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک ہی لحاف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آرام فرما ہوتی تھیں حضرت جبرائیل علیہ السلام آکر آپ کو وحی سُنا جاتے تھے اور حضرت عائشہؓ کو آپ کے بتلائے بغیر اطلاع تک نہ ہوتی تھی حتیٰ کہ انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے سلام کی خبر بھی نہ ہوئی اور وہ کہنے پر مجبور ہوئیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو میرا سلام ارشاد فرمائیں کیونکہ آپ کو وہ نظر آتے ہیں اور میں نہیں دیکھ سکتی۔ اگر کسی وقت اللہ تعالےٰ

خرقِ عادت کے طور پر شہداء کی حیات کے کچھ آثار مادی نگاہوں کو بھی دکھا دیے تو باعثِ تعجب تو ہو سکتا ہے مگر محلِ انکار نہیں، حضرت امام مالکؒ (المتوفی ۱۷۹ھ) اپنی کتاب مؤطا میں (جو کتبِ حدیث کے طبقۂ اولیٰ میں شمار ہوتی ہے) یہ واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنو سلمہ کے دو بزرگ انصاری حضرت عمروؓ بن الجموح اور حضرت عبداللہؓ بن عمرو جب غزوۂ احد میں شہید ہوئے تو ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا کچھ عرصہ کے بعد پہاڑی نالہ نے اپنا رُخ اُن کی قبر کی طرف موڑ دیا اور ان کی قبر کا ایک حصہ بہ گیا بامرِ مجبوری۔

فحفر عنهما ليغيرا من مكانهما فوجدا لم يتغيرا كأنهما ماتا بالامس وكان احدهما قد جرح فوضع يده على جرحه فدفن وهو كذلك فاميطت يده عن جرحه ثم ارسلت فرجعت كما كانت وكان بين أحد وبين يوم حفر عنهما ست واربعون سنة ۔

(موطا امام مالک ص۱۷۱)

انکی قبر کو کھودا گیا تاکہ ان کو وہاں سے منتقل کر دیا جائے جب قبر کھودی گئی تو وہ بالکل صحیح وسالم تھے گویا کہ کل ان کی وفات ہوئی ہے اور ان میں سے ایک زخمی ہوا تھا سو اس نے اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھ دیا تھا اور اسی حالت میں ان کو دفن کر دیا گیا تھا قبر سے نکالنے کے بعد ان کا ہاتھ زخم سے ہٹا دیا گیا اور کھلا چھوڑ دیا گیا مگر وہ ہاتھ پھر بدستور زخم پر جا لگا۔ غزوۂ احد اور ان کی قبر کھودنے کے درمیان چھیالیس ۴۶ سال کا عرصہ گذرا تھا۔

جسمِ عنصری کے ساتھ حیاتِ شہداء کی یہ ایک بیّن مثال اور واضح دلیل ہے مگر یہ ضروری اور قاعدہ نہیں کہ ہر وقت ہر شہید سے ہر ایک کو ایسی حالت نظر آئے ہاں قدرتِ خداوندی سے ایسے واقعات بعید نہیں ہیں کہ کسی وقت وہ لوگوں کے ایمان والیقان بڑھانے کے لیے ایسا دکھلا دے۔

(۲) نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (المتوفی ۱۳۰۷ھ) احوالِ برزخ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

وجملہ اموات از مؤمنین وکفار از حصول علم وشعور وادراک وسماع وعرض اعمال ورد جواب بر زائر برابر اند تخصیص بانبیاء وصلحاء نیست

(دلیل الطالب ص۸۸۶)

اور تمام مُردے عام اس سے کہ وہ مومن ہوں یا کافر علم، شعور، ادراک، سُننے اعمال کے پیش ہونے اور زیارت کنندہ کے سلام کا جواب دینے میں برابر اور یکساں ہیں اس میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

ظاہر بات یہ ہے کہ زیارت کنندہ اور مُردوں پر سلام کہنے والا جنت اور دوزخ یا علیین اور سجین میں

ارواح کے پاس زیارت کرنے اور سلام کہنے نہیں جایا کرتا وہ اگر زیارت کرتا ہے تو جتنی قبر کی کرتا ہے اور اگر سلام کہتا ہے تو اس قبر کے پاس جس میں میت کا جسم مادی اور بدن عنصری مدفون ہوتا ہے اور بقول نواب صاحب میت کو زائر کے سلام وغیرہ کا ادراک و شعور ہو جاتا ہے اور اس صفت میں مومن و کافر سب برابر ہیں کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے اگر روح کا جسم سے کوئی تعلق نہ ہو تو بے جان ڈھانچے کو ادراک و شعور کیسے ہو جاتا ہے اور وہ سلام کیسے سنتا ہے اور جواب کیونکر دیتا ہے ؟ اس تحقیق کے ہوتے ہوئے ایک غیر ذمہ دار غیر مقلد بھائی کا یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ روح کے جسم سے انفصال (خروج) یا علیحدہ ہونے کے بعد جسم انسانی زندگی کی تمام صلاحیتوں یعنی حس و حرکت نطق و سماع اور بینائی وغیرہ سے یکسر محروم و بالکل قاصر یا محض ایک مجسمہ اور ڈھانچہ ہو کر رہ جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی کتاب و سنت کا متفقہ فیصلہ اور اہل السنت والجماعت کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ روح اور جسم کا جو انفصال یا علیحدگی بصورت موت واقع ہوتی ہے یہ تا قیامت باقی رہیگی الخ

آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ کتاب و سنت اور اہل سنت والجماعت کے اکابر کا فیصلہ قطعاً اس کے خلاف ہے جو گذشتہ اوراق میں باحوالہ گذر چکا ہے اور ان غیر مقلد صاحب کا یہ کہنا سراسر غلط ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

باب پنجم

وفات حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قطعی امر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی جاندار مخلوق کے لیے جو محکم اور اٹل فیصلہ صادر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ :۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط رپ۔ آل عمران) ہر نفس موت چکھنے والا ہے۔

اور اس ضابطہ سے کوئی مستثنیٰ نہیں نہ پیغمبر اور نہ شہید اور نہ کوئی اور جلد ہو یا بدیر ہر ایک پر موت وارد ہو کر رہیگی۔

ل حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی دامت برکاتہم کا ارشاد گرامی قدر جو ملتان میں علماء کرام کے سامنے انھوں نے لکھا۔

موت الانبیاء علیہم السلام

اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کو پیدا فرمایا۔ اس دنیا میں کسی کو دوام نہیں۔ آیۃ کریمہ **کل من علیها فان** کے مطابق ہر ایک کو یہاں سے جانا ہے، ہر آدمی کو مرنا ہے، اس سنۃ اللہ سے کوئی ولی اور کوئی نبی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی ارشاد فرمایا **إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ**۔ (اے پیغمبر بلاشبہ آپ کو بھی موت آنی ہے اور ان کو بھی موت آنی ہے) چنانچہ اس ارشاد کے مطابق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی وصال ہوا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کی تجہیز و تکفین کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کا خلیفہ منتخب فرمایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی سازش سے بچا کر اللہ تعالیٰ نے دوسرے آسمان پر اٹھالیا جو اب تک (باقی حاشیہ آئندہ پر)

اور تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر یہ گھڑی آکر رہی بجز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ ابھی تک آسمان دوم پر زندہ ہیں اور قیامت کے قریب دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی سفید مینار پر صبح کے وقت نازل ہوں گے اور دجّال لعین کو قتل کریں گے پھر چالیس سال تک زمین پر حکومت کریں گے اس کے بعد

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ) زندہ ہیں اور قرب قیامت میں تشریف لاکر دجّال کو قتل کرکے چالیس سال زندہ رہیں گے، اور آخر کار وفات پاکر مدینہ منوّرہ میں روضۂ اطہر میں دفن ہوں گے۔

بہرحال كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کے قاعدہ کلیہ سے کوئی آدمی، جن، ولی، اور نبی مستثنیٰ نہیں ہے۔ نہ اس میں کسی کو اختلاف ہے، نہ بحث، البتہ دو باتوں میں بحث ہے، ایک یہ کہ مرنے کا معنیٰ کیا ہے، اس کا طریقہ کیا ہے۔ اور کیا سب کی موت ایک ہی طریقے سے ہوتی ہے یا کچھ فرق بھی ہوتا ہے۔

دوسرا یہ کہ مرنے کے بعد قبر میں پھر زندگی ہوتی ہے یا نہیں وہاں روح کا کوئی تعلق جسم کے ساتھ رہتا ہے یا نہ۔

پہلی بات موت کا مفہوم:

عرفِ عام میں موت جان نکل جانے کا نام ہے یعنی جب روح جسم سے نکل جاتی ہے تو اس کو موت کہتے ہیں۔ علماء نے موت کا معنیٰ کیا ہے کہ روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جائے۔ قرآن و حدیث کے نصوص و اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت روح نکالی جاتی ہے۔ آسمانوں کی طرف لے جائی جاتی ہے۔ پھر اپنی مقرر جگہ پر رکھی جاتی ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ قبر کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔ مگر جب تک ہم روح کی حقیقت نہ جان لیں اور یہ نہ سمجھ جائیں کہ جسم میں روح کے داخل ہونے یا تعلق رکھنے کی کیفیت کیا ہے ہم اس کے نکل جانے اور تعلق منقطع ہونے کا مطلب بھی پوری طرح نہیں سمجھ سکتے۔ اور جب ہمیں روح کی حقیقت معلوم نہیں ہے تو اس کی صفات و افعال کا ادراک عقل سے کیسے کیا جا سکتا ہے۔

موت طاری ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ ماننا بھی لازم ہے کہ موت سے روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے اور وہ اس جسم میں تصرفات نہیں کر سکتی لیکن یہ انقطاع تعلق کیسے ہوتا ہے۔ عام لوگوں میں کہا جاتا ہے کہ انقطاع تعلق یوں ہوتا ہے کہ روح جسم سے نکل جاتی ہے عام خیال یہی ہے۔

موت کا دوسرا مفہوم

مگر انبیاء علیہم السلام کی موت کے بارہ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانیٔ دارالعلوم دیوبند

(باقی حاشیہ صفحۂ آئندہ پر)

مدینہ طیبہ میں ان کی وفات ہوگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک میں دفن کئے جائیں گے ۔ (علی الفرشیۃ للاعظ بوسند جلد ۲ ص۱۲ و مسند طیالسی ص۲۲۵ و وفاء الوفا ج ۱ ص۳۹۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (پ ۲۳ - الزمر ۲۱)

صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ) ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ حیات انبیاء علیہم السلام کی ذاتی صفت[1] ہے اور اوروں کی عارضی۔ اس لیے پیغمبروں سے حیات کا انقطاع نہیں ہوتا۔ اور نہ روح نکلتی ہے۔ بلکہ جسم سے سمٹ کر دل میں مرکوز ہو جاتی ہے اس طرح اس کا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے اور وہ جسم میں عام دنیوی زندگی کی طرح تصرفات نہیں کرتی نہ دنیوی امور میں مشغول اور نہ مکلف ہوتی ہے روح کے سمٹ جانے سے جسمانی حواس معطل ہو جاتے ہیں یہی انبیاء علیہم السلام کی موت ہے۔ جس کے بعد وہ اوروں کی طرح دنیا سے منقطع ہو کر اوروں کی طرح قبروں میں دفن کر دیئے جاتے ہیں۔ جہاں اسی روح سے ان کے مبارک اجسام میں ادراک و احساس موجود ہوتا ہے۔ حضرت مولانا اپنی اس تحقیق کو اوروں پر ٹھونسنا نہیں چاہتے فرماتے ہیں کہ موت کا اقرار تو ضروری ہے جیسے کہ آیات میں موت واقع ہو جانے کی خبر قبل از وقت دی گئی تھی۔ مگر انبیاء کی موت کا وقوع اس طرح پر ہوا کرتا ہے ۔

قطب زماں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے حضرت مولانا نانوتوی کی تحقیق کی داد دی ہے ان کو اللہ تعالیٰ نے خاص فہم و ذکا عطا فرمایا تھا۔ جب ہم قرآن پاک کی اس آیت کریمہ پر نظر کرتے ہیں۔ (تو) مولانا نانوتویؒ کی تائید (ہوتی ہے)

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضیٰ علیھا الموت ویرسل الاخریٰ۔ (پ ۲۴ ، سورۂ زمر ۲۱)	اللہ روحوں کو موت کے وقت قبض کرتے ہیں اور جن کو موت نہیں ہوتی انکو بھی سوتے وقت قبض کر لیتے ہیں، پھر جس کی موت کا فیصلہ کیا ہو اس کو روک لیتے ہیں اور دوسری (قسم کی روح) کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اس آیت کریمہ نے تصریح فرما دی ہے کہ روح جیسے موت کے وقت قبض ہوتی ہے، اسی طرح نیند کی حالت میں بھی قبض ہوتی ہے۔ پھر موت والی روک دی جاتی ہے اور نیند والی چھوڑ دی جاتی ہے۔ گویا روح نیند میں بھی قبض ہوتی ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ سونے والا سانس لیتا ہے، زندہ سمجھا جاتا ہے۔ اور روح (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

---

[1] یعنی اوّلاً و بالذات حیات دنیا میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہوتی ہے۔ اور دوسروں کو بالعرض اور آگے حضرت مولاناؒ کے بیان میں آ رہا ہے کہ یہ حیات اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے ۔

بے شک تجھے بھی مرنا ہے اور وہ بھی مر جائیں گے۔

اور دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے کہ :-

أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۔ (پ۱۷، الانبیاء ۳۰) پھر کیا اگر تو وفات پا جائے تو وہ رہ جائیں گے؟

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ) اس کے اندر موجود بھی جاتی ہے۔ حالانکہ قرآن کا ظاہر یہ ہے کہ پہلے روح قبض کی جاتی ہے بعد میں چھوڑ دی جاتی ہے۔ روح کا تعلق و اتصال سب امور متشابہات میں سے ہیں انکی صحیح کیفیت کے بارہ میں کوئی جزم سے نہیں کہا جا سکتا۔ پھر اگر حضرت مولانا نانوتوی کے ارشاد کے مطابق اگر روح سمٹ کر جسم کے اندر تصرفات سے علیحدہ ہو جائے جس سے سارے حواس معطل ہو جائیں اور اسی کو انقطاع تعلق یا قبض روح سمجھا جائے اس میں کونسا اشکال لازم آتا ہے۔ سکتہ کی بیماری میں بسا اوقات سانس تک نہیں چلتا نہ نبض چلتی ہے نہ دل کی حرکت محسوس ہوتی ہے پھر بھی بیمار زندہ ہوتا ہے۔ اور روح اس کے اندر بھی جاتی ہے۔ بہر حال قرآن پاک نے موت کی خبر دی ہے، اس کے وقوع میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، البتہ موت تعطل حواس اور انقطاع تعلق کی صورت کیا ہوتی ہے؟ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ روح نکل جائے، ایک یہ ہے کہ سمٹ جائے جیسے ایک کمرے میں چراغ جل رہا ہے اس پر برتن اوندھا کر کے رکھ دیا یا اس کو صندوق میں بند کر دیا بس اس کا تعلق کمرے سے منقطع ہو جاتا ہے۔

دوسری بات، قبر کی زندگی

عام اہل اسلام کا ارشاد ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں بعضوں کو عذاب بعضوں کو راحت ہوتی ہے اس عذاب قبر وغیرہ کا ماننا تواتر کی وجہ سے ضروری ہے، اسی لیے یہ ماننا پڑتا ہے کہ قبر میں میت کو راحت و تکلیف کا احساس و ادراک ہوتا ہے۔

مگر انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ قبروں میں زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھا کرتے ہیں۔ قریب سے درود و سلام سنتے اور اس کا جواب بھی دیا کرتے ہیں۔ اس کتاب میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی جا رہی ہے۔

بعض اصحاب کی کم علمی

یہاں سے ان حضرات کی کم علمی واضح ہو جاتی جو مسئلہ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شرک قرار دیتے ہیں۔

شرک تو تب ہوتا کہ کسی کو ایسا زندہ مان لیا جاتا جس کی حیات خدا تعالیٰ کی عطا نہ ہو اس کے گھر کی موپھر اس پر کبھی موت طاری نہ ہو مگر یہ تو کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

اور ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی اس طرح ہے کہ :-

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ الآیۃ ۔ (پ ۴ - آل عمران ، ۱۵۰)

اور نہیں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مگر رسول بے شک ہو چکے اُن سے پہلے بہت رسول پھر کیا اگر وہ وفات پا جائے یا شہید کر دیا جائے تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں

ان تمام آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی ایک قطعی اور حتمی امر ہے جس کی ان آیات میں قبل از وقت خبر دی گئی اور کتب احادیث میں متعدد صحیح اور صریح روایات اس پر دال ہیں کہ قُبِضَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تُوُفِّیَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امام بخاریؒ نے باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم قائم کر کے اس حقیقت کو الم نشرح کر دیا ہے (جلد ۲ ص۶۴۱) اور اسی وفات کے نتیجے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور دفن و قبر وغیرہ کا انتظام ہوا ، اور حضرات صحابہ کرامؓ نے اپنے ہاتھوں سے لحد مبارک میں آپ کو اتار کر دفن کیا اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفۃ المسلمین منتخب کیا گیا اور وہی نماز اور خطبہ پڑھاتے اور فصل خصومات کرتے رہے اور اہم معاملات میں لوگ انہی کی طرف رجوع کرتے رہے اور اسی طرح ان کے بعد دیگر خلفاء کے وقت بھی ایسا ہی ہوتا رہا یہ تمام امور اپنے مقام پر ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جو قرآن و حدیث اور امت مسلمہ کے اتفاق و اجماع سے ثابت ہے جس کا کوئی شخص منکر نہیں ہے ۔

(صفحہ گزشتہ کا بقیہ حاشیہ) کیا جو پیغمبر دنیا میں زندہ تھے وہ شرک تھا کیا قیامت میں ہم سب زندہ ہوں گے ۔ اور زندہ بھی ایسے کہ پھر کبھی نہ مریں گے کیا وہ شرک ہوگا پھر اگر اللہ تعالیٰ کسی کو درمیان میں ، قبر میں بھی پوری یا ادھوری زندگی عطا فرمادیں وہ کیسے شرک ہوگیا ۔ جب کہ علماء دیوبند نہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہو جانے کا انکار کرتے ہیں نہ پیغمبروں کی حیات کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہونے سے انکار کرتے ہیں ۔ صرف آپ کے ارشاد کے مطابق قبروں میں انبیاء علیہم السلام کی حیات اور نماز پڑھنے اور سلام و درود سننے کا اقرار کرتے ہیں جیسے کہ تفصیل آپ کے سامنے آئے گی تو کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کو ماننا شرک ہے ، اللہ تعالیٰ ایسی جہالت اور ضد سے بچائے ۔ آمین ۔

علامہ عبدالکافی السبکیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

والقرآن العزیز ناطق بموتہ صلی اللہ علیہ وسلم قال تعالیٰ انک میت و انھم میتون ۔ وقال صلی اللہ علیہ وسلم انی مقبوض وقال الصدیق رضی اللہ عنہ فان محمدا قد مات واجمع المسلمون علیٰ اطلاق ذلک فالوجہ اذا ثبت القول المذکور ان یقال ان ذلک موت غیر مستمر وانہ احی بعد الموت احد

(شفاء السقام ص۱۴۲)

قرآن عزیز صراحت سے بتاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بے شک تو بھی وفات پانے والا ہے اور بلاشبہ وہ بھی وفات پاتے والے ہیں اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں وفات پانے والا ہوں اور حضرت صدیق رضؓ نے فرمایا کہ تحقیق سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے اور سب مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی وفات ہوئی ہے جب یہ بات ثابت ہے تو حیات کی وجہ یہ ہوگی کہ آپ کی موت مستمر نہ تھی بلکہ آپ کو وفات کے بعد پھر زندہ کیا گیا۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تمام مسلمان اس نظریہ کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے اور وفات کا لفظ آپ کے حق میں بولنا بالکل درست اور صحیح ہے لیکن وفات کے بعد آپ کو پھر حیات مرحمت ہوئی ہے پہلے ٹھوس حوالوں کے ساتھ یہ بات ثابت کر دی گئی ہے کہ قبر اور برزخ میں صحیح احادیث ائمہ دینؒ متکلمینؒ، شراح حدیثؒ اور فقہاء کرامؒ کے بیان کے مطابق جسد عنصری کیساتھ روح کے تعلق اور اتصال سے حیات ہوتی ہے۔ اس صفت میں عام مومنوں سے حضرات شہداءؓ بڑھے ہوئے ہیں اور ان سے بڑھ کر یہ خوبی اور صفت حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہے نحو علماء اسلام موت کا معنی انفکاک الروح عن البدن ہی کرتے ہیں اور بعض علماء ملت جن میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند بھی ہیں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا معنی یہ کرتے ہیں۔

کہ ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا فقط مثل نور چراغ اطراف وجوانب سے قبض کر لیتے ہیں اور سوا ان کے اوروں کی ارواح کو خارج کر دیتے ہیں (جمال قاسمی ص۱۵) اور دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

بالجملہ موت انبیاء علیہم السلام اور موت عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہاں استتار حیات زیر پردہ موت ہے اور یہاں انقطاع حیات بوجہ عروض موت ہے اھ (آب حیات ص۱۶۸) اور صاف الفاظ میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ :-

ہاں اتنا عرض کئے دیتا ہوں کہ گو عقیدہ[1] تو یہی ہے اور میں جانتا ہوں ان شاء اللہ تعالے ایسا ہی رہیگا مگر اس عقیدہ کو عقائد ضروریہ میں سے نہیں سمجھتا نہ تعلیم ایسی باتوں کی کرتا ہوں، نہ منکروں سے دست و گریبان ہوتا ہوں اھ (لطائف قاسمیہ ص۵) مطلب یہ ہوا کہ روح مبارک کو جسد اطہر کے تمام اطراف و جوانب سے سمیٹ کر مثلاً دل پر اکٹھا کر دیا گیا اور اعضاء پر موت طاری ہوئی اور وہ بے حس و حرکت ہو گئے لیکن دل مبارک کی بھی بظاہر حرکت باقی نہ رہی جس طرح کہ بعض اوقات سکتہ کے مرض میں ہوتی ہے اور دیکھنے والوں کو بظاہر آپ کا وجود مسعود بالکل بے حس و لاشعور نظر آیا لیکن بایں ہمہ حضرت نانوتویؒ اس عقیدہ کو غیر ضروری اور آپ کی وفات کے عقیدہ کو ضروری قرار دیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں :-

"پر حسب ہدایت كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاصکر حضرت سرور انام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضرور ہے اھ (لطائف قاسمی ص۷) الغرض حضرت نانوتویؒ نے کیسی صاف گوئی سے یہ واضح کر دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا عقیدہ ضروری ہے اور علمی یا ذوقی طور پر بعض دیگر علماء کرام کی طرح موت کا جو معنیٰ انہوں نے بیان فرمایا ہے اس کو وہ نہ تو وہ عقائد ضروریہ سے سمجھتے ہیں اور نہ عام لوگوں کو اس کی تعلیم و تبلیغ کرتے ہیں اور نہ علماء کرام سے اس پر لڑتا پائی کے لیے تیار ہیں الحاصل حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وفات ایک حتمی اور قطعی امر ہے اور اس کا اعتقاد ضروری ہے، کیونکہ یہ نصوص قطعیہ اور صریحہ سے ثابت ہے۔ ہاں اس وفات

---

[1] اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا موت کی تفسیر اور تشریح میں اپنی رائے کو ذوقی اور وجدانی فرماتے ہوئے کسی کو اس معنیٰ پر مجبور نہیں فرماتے۔ بعض لوگ عوام کو مغالطہ دینے کی خاطر یہ کہتے ہیں کہ حضرت مولاناؒ حیات کے مسئلہ کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

[illegible] میں جو حیات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ثابت ہے وہ حق اور صحیح ہے اس میں رتی بھر شک نہیں ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ حیات کسی نص قطعی کے مخالف نہیں جس نے اس کو مخالف سمجھا ہے وہ کوتاہ فہمی کا شکار ہے۔

باب ششم

قبور میں حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

تمام اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قبر اور برزخ میں زندہ ہیں اور ان کی زندگی حضرات شہداء کی زندگی سے بھی اعلیٰ اور ارفع ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم پہلے بعض دلائل بیان کریں اور پھر ان پر جو اعتراضات وارد کئے گئے ہیں، ان کے جوابات اور اس کے بعد بعض علماء اسلام کی عبارات اور اقوال عرض کر دیں تاکہ صحیح حقیقت سامنے آجائے۔

پہلی دلیل

امام ابو یعلیٰؒ[۱] فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو الجہم[۲] الازرق بن علیؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ——

---

[۱] امام ابو یعلیٰ الموصلی کا نام احمدؒ بن علیؒ تھا جو الحافظ الثقہ اور محدث الجزیرہ تھے ان کی وفات ۳۰۷ھ میں ہوئی ہے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص۲۳۵) [۲] حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال یغرب (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص۲۱) ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں لکھا ہے اور فرمایا کہ وہ غریب حدیث لاتے ہیں۔ اور خود حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ صدوق یغرب (تقریب ص۲۱) کہ وہ سچے راوی ہیں اور غریب حدیث لاتے ہیں۔ فن روایت میں راوی کے لیے سب سے بڑھ کر جس صفت کی ضرورت ہے وہ اس کی صداقت ہوتی ہے (مع دیگر شرطوں کے) اور یہ صاحب اس صفت سے متصف تھے اور اپنے مقام پر یہ بات آئیگی کہ غرابت صحت کے منافی نہیں۔

یحییٰ[1] بن ابی بکیرؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے مستلمؒ[2] بن سعیدؒ نے بیان کیا وہ حجاجؒ[3] سے اور وہ ثابت[4] بنانیؒ سے اور وہ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون — حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔
(شفاء السقام ص۱۳۴ وحیات الانبیاء[1] للبیہقیؒ)

علامہ سبکیؒ اس حدیث کی سند کو نقل کر کے اس کے روات کی توثیق کرتے ہیں اور اس کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس سے استدلال کرتے ہیں یہ روایت بدوں سند خصائص الکبریٰ جلد ۲ ص۲۸۱ میں اور پہلے راوی کے علاوہ

---

[1] ابوبکیر کا نام نسرؒ تھا یحییٰؒ بن ابی بکیرؒ کے بارے میں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ دانا محدث تھے، امام ابن معینؒ اور عجلیؒ انکو ثقہ کہتے ہیں، امام ابوحاتمؒ انکو صدوق کہتے ہیں محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں، امام ابن المدینیؒ انکو ثقہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص۱۹۱) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے (تقریب ص۵۴۴) علامہ خطیب بغدادیؒ اپنی تاریخ جلد ۱۴ ص۱۵۶ و ص۱۵۷ میں ان کا طویل ترجمہ بیان کرتے ہوئے محدثین کرامؒ کے یہ مذکورہ بالا اقوال ان کے بارے میں نقل کرتے ہیں [2] امام احمدؒ ان کو شیخ ثقہ اور امام ابن معینؒ صویلح کہتے ہوئے ان کی توثیق کرتے ہیں، امام نسائیؒ ان کو لا باس بہ کہتے ہیں، اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص۱۲۴) حافظ ابن حجرؒ ان کو صدوق عابد زاہد کہتے ہیں۔ (تقریب ۳۳۳) [3] حجاجؒ اس سند میں الاسود ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تصریح کی ہے (فتح الباری جلد ۶ ص۳۵۲) امام احمدؒ ان کو ثقہ اور رجل صالح کہتے ہیں امام ابن معینؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، امام ابوحاتمؒ ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں، اور محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (لسان المیزان جلد ۲ ص۱۷۵) [4] ثابت بنانیؒ جلیل القدر تابعی اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں، امام نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں امام عجلیؒ بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں، علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں، امام احمدؒ ان کو متثبت فی الحدیث کہتے ہیں۔ امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے روایت کرنے میں سب سے اثبت امام زہریؒ، ان کے بعد ثابت بنانیؒ، اور ان کے بعد قتادہؒ ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص۳) غرضیکہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور سند بالکل صحیح ہے۔

بقیہ رواۃ کے ساتھ فتح الباری جلد ۲ ص ۳۵۲ اور فتح الملہم جلد ۱ ص ۲۲۹ میں بھی مذکور ہے ، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں وصححہ البیہقیؒ (فتح الباری جلد ۲ ص ۳۵۲) کہ اس حدیث کی امام بیہقیؒ نے تصحیح کی ہے اور مولانا سید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ووافقہ الحافظ فی المجلد السادس اھ (فیض الباری جلد ۲ ص ۶۴) کہ امام بیہقیؒ کی اس تصحیح پر حافظ ابن حجرؒ نے اتفاق کیا ہے اور علامہ عثمانیؒ بھی اس کی تائید کرتے ہیں (فتح الملہم جلد ۱ ص ۳۲۹) علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ رجال ابی یعلیٰ ثقات (مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۱۱) ابو یعلیٰ کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں علامہ عزیزی لکھتے ہیں وھو حدیث صحیح (السراج المنیر جلد ۲ ص ۱۳۴) کہ یہ حدیث صحیح ہے ۔حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ :-

صح خبر الانبیاء احیاء فی قبورھم (مرقات جلد ۲ ص ۲۱۲) الانبیاء احیاء فی قبورھم کی حدیث صحیح ہے علامہ عبد الرؤف مناویؒ (المتوفی ۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں ھذا حدیث صحیح (فیض القدیر جلد ۳ ص ۱۸۴) کہ یہ حدیث صحیح ہے ۔شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ :-

ابو یعلیٰ بنقل ثقات از روایت انسؓ بن مالک آوردہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۲ وجذب القلوب ص ۱۸۰)

امام ابو یعلیٰؒ ثقہ راویوں کی نقل سے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔

قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ :-

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ و روحہ لا تفارقہ لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم (تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین ص ۲۸ طبع مصر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح آپ کے جسم مبارک سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورھم رواہ المنذری وصححہ البیہقی (نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۶۴)

بلا شبہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ علامہ منذریؒ نے یہ روایت بیان کی ہے اور امام بیہقیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے۔

علامہ سید سمہودی لکھتے ہیں

وروّاہ ابو یعلی برجال ثقات ورواہ البیہقی وصححہ (وفاء الوفا ج ۲ ص۴۰۵) — ابو یعلیٰؒ نے ثقہ راویوں سے یہ روایت کی ہے اور امام بیہقیؒ نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری لکھتے ہیں کہ۔ اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں صحیح ہے (فضائل درود ص۳۷)

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ امام یعلیٰؒ کے طریق سے جو روایت ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور جمہور محدثین کرامؒ اس کی تصحیح کرتے ہیں کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اصول حدیث میں اس سے زیادہ قوی دلائل موجود نہیں ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہوں اور جمہور محدثین کرامؒ اس کی تصحیح پر متفق ہوں۔

اعتراض

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس حدیث کی سند میں حسن بن قتیبہ خزاعی ہے جس کے متعلق ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں ابن عدیؒ کا قول لا باس بہ ذکر کر کے اپنی اور دوسرے آئمہ کی رائے ذکر فرمائی ہے قلت بل ھو ھالك قال الدارقطنی فی روایۃ البرقانی متروك الحدیث قال ابو حاتم ضعیف قال الازدی واھی الحدیث قال العقیلی کثیر الوھم اھ (جلد ا ص۲۴۲) یعنی ائمہ جرح و تعدیل کی نظر میں یہ ھالك متروك الحدیث ضعیف واھی الحدیث اور کثیر الوہم ہے حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان جلد ۲ ص۲۴۶ میں ذہبیؒ کی پوری عبارت نقل فرما کر اس جرح کی تصدیق فرما دی ہے حافظ خطیب بغدادیؒ نے بھی اسے واھی الحدیث اور متروك الحدیث فرمایا ہے (تاریخ بغداد جلد ۷ ص۳۰۵) باقی رہا شوکانیؒ کا تحفۃ الذاکرین میں حدیث ردّ اللہ علیّ روحی کی تشریح میں یہ لکھنا لانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ وروحہ لا تفارقہ، لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم (ص۲۸) تو سابق مفصل جرح کے موجود ہوتے صح سے مصطلح صحت مراد لینا تو مشکل ہے یہ صح بمعنی ثبت ہی ہو سکتا ہے جب تک حدیث پر صحیح کا حکم یقینی نہ ہو محدثین کے نزدیک ثبت سے اس کی تعبیر ہو سکتی ہے نیل الاوطار میں حافظ شوکانیؒ نے یہی لفظ اختیار کیا ہے وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورھم (جلد ۳ ص۲۰۵)

ایسی احادیث کا تذکرہ مواعظ اور فضائل کی مجالس میں تو کیا جا سکتا ہے لیکن عقیدہ کی بنیاد اس پر نہیں رکھی جا سکتی اہل حدیث اور ائمہ فن کے نزدیک اعتقاد کے لیے خبر واحد صحیح ہونی چاہیے اھ

الجواب :۔ یہ جو کچھ کہا گیا ہے قطعاً باطل اور سراسر مردود ہے اولاً اس لیے کہ جن محدثین کرامؒ نے یہ حدیث سند کے ساتھ نقل کی ہے ہمارے علم میں وہ تین ہیں الاوّل امام ابو یعلی الموصلیؒ ان کی سند امام بیہقیؒ اور علامہ سبکیؒ وغیرہ نے اسی طرح نقل کی ہے جس طرح ہم نے پہلے بیان کی ہے اور ایک ایک راوی کی توثیق اور محدثین کرامؒ کی تصحیح بھی نقل کر دی گئی ہے نہ تو اس سند میں حسن بن قتیبہ خزاعی ہے اور نہ کوئی اور مجروح راوی ہے اور محدثین کرامؒ اسی ابو یعلیؒ کی سند کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے اور اس کے رجال ثقات ہیں اور قاضی شوکانیؒ کے پیش نظر بھی یہی روایت ہے اور اس حدیث کے رواۃ پر کوئی معقول جرح مذکور اور موجود نہیں ۔ تعصب و عناد کا البتہ کوئی علاج نہیں الثانی امام ابن عدیؒ نے اس کو اپنی سند کے ساتھ پیش کیا ہے اور اس کا حوالہ امام بیہقیؒ نے (حیات الانبیاء ص۳ میں) اور علامہ ذہبیؒ نے (میزان الاعتدال جلد۱ ص۲۴۶ میں) اور حافظ ابن حجرؒ نے (لسان المیزان جلد۲ ص۲۴۶ میں) دیا ہے اور اس کی سند یوں ہے۔ ابن عدی حدثنا قسطنطین ثنا الحسن بن عرفة ثنا الحسن بن قتیبة الخ اس سند میں الحسن بن قتیبہ الخزاعی ہے اور علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کی جرح صرف اس سند پر ہے۔

الثالث امام البزارؒ (ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق الحافظ العلامة صاحب المسند المتوفی ۲۹۲ھ تذکرة جلد۲ ص۲۴۳) نے یہ روایت سند کے ساتھ نقل کی ہے کیونکہ وہ اپنے مسند میں باسناد حدیث ہی روایت کرتے ہیں۔ علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد جلد۸ ص۲۱۱ میں بزارؒ کا حوالہ بھی دیا ہے مسند بزار ہمارے پیش نظر نہیں ہے ممکن ہے بزارؒ کی سند میں بھی الحسن بن قتیبہ الخزاعی ہو لیکن علامہ ہیثمیؒ نے خصوصیت سے یہ فرمایا ہے کہ رجال ابی یعلی ثقات ۔ تو دار و مدار ابو یعلیؒ کی سند پر ہے اور وہ بالکل صحیح ہے اور محدثین کرامؒ اسی کی تصحیح کرتے ہیں اور حیات انبیاء کرام علیہم السلام کی بنیاد اس صحیح حدیث پر رکھتے ہیں معترضین حضرات بلا وجہ یہ جرح نقل کر کے اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے اور عوام کے صاف اذہان کو الجھانے کی بے کار سعی کرتے ہیں وثانیاً ۔ قاضی شوکانیؒ نے صح اور ثبت کے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ اصول حدیث اور فن روایت کے مطابق استعمال کیے ہیں اور یہ دونوں لفظ مقبول حدیث پر بولے جاتے ہیں معترض نے جو یہ کہا ہے کہ صح بمعنی ثبت کے ہے اور محدثین جو حدیث قطعی طور پر جعلی ثابت نہ ہو اس پر بھی ثبت کا لفظ اطلاق کرتے ہیں

حضرت العلام مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی فرماتے ہیں کہ مسند بزار کی سند میں الحسن بن قتیبہ موجود ہے جیسا کہ ان کی تقریظ میں یہ بات گذر چکی ہے اور طبقات سبکی ج۲ ص۲۸۱ کی سند میں بھی یہی الحسن بن قتیبہ ہے۔

(مقصد) تو یہ خالص سینہ زاد اختراع اور ایجاد بندہ ہے اور محدثین کرامؒ اس سے بالکل ناواقف ہیں اور قاضی شوکانیؒ کے وہم میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ ہمارے محسن کرم فرما اور وکیل ان پر کیا کیا عنایات فرمائیں گے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) محدثین کرام کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

من الالفاظ المستعملة عند اهل الحديث فى المقبول الجيد والقوى والصالح والمعروف والمحفوظ والمجود والثابت اهـ

محدثین کرامؒ کے نزدیک حدیث مقبول پر جو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں جید، قوی، صالح، معروف، محفوظ، مجود اور ثابت۔

(تدریب الراوی ص۱۰۱ طبع مصر)

اس سے معلوم ہوا کہ محدثین کرامؒ کے نزدیک جید، قوی اور ثابت وغیرہ الفاظ ایک ہی درجہ کے ہیں اور یہ الفاظ حدیث مقبول میں استعمال کئے جاتے ہیں نہ کہ اس حدیث پر جو اگرچہ قطعی طور پر موضوع ثابت نہ ہو سکے مگر صحیح اور مقبول بھی نہ ہو اور پھر آگے امام سیوطیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

والمجود والثابت يشملان ايضاً الصحيح۔

لفظ مجود اور ثابت صحیح کو شامل ہیں۔

(تدریب الراوی ص۱۰۵)

اِس سے بصراحت یہ بات واضح ہوگئی کہ صحیح اور ثابت یا بالفاظ دیگر صَحَّ اور ثَبَتَ ایک ہی معنی پر اطلاق ہوتے ہیں، ان میں استعمال کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں، لہٰذا معترض صاحب کی یہ سینہ زاد توجیہ مردود اور توجيه القول بما لا يرضى به قائله کا مصداق ہے دثانیاً معترض کا یہ ارشاد کہ اہل حدیث اور ائمہ فن کے نزدیک اعتقاد کے لیے خبر واحد صحیح ہونی چاہیئے، اس میں بھی خاصا کلام ہے اگر لفظ اہلحدیث اور ائمہ فن سے ان کی اپنی اصطلاح مراد ہے تو وہ اس کو خوب جانتے ہیں کیونکہ صاحب البیت ادرای بما فیہ اور اگر اس سے جمہور محدثین کرامؒ اور متکلمین وغیرہم مراد ہیں تو ان کے نزدیک قطعی عقیدہ میں خبر واحد صحیح بھی ناکافی ہے (شرح عقائد ص۱۰۱ وغیرہ میں اس کی بحث موجود ہے) ہاں اگر خبر واحد اجماع اور تلقی امت بالقبول سے مؤید ہو جائے۔ جیسے یہ مذکور حدیث ہے تو بات جدا ہے۔ ہمیں اس موقع پر یہ بحث مقصود نہیں جب سنداً یہ روایت صحیح ہے اور محدثین کرامؒ کی تصحیح اس پر مستزاد ہے تو مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہونا چاہیئے کہ (الانبياء احياء فى قبورهم) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں معترض صاحب ادھر ادھر کی باتیں بنا کر اس حق مسلک کو کیوں کمزور کرنے کے درپے ہیں؟

علامہ ذہبیؒ کا وہم

اس صحیح حدیث کے سلسلہ میں قدرے معقول نما اعتراض جو سامنے آیا ہے وہ علامہ شمس الدین ابوعبداللہ الذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) کا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:۔

حجاج بن الاسود عن ثابت البنانی نکرۃ ماروی عنه فیما اعلم سوی مستلم بن سعید فاتی بخبر منکر عنه عن انسؓ فی ان الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون رواہ البیہقی۔

(میزان الاعتدال جلد ۱ ص۲۰۶ طبع مصر)

حجاج بن الاسودؒ ثابت بنانیؒ سے روایت کرتے ہیں مگر وہ مجہول ہیں ہماری دانست کے مطابق مستلم بن سعید کے بغیر ان سے کسی نے روایت نہیں کی اور اس نے حضرت انسؓ سے ایک منکر روایت بیان کی ہے وہ یہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے اور نمازیں پڑھتے ہیں، امام بیہقیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے۔

علامہ ذہبی رحؒ کے اس اعتراض کا تجزیہ یوں کیا جا سکتا ہے (۱) یہ کہ حجاج بن الاسود مجہول ہے نکرۃ (۲) یہ کہ مستلم بن سعید کے علاوہ اس سے کسی اور نے روایت نہیں کی (۳) یہ کہ حضرت انسؓ کے طریق سے جو روایت انہوں نے نقل کی ہے وہ منکر ہے جس کا مضمون یہ ہے الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون۔ لہذا یہ روایت مخدوش ہے۔

الجواب:۔ آپ ترتیب وار ہر ایک شق کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

۱ علامہ ذہبیؒ کا یہ قول کہ حجاج بن الاسود (نکرۃ) مجہول ہے صحیح نہیں ہے حافظ ابن حجرؒ نے علامہ ذہبیؒ کا یہ اعتراض نقل کر کے آگے لکھا ہے:

قال احمد ثقة ورجل صالح وقال ابن معین ثقة وقال ابوحاتم صالح الحدیث وذکرہ ابن حبان فی الثقات۔

(لسان المیزان جلد ۲ ص۱۷۵)

کہ امام احمدؒ ان کو ثقہ اور مرد صالح کہتے ہیں اور امام ابن معینؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں ابوحاتمؒ ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔

جب ائمہ جرح وتعدیل اور چوٹی کے محدثین کرامؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں تو پھر وہ نکرۃ اور مجہول کیسے ہے؟

۲۔ حافظ ابن حجرؒ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ:۔

وعنه جریر بن حازم وحماد بن سلمة وروح بن عبادة وآخرون ۔

حجاج بن الاسودؒ سے جریرؒ بن حازمؒ حمادؒ بن سلمہؒ روحؒ بن عبادہؒ اور دیگر حضرات روایت کرتے ہیں ۔

اور آخرون میں آگے عیسیٰؒ بن یونسؒ کا نام بھی لیا ہے (دیکھئے لسان جلد ۲ صفحہ ۱۷۵) جب ان سے روایت کرنے والے مسلمؒ بن سعیدؒ کے علاوہ اور بھی موجود ہیں تو علامہ ذہبیؒ کا یہ اعتراض بھی ختم ہو گیا کہ اس سے ہماری دانست میں صرف مسلمؒ بن سعیدؒ ہی نے روایت کی ہے غرضیکہ اصول حدیث کے رو سے نہ تو یہ راوی مجهول الحال ہے اور نہ مجهول العین اس لیے علامہ ذہبیؒ کے اس اعتراض کی کوئی وقعت نہیں۔

۳۔ یہ شق پہلی دو شقوں کا نتیجہ ہے جب وہ دونوں باطل ہیں تو یہ خود بخود باطل ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں خبر منکر وہ ہوتی ہے جس کو کوئی ضعیف راوی ثقہ راویوں کے خلاف روایت کرتا ہو اور بعض کے نزدیک کوئی ثقہ راوی اپنے سے ثقہ تر راوی کے خلاف روایت کرتا ہو جس کو بعض شاذ سے بھی تعبیر کرتے ہیں (علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ بعض محدثین شاذ اور منکر کو ایک ہی سمجھتے ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ شاذ وہ روایت ہوتی ہے جس میں ثقہ یا صدوق راوی دیگر ثقات کی مخالفت کرے اور منکر وہ روایت ہے جس میں ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرے (تدریب الراوی صفحہ ۱۵۲) مگر اس روایت کی حیثیت ہرگز یہ نہیں ہے کیونکہ حجاجؒ بن الاسودؒ ثقہ ہے ضعیف نہیں اور نہ اس نے کسی ثقہ یا ثقہ تر راوی کی مخالفت بھی نہیں کی تو ان کی روایت اصول حدیث کے اعتبار سے کیونکر منکر ہو گئی ہے؟ نظر بظاہر علامہ ذہبی کو یہ وہم ہوا ہے کہ انہوں نے اس سابق حدیث کو حضرت انسؓ کی ایک اور روایت کے آئینہ میں دیکھا ہے حالانکہ وہ الگ اور مستقل روایت ہے اور یہ الگ حدیث ہے اور پھر یہ مذکور روایت اس کے مخالف بھی نہیں بلکہ اس کی مؤید ہے وہ دوسری روایت یوں آتی ہے۔

حماد بن سلمة عن ثابت البنانی وسلیمان التیمی عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتیت وفی روایۃ مررت

حمادؒ بن سلمہؒ، ثابت بنانیؒ اور سلیمان تیمیؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت انسؓ بن مالک سے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

علی موسیٰ لیلۃ اُسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہٖ۔

(مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۸ ومسند احمد جلد ۳ صفحہ ۱۴۸)

میں معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا جو سُرخ رنگ کے ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

اس صحیح روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور حجاج بن الاسودؒ کی سابق روایت اس حدیث کے کسی طرح مخالف اور منافی نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اپنی قبروں میں نماز پڑھنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر میں نماز پڑھنے سے کوئی مخالفت اور منافات لازم نہیں آتی اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر میں نماز پڑھنے سے باقی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اپنی قبروں میں نماز پڑھنے کی نفی پیدا ہوتی ہے، اگر مسلم کی اس صحیح روایت کے پیش نظر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے اور اس سے اسلام کے کسی عقیدہ پر زد نہیں پڑتی تو یقین کامل ہے کہ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اپنی قبروں میں نماز پڑھنے سے بھی کسی عقلی اور نقلی دلیل کی مخالفت لازم نہیں آتی، یہ دونوں روایتیں ایک دوسرے کے مخالف اور منافی تو ہرگز نہیں ہاں ایک دوسری کی مؤید ضرور ہیں اور حجاج بن الاسودؒ کی روایت میں متن کی زیادت ہے (اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نماز کے علاوہ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی نماز کا بھی ذکر ہے) اور محدثین کرامؒ کا قاعدہ ہے کہ جب ثقہ راویوں سے سند اور متن میں زیادت مروی ہو تو وہ قابل قبول ہوتی ہے (ملاحظہ ہو مستدرک جلد ۱ صفحہ ۳ وغیرہ) علامہ سخاویؒ اپنے استاد محترم حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:-

وشاھد الحدیث الاول ما ثبت فی صحیح مسلم من روایۃ حماد بن سلمۃ الخ

(القول البدیع صفحہ ۱۲۶)

اس سابق حدیث کا شاہد اور مؤید وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں حمادؒ بن سلمہؒ کے طریق سے مروی ہے

اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۵۲ میں اس کا ذکر کیا ہے اور حضرت مولانا عثمانیؒ نقل فرماتے ہیں کہ:-

وشاھد ھذا الحدیث ما ثبت فی صحیح مسلم ... اس کا شاہد وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں

من رواية حماد بن سلمة عن ثابت عن انس رفعه الخ (فتح الملهم جلد ۱ ص ۳۲۹)

حماد بن سلمہؒ کے طریق سے ثابت بنانیؒ سے مروی ہے کہ حضرت انسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

الغرض حجاج بن الاسودؒ اور حماد بن سلمہؒ کی دونوں روائتیں ایک دوسری کی مؤید، باعث تقویت اور شاہد ہیں نہ کہ ایک دوسرے کی مخالف اور منافی اس لیے علامہ ذہبی کا اعتراض بے جا ہے۔

منکر اور شاذ کی تعریف

اس مقام پر یہ بحث بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگی کہ منکر اور شاذ کی تعریف عرض کر دی جائے تاکہ علامہ ذہبیؒ کا اس روایت کو منکر کہنے کا پس منظر اور پیش منظر سامنے آجائے امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ:

وعلامة المنكر فی حديث المحدث اذا ما عرضت روايته للحديث علی رواية غيره من اهل الحفظ والرضی خالفت روايته روايتهم اولم تكد توافقها فاذا كان الاغلب من حديثه كذلك كان مهجور الحديث غير مقبوله ولا مستعمله اهـ (مسلم جلد ۱ ص ۵)

حدیث بیان کرنے والے کی حدیث کے منکر ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اس کی حدیث دوسرے اہل حفظ اور پسندیدہ راویوں کی حدیث پر پیش کی جائے تو اس کی روایت ان کی روایت کے مخالف ہو یا ممکن ہی نہ ہو کہ اس کی روایت اُن کی روایت کے موافق ہوسکے جب اس کی حدیث پر یہ غالب ہو تو اس کی حدیث متروک اور غیر مقبول ہوگی۔

اس تعریف کے پیش نظر حجاج بن الاسودؒ کی روایت کسی طرح منکر نہیں کیونکہ یہ حماد بن سلمہؒ کی روایت کے موافق مؤید اور اس کی شاہد ہے اور اس کے مخالف کسی طرح نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

قال الشافعیؒ ليس الشاذ من الحديث ان يروی الثقة ما لا يرويه غيره هذا ليس بشاذ وانما الشاذ ان يروی الثقة حديثا يخالف فيه الناس هذا الشاذ من الحديث۔ (معرفت علوم الحديث ص ۱۱۹ طبع قاهره)

شاذ وہ روایت نہیں ہے جس کو ایک ثقہ راوی بیان کرتا ہو اور دوسرے بیان نہ کرتے ہوں بلکہ شاذ وہ روایت ہے جس کو ثقہ راوی بیان کرے مگر اس کی روایت دوسرے راویوں کی روایت کے مخالف ہو ایسی حدیث شاذ ہوتی ہے۔

اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:-

لان الزیادۃ اما ان تکون لا تنافی بینہا وبین روایۃ من لم یذکرھا فہذہ تقبل مطلقا لانہا فی حکم الحدیث المستقل الذی یتفرد بہ الثقۃ ولا یرویہ عن شیخہ غیرہ واما ان تکون منافیۃ بحیث یلزم من قبولہا رد الروایۃ الاخری فہذہ ھی التی یقع الترجیح بینہا وبین معارضہا فیقبل الراجح ویرد المرجوح اھ

(شرح نخبۃ الفکر ص۳۷)

زیادت یا تو ایسی ہوگی کہ جن رواۃ نے یہ بیان نہیں کی بیان کی حدیث کے مخالف نہیں تو وہ مطلقاً قابل قبول ہے کیونکہ وہ ایک مستقل حدیث کے حکم میں ہے جس کے بیان کرنے میں ثقہ راوی متفرد ہے اور اس کے شیخ سے کوئی دوسرا اس کو بیان نہیں کرتا اور یا یہ روایت منافی ہوگی بایں طور کہ اس کے قبول کر لینے سے دوسری روایت کا رد لازم آتا ہو تو ایسی زیادت اور اس کے معارض حدیث میں ترجیح کا سوال پیدا ہوگا راجح کو قبول کر لیا جائے گا اور مرجوح کو رد کر دیا جائے گا۔

اور امام سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ:

ثم یفسرون الشذوذ بمخالفۃ الثقۃ من ھو اوثق منہ والمنقول عن ائمۃ الحدیث المتقدمین کابن مھدی ویحیی القطان واحمد وابن معین وابن المدینی والبخاری وابی زرعۃ وابی حاتم والنسائی والدارقطنی وغیرھم اعتبار الترجیح فیما یتعلق بالزیادۃ المنافیۃ بحیث یلزم من قبولہا رد الروایۃ الاخری اھ

(تدریب الراوی ص۱۵۵ طبع مصر)

پھر محدثین کرامؒ شذوذ کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ ثقہ راوی اوثق کی مخالفت کرتا ہو اور متقدمین آئمہ حدیث مثلاً امام ابن مہدیؒ یحییٰ القطانؒ احمدؒ، ابن معینؒ ابن المدینیؒ بخاریؒ، ابو زرعہؒ ابو حاتمؒ نسائیؒ اور دارقطنیؒ وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ ترجیح کا اعتبار اور سوال اس منافی روایت سے متعلق ہے اور منافات بھی اس حیثیت کی کہ اس زیادت کے قبول کر لینے سے دوسری روایت کا رد لازم آتا ہو۔

اور علامہ جزائریؒ نے بھی اس کی اسی نہج پر بحث اور تحقیق کی ہے (ملاحظہ ہو توجیہ النظر ص۲۱۹ طبع مصر) ان روشن اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شاذ کی تعریف میں مخالفت اور منافات بنیادی شرط ہے بایں طور کہ اس شاذ کے قبول کر لینے سے دیگر ثقات کی روایت کا رد او

مخالفت لازم آتی ہو لیکن حجاج بن الاسودؒ کی روایت سے نہ تو حمادؒ بن سلمہؒ کی روایت کی مخالفت اور منافات ہے اور نہ دیگر ثقہ راویوں کی روایت سے اس کا تضاد ہے اس لیے اس کو منکر یا شاذ کہہ اور سمجھ کر اس سے گریز اور پہلو تہی کرنا تحقیق کے میدان سے کوسوں دور ہے۔

علماء اسلام اور مسئلہ حیات

اس صحیح حدیث اور دیگر شرعی دلائل سے علماء امت نے جو کچھ سمجھا ہے اس مقام پر اس کا ذکر کرنا بھی ایک حد تک ضروری ہے تاکہ اس حدیث کی صحت کے علاوہ اس کی مراد اور مطلب بھی واضح ہو جائے اور اس حدیث کے بارے میں انصاف و دیانت کی دنیا میں کوئی شبہ باقی نہ رہے باقی جو حضرات ذاتی رائے کو چھوڑنا نہ چاہتے ہوں اُن کے لئے دفتروں کے دفتر بھی بیکار ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ان حیاتہٗ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبہا موت بل یستمر حیًّا والانبیاء احیاء فی قبورھم (فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۲۳ طبع مصر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے جس پر پھر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس عبارت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبروں میں زندگی صریح الفاظ میں بیان فرمائی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا ہے کہ قبر میں آپ کی زندگی مستمر اور دائمی ہے جس پر پھر موت طاری اور وارد نہیں ہوتی جس طرح کہ بعض حضرات کے نزدیک نکیرین کے سوال کے وقت عام مُردوں کو زندہ کیا جاتا ہے پھر اُن پر وفات طاری کر دی جاتی ہے گو جمہور اس کے بھی خلاف ہیں۔

نوٹ ضروری:۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قطعی اور صریح دلائل کی روشنی میں وفات آچکی ہے اور یہ بات سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ اور نفس موت میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ہاں اس کے بعد قبر اور برزخ میں دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حیات اور زندگی حاصل ہے

اور یہ برزخی حیات دائمی اور ہمیشہ کے لیے ہے لہذا ایسی حیات کے تسلیم کرنے سے ہرگز کوئی شرک لازم نہیں آتا جیسا کہ بعض کم نا فہم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وفات آچکی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آئے گی اور کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کا اٹل فیصلہ ان کے حق میں بھی پورا ہوگا اور جب ان کو حَیُّ الْقَیُّوم سے اس حیات دائمہ کی صفت میں کوئی مماثلت ہی حاصل نہیں تو پھر شرک کیسا؟ ہاں اگر کوئی شخص ان کی کسی قسم کی وفات کا قائل نہ ہو تو پھر یہ فتویٰ اس کی طرف رُخ پھیر سکتا ہے۔

حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ:-

ان اللہ جل ثناءہ رد الی الانبیاء ارواحہم فہم احیاء عند ربہم کالشہداء الخ (حیاۃ الانبیاء ص۱۴، وفاء الوفاء جلد۲ ص۴۰۶، زرقانی شرح مواہب جلد۵ ص۳۳۲)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح اُن کی طرف لوٹا دیئے ہیں سو وہ اپنے رب کے ہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔

پہلے باحوالہ یہ بحث گذر چکی ہے کہ قبر اور برزخ میں مومنین اور کفار سب کی طرف ارواح لوٹائے جاتے ہیں تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام تو بہت اونچا ہے اس لیے قبور میں ان کی حیات ردِ ارواح کے طور پر ہی ہوگی اور حضرت امام بیہقیؒ کی اس عبارت کا یہی مطلب ہے۔

حضرت ملا علی القاریؒ ارقام فرماتے ہیں کہ:

المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورہم وہم احیاء عند ربہم وان لارواحہم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فہم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون اھ (شرح شفاء جلد۲ ص۱۴۲ طبع مصر)

قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اور اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور ان کے ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم کے اعتبار سے فرشی ہیں۔

اس عبارت میں حیات انبیاء علیہم السّلام کو قابلِ اعتماد عقیدہ قرار دیا ہے اور یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ ان کے ارواح طیبہ کا تعلق جنت، ملاءِ اعلیٰ، رفیقِ اعلیٰ اور علیین سے بھی قائم رہتا ہے اور عالم سفلی یعنی قبور میں ان کے اجسام مبارکہ سے بھی جس طرح کہ دنیا میں تھا کہ وہ قلب کے اعتبار سے عرشی اور قالب کے لحاظ سے فرشی تھے۔

علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں کہ:

لا شك في حياته صلى الله عليه وسلم بعد وفاته وكذا سائر الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام احياء في قبورهم حياة اكمل من حيوٰة الشهداء التي اخبر الله بها في كتابه العزيز اھ (وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۰۵)

وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی اس حیات سے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کیا ہے بڑھ کر ہے۔

اس عبارت میں وفات کے بعد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا ذکر ہے اور یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ ان کی حیات شہداء کی حیات سے جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے زیادہ کامل اور اعلیٰ درجہ پر ہے یعنی جس طرح کہ ان کا درجہ بلند ہے اسی طرح قبر میں ان کی زندگی بھی شہداء کی زندگی سے عمدہ اور ارفع ہے۔ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

واما ادلة حياة الانبياء فمقتضاها حياة الابدان كحالة الدنيا مع الاستغناء عن الغذاء (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۷)

بہر کیف حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں تھی مگر خوراک سے وہ مستغنی ہیں۔

یعنی ان کی حیات محض برزخی اور روحانی ہی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہے مگر جس طرح دنیا میں اجسام عادۃً خوراک کے محتاج ہوتے تھے قبر میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو حسی اور دنیوی خوراک کی حاجت نہیں بلکہ وہ اس سے مستغنی ہیں۔

امام علی بن عبد الکافی السبکیؒ لکھتے ہیں کہ:

واما حيوٰة الانبياء اعلى واكمل واتم من الجميع لانها للروح والجسد على الدوام على ما كان في

بہرحال حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات تو تمام سے اعلیٰ اکمل اور اتم ہے کیونکہ ان کی حیات جسم اور روح دونوں کو

الدنیا اھ (شفاء السقام ص۱۵۲) — دوامی طور پر حاصل ہے جس طرح کہ دنیا میں تھی۔

اور دوسرے مقام پر ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

فان الصلوٰة یستدعی جسداً حیا وکذلک الصفات المذکورة فی الانبیاء لیلة الاسراء کلها صفات الاجسام ولا یلزم من کونها حیاة حقیقیة ان یکون الابدان معها کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ فی الحجاب الکثیف وغیر ذلک من صفات الاجسام التی نشاهدها بل قد یکون لها حکم آخر فلیس فی العقل ما یمنع من اثبات الحیوٰة الحقیقیة لهم واما الادراکات کالعلم والسماع فلا شک ان ذلک ثابت وسنذکر ثبوته لسائر الموتی فکیف بالانبیاء انتهی

(شفاء السقام ص۱۴۳)

نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے اور اسی طرح معراج کی رات حضرات انبیاء علیہم السلام کے بارے میں جتنی صفات کا ذکر ہے وہ تمام اجسام کی صفات ہیں اور اس حیات کے حقیقی حیات ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حیات کے ساتھ ابدان کو کھانے پینے کی ویسی ہی حاجت ہو جیسے دنیا میں تھی یا یہ کہ وہ کثیف پردہ میں نفوذ نہ کر سکیں اور اسی طرح اجسام کی دیگر صفات جن کا ہم دنیا میں مشاہدہ کرتے ہیں یہ ہو سکتا ہے کہ ان ابدان کا حکم دنیوی ابدان سے جدا اور الگ ہو عقلاً اس میں کوئی امتناع نہیں کہ ان کے لیے حقیقی حیات ثابت ہو رہے ادراکات مثلاً علم اور سماع وغیرہ تو ان کے ثبوت میں کوئی شک و شبہ ہی نہیں یہ تو تمام مردوں کے لیے ثابت ہیں پھر بھلا حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰة والسلام کے لیے کیوں ثابت نہ ہوں گے؟

اس عبارت سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰة والسلام کی حقیقی اور جسمانی حیات پر خاصی روشنی پڑتی ہے اور اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ حیات جسمانی کے جملہ لوازمات قبر میں ثابت نہیں ہیں مثلاً کھانے اور پینے کی جس طرح حاجت دنیا میں ہوتی ہے اس طرح قبر میں نہیں ہوتی اور اسی طرح دیگر کئی احکام میں بڑا فرق اور تفاوت ہے، ہاں دنیوی حیات کی طرح ان کو ادراک علم اور شعور حاصل ہے اور انہی اہم امور کی وجہ سے اس کو دنیوی اور جسمانی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کے فرزند ارجمند علامہ تاج الدین السبکی رح (المتوفی ۷۷۱ھ) حضرت انس رض کی مذکور حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

عن انس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون فاذا ثبت ان

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں

نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی فالحی لابد من ان یکون اما عالما او جاھلا ولا یجوز ان یکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاھلا اھ

(طبقات الشافعیۃ الکبری جلد ۶ ص ۲۸۱ طبع مصر)

اور نماز پڑھتے ہیں جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو زندہ کے لیے لازم ہے کہ یا تو وہ عالم ہو اور یا جاہل اور یہ بات تو ہرگز جائز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاہل ہوں (معاذ اللہ) لامحالہ آپ عالم ہوں گے) الخ

اس عبارت میں علامہ سبکیؒ نے ایک تو حضرت انسؓ کی حدیث سے استدلال کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح اور قابلِ احتجاج ہے اور پھر واضح الفاظ میں یہ بات آشکارا کر دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ اور صفت علم سے متصف ہیں۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوٰۃ والسلام علی ما بیناہ اھ

(جلد ۶، ص ۲۸۲)

ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں حس و علم سے موصوف ہیں اور آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچائے جاتے ہیں جس طرح کہ ہم بیان کر آئے ہیں۔

قبر میں حیات کے جو نتائج مرتب ہیں امام موصوفؒ نے ان کو اس عبارت میں بالکل نمایاں کر کے پیش کر دیا ہے کہ حس و علم اور عرضِ اعمال[1] و تبلیغ صلوٰۃ وسلام بالکل متحقق ہیں کچھ غلط کار یا کم فہم

---

[1] عرضِ اعمال کے بارے میں نہایت مختصر تحقیق یہ ہے کہ صحیح روایات سے اجمالی طور پر عرضِ اعمال ثابت ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم ووفاتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما رأیت من خیر حمدت اللہ علیہ وما رأیت من شر استغفرت اللہ لکم رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۴، وفاء الوفا جلد ۲ ص ۴۰۸، ذکرہ السبکیؒ فی شفاء السقام ص ۳۴ والعلامۃ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ

کہ میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم (مشکل مسائل) بیان کرو گے اور (میری طرف سے) ان کی حقیقت بیان کر دی جائے گی اور میری موت بھی تمہارے لیے بہتر ہوگی تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں گے سو جو اچھے ہوں گے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کروں گا اور جو برے ہوں گے میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگوں گا اس کو

(باقی برصفحہ آئندہ)

لوگوں نے امام اہل سنت ابوالحسن الاشعریؒ (المتوفی ۳۳۰ھ) کی طرف یہ عقیدہ منسوب کیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی نبوت کے قائل نہیں (معاذاللہ) ان کم فہموں کو شبہ یہ ہوا ہوگا کہ چونکہ وفات کے ساتھ تکلیفی زندگی ختم ہوجاتی ہے اس لیے نبوت اور رسالت کے فرائض بھی شاید وفات کے ساتھ ختم ہوچکے ہیں اشاعرہ نے اس غلط نظریہ کی اپنے امام سے جو پرزور مدافعت کی ہے وہ متعدد

فی المنحۃ الوھبیۃ فی رد الوھابیۃ ص۱۵ طبع استنبول والزرقانی فی شرح المواھب ج۵ ص۳۳۲)

(بقیہ صفحہ) بزارؒ نے روایت کیا ہے اور اس کے سب راوی بخاری کے راوی ہیں۔

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت بسند صحیح ہے (خصائص الکبریٰ ج ۲ ص۲۸۱) علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے (زرقانی شرح مواہب ج۵ ص۳۳۲) اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے (فہرست عقیدۃ الاسلام ص۱۱) اور مولانا عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے۔ (فتح الملہم ج۱ ص۴۱۳) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بھی اس روایت سے استدلال کیا ہے ملاحظہ ہو فتاویٰ عزیزی ج۲ ص۶۹ فارسی ومترجم اردو ج۲ ص۱۲۶) اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ امت کے اعمال ہر روز حضورؐ کے روبرو پیش کئے جاتے ہیں آپ اعمال خیر کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور بد اعمالیوں پر مطلع ہوکر نالائقوں کے لیے استغفار فرماتے ہیں (پ۱۴ سورہ النحل رکوع ۱۲ تفسیر ص۳۵۸) اور اسی مضمون کی روایت مشہور ثقہ اور مامون تابعی حضرت بکرؒ بن عبداللہؒ سے بھی مروی ہے (طبقات ابن سعد ج۲ ص۱۹۴ والجامع الصغیر ج۱ ص۱۵۰ والسراج المنیر ج۲ ص۲۳۳ وخصائص الکبریٰ ج۲ ص۲۸۱) اور اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں علامہ ابن عبدالہادیؒ فرماتے ہیں وھذا اسناد صحیح الی بکر المزنی ۱ھ الصارم المنکی ص۱۶۸) اور حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ابن المبارکؒ نے حضرت سعید بن المسیبؒ سے روایت کی ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر آپ کی امت کے اعمال صبح وشام پیش نہ کئے جاتے ہوں کذا فی المواہب نشر الطیب ص۲۱۱ اور ص۲۲۹ میں تصریح فرمائی ہے کہ یہ عرض اجمالی ہے تفصیلی نہیں (محصلہ) اور مولانا سہارنپوریؒ لکھتے ہیں کہ اور جو عقیدہ نہیں بلکہ یہ عقیدہ ہے کہ جب حق تعالیٰ چاہے جس شے کو چاہے آپ پر منکشف کردیوے اور ملائکہ درود وسلام پہنچاتے ہیں اور اعمال امت کے بھی آپ پر پیش ہوتے ہیں تو درست ہے الخ (البراہین القاطعہ ص۲۱۶ و ۲۱۷ طبع امدادیہ دیوبند) اور نیز حضرت فرماتے ہیں اس بات کو خوب یاد کرلینا ضروری ہے کہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبر میں زندہ ہیں اور عالم غیب میں اور جنت میں جہاں چاہیں باذنہ تعالیٰ (باقی بر صفحہ آئندہ)

کتابوں میں مذکور ہے چنانچہ علامہ تاج الدین سبکیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ومن عقائدنا ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم فاین الموت الیٰ ان قال وصنف البیہقی رحمہ اللہ جزءًا سمعناہ فی حیوٰۃ الانبیاء علیہم السلام

ہمارے عقیدہ میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں تو پھر ان پر موت کہاں؟ (پھر آگے فرمایا) کہ امام بیہقیؒ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں حیات

(بقیہ صفحہ گذشتہ) چلتے پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آسکتے ہیں اور صلوٰۃ وسلام ملائکہ پہنچاتے ہیں اور اعمال امت آپ پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت حق تعالیٰ چاہے دُنیا کے احوال کشف ہو جاتے ہیں اس میں کوئی مخالف نہیں مگر یہ کہ ہر جگہ محفل مولود میں اور دیگر مجالس ذکر میں ہر روز آتے ہوں یا ہر صوت وندا اور عرض حالات دُنیا کے ہر روز معلوم ہوتے ہوں بدون اعلام حق تعالیٰ کے اس کو تسلیم نہیں کرتے اور یہ کہ سب اشیاء کا علم حق تعالیٰ نے اُن کو دیا ہے اس کو بھی قبول نہیں کرتے بلکہ جس قدر دیا جاتا ہے اس قدر جانتے ہیں اور بس اھ (البراہین القاطعہ صفحہ ۱۹۹، ۲۰۰) الغرض یہ حدیث بالکل صحیح ہے لیکن یہ یاد رہے کہ عرض اعمال سے اُمت کے تمام اعمال کا عرض مراد نہیں ہے جیسا کہ شیعہ تشنیعہ کا مسلک ہے یا جس طرح غالی قسم کے اہل بدعت کا باطل نظریہ ہے بلکہ یہ عرض صرف اجمالی ہے جس میں درود وغیرہ بعض اعمال پیش کئے جاتے ہیں چنانچہ مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:۔

انہ عرض کعرض الاسماء علی الملائکۃ لا علم محیط الیٰ ان قال فعلیہ انک لا تدری ما احدثوا بعدک مع عرض الاعمال علیہ صلی اللہ علیہ وسلم اھ (فہرست عقیدۃ الاسلام ص۱۱)

یہ عرض (صرف اجمالی ہے) جس طرح کہ چیزوں کے نام فرشتوں پر پیش کئے گئے تھے اس سے علم محیط مراد نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) سو اس کی دلیل یہ ہے کہ قیامت کے دن آپ سے فرمایا جائے گا کہ تو نہیں جانتا کہ تیرے بعد ان بدعتیوں نے کیا کیا بدعات گھڑی ہیں حالانکہ آپ پر اعمال پیش ہوتے رہے۔

یعنی اگر اس عرضِ اعمال سے تفصیلی عرض مراد ہو جو اُمت کے تمام اعمال اور جزئیات کو شامل ہو تو انک لا تدری ما احدثوا بعدک کہنا صحیح نہیں ہو سکتا اور یہ صحیح صریح اور مشہور روایت ہے تو اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ شقی القلب اور بدبخت بدعتیوں نے جو بدعات آپ کے بعد ایجاد کی ہیں ان کا آپ کو علم نہیں حالانکہ ان کے اعمال بھی آپ پر پیش ہوتے ہیں تو یہ سوائے عرضِ اجمالی کے اور کیا (باقی بر صفحہ آئندہ)

فی قبورھم واشتد نکیر الاشاعرۃ علی من نسب ھذا القول الی الشیخ اھ (طبقات جلد ۶ ص۲۶۶)

ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جو خود ہم نے سنا ہے اور جن لوگوں نے امام ابوالحسن اشعریؒ کی طرف بہ غلط بات منسوب کی ہے اشاعرہ نے سختی سے اس کا رد کیا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ متکلمین اشاعرہؒ حضرات انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں حیات کو تسلیم کرتے ہیں اور اپنے امام ابوالحسن الاشعریؒ کا بھی یہی مسلک بیان کرتے ہیں اور اس کے خلاف جو بات ان کی طرف نسبت کی گئی ہے سختی سے وہ اس کی تردید کرتے ہیں اور دلائل کی مد میں امام بیہقیؒ کی کتاب سہار الیقینؒ میں

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ہو سکتا ہے؟ مؤلف تسکین الصدور نے ص۱۰۲ اور ۱۰۳ میں حضرت شاہ صاحبؒ کا نام لیے بغیر بلا دلیل راقم پر غصہ کیا ہے کہ مولوی صاحب تطبیق میں فرماتے ہیں کہ یہ عرض اعمال چونکہ اجمالی ہوتا ہے تفصیلی نہیں الخ اور آگے اس اجمال کی نفی کی جو لاحاصل بحث کی ہے اس سے حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی جواب کا بالکل رد نہیں ہوتا ان کا جواب و تطبیق اپنی جگہ قائم ہے ہاں مگر انصاف شرط ہے

امام تاج الدین ابو نصر عبدالوہاب السبکی الشافعیؒ (المتوفی ۷۷۱ھ) لکھتے ہیں

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حی یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوۃ والسلام علی ما بینا اھ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج۳ ص۲۸۲)

کیونکہ ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں حس رکھتے ہیں اور جانتے ہیں اور آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام آپ کو پہنچایا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں اور زندگی کے آثار میں سے احساس اور علم بھی ہے اس لیے آپ قبر مبارک میں حس و علم کی صفت سے بھی متصف ہیں اور آپ پر اعمال امت اور صلوٰۃ و سلام پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ السید نور الدین علی بن احمد السمہودی الشافعیؒ (المتوفی سنہ ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

انا لا نسلم انہ لا یستغفر بعد الموت لما سبق من حیاتہ ومن استغفارہ لامتہ بعد الموت عند عرض اعمالھم علیہ اھ (وفاء الوفاء ج۲ ص۳۱۱)

بیشک ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ آپ وفات کے بعد استغفار نہیں کرتے کیونکہ پہلے گذر چکا ہے کہ آپ زندہ ہیں اور جب امت کے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں تو آپ ان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ (باقی آئندہ صفحہ پر)

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ (المتوفی ۴۶۵ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

فاما ما حکی عنہ وعن اصحابہ انہم یقولون ان محمداً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیس نبی فی قبرہ ولارسول بعد موتہ فبہتان عظیم وکذب محض لم ینطق بہ منہم احد ولا سمع فی مجلس مناظرۃ ذلک عنہم ولا وجد فی کتاب لہم وکیف یصح ذلک وعندہم محمد صلوات اللہ علیہ حی

جو بات امام ابوالحسن اشعریؒ اور ان کے اصحاب سے حکایت کی گئی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں نبی نہیں اور نہ وفات کے بعد رسول ہیں (معاذ اللہ) تو یہ بہتان عظیم اور خالص جھوٹ ہے اور ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ بات نہیں کہی اور نہ کسی مجلسِ مناظرہ میں ان سے سنی گئی ہے اور نہ ان کی کسی کتاب میں اس کا ثبوت ہے

(بقیہ صفحہ) اس عبارت میں بھی آپؐ پر عرضِ اعمال کی اور امت کے لیے آپؐ کے استغفار کی تصریح ہے۔ قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ:

وقد ذہب جماعۃ من المحققین الی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حی بعد وفاتہ وانہ یسر بطاعات امتہ الخ

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۴)

محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وفات کے بعد زندہ کئے گئے ہیں اور آپ امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔

عام موتیٰ پر عرضِ اعمال

اجمالی طور پر بعض اعمال کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) پر عرض اہل السنت والجماعت کے ہاں ایک مسلّم حقیقت ہے جیسا کہ اس کتاب میں درج شدہ حوالوں سے آپ کو یہ امر بخوبی معلوم ہو گیا ہے اہلِ حق کے نزدیک جملہ اموات پر بھی بعض اعمال پیش کئے جاتے ہیں اچھے ہوں تو ان پر وہ خوش ہوتے ہیں بُرے ہوں تو اُن کو ان سے رنج ہوتا ہے حافظ ابن تیمیہؒ اور علامہ بدرالدین عینیؒ کے حوالے سے ہم نے سماع الموتیٰ ص ۱۹ میں اور بعض مرفوع احادیث اور چند حوالے سماع الموتیٰ ص ۳۰۵ میں درج کر دیئے ہیں وہاں ہی ملاحظہ فرمائیں طلبہ علم کے افادہ کے لیے ہم یہاں چند اور حوالے عرض کرتے ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ امام محمد بن محمد الغزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) نقل کرتے ہیں کہ:۔

وقال النعمان بن بشیرؓ سمعت رسول اللہ صلی

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی

(باقی بر صفحہ آئندہ)

فی قبرہ قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ فاخبر سبحانہ ان الشہداء احیاء عند ربہم فالانبیاء اولیٰ بذلک لتقاصر رتبتہ الکافۃ عن درجۃ النبوۃ اھ

(الرسائل القشیریہ صـ۱ طبع کراچی)

اور یہ بات ان سے بھلا کیسے ثابت ہو سکتی ہے جب کہ ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اور ہرگز ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل کیے گئے یہ خیال نہ کرنا کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ شہداء زندہ ہیں جب شہداء زندہ ہیں تو حضرات انبیاء علیہم السلام بطریق اولیٰ زندہ ہیں کیونکہ سب کا رتبہ نبوت کے رتبہ سے قاصر ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی المنبر یقول الا انہ لم یبق من الدنیا الا مثل الذباب تمور فی جوھا فاللہ اللہ فی اخوانکم من اہل القبور فان اعمالکم تعرض علیہم وقال ابوہریرۃ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تفضحوا موتاکم بسیئات اعمالکم فانہا تعرض علی اولیاءکم من اہل القبور اھ

(احیاء العلوم ج۴ صـ۴۱۲)

منبر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا آپ نے فرمایا کہ خبردار دنیا اتنی ہی باقی ہے جتنی (تھوڑی دیر) مکھی جو میں حرکت کرتی ہے سو تم قبر میں دفن ہونے والے اپنے بھائیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ تمہارے اعمال ان پر پیش کیے جاتے ہیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے بُرے اعمال سے اپنے مُردوں کو مت رسوا کرو تمہارے اعمال تمہارے رشتہ داروں پر قبروں میں پیش کیے جاتے ہیں۔

یہ روایت اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے اور اس سے صراحۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ زندوں کے بُرے اعمال سے ان کے اعزہ و اقارب اور رشتہ دار مُردوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

۳۰ شیخ الطائفہ شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد السہروردیؒ (المتوفی ۶۳۲ھ) لکھتے ہیں کہ :-

وقد ورد فی الخبر عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس علی اللہ وتعرض علی الانبیاء والاباء والامہات

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث وارد ہوئی ہے آپ نے فرمایا کہ سوموار اور جمعرات کو اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور جمعہ کے

(باقی برصفحہ آئندہ)

علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں کہ اہل السنت والجماعت کے امام ابوالحسن الاشعریؒ کی طرف ان کے دشمنوں نے جو یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے قائل نہیں ہیں یہ خالص بہتان اور محض افترا ہے خود ان کی اور ان کے اتباع کی کتابوں میں اس کے خلاف مصرح ہے پھر آگے لکھتے ہیں کہ:-

لان الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام احیاء فی قبورھم وقد اقام النکیر علی افتراء ذلک

اس لیے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور امام ابوالقاسم القشیریؒ نے اس

(بقیہ صفحہ گذشتہ) یوم الجمعۃ فیفرحون بحسناتھم وتزداد وجوھھم بیاضاً واشراقاً فاتقوا اللہ ولا تؤذوا امواتکم وفی خبر اخوان اعمالکم تعرض علی عشائرکم واقاربکم من الموتیٰ فان کان حسناً استبشروا وان کان غیر ذلک قالوا اللھم لا تمتھم حتیٰ تھدیھم کما ھدیتنا الخ

(عوارف المعارف علی ھامش الاحیاء ج ۴ ص ۱۵۳)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور باپ دادوں اور ماؤں پر پیش کئے جاتے ہیں وہ نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہرے سفید اور چمکیلے ہو جاتے ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے مردوں کو اذیت مت دو اور دوسری حدیث میں آتا ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے مردہ رشتہ داروں اور اقارب پر پیش کئے جاتے ہیں اگر وہ اعمال اچھے ہوتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر اعمال برے ہوتے ہیں تو دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ان کو اس وقت تک موت نہ دے جب تک تو ان کو ہماری طرح ہدایت نہ دے دے۔

یہ روایت قدرے اختلاف الفاظ کے ساتھ الجامع الصغیر ج ۱ ص ۱۳ والسراج المنیر ج ۲ ص ۱۶۵ وزرقانی شرح المواہب ج ۵ ص ۳۳۷ میں حکیم ترمذی کے حوالہ سے اور شرح الصدور ص ۱۱ اور مائۃ مسائل ص ۳۸ میں بحوالہ مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۵ اور مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۲۸ حضرت انسؓ سے مرفوعاً اور ابوداؤد الطیالسی ص ۲۴۸ میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مرفوعاً مروی ہے الغرض عرض اعمال علی الاقارب کی حدیثیں بھی موجود ہیں اور علماء امت نے ان سے استدلال واحتجاج کیا ہے جیسا کہ ان کی عبارات سے یہ واضح وظاہر ہے۔

حدیث عرض اعمال پر گرفت

اکابر سے کٹ اور ہٹ کر اپنی نئی تحقیق اور رائے کو حرفِ آخر سمجھنے والے بعض دوستوں نے جو کچھ کہا اس کا اجمالی خاکہ بھی ملاحظہ فرمائیں مؤلف ندائے حق ص ۲۴۳ میں لکھتے ہیں کہ شیعہ کہتے ہیں ہمارے

ابوالقاسم القشیری ؒ اھ (شامی جلد ۳ ص ۳۶۶ باب المغنم) — افتراء کی سختی سے تردید کی ہے۔

اور علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی ؒ لکھتے ہیں کہ:۔

والحاصل ان حیاۃ الانبیاء ثابتۃ بالاجماع اھ (المنحۃ الوھبیۃ ص ۶ طبع استنبول) — حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔

امام جلال الدین سیوطی ؒ لکھتے ہیں کہ:۔

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علما قطعیا لما قام عندنا — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر مبارک میں اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اعمال آئمہ اطہار کے پیش ہوتے ہیں سُنّی گو بدعتیوں نے کہا ہمارے اعمال حضور کے حضور پیش ہوتے ہیں الخ الجواب قارئین کرام نے عرض اعمال کے بارے اکابر علماء اہلسنت کے کچھ حوالے پہلے پڑھ لیے ہیں اور مؤلف ندائے حق کے اس حوالہ کے پیش نظر وہ تمام اکابر سُنّی گو بدعتی ہیں ہاں اگر اصلی سُنّی ہیں تو وہ مؤلف مذکور یا ان کے بعض ہمنوا لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور مؤلف مذکور نے ندائے حق ص ۱۳۹ میں عرض اعمال کا عنوان قائم کر کے جو باتیں کہیں وہ یہ ہیں (۱) روایت کی تصحیح اور تحسین کی بابت سیوطی ؒ کا تساہل مشہور ہے اور زرقانی ؒ کا حال بھی کسی عالم سے مخفی نہیں اور سید محمد انور شاہ صاحب ؒ اور مولانا عثمانی ؒ نے انہیں کو دیکھ کر سند جید کہہ دیا ہے (۲) حضرت مولانا حسین علی صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ عرض اعمال شیعہ کا مذہب ہے چنانچہ سند کے ساتھ امام جعفر صادق ؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہر صبح و شام تمام نیک و بد بندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں سو تم بد اعمال سے بچو اللہ تعالیٰ کا ارشاد اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ والمومنون قال واللہ ھو علی ابن ابی طالب عرض اعمال شیعہ کا مذہب ہے کسی حدیث میں نہیں (۳) ابوداؤد کنس المساجد میں عرضت علیّ اعمال امتی منقطع ہے قابل اعتبار نہیں اور پھر اس کا معنی یہ ہے کہ احوال عملوں کا دکھایا گیا نہ یہ معنی کہ فلاں شخص نے یوں کیا (۴) خود صاحب تسکین الصدور نے اپنی کتاب تبرید النواظر ص ۱۱۹ میں لکھا ہے کہ فسیری اللہ عملکم الآیۃ سے شیعہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر آئمہ پر اعمال پیش کرنے پر استدلال کیا ہے (اصول کافی جزو سوم ص ۱۳۹ مع الصافی) اور لکھا ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

من الادلة فی ذٰلك وتواترت به الاخبار الدالة علیٰ ذٰلك اھ (انباء الاذکیاء ص۲ طبع حیدرآباد دکن وفتاوٰی امام سیوطیؒ جلد ۲ ص۱۴۷ طبع مصر)

کی حیات ہمارے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے کیونکہ اس پر ہمارے نزدیک دلائل قائم ہیں اور تواتر کے ساتھ اخبار موجود ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔

چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں رہا اور اس پر حدیث سے بھی صحیح ثبوت موجود ہے اور اُمت کے تمام طبقات میں اس کو تسلیم کیا گیا ہے اس لیے امام سیوطیؒ

(بقیہ گذشتہ) درحقیقت عرض جملہ اعمال شیعہ شنیعہ کا مسلک ہے (۵) رجالہ رجال الصحیح کا لفظ نہ تو صحت حدیث پر دال ہے اور نہ سند کے منقطع ہونے کے منافی ہے (محصلہ) الجواب مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ کہا ہے بالکل بے سود ہے علی الترتیب جوابات ملاحظہ فرمائیں ع۱ بلاشبہ امام سیوطیؒ متساہل تھے لیکن علامہ نورالدین ہیثمیؒ اور علامہ زرقانیؒ کا تساہل ثابت نہیں اور بلا حوالہ اور بدُون دلیل کے ان حضرات کا تساہل غیر مسلم ہے اسی طرح مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ اور مولانا عثمانیؒ دور حاضر کے محقق علماء میں تھے نرے لکیر کے فقیر نہ تھے خود مؤلف مذکور ندائے حق ص۳۲ میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کو رئیس المحدثین اور ابن حجر ثانی کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں مگر صد افسوس ہے کہ یہی رئیس المحدثین اور ابن حجر ثانی جب کوئی ایسا بیان کرتے ہیں جو مؤلف مذکور کے نظریہ کے خلاف ہوتا ہے (جیسے یہاں) تو وہ صرف سید محمد انور شاہ صاحبؒ رہ جاتے ہیں اس لیے ان پر کی گئی بے اعتمادی کا بھی اہل حق کے ہاں قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہے ع۲ شیعہ کے ساتھ بعض مسائل میں اشتراک وتوارد اس کا مقتضی تو نہیں کہ ان مسائل ہی کا سرے سے انکار کر دیا جائے اگر شیعہ نماز وروزہ اور حج وغیرہ احکام کے قائل ہیں تو کیا ہم اہل السنت والجماعت ان احکام کا انکار کر دیں؟ (معاذ اللہ تعالیٰ) علاوہ ازیں اہل حق اجمالی عرض کے قائل ہیں جیسا کہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ اور حضرت مولانا تھانویؒ وغیرہ حضرات کے حوالے عرض کر دیئے گئے ہیں اور شیعہ عرض تفصیلی کے قائل ہیں چنانچہ خود مؤلف ندائے حق نے ص۱۳۶ میں حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کی املائی تفسیر بلغة الحیران ص۲۴۳ کا بحوالہ نقل کیا ہے۔ اے برادر یہ عقیدہ کہ کوئی سب کچھ جانتا ہے اور صبح وشام کسی پر اعمال کل عباد کے پیش ہوتے ہیں یہ عقائد شیعہ کے ہیں۔ الغرض دونوں کے نظریات میں بڑا فرق ہے۔ ع۳ ابوداؤد کی روایت کا اس موقع پر پیش کرنا بے محل ہے اور یہ حضرت مرحوم کا وہم ہے کیونکہ وہ عرض

(باقی برصفحہ آئندہ)

نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور ایک اور مقام میں تواتر کا دعویٰ کر کے یوں لکھتے ہیں کہ :-

ان من جملة ما تواتر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیاة الانبیاء فی قبورھم (النظم المتناثر من الحدیث المتواتر کذا فی شرح البوستویؒ ص۲۲ طبع مصر)	یعنی جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ مروی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

علامہ داؤدؒ بن سلیمان البغدادیؒ نے بھی اس حدیث کے متواتر کہنے میں امام سیوطیؒ کی تابعداری کی ہے۔ (المنحة الوھبیة ص۱۱ طبع استنبول)

(بقیہ صفحہ گذشتہ) جیسا کچھ بھی تھا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر زندگی میں ہوا تھا اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں جو عرض ہے وہ بعد از وفات قبر مبارک میں ہے جب دونوں حدیثوں کا محل جدا جدا ہے تو ایک کو دوسری کی تفسیر میں یا اس کے معارضہ میں پیش کرنا بے سود ہے وہ صحیح ہو یا منقطع ہو اس کی وجہ سے اس صحیح حدیث پر ہرگز کوئی زد نہیں پڑتی (۴) تبرید النواظر میں شیعہ شنیعہ کا جو مسلک نقل کیا گیا ہے اس میں یہ الفاظ موجود ہیں عرض جملہ اعمال الخ خدا کرے کہ مؤلف مذکور کو جملہ کا معنیٰ سمجھ آجائے کیونکہ بات سب سمجھ ہی کی ہے الحاصل اہلِ حق جس طرح کے عرض اعمال کے قائل ہیں وہ روایۃً ودرایۃً بالکل صحیح ہے اور اس پر کوئی قابلِ التفات عقلی یا نقلی اعتراض وارد نہیں ہوتا ہاں اگر کوئی صرف میں نہ مانوں کی رٹ لگاتا رہے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

مؤلف آقامۃ البرہان

مؤلف مذکور نے ص۲۴۲ تا ص۲۴۵ میں ازالۃ الریب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کثرت تفحص کے بعد بھی حضرت امام سیوطیؒ کے زمانہ تک کسی ان محدث سے اس حدیث کی تصحیح یا تحسین نہیں مل سکی اور امام سیوطیؒ تصحیح حدیث میں بہت متساہل ہیں وہ تو جعلی من گھڑت اور موضوع حدیثوں کا سہارا بھی اپنے استدلال میں ڈھونڈ لیتے ہیں دیکھئے (مسالک الحنفاء وغیرہ) جب تک اس روایت کی پوری سند اور اس کے رواۃ کی توثیق اور سند کا اتصال ثابت نہ کیا جائے اور کسی معتبر محدث سے اس کی تصحیح اور تحسین ثابت نہ ہو تو اس پر علم غیب وغیرہ قطعی عقیدہ میں کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ بقول امام سیوطیؒ یہی کہا جائے گا کہ یا تو اس کی مناسب تاویل کی جائے گی، یا خود یہ حدیث باطل ٹھہرے گی (کما بیناہ) خصوصاً جب کہ یہ روایت مسند بزار کی ہے جو نہ تو کتب حدیث کے طبقہ اولیٰ میں ہے اور نہ ثانیہ میں الخ (باقی برصفحہ آئندہ)

لے حضرت مولانا حسین علی صاحب [illegible] راولپنڈی میں لکھتے ہیں ہر روز [illegible]

اہل علم جانتے ہیں کہ تواتر کے کئی اقسام ہیں۔ تواتر لفظی، تواتر معنوی، تواتر طبقہ اور تواتر توارث وغیرہ گو اس حدیث کے الفاظ اور اسناد متواتر نہیں لیکن تواتر طبقہ اور تواتر توارث کا شرف اس کو حاصل ہے! امام عبدالوہاب شعرانیؒ المتوفی ۹۷۳ھ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

قد صحت الاحادیث انه صلی الله علیه وسلم حی فی قبره یصلی باذان واقامة۔ (منح المنة ص۹۲ طبع مصر)

بلاشبہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

پہلے صحیح روایت عرض کی جا چکی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں اور منفرد کی کامل نماز تو وہی ہوتی ہے جو اذان و اقامت سے ہو لہٰذا اذان و اقامت خود نماز

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اس کے بعد انہوں نے تسکین الصدور کی عرض اعمال کی حدیث کے صحیح ہونے کا حوالہ پیش کر کے جواب لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ سیوطیؒ معتبر محدث نہیں کسی معتبر محدث سے اس کی تصحیح و تحسین ثابت نہیں راویوں کی توثیق اور سند کا اتصال ثابت نہیں اب کیا امام سیوطیؒ معتبر ہو گئے ہیں؟ یا مسند بزار طبقہ اولیٰ اور ثانیہ میں شامل ہو گئی ہے یا طبقہ ثالثہ و رابعہ کی حدیثیں قابل احتجاج ہو گئی ہیں۔ علامہ نورالدین ہیثمیؒ اگرچہ امام سیوطیؒ پر اقدم ہیں لیکن وہ بھی امام سیوطیؒ کی طرح ناقل و جامع ہیں اور ان کے رجالہ رجال الصحیح کہنے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا (محصلہ) الجواب جس وقت ہم نے ازالۃ الریب لکھی تھی اس وقت ہمارے سامنے صرف امام سیوطیؒ کی خصائص الکبریٰ کا حوالہ ہی تھا اور ہم صرف امام سیوطیؒ کی تصحیح پر ان کے متساہل ہونے کی وجہ سے مطمئن نہ تھے لیکن سرسری طور پر اس کے دیگر مظان سے دیکھا تو کسی اور کی تصحیح و تحسین نہ مل سکی لیکن جب بعد کو مجمع الزوائد زرقانیؒ رئیس المحدثین ابن حجر ثانی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ اور مولانا عثمانیؒ وغیرہ کے حوالے مل گئے تو ہم مطمئن ہو گئے اور ہم نے اسی اطمینان سے یہ بحث تسکین الصدور میں باحوالہ درج کر دی اور اس سلسلہ میں اصل اعتماد امام سیوطیؒ کے علاوہ دوسروں پر ہے جب اس روایت کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں تو ان کے ثقہ ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور جب ذمہ داری سے علامہ ہیثمیؒ وغیرہ اس کو صحیح اور جید کہتے ہیں تو اصول حدیث کے رو سے صحت کے لیے اتصال سند بھی ضروری امر ہے لہٰذا اتصال سند بھی ثابت ہے علامہ ابن الصلاحؒ کا حوالہ اسی کتاب میں اپنے مقام پر آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ (باقی بر صفحہ آئندہ)

میں شامل ہیں اور کتب فقہ میں منفرد کے لئے بھی اذان و اقامت کا ثبوت موجود ہے (یا جماعت اس منفرد کی نماز نور الانوار صلا۳۱۶ وغیرہ کے حوالہ کے مطابق ادا ءِ قاصر کی مد میں شامل ہوتی ہے جہاں جماعت مسنونہ مل سکتی ہو اور تغافل و کوتاہی کر کے آدمی اس کو حاصل نہ کر سکے اور پھر تکلیفی زندگی ہو قبر کا معاملہ اس سے الگ ہے لہٰذا ندائے حق صا۹۱ پر اس پر بحث لا حاصل ہے)

حضرت مولانا عثمانی رحؒ لکھتے ہیں کہ :-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی کما تقرر و انہ یصلی فی قبرہ باذان واقامۃ اھ (فتح الملہم جلد ۳ صا۴۱۹)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ پہ ثابت ہے اور آپ اپنی قبر میں اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

ان کثیراً من الاعمال قد ثبتت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی وقراۃ القرآن عند الترمذی الخ (فیض الباری جلد ۱ صا۱۸۳)	قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان و اقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں اور قراۃ قرآن کا ترمذی کی روایت ہیں۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفیؒ المتوفی ۸۵۵ھ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ الآیۃ کی تفسیر کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ :-

اراد بالموتتین الموت فی الدنیا والموت فی القبر وھما موتتان المعروفتان المشھورتان فلذلک ذکرھما بالتعریف وھما موتتان لکل احد غیر الانبیاء علیھم السلام فانھم لا یموتون	دو موتوں سے ایک وہ موت مراد ہے جو دنیا میں آتی ہے اور دوسری وہ ہے جو قبر میں آتی ہے یہی دو معروف و مشہور موتیں ہیں اس لیے ان کو الف لام حرف تعریف سے ذکر کیا ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں وہ اپنی

(بقیہ گذشتہ) اور علامہ ہیثمی جو رسے ناقل اور جامع ہی نہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح اور ضعیف حدیثوں کے پرکھنے کا قوی ملکہ عطا فرمایا ہے اور بعد میں آنے والے جملہ محدثین کرامؒ اس سلسلہ میں ان پر اعتماد کرتے ہیں جب یہ ذمہ دار حضرات اس کی تصحیح کرتے ہیں تو یہ روایت مسند بزار میں رہ کر بھی صحیح ہو سکتی ہے نہ طنطنہ بدلنے کی حاجت ہے اور نہ اس صحیح روایت پر بے اعتمادی کی کوئی وجہ ہے۔

في قبورهم بل هم احياء واما سائر الخلق فهو يموتون في القبور ثم يحيون يوم القيامة (عمدة القاري جلد ۷ ص۱۸۶ طبع مصر)

قبروں میں نہیں مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں بخلاف دیگر مخلوق کے کہ (حساب و کتاب کے بعد) وہ قبروں میں وفات پا جاتے ہیں اور پھر قیامت کے دن وہ زندہ ہوں گے۔

یہ تحقیق اس مسلک پر مبنی ہے کہ قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے پھر ان کو وفات دی جاتی ہے۔ مگر جمہور اس کے خلاف ہیں (پہلے اس کی بحث گذر چکی ہے) لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام پر قبور میں وفات نہیں آتی بلکہ وہ مستمر طور پر زندہ رہتے ہیں اور اس بات میں وہ حضرات بھی متفق ہیں جو عام مردوں کے لیے قبر میں سوال کے بعد موت تسلیم کرتے ہیں۔

حضرت امام مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہونے والے کے لیے لفظ زیارت کو ناپسند فرماتے تھے۔ علامہ ابن رشدؒ (المتوفی ۵۹۵ھ) نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ لفظ زیارت عموماً مردوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو قبر مبارک میں زندہ ہیں پھر لفظ زیارت کیوں استعمال کیا جائے۔

چنانچہ حضرت مولانا عبد الحلیم فرنگی محلیؒ (المتوفی ۱۲۸۵ھ) نقل کرتے ہیں کہ:۔

نقل عن الامام مالكؒ انه كان يكره ان يقول رجل زرت قبر النبي صلى الله عليه وسلم قال ابن رشدؒ من اتباعه ان الكراهة لغلبة الزيارة في الموتى وهو صلى الله عليه وسلم احياه الله تعالى بعد موته حياة تامة واستمرت تلك الحيوة وهي مستمرة في المستقبل وليس هذا خاصة به صلى الله عليه وسلم بل يشاركه الانبياء عليهم السلام فهو حي بالحيوة الكاملة مع الاستغناء عن الغذاء الحسي الدنيوي (نور الايمان بزيارة آثار حبيب الرحمن ص۱۶ ونحوه في وفاء الوفاء جلد ۲ ص۴۱۳ طبع مصر)

امام مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ اس کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی علامہ ابن رشد مالکیؒ فرماتے ہیں کہ کراہت کی وجہ یہ ہے کہ زیارت کا لفظ بالعموم مردوں کے لیے بولا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وفات کے بعد مکمل حیات بخشی ہے اور یہ مستقبل میں دائمی ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مختص نہیں بلکہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام بھی اس میں آپ کے ساتھ شریک ہیں پس آپ کو حیات کاملہ حاصل ہے لیکن دنیوی اور حسی خوراک کی حاجت نہیں پڑتی۔

اس عبارت میں بھی یہ امر واضح کر دیا گیا ہے کہ گو یہ حیات کامل ہے مگر تمام لوازمات دنیوی اس پر مرتب نہیں ہوتے کہ اس میں دنیوی اور حسی خوراک کی حاجت بھی باقی رہے۔

اس مقام میں مؤلف ندائے حق نے صت۳۵ تا صت۳۷ میں ایک غیر ضروری اور بے فائدہ بحث چھیڑ دی ہے جس کا تجزیہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ (۱) ابن رشدؒ کا قول لغت میں معتبر نہیں۔

الجواب ہم نے کب ابن رشدؒ کا قول لغوی اعتبار سے پیش کیا ہے ان کا حوالہ صرف اس لیے پیش کیا گیا ہے کہ فقہی طور پر انہوں نے امام مالکؒ کے قول کی ایک توجیہ پیش کی ہے اور علامہ ابن رشدؒ کا مقام فقہاء مالکیہ میں بہت بلند ہے۔

ع۲ زیارت کا لفظ زندوں پر ہوتا ہے اور اس کے ثبوت میں کئی حوالے پیش کئے ہیں۔

الجواب بجا ہے اس کا کون انکار کرتا ہے؟ لیکن یہ لفظ اسی میں منحصر نہیں ہے اور مقامات پر بھی بولا جاتا ہے۔

ع۳ اہل عرف جب زیارت میت کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد (بحذف مضاف) قبر ہوتی ہے

الجواب بجا ہے قرآن کریم، احادیث اور فقہاء کرامؒ کی عبارات میں زرتم المقابر اور زیارۃ القبور وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں اگر ایسا ہی مضاف آپ ابن رشدؒ کے کلام میں مراد لے لیں تو کیا نقصان لازم آتا ہے؟ علاوہ ازیں ہمارے فقہاء احناف نے لفظ زیارت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بولا ہے چنانچہ علامہ شرنبلالیؒ لکھتے ہیں

ینبغی لمن قصد زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یکثر من الصلوٰۃ علیہ الخ	جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا قصد کرے تو اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ بکثرت آپ پر درود شریف پڑھے۔
(نور الایضاح صت۱۸۸)	

اور علامہ عبد العلی بحر العلومؒ روضہ اقدس پر حاضر ہونے سے پہلے کی ایک دعا بتاتے ہیں جس میں یہ الفاظ بھی ہیں وارزقنی من زیارۃ رسولک صلی اللہ علیہ وسلم الخ (رسائل الارکان صت۲۸) الغرض زندہ کی زیارت، قوم کی زیارت، قبر کی زیارت اور زیارۃ النبی اور زیارۃ الرسول کے تمام الفاظ اپنے اپنے معنی اور اپنے موقع اور محل کے لحاظ سے درست ہیں نہ تو اس میں راقم کی لغوی غلطی ہے اور نہ علامہ ابن رشدؒ کی۔

علامہ ابو الوفاء علی بن محمد ابن عقیل الحنبلیؒ (المتوفی سنہ ۵۱۳ھ) کا ارشاد ہے کہ:۔

قال ابن عقیلؒ من الحنابلة وهو صلی الله علیه وسلم حی فی قبره یصلی (الروضة البهیة ص۱۴)

علامہ ابن عقیل الحنبلیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

امام بدرالدین بعلی الحنبلیؒ جنہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتاوی کا اختصار کیا ہے، لکھتے ہیں کہ:۔

والانبیاء احیاء فی قبورهم وقد یصلون (مختصر الفتاوی المصریة ص۱۷)

حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور لیسا اوقات نماز بھی پڑھتے ہیں۔

یعنی چونکہ تکلیفی زندگی تو رہی نہیں اور وہ حضرات نماز تلذذ کے طور پر پڑھتے ہیں، اس لیے پابندی لازم نہیں اور قد یصلون کہہ کر اسی حقیقت کو آشکارا کر دیا ہے کیونکہ حرف قد مضارع پر داخل ہو کر اکثر تقلیل کا فائدہ دیتا ہے۔ اور حرف قد مضارع پر کبھی تحقیق کے لیے بھی آتا ہے۔ (رضی جلد ۲ ص۳۸۸ و متن متین ص۲۸)

فقیہ وقت علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۱۰۶۹ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ولما هو مقرر عند المحققین انه صلی الله علیه وسلم حی یرزق متمتع بجمیع الملاذ والعبادات غیر انه حجب عن ابصار القاصرین عن شریف المقامات۔ (نور الایضاح ص۱۷)

محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپ تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں مگر ان نگاہوں سے اوجھل ہیں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔

اس عبارت میں محققین کا مسلک یہ بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور رزق اور عبادات سے متمتع ہیں لیکن یہ رزق دنیوی اور حسی نہیں بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہاں کا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

علامہ ابن عابدین الشامی الحنفیؒ ایک خاص مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ان الانبیاء احیاء فی قبورهم کما ورد فی الحدیث

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ

(رسائل ابن عابدین جلد ۲ ص ۲۰۳ طبع مصر)

ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

علامہ شامیؒ نے اس عبارت میں حیات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حدیث پر بنیاد رکھتے ہوئے تسلیم کیا ہے جس سے حدیث کی صحت بھی ان کے نزدیک مسلّم ہے۔

الامام الاستاذ ابو منصور طاہر الشافعی البغدادیؒ (المتوفی سنہ ۴۲۹ھ) فرماتے ہیں کہ :-

قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حیّ بعد وفاتہ یسر بطاعات امتہ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۵ و اعلاء السنن جلد ۱۰ ص ۳۳۰)

ہمارے اصحاب کے محقق متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی اُمت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔

اصحابنا سے متکلمین کی جماعت مُراد ہو یا شوافع کی بہرصورت ان میں محققین کا مسلک اور تحقیق یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاویؒ المتوفی سنہ ۹۰۲ھ لکھتے ہیں کہ

نحن نؤمن ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لا تأکلہ الارض والاجماع علی ھذا۔ (القول البدیع ص ۱۲۵ طبع الہ آباد)

ہم اس بات پر ایمان لاتے اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپ کے جسدِ اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اسی پر اجماع منعقد ہے

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر مبارک میں زندہ ہونا اور آپ کو رزق ملنا اور جسدِ اطہر کا محفوظ رہنا اجماعِ اُمت سے ثابت ہے اگر بالفرض حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہ بھی ہوتا تب بھی اُمتِ مسلمہ کا اجماع شرعی دلائل میں سے ایک وزنی دلیل ہے۔

علامہ محمد عابد السندی الحنفیؒ المتوفی سنہ ۱۲۵۷ھ لکھتے ہیں کہ :-

اما ھم فحیاتھم لا شک فیھا ولا خلاف لاحد من العلماء فی ذالک الی ان قال فھو صلی اللہ علیہ وسلم حیّ علی الدوام (رسالہ مدنیہ ص ۲)

بہرحال حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علماء میں سے کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں۔

یعنی وفات کے بعد قبر میں جو حیات آپؐ کو حاصل ہے وہ مستمر اور دوامی ہے وہ سلب نہیں ہوتی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

حیات متفق علیہ است ہیچ کس را در وے خلافے نیست (اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۶۱۳)	حیات متفق علیہ ہے کسی کا اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

شیخ محدث دہلویؒ باوجود وسیع النظر ہونے کے کس وضاحت سے یہ بیان کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اگر کسی ایک فرد کا اختلاف بھی اس میں ہوتا تو ضرور اس کا اظہار فرماتے۔

نواب قطب الدین خان صاحبؒ (المتوفی ۱۲۷۹ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دُنیا کی سی ہے (مظاہر حق جلد ۱ صفحہ ۴۴۵) نواب صاحبؒ دُنیا کی سی کا جملہ بول کر یہ حقیقت بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ حیات مِنْ کُلِّ الوُجُوْہ دنیوی نہیں ہے کہ حتیٰ کھانے پینے کی حاجت ہو بلکہ بعض وجوہ سے دنیوی ہے مثلاً ادراک علم اور شعور وغیرہ۔

مشہور محقق، محدث اور نکتہ رس عالم علامہ شہاب الدین فضل اللہ بن حسین تورپشتی الحنفی[1] المتوفی فی حدود سنہ ۶۶۰ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:۔

وازاں جملہ آنست کہ بدانند کہ کالبد وے را زمین نخورد و پوسیدہ نشود و چوں زمین از وے شگافتہ شود کالبد وے بحال خود باشد و حشر وے و جملہ انبیاء چنیں باشد و حدیثے درست است کہ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ	ان خصوصیات میں سے ایک یہ بھی جاننی چاہیے کہ آپ کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھاتی اور نہ وہ ریزہ ریزہ ہوگا اور (قیامت کو) جب زمین شق ہوگی تو آپ کا جسم مبارک اپنی حالت میں محفوظ ہوگا اور اسی وجود مبارک کے ساتھ آپ اور دیگر جملہ انبیاء علیہم السلام کا حشر ہوگا

---

[1] ملا کاتب چلپیؒ نے ان کو الحنفی لکھا ہے ملاحظہ ہو کشف الظنون ج ۲ صفحہ ۴۴۲ وھو الحق اور علامہ سبکیؒ نے ان کا تذکرہ طبقات شافعیہ جلد ۵ صفحہ ۱۴۷ میں کیا ہے۔

اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ الی ان قال ہم احیاء فی قبورھم یصلون۔ واول ہمہ پیغمبر ما برخیزد از گور (کتاب المعتمد فی المعتقد باب ۲ فصل ۴ للتوربشتی رحؒ)

اور صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام حرام کر دیئے ہیں (پھر آگے فرمایا کہ) انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور سب سے پہلے قبر مبارک سے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اٹھیں گے۔

موصوف رحؒ نے یہ لکھ کر آخر میں فرمایا ہے کہ دانستن این ہمہ کہ یاد کردیم مہم است یعنی یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کا جاننا نہایت ضروری اور اہم ہے غور فرمایئے کہ کس خیر خواہی، دلسوزی اور ہمدردی سے ضروری اور مہم اُمور کو ذہن نشین کرنے کی سعی کی جا رہی ہے اور مستند، صحیح اور معروف حدیثوں کا حوالہ دے کر اُن اُمور کو مبرہن اور مدلل کیا جا رہا ہے تاکہ کسی منکر کے لیے انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری رحؒ الحنفی (المتوفی ۱۲۹۷ھ) نقل کرتے ہیں کہ:-

والاحسن ان یقال ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم لایتعقبھا موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورھم (حاشیہ بخاری جلد ۱ ص ۵۱۷)

بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت اور نہیں ہوتی بلکہ دوامی حیات آپ کو حاصل ہے اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

قبر میں حیات کے منکروں نے حضرت صدیقؓ کے اس قول

والذی نفسی بیدہ لایذیقک اللہ الموتتین ابدًا۔

کہ بخدا آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی دو مرتبہ موت نہیں چکھائے گا)

سے استدلال کیا تھا اور اہل سنت کی طرف سے اس کا ایک جواب یہ ہے جو مولانا سہارنپوری رحؒ نے فتح الباری کے حوالہ سے نقل کر کے اس کی تائید کی ہے۔

مولانا ابو الغنیق عبد الہادی محمد صدیق نجیب آبادی الحنفی رحؒ (المتوفی سنہ ھ) لکھتے ہیں کہ:-

انھم اتفقوا علی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم بل حیاۃ الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام متفق علیھا لاخلاف لاحد فیھا

محدثین کرامؒ اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات متفق علیہا ہے،

(انوار المحمود شرح ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۶۱) اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول و مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اسی طرح باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اتفاقی امر ہے اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حضرت مولانا عثمانی رحؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ودلت النصوص الصحیحۃ علی حیٰوۃ الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کما سیأتی انشاء اللہ تعالیٰ فی موضع یلیق بہ انتہیٰ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۵)

نصوص صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں جیسا کہ مناسب موقع پر اس کا ذکر ہوگا۔ انشاء اللہ

مولانا نے متعدد مقامات پر حیات انبیاء علیہم السلام کو بیان فرمایا ہے ان کی بعض ضروری عبارتیں باحوالہ اپنے مقام پر آرہی ہیں انشاء اللہ۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ (المتوفی ۱۳۴۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم اھ (بذل المجہود جلد ۲ ص ۱۱۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اگر اس حیات سے محض روح کی حیات مراد ہے اور قبر میں جسم اطہر کا اس سے کوئی تعلق نہیں تو حضرت انسؓ کی حدیث میں قبور کا لفظ معاذ اللہ بیکار جاتا ہے اور اسی طرح اکابر کی عبارات میں بھی لفظ قبر کا کوئی مطلب نہیں معنیٰ حاصل نہیں ہوتا چونکہ ان کے اجساد مبارکہ قبروں میں بالکل محفوظ ہیں تو قبر میں حیات کا مطلب اور مفہوم اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ روح مبارک کا جسم اطہر سے تعلق ہے اور اس کی بدولت حیات حاصل ہے۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وقد یتخایل ان رد الروح ینافی الحیٰوۃ وھو یقررھا فان الرد انما یکون

کبھی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ روح کا لوٹانا حیات کے منافی ہے حالانکہ ردِّ روح حیات کو ثابت کرتا ہے

الی الحی لا الی الجماد کما وقع فی حدیث لیلۃ التعریس یرید بقولہ الانبیاء مجموع الاشخاص لا الارواح فقط الخ (تحیۃ الاسلام ص۳۵ و ۳۶)

کیونکہ روح زندہ کی طرف لوٹائی جاتی ہے نہ کہ جماد کی طرف جیسا کہ لیلۃ التعریس کی حدیث میں ہے (جب سب حضرات سو گئے تھے اور سورج چڑھنے کے بعد بیدار ہوئے اور اس میں رد روح کا ذکر ہے بخاری ج۱ ص۸۳) اور انبیاء احیاء سے حضرات انبیاء کے مجموع اشخاص مراد ہیں نہ کہ فقط ارواح (یعنی وہ اپنے اجسام کے ساتھ زندہ ہیں۔

حضرت موصوفؒ نے اس عبارت میں تصریح کردی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی زندگی سے فقط روح کی زندگی مراد نہیں بلکہ بدن اور روح دونوں کی زندگی مراد ہے (مجموع الاشخاص)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ارقام فرماتے ہیں کہ بیہقی وغیرہ نے حدیث انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں کذا فی المواہب اور یہ نماز تکلیفی نہیں بلکہ تلذذ کے لیے ہے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ کو ہر جگہ پکارنا جائز ہے الخ

(نشر الطیب ص۲۱۱ طبع جید برقی پریس دہلی)

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ :- آپ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں (التکشف ص۲۲۶)

حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت انسؓ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

برزخ صغرٰی چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد و احوال ایں مواطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون فی قبورھم شنیدہ باشند۔

(مکتوبات دفتر دوم ص۲۹ طبع لکھنؤ)

چھوٹا برزخ (یعنی قبر) جب ایک وجہ سے دنیوی جگہوں میں سے ہے تو یہ ترقی کی گنجائش رکھتا ہے اور مختلف اشخاص کے اعتبار سے اس جگہ کے حالات خاصے متفاوت ہیں۔ آپ نے یہ تو سُنا ہی ہوگا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں

حافظ ابن حجرؒ حیات انبیاء علیہم السلام پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

واذا ثبت انھم احیاء من حیث النقل	اور جب نقل کے لحاظ سے ان کا زندہ ہونا ثابت
فانہ یقویہ من حیث النظر کون	ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے
الشھداء احیاء بنص القرآن والانبیاء	وہ یہ کہ شہداء نص قرآن کے رُو سے زندہ ہیں اور
افضل من الشھداء اھ	حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تو شہداء سے اعلیٰ اور
(فتح الباری جلد ٦ ص ٣٧٩)	افضل ہیں تو بطریق اولیٰ ان کو حیات حاصل ہوگی)

تمام اہل اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبر اور برزخ میں حیات حضرات شہداء کی حیات سے اعلیٰ اور ارفع ہے اور جب شہداء کی زندگی نص قرآنی سے ثابت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں تو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث انسؓ کی رُو سے تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہی ہے عقلی اور نظری طور پر دلالۃ النص سے بھی ان کی حیات ثابت ہے اس لئے کہ وہ شہداء سے افضل ہیں تو لامحالہ ان کی حیات بھی شہداء سے افضل اور برتر ہوگی لہذا نقل وعقل سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید تھے

حافظ ابن حجر وغیرہ نے تو قیاس کے ذریعہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام قبر و برزخ میں زندہ ہیں لیکن قطع نظر اس قیاس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید بھی ہیں لہذا جو حیات شہداء کی منصوص ہے وہ نص قرآنی سے بھی آپ کے لیئے ثابت اور متحقق ہے۔

قصہ یوں ہے کہ ۷ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابہ کرامؓ کی معیت میں خیبر فتح کر لیا تو یہود خیبر اس پر بہت ہی زیادہ برافروختہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ تیار کیا چنانچہ مشہور یہودی سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت الحارث نے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مع چند دیگر صحابہ کرامؓ کے دعوت تیار کی اور بکری کے گوشت میں زہر ہلاہل ڈال کر آپ کو شہید کرنا چاہا، چنانچہ آپ کے ساتھیوں نے بھی وہ کھانا ایک ایک دو دو لقمے کھایا اور آپ نے بھی ایک لقمہ منہ مبارک میں ڈالا، اور اس کا لعاب حلق مبارک سے نیچے پیٹ میں چلا گیا، گوشت کی بوٹی نے بول کر کہا حضرت

مت کھائیے کیونکہ میں زہر آلود ہوں، آپ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو فوراً منع کیا، مگر ایک صحابی حضرت بشرؓ بن براءؓ بن معرور اس سے شہید ہوگئے اور آپ کو اس زہر سے کافی تکلیف ہوئی چنانچہ آپؐ نے وفات سے چند لمحات پہلے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ:۔

یا عائشۃؓ ما ازال اجد الم الطعام الذی اکلت بخیبر فھذا اوان وجدت انقطاع ابھری من ذالک السم۔ (بخاری ج۲ ص۶۳۷ و مستدرک جلد۳ ص۵۸)

اے عائشہؓ میں برابر اس کھانے کی زہر کا اثر پا رہا ہوں جو خیبر میں میں نے کھایا تھا سو اس وقت میں ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ میری رگِ جان کٹ رہی ہے۔

آپ کی وفات کے وقت اس زہر کا خاصا اثر تھا اور عالم اسباب میں آپ کی وفات کا سبب وہ زہر ہلاہل ہے' اس لیے آپ شہید بھی ہوئے چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

لان احلف تسعا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل قتلا احب الی من ان احلف واحدۃ انہ لم یقتل وذلک ان اللہ اتخذہ نبیا واتخذہ شہیدا۔ (مستدرک جلد۳ ص۵۸ قال الحاکمؒ و الذھبیؒ صحیح علی شرطھما و مسند احمد ج۱ ص۳۸۱)

یہ کہ میں نو دفعہ قسم اٹھاؤں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ایک دفعہ یہ قسم اُٹھاؤں کہ آپ قتل نہیں کیے گئے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت کا رُتبہ بھی عنایت فرمایا ہے۔

علامہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی المالکیؒ (المتوفی ۱۱۲۲ھ) اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

اخرجہ احمد و ابو یعلیٰ والطبرانی والحاکم والبیھقی عن ابن مسعود اھ (زرقانی شرح مواھب جلد۸ ص۳۱۳)

اس روایت کو امام احمدؒ، ابو یعلیٰؒ، طبرانیؒ، حاکمؒ اور بیہقیؒ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کا بلند مقام بھی مرحمت فرمایا ہے اور قرآن کریم میں شہداء کی جو زندگی اور حیات منصوص ہے وہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ہے۔ نصِّ قرآنی اور صحیح حدیث کو ملانے کے بعد حضرت انسؓ کی مذکور حدیث کے علاوہ یہ ایک الگ اور جُدا دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں اور یہ محض قیاسی فقہی اور نظری دلیل ہی نہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے پہلے عرض کیا گیا ہے بلکہ اس روایت کے رُو سے آپ کی شہادت بھی منصوص ہے اور نصِّ قرآنی سے شہداء کی حیات بھی منصوص ہے۔

اکابر علماء دیوبند کی دینی خدمات

اس دور میں مذہب و قوم کی جو خدمت علماء دیوبند نے کی ہے وہ کسی دانشمند اور منصف مزاج آدمی سے مخفی نہیں ہے علمی اور تحقیقی، تقریری اور تحریری، تدریسی اور سیاسی رنگ میں ان کی خدمات رہتی دُنیا تک نہ صرف یہ کہ یادگار ہی رہیں گی بلکہ انشاء اللہ مشعلِ راہ بھی بنیں گی اور ان کے درس و تدریس اور وعظ و پند سے تشنگانِ علم و ہدایت ذوق و شوق کے پیالے بھر بھر کر سیراب ہوتے رہیں گے، ایک وقت تھا کہ ان کی خداداد قابلیت اور بے لوث خدمت اور قبولیت عامہ نے برطانیہ کی حکومت کو خاصا ہراساں کر دیا تھا جس نے ان کو طرح طرح کی اذیتیں اور دُکھ پہنچانے اور اُن کو بدنام کرنے کا کوئی مذموم سے مذموم حربہ اور پہلو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا، اسی دورِ برطانیہ میں ایک خاص مصلحت کے پیشِ نظر مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ) نے اکابر علماء دیوبند کی خالص علمی اور دقیق عبارتوں میں قطع و برید کر کے اسلامی ممالک کے علماء اور علی الخصوص علماء حرمین شریفین کے سامنے پیش کر کے ان سے کفر کا فتویٰ حاصل کیا۔ لیکن جب علماء حرمین کو اصل حقیقت معلوم ہوئی اور خانصاحب کی مجرمانہ کارروائی کا پتہ چلا تو انہوں نے چھبیس ۲۶ سوالات مرتب کر کے حضرت علماء دیوبند کو بھیجے کہ آپ حضرات کا ان مسائل کے بارے میں کیا خیال ہے ان کو صاف لکھیے تاکہ حق و باطل واضح ہو جائے تو اس وقت فخر العلماء رأس المحققین حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور نے ان کے جوابات لکھے اور ۱۸ شوال ۱۳۲۵ھ میں ان کو مکمل کر کے اپنی جماعت کے تئیس بزرگوں (جن میں خصوصیت سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ صدر مدرس دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا میر احمد حسن صاحب امروہیؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب

دیوبندیؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلویؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں) کی تصدیقات لکھوا کر علماء حرمین اور دیگر ممالک اسلامیہ کو بھیجیں وہ حضرات ان کے تسلی بخش جوابات دیکھ کر مطمئن ہو گئے اور مخالف صاحب کے الزامات پر محو حیرت ہو کر انگشت بدندان رہ گئے ان جوابات پر مشتمل رسالہ المہند علی المفند کے نام سے سالہا سال سے طبع ہو چکا ہے ہمارے سامنے ١٣٥٢ھ ١٩٣٣ء کا وہ نسخہ ہے جو مطبع قاسمی دیوبند میں طبع ہوا ہے گویا یہ رسالہ ان معتقدات پر مشتمل ہے جو علماء دیوبند کے اتفاقی اور اجماعی عقیدے کہلاتے ہیں اگرچہ ہم نے بعض اکابر علماء دیوبند کی عبارات پہلے بھی باحوالہ عرض کر دی ہیں اور آیندہ بھی ان شاء اللہ اپنے مقام پر عرض ہوں گی اور اُن کے علاوہ بھی ان کی اس مسئلہ کے بارے میں بہت سی عبارات ہیں لیکن اس اجماعی اور مرکزی رسالہ کے بعد مزید کچھ کہنے اور لکھنے کی مطلقاً کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی المہند کی اس عبارت کو بغور ملاحظہ فرمائیں

السوال الخامس:- ما قولكم في حيوة النبي عليه الصلوة والسلام في قبره الشريف هل ذلك امر مخصوص به ام مثل سائر المؤمنين رحمة الله عليهم حيوة برزخية

الجواب:- عندنا وعند مشائخنا حياة حضرة الرسالة صلى الله عليه وسلم دنيوية من غير تكليف وهي مختصة به صلى الله عليه وسلم وبجميع الانبياء صلوات الله عليهم والشهداء لا برزخية كما هي لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كما نص عليه العلامة السيوطيؒ في رسالته انباه الاذكياء بحيوة الانبياء حيث قال قال الشيخ تقي الدين السبكي حيوة الانبياء والشهداء في

پانچواں سوال:- کیا فرماتے ہو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں حیات کے متعلق کہ کوئی خاص حیات آپ کو حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی حیات ہے۔

جواب:- ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ انباہ الاذکیا بحیوۃ الانبیاء میں بتصریح لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ

القبر كحيوتهم في الدنيا ويشهد له صلوٰة
موسىٰ عليه السلام في قبره فان الصلوٰة تستدعي
جسداً حيًا الىٰ آخر ما قال فثبت بهذا ان
حياته دنيوية برزخية لكونها في عالم البرزخ
ولشيخنا شمس الاسلام والدين محمد قاسم
العلوم على المستفيدين قدس الله سره العزيز
في هذا المبحث رسالة مستقلة دقيقة المأخذ
بديعة المسلك لم ير مثلها قد طبعت وشاعت
في الناس واسمها آب حيات اى ماء الحياة
انتهى (المهند على المفند ص۱۲، ۱۳)

تقی الدین سبکیؒ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام و
شہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی
اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی
دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے الخ پس اس
ثابت ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات
دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی کہ عالم برزخ میں
حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب
قدس سرہٗ کا اس مبحث میں ایک مستقل رسالہ لکھی ہے
نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل جو طبع ہو کر
لوگوں میں شائع ہو چکا ہے اُس کا نام آب حیات ہے

اس عبارت میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبر میں زندگی اور حیات کو دنیوی حیات سے تعبیر کیا ہے اور اس کو برزخی بھی کہا ہے کہ وہ عالم برزخ میں ہے اور اس حیات دُنیوی پر دلیل علامہ تقی الدین سبکیؒ کی عبارت پیش کی ہے اور ان کی عبارت کا ابتدائی حصہ پیش کر کے آخر میں لکھا ہے کہ الی آخر ما قال یعنی علامہ سبکیؒ کی عبارت کا یہی ٹکڑا مدار دلیل نہیں بلکہ ان کی عبارت آخر تک اس دلیل میں ملحوظ رکھنی چاہیئے اور آخر تک ان کی عبارت میں جو تشریح اور تفصیل ہے اُس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے اور ہم باحوالہ پہلے علامہ سبکیؒ کی محولہ عبارت نقل کر چکے ہیں جس میں اس کا بھی ذکر ہے کہ اگرچہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی قبر میں زندگی دنیوی ہے لیکن دنیوی زندگی کے تمام لوازمات اس کے لیے ضروری نہیں ہیں کہ وہ دنیوی کھانے پینے اور ایسے ہی دیگر حاجات کو مستلزم ہو بلکہ اُن امور میں وہ الگ اور جُدا حکم رکھتی ہے۔ ہاں ادراک و شعور اور علم وغیرہ میں وہ دنیوی زندگی کی طرح ہے بالفاظ دیگر ان کے ارواح طیبہ کا تعلق ان کے ابدان دنیویہ سے ہے اور دنیا کی زندگی کی طرح ادراک و شعور اور علم ان کو حاصل ہے لیکن اگر کوئی دوسرا شخص اس زندگی کو دیکھنا چاہیئے تو اس کے لیے وہ بالکل محسوس نہیں ہو سکتی اور اس کو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام مبارکہ ساکن اور ساکت ہی نظر آئیں گے کیونکہ دوسروں کے حق

میں وہ غیر محسوس ہے اور اس لحاظ سے وہ دنیوی نہیں اور نہ دنیوی زندگی سے مشابہ ہے بلکہ اس معنیٰ میں وہ برزخی اور اُخروی ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

لانہ بعد موتہ وان کان حیا فھی حیاۃ اُخرویۃ	کیونکہ آپ وفات کے بعد اگرچہ زندہ ہیں لیکن یہ دوسری
لاتشبہ حیٰوۃ الدنیا اھ (فتح الباری ج۷ ص۲۶)	قسم کی حیات ہے، وہ دنیا کی حیات کی طرح نہیں ہے

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

وھٰذہ الحیوۃ لیست دنیویۃ انما ھی اخرویۃ الخ	اور یہ زندگی دنیوی نہیں بلکہ اُخروی ہے۔

(فتح الباری جلد۲ ص۲۱۳)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ تمام اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و عبادات میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسّی اور جسمانی ہے اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامۃ مؤمنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے اھ (حیات نبوی ص۲) اور آگے لکھتے ہیں کہ: غرض یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات جسمانی ہے محض روحانی نہیں اس لیے کہ مرنے کے بعد روحانی حیات اور سمع و ادراک حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ احادیث صحیحہ سے تمام افراد اور احاد بشر کے لیے ثابت ہے اھ (ص۵) اور پھر آگے چند دلائل کا ذکر کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:۔ یہ تمام امور اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی ہے اور ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق قائم ہے اھ ص۱۱۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ (المتوفی ۱۳۴۷ھ) لکھتے ہیں۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شہداء کی حیات سے افضل و اعلیٰ ہے اور بحث اس کی طویل ہے فقط (فتاویٰ دار العلوم مدلل و مکمل ج۵ ص۱۴۷ طبع دیوبند)۔

ایک اور سوال یوں ہوا کہ مرنے کے بعد جو سوال وغیرہ ہوتے ہیں تو روح مرنے کے بعد آسمان پر چلی جاتی ہے پھر قبر میں لائی جاتی ہے یا جسم میں بند کر دی جاتی ہے، جس کا جواب یہ ارشاد فرمایا۔

الجواب: جسم سے روح کو تعلق رہتا ہے فقط (فتاویٰ دار العلوم مدلل و مکمل ج۵ ص۲۶۲ طبع دیوبند)

جب عام مُردوں کے جسم سے روح کا تعلق رہتا ہے تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام مبارکہ سے ارواح طیبہ کا تعلق کیوں نہ ہوگا؟

علامہ سید محمود آلوسی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

والمراد بتلك الحیٰوۃ نوع من الحیٰوۃ غیر معقول لنا وھی فوق حیٰوۃ الشھداء بکثیر وحیٰوۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اکمل واتم من حیٰوۃ سائرھم علیھم السلام الی ان قال ان تلك الحیٰوۃ فی القبور وان کانت یترتب علیھا بعض ما یترتب علی الحیٰوۃ فی الدنیا المعروفۃ لنا من الصلوٰۃ والاذان والاقامۃ ورد السلام المسموع ونحو ذٰلك الا انھا لا یترتب علیھا کل ما یمکن ان یترتب علی تلك الحیٰوۃ المعروفۃ اھ

(روح المعانی جلد ۲۲ ص۳۶)

اس حیات سے حیات کی ایک ایسی نوع مراد ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے اور یہ حیات شہداء کی حیات سے بہت اُونچی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تو تمام انبیاء علیہم السلام سے اکمل اور اتم ہے (پھر آگے فرمایا کہ) اس قبر کی زندگی پر اگرچہ بعض وہ امور مترتب ہوتے ہیں جو ہماری دُنیا کی معروف زندگی پر مترتب ہیں مثلاً نماز، اذان، اقامت اور سُنے ہوئے سلام کا جواب لوٹانا اور اسی طرح کے کئی اور امور مگر اس پر وہ سب اُمور مترتب نہیں جو دُنیا کی معروف زندگی پر مترتب ہوتے ہیں۔

علامہ سبکیؒ وغیرہ کے حوالہ سے یہ گذر چکا ہے کہ جس طرح دنیوی زندگی میں حسّی قسم کا کھانا اور پانی درکار ہوتا ہے اور اس کے بغیر عادۃً لمبی زندگی برقرار نہیں رہتی، اس طرح کے حسّی کھانے اور پانی کی ضرورت قبر اور برزخ میں پیش نہیں آتی، وہاں کا طعام وشراب اسی ماحول کے مناسب مرحمت ہوتا ہے۔ یہاں عبادات اور صلوٰۃ وسلام کا سماع وہاں بھی متحقق ہے اور اس معنی کے لحاظ سے وہ دُنیوی حیات ہے۔

اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ:۔

فلو فرض انکشاف قبر نبی من الانبیاء علیھم السلام لا یری الناس الا کما یرون سائر الاموات الذین لم تاکل الارض اجسادھم اھ

(روح المعانی جلد ۲۲ ص۳۸)

پس اگر فرض کیا جائے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کی قبر مبارک کھل گئی ہے تو لوگ ان کو اسی طرح (بے حس وحرکت) دیکھیں گے جس طرح کہ عام دوسرے مُردوں کو دیکھتے ہیں جن کو زمین نہیں کھاتی۔

یعنی باوجود اجسامِ مبارکہ کے صحیح وسالم ہونے اور باوجود قبر میں ان کی حیات کے لوگ اس حیات کو محسوس نہیں کر سکتے اور نہ ظاہری طور پر ان کو اس کے کچھ آثار نظر آ سکتے ہیں اور امام سیوطیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے قبروں سے باہر نکل کر دنیا میں پھرنے اور تصرف کرنے کے قائل ہیں (اگرچہ امام سیوطیؒ نے اجسام کے ساتھ چلنے پھرنے کا ذکر نہیں کیا ممکن ہے کہ ان کے نزدیک مثالی اجسام یا ارواح کے ساتھ یہ سیر ہوتی ہو بشرطیکہ کسی معقول اور قطعی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے لیکن اس سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ اگر کسی ایک جگہ روح یا جسم مثالی حاضر ہو تو دیگر مقامات میں تو وہ نہیں ہوگا اور کسی ایک جگہ میں حاضر ہونے سے ہر جگہ حاضر ہونا لازم نہیں آتا) علامہ آلوسیؒ اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

وما تقدم من ان الانبیاء علیھم السلام یخرجون من قبورھم ای باجسامھم وارواحھم کما ھو الظاھر ویتصرفون فی الملکوت العلوی والسفلی فما لا اقول بہ (روح المعانی جلد ۲۲ ص۳۵)	اور جو پہلے گزر چکا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں سے اجسام و ارواح کے ساتھ نکلتے ہیں جیسا عبارت سے یہی متبادر ہوتا ہے اور عالم علوی اور سفلی میں تصرف کرتے ہیں تو میں اس نظریہ کا قائل نہیں ہوں۔

اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ :-

والحیوۃ فی القبر لا تستلزم الخروج وانا اقول بھا فی حق الانبیاء علیھم السلام اھ (روح المعانی جلد ۲۲ ص۳۶)	قبر میں زندگی اس بات کو مستلزم نہیں کہ صاحبِ قبر باہر بھی نکلے ہاں میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبر کا قائل ہوں۔

غور فرمائیے کہ علامہ آلوسی الحنفیؒ حیات فی القبر تو تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے تسلیم کرتے ہیں لیکن اس نظریہ کے قائل نہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجسام اور ارواح کے مجموعہ کے ساتھ قبروں سے نکل کر دنیا میں پھرتے اور تصرف کرتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی سے کبھی ان کی خواب یا بیداری میں ملاقات ہوتی ہے تو محض ابدانِ مثالی سے ہوتی ہے نہ کہ اجسام عنصریہ اور اجسام و ارواح دونوں کے مجموعہ سے، لیکن قبر میں اُن کی حیات ابدان عنصری کے ساتھ ہے۔

ل اس کی تحقیق فیض الباری جلد ۲ ص ۲۰۴ میں ملاحظہ کریں علاوہ ازیں اسنی المطالب کا حوالہ بھی اس زیرِ نظر کتاب میں موجود ہے۔

حیات انبیاء علیہم السلام اور غیر مقلدین حضرات

اس سے قبل جتنے حوالے نقل کئے گئے ہیں وہ ان حضرات کے ہیں جو فروعی مسائل میں کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے، کوئی حنفی تھا اور کوئی مالکی کوئی شافعی تھا اور کوئی حنبلی (بجز قاضی شوکانی رح اور نواب صاحب رح کے کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے) مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام پر غیر مقلدین حضرات کے کچھ حوالے بھی نقل کر دیں تاکہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام کی حقیقت بالکل روشن ہو جائے۔

قاضی شوکانی رح لکھتے ہیں کہ:-

وقد ذهب جماعة من المحققين الىٰ ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم حي بعد وفاته وانه يسر بطاعات امته وان الانبياء لا يبلون مع ان مطلق الادراك كالعلم والسماع ثابت لسائر الموتىٰ- الىٰ ان قال وورد النص في كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء يرزقون وان الحيوة فيهم متعلقة بالجسد فكيف بالانبياء والمرسلين وقد ثبت في الحديث ان الانبياء احياء في قبورهم رواه المنذري وصححه البيهقي وفي صحيح مسلم عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال مررت بموسىٰ ليلة اسري بي عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلي في قبره انتهىٰ-

(نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۶۴ طبع مصر)

بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی اُمت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں اور یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے حالانکہ مطلق ادراک جیسے علم اور سماع وغیرہ تو یہ سب مردوں کے لیے ثابت ہے (پھر آگے کہا) اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں شہداء کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے اور ان کی حیات جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کی حیات جسم سے کیوں متعلق نہ ہو گی؟ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، امام منذری رح نے اس کو روایت کیا ہے اور امام بیہقی رح نے اس کی تصحیح کی ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات سُرخ رنگ کے ٹیلے کے پاس موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

قاضی شوکانیؒ کی اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ وہ شہداء کی حیات جسمانی کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی زندگی بطریق اولیٰ جسمانی ہے کیونکہ ان کے اجسام طیبہ اپنی حالت پر رہتے ہیں' ان میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی وفات تو ہوتی ہے لیکن وہ اس کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

انه صلی الله علیه و اله و سلم حی فی قبره بعد موته کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورهم و قد صححه البیهقی و الف فی ذلک جزءا قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی الله علیه وسلم حی بعد وفاته انتهی و یوید ذالک ما ثبت ان الشهداء احیاء یرزقون فی قبورهم و النبی صلی الله علیه و اله وسلم منهم اه

(نیل الاوطار ج ۵' ص ۱۰۱ طبع مصر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں' جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بیہقیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے اور اس مسئلہ میں انہوں نے ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ استاذ ابو منصور البغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں محقق متکلمین کا ارشاد ہے کہ آنحضرت ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں۔ ان کا بیان ختم ہوا۔ اور اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہیں۔

پہلے صحیح روایت کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید تھے۔ اور حافظ ابن حجرؒ سے نظر اور دلالۃ النص کی دلیل سے بھی یہ ثابت ہوچکا ہے اور قرآن کریم کی نص سے شہداء کی زندگی ثابت ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بھی ثابت ہے کہ آپؐ قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ فرماتے ہیں کہ:

والذی نعتقد ان رتبة نبینا صلی الله علیه وسلم علی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانه حی فی قبره حیوة مستقرة

جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ اپنی قبر مبارک میں حیات دائمی

۱۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبد الغفور امرتسریؒ فنبی اللہ حی یرزق کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: "پس نبی اللہ کے۔ الخ۔ کما علامہ شوکانیؒ نے نیل میں' محققین کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اپنی وفات کے پیچھے اور یہ کہ پیغمبر علیہم السلام زمین میں نہیں گلتے باوجود اس بات کے کہ مطلق ادراک جیسے سننا اور جاننا ہر مردہ کے لیے ثابت ہے۔ پھر ؒروایتوں کو بیان کیا جن سے ہر ایک مردہ کے لیے مطلق ادراک ہوتا ہے' پھر نبیوں اور رسولوں کا کیونکر یہ حال نہ ہوگا اور حدیث میں ثابت ہوا ہے کہ انبیاء جیتے ہیں اپنی قبروں میں۔ اس کو منذریؒ نے روایت کیا اور بیہقیؒ نے اس کو صحیح کہا۔ انتھی ما قال الشوکانی فی النیل۔ ۱۲" بلفظہ رحمتہ الہداۃ الی مرمرید ترجمتہ المشکوٰۃ ص ۲۰۳' ج ۱)

ابلغ من حیات الشهداء المنصوص علیها فی التنزیل اذ هو افضل منهم بلا ریب وانه یسمع من یسلم علیه (بحوالہ اتحاف النبلاء ص ۴۱۵ طبع کانپور)

سے متصف ہیں، جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ و ارفع ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا شبہ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپؐ پر (عند القبر) سلام کہتا ہے، آپ سنتے ہیں۔

اس سے بھی آفتاب نیمروز کی طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ اپنے وقت میں علماء نجد کے وکیل اعظم اپنی جماعت کا یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں دوامی طور پر زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہداء کی منصوص حیات سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ جملہ اموات کے لیے ادراک و شعور اور سماع وغیرہ ثابت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ اوصاف سب کے لیے ثابت ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور صلحاء کی اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔

غیر مقلدین[1] حضرات کے شیخ الکل مولانا سید میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ (المتوفی ۱۳۲۰ھ) لکھتے ہیں کہ: "اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنی اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے، میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔" (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۵۵ ضمیمہ) اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت میاں صاحبؒ کی وجہ سے ہندوستان میں غیر مقلدین حضرات کو اپنے مقام پر کتنی تقویت اور تائید حاصل ہوئی بلکہ انہی کی بدولت ان میں اہل علم، صاحب قلم مدرس اور مصنف قسم کے علماء پیدا ہوئے ہیں اور جن کی کتاب معیار الحق غیر مقلدین حضرات کے ہاں بڑی مقبول اور مستند سمجھی جاتی ہے، حضرت میاں صاحبؒ نے اس عبارت میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی اپنی اپنی قبر میں حیات کے علاوہ یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عند المقبر سلام کہنے والوں کا سلام بنفسِ نفیس سنتے ہیں اور دور سے درود شریف آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔

مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں کہ:

ان الانبیاء فی قبورهم احیاء (عون المعبود جلد ۱ ص ۴۰۶) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

---

[1] غیر مقلد عالم مولانا فضل الرحمٰن صاحب ہری پوری لکھتے ہیں کہ کُل پیغمبروں کے جسم صحیح و سالم ہیں اور قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو کوئی قبر کے پاس درود بھیجے یا سلام کرے تو آپ خود سُن لیتے ہیں اور اگر دور سے درود بھیجے تو فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اہل حدیث کا یہی اعتقاد ہے۔ (رسالہ درود شریف ص ۱۶) محدث مولوی رحیم بخش صاحب مرحوم فرماتے ہیں کہ محققین کی جماعت کا یہی مسلک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرقد میں زندہ ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ امت کی اطاعت کی خبر پا کر خوش ہوتے ہیں۔ (اسلام کی چودھویں کتاب ص ۴۵)

اور مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف لکھتے ہیں کہ :۔

انهم احياء فی قبورهم يصلون وقد قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائيا بلغته (التعليقات السلفية علی سنن النسائی جلد ۱ ص۲۳۷)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ[1] ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے تو وہ مجھے (بذریعہ ملائکہ) پہنچایا جاتا ہے

علماء نجد جو لوگوں میں وہابی کے نام سے مشہور ہیں اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں کہ :۔

واما الکلام علی حیوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاعتقادنا فی ذلک اعتقاد سلف الامۃ وائمتنا وهم الاسوۃ وهی انہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض ودفن و زالت عنہ الحیوۃ الدنیا (الی قولہ) واما حیوۃ البرزخ فهو حی الحیوۃ البرزخیۃ وکذا الشہداء فلو کان حیا حیوۃ دنیویۃ لرفعوا الیہ الامر فیما جری بینهم اھ (الدرر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیۃ جلد ۱ ص۲۳۶ طبع مصر)

بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بارے میں ہمارا وہی اعتقاد ہے جو سلف امت اور ہمارے ائمہ کا اعتقاد ہے اور وہی اس میں ہمارے مقتداء ہیں۔ وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے اور آپ کو دفن کیا گیا اور آپ کی دنیوی زندگی ختم ہو گئی ہے (پھر آگے کہا) اور بہرحال برزخی زندگی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہے' اور آپ حیات برزخیہ کے ساتھ زندہ ہیں اور ایسے ہی شہداء بھی زندہ ہیں' اگر آپ کی زندگی دنیا کی زندگی ہوتی تو اختلافی امور میں سلف آپ کی طرف مراجعت کرتے۔

یعنی دنیوی تکلیفی اور حسی زندگی آپ کی ختم ہو چکی ہے لیکن برزخی زندگی آپ کی ثابت ہے نیز علماء نجد نے کہا کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ رتبہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام مخلوق کے مراتب سے اعلیٰ ہے وہ اپنی قبر میں حیات برزخیہ سے زندہ ہیں جو کہ حیات شہداء سے افضل و اکمل ہے اور سلام کہنے والے کا آپ سلام سنتے ہیں۔ (الهدیۃ السنیۃ والتحفۃ الوهابیۃ النجدیۃ ص۴۷ طبع مصر)

محمد بن عبد الوہاب نجدی اور ان کے پیرو کار مسلکاً حنبلی ہیں جو مقلدین ہی کا ایک فرقہ ہے۔ حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم کی تحقیق پر اعتماد کرتے اور ان کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہوئے ان کی کتابوں

---

[1] مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی لکھتے ہیں کہ :"اہل السنت کے دونوں مکاتب فکر اصحاب الرائے واہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں برزخ میں' وہ عبادات تسبیح و تہلیل فرماتے ہیں (الی قولہ) انبیاء کی زندگی کے متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں۔ صحیح احادیث میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق عبادات وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ (حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ص۲۷)

کی خوب نشر و اشاعت کرتے ہیں محمد بن عبدالوہابؒ باوجود مقلد اور حنبلی ہونے کے سطحی ذہن کے آدمی تھے ۔ اور توحید و سنت کے خوب داعی تھے ان سے وقتی مصلحت کے پیش نظر کچھ عوامی غلطیاں سرزد ہو چکی تھیں جن کی وجہ سے وہ عوام میں خاصے بدنام ہو گئے اور علامہ شامیؒ اور حضرت مدنیؒ جیسے بزرگ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے لیکن ان کے بارے میں صحیح نظریہ وہی ہے جو علامہ آلوسیؒ اور حضرت گنگوہیؒ کا ہے وللتفصیل مقام آخر انگریز نے اپنی سیاسی بقاء کے لیے ان کو بہت بدنام کیا اور ہندوستان کے اہل بدعت نے ان کے بدنام کرنے میں خوب خوب حصہ لیا اور جنگ آزادی میں شریک مجاہدین اسلام کو وہابیت کے لیے خطاب ہتھیار سے ان ظالموں نے گھائل کیا۔

علامہ ابن عابدین الشامیؒ کے تلمیذ اور علماء نجد کے مسلک کے روح رواں الشیخ محمد بن السید درویش الحوتؒ (المتوفی سنہ ۱۲۷۶ھ) لکھتے ہیں ۔

فائدہ :- حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات برزخی ہے (حسی ہونے میں) حیات دنیوی کے مشابہ نہیں ہے اور نہ وہ نیند کے مشابہ ہے اور نہ وہ باقی مخلوق کی حیات کی طرح ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے اجسام مبارکہ کو بوسیدہ ہونے اور فنا ہونے سے محفوظ رکھتا ہے اور ان پر ان کے ارواح کی روشنی بعض اوقات مخفی طریقہ سے لوٹاتا ہے کسی مقصد کے لیے اور بہت سی احادیث وارد ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں مثلاً ایک یہ ہے کہ امت کی طرف سے صلوٰۃ و سلام آپ پر پیش کیا جاتا ہے اور مثلاً بعض احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ پر آپ کی روح مبارک لوٹاتا ہے تاکہ آپ سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیں اور مثلاً بعض میں آتا ہے جس نے دور سے سلام کہا اس کو فرشتے پہنچاتے ہیں اور جس نے قریب سے سلام کہا تو اس کو آپ خود سنتے ہیں اور مثلاً بعض روایات میں آتا ہے کہ آپؐ سے سوال کیا گیا کہ آپ پر کیسے صلوٰۃ و سلام عرض کیا جائے گا جب کہ آپؐ (مرنے کے بعد) بوسیدہ ہو جائیں گے (معاذ اللہ) تو آپؐ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام کو کھاتے تو یہ سب احادیث آپؐ کی اور دیگر تمام حضرات انبیاء کرام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات پر دلالت کرتی ہیں لیکن اسی طرح جس طرح بیان ہوا نہ جیسا کہ ہماری (حسی اور تکلیفی) زندگی ہے کیونکہ حیات آپؐ کی وفات سے ... تو آپؐ دیگر اموات کی

طرح تھے کہ روح مبارک جسم اطہر میں نہ تھی اور جسم سے خارج ہو گئی اگر آپ ﷺ کی زندگی ہماری (محسوس اور تکلیفی) زندگی کی طرح ہوتی تو جب حضرات صحابہؓ کرام نے خلافت کے مسئلہ پر اختلاف کیا تھا آپ ﷺ اُن سے اس سلسلہ میں خطاب فرماتے الخ (اسنی المطالب ص ۲۹۸ فی احادیث مختلفۃ المراتب طبع مصر) تسکین الصدور میں ہی بقدر ضرورت اس کی بحث موجود ہے کہ جو حضرات اس حیات کو جسمانی اور دنیوی کہتے ہیں اُن کی مراد یہ ہے کہ روح مبارک کا اسی جسم اطہر سے تعلق ہوتا ہے جو دنیا میں تھا اور جو حضرات اس کو برزخی کہتے ہیں ان کی مراد یہ ہے کہ وہ حیات اہلِ دنیا کے لیے محسوس نہیں ہے اور اسی کو علماء عقائد نوع من الحیٰوۃ سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اس پر دونوں فریق متفق ہیں کہ دور سے آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پیش کیا جاتا ہے اور نزدیک سے آپ خود بنفسِ نفیس سنتے اور جواب دیتے ہیں اس میں حیات جسمانی یا حیات برزخی سے تعبیر کرنے والوں میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے رہا موصوفؒ کا یہ کہنا کہ اگر آپ ﷺ کی حیات ہماری زندگی کی طرح ہوتی تو آپ ﷺ حضرات صحابہ کرامؓ میں خلافت کے مسئلہ کا اختلاف رفع فرما دیتے اور ان سے خطاب فرماتے تو اس میں کلام ہے۔

۱ اولاً اس لیے کہ مسئلہ خلافت میں حضرات صحابہ کرامؓ کا اختلاف آپ ﷺ کے پاس نہ ہوا تھا وہ اختلاف سقیفہ بنو ساعدہ میں ہوا تھا۔

۲ ثانیاً جمہور علماء کی تحقیق کے رُو سے رُوح کا اعادہ قبر میں ہوتا ہے پہلے نہیں ہوتا اور اب بھی حیات فی القبر کی ہو رہی ہے۔

۳ ثالثاً اُمت کے جملہ اختلافات و نزاعات کا فیصلہ آپ اپنی تکلیفی زندگی میں کرتے رہے جب آپ ﷺ کی وفات ہو گئی تو ان اختلافات کا رفع کرنا زندہ اور مکلف اُمت کے کندھے پر ڈال دیا گیا آپ پر ان کا رفع کرنا باقی نہ رہا۔

موصوفؒ باوجود نجدی ذہن رکھنے کے یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ :-

ثم ان کثیراً من الصالحین یقول انہ یری النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم یقظۃً ولا ینکر ھذا منھم وانما ھی رؤیۃ روحانیۃ	پھر بہت سے نیک لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو بیداری میں دیکھا ہے اور ان سے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا

لا جسمانية ولذلك يراه البعض دون البعض في المكان الواحد ولو كان بجسمه لرآه كل احد لان رؤية الجسم لا تتوقف على صلاح وتقوى بل رآه الكفار في حياته صلى الله تعالى عليه وسلم وشرار الخلق وخيارهم الخ (ص ۲۹)

کیونکہ یہ روحانی رویت ہے جسمانی نہیں اور یہی وجہ ہے کہ ایک ہی جگہ میں بعض آپؐ کو دیکھتے ہیں اور بعض نہیں دیکھتے اگر یہ رویت جسمانی ہوتی تو ہر ایک آپؐ کو دیکھتا کیونکہ جسم کو دیکھنا صلاح اور تقویٰ پر موقوف نہیں جب آپؐ زندہ تھے تو آپؐ کو کافر بد اور نیک سبھی دیکھتے تھے۔

موصوفؒ کا یہ کہنا کہ یہ رویت روحانی ہے جسمانی نہیں اس میں بھی کلام ہے کیونکہ یہ رویت روحانی بھی نہیں ہوتی صرف مثالی ہوتی ہے (اور یہیں سے آپؐ کو حاضر و ناظر سمجھنے والے اور آپ سے مرادیں مانگنے والے مغالطہ میں پڑے ہیں جن کا حقیقت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے جس بزرگ کی مثال ہوتی ہے اس کو علم تک نہیں ہوتا کہ ہماری مثال کہاں گئی؟ کیا کر آئی؟ اور کیا کہہ آئی؟ اس کی بقدر ضرورت باحوالہ بحث ہم نے بحمد اللہ تعالیٰ تفریح الخواطر میں کر دی ہے)

چنانچہ علامہ احمد بن محمد القسطلانیؒ (المتوفی سنہ ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

فما رأى من الشكل ليس هو روح المصطفى ولا شخصه بل هو مثال له على التحقيق (المواهب اللدنيه مع الشرح للزرقانيؒ جلد ۵ ص ۲۹۳)

دیکھنے والا جو شکل مبارک دیکھتا ہے تو وہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ہوتی ہے اور نہ جسم اطہر بلکہ تحقیق کے رو سے وہ آپؐ کی مثال ہوتی ہے۔

اور خود موصوفؒ کی ایک واضح عبارت اس پر دلالت کرتی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

ومن ذلك ما وقع لسيدنا الرفاعي رضي الله عنه حين زار النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وانشد عند الحجرة الشريفة البيتين المشهورين وهما

اور اسی سلسلہ کی ایک کڑی وہ ہے جو ہمارے سردار سید (احمد) الرفاعیؒ کے سبب واقع ہوئی جب کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی اور حجرہ شریف کے پاس یہ دو مشہور شعر پڑھے۔

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا	دوری کی حالت میں میں اپنی روح کو بھیجا کرتا تھا
تقبل الارض عنی وھی نائبتی	زمین مجھ سے قبول کرتی اور وہ میری نائب تھی
وھٰذہ دولۃ الاشباح قد حضرت	اور یہ (اشکال و) اشباح کی دولت ہے جو بلا شبہ حاضر ہے
فامدد یمینك کی تحظی بھا شفتی	پس اپنا دایاں ہاتھ بڑھائیں تاکہ میرے ہونٹ لطف اندوز ہوں
فمثلت لہ الید الشریفۃ وقبلھا	اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ
والخبر المذکور مشھور من قبل الامام	مبارک مثالی طور پر ان کے سامنے ظاہر ہوا اور
المذکور اھ (اسنی المطالب ص ۲۹۹، ۳۰۰)	انہوں نے اس کو بوسہ دیا اور یہ خبر امام سید احمد
	رفاعیؒ کی طرف سے مشہور رہی ہے۔

پہلے تو معجزہ اور کرامت خرقِ عادت فعل کا نام ہے اور پھر ہو بھی مثالی طور پر تو اس کے ماننے میں ہرگز کوئی تامّل نہیں ہونا چاہیئے (ہاں اگر کوئی شخص مشہور اُمور کو بھی تسلیم نہ کرے اور صرف اپنی عقل پر اعتماد کرتا رہے تو اس کا معاملہ ہی الگ ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانیؒ (المتوفی ۱۱۸۲ھ) اپنے مناسک الحج میں لکھتے ہیں۔ سہ

وسلّم علیہ والوزیرین عندہٗ	اور آپؐ کو اور آپؐ کے دو وزیروں (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ)
ونزرہ کما زرنا لنحصد عقباہٗ	کو سلام کہہ۔ اور آپؐ کی زیارت کر جیسا کہ ہم نے کی
	تاکہ ہم عقبیٰ کی کھیتی کو کاٹ سکیں۔
ویبلغہ عنا لا عدمت سلامنا	اور آپؐ کو ہمارا سلام پہنچا دے تجھے اللہ تعالیٰ سلامت
فانت رسول للرّسول بعثناہ	رکھے۔۔۔ سو تو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
ومن کان منّا مُبلغاً لسلامنا	کی طرف ہمارا قاصد ہے جس کو ہم نے بھیجا ہے۔
فانا بمبلغ السلام سبقناہ	اور جو شخص ہمارا سلام پہنچائے گا۔۔۔ پس بیشک
(مناسك الحج والعمرۃ ص۸ طبع مصر)	ہم سلام پہنچانے میں اس پر سبقت لے گئے ہیں۔

قاضی عیاضؒ علامہ سبکیؒ، حافظ ابن القیمؒ، مورخ سمہودیؒ اور امام سخاویؒ نقل کرتے ہیں۔

واللفظ للاول۔

وعن سلیمان بن سحیم رأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی النوم فقلت یا رسول اللہ ھؤلاء الذین یأتونك فیسلمون علیك أتفقہ سلامھم قال نعم واردّ (الشفاء ج ۲ ص ۴۲ وشفاء السقام ص ۳۸ وکتاب الروح ص ۱۳ ووفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۵ والقول البدیع ص ۱۲۳)

سلیمانؒ بن سحیمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا میں نے آپؐ سے سوال کیا، یا رسول اللہ یہ لوگ جو آپؐ کے پاس آتے ہیں اور آپ کو سلام کہتے ہیں کیا آپؐ ان کے سلام کو سمجھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اور میں اُن کو جواب بھی دیتا ہوں۔

مؤلف شفاء الصدور ص ۸۶ میں اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ خواب ہے اور خواب شرعاً حجت نہیں پھر اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن ابی الرجال ہے تقریب ص ۲۲۸ میں ہے۔ صدوق ربما اخطأ ولینہ ابو حاتمؒ (محصلہ) الجواب بلاشبہ نرے خواب پر دین کے بارے اعتماد نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ خواب اُن صحیح احادیث کے عین مطابق ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور عبدالرحمٰن بن ابی الرجال کو امام احمدؒ۔ ابن معینؒ مفضل غلابیؒ اور دارقطنیؒ ثقہ کہتے ہیں اور ابو داؤد ان کو لیس بہ بأس کہتے ہیں اور ابو زرعہؒ ان کو اشبہ (یعنی ثقہ راویوں کے مشابہ) کہتے ہیں اور ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ وہ عبدالرحمٰنؒ بن زیدؒ بن اسلم کی طرح ہیں اور ابن حبانؒ ان کو کتاب الثقات میں لکھتے ہیں اور کہتے ہیں ربما اخطأ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۶۹) جمہور کی توثیق کے بعد صرف ربما اخطأ کے جملہ سے ان کو ضعیف قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا ویسے کون سا راوی ایسا ہے جس سے کبھی بھی خطا اور وہم نہ ہوا ہو الا من شاء اللہ تعالیٰ والعصمۃ بیدہ

اس سے معلوم ہوا کہ علماء نجد کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا جسدِ اطہر سے ایسا تعلق اور اتصال ہے جس کے سبب عند القبر سلام کہنے والے کا سلام آپ خود سُن لیتے ہیں؛ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء نجد بھی آپ کی حیات برزخی کے قائل ہیں اور دور دراز سے قاصد کے ذریعہ آپؐ تک اور حضرات شیخینؓ تک سلام پہنچانے کے بھی قائل ہیں۔

مولانا عبدالغفور صاحب غزنوی امرتسریؒ المتوفی (سنہ ...) مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ تو معلوم ہوا کہ کل پیغمبروں کے جسم زمین کے اندر صحیح وسالم ہیں اور روح تو سب کی سلامت رہتی ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع جسم صحیح وسالم ہیں اور قبر شریف میں

زندہ ہیں اور جو کوئی قبر کے پاس درود یا سلام بھیجے تو آپ خود سُن لیتے ہیں اگر دور سے درود بھیجے تو فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں، اہلحدیث کا یہی اعتقاد ہے اگرچہ یہ زندگی دُنیا کی سی نہیں جس میں کھانے پینے کا احتیاج ہو اور شوکانیؒ نے اس مسئلہ کو نیل الاوطار میں بہت عمدہ لکھا ہے اھ

(ترجمہ مشکوٰۃ جلد ۱ صـ۴۰۱ باب الجمعہ)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ علماء کرام جہاں دنیا کی زندگی کی نفی کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ دنیوی کھانے اور پینے کی حاجت وہاں نہیں ہوتی نہ یہ کہ روح کا جسم سے تعلق اور اتصال اور اس کی وجہ سے ادراک شعور اور قوت سماع نہیں ہوتی کیونکہ یہ اُمور تو بہر حال ثابت ہیں اور ان کا انکار نرا مکابرہ اور سینہ زوری ہے۔

الغرض ذمہ دار غیر مقلدین حضرات بھی جملہ مقلدین حضرات کے ساتھ اس امر پر متفق ہیں، کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبور اور برزخ میں زندہ ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور امام بیہقیؒ وغیرہ نے اس مسئلہ پر صرف باب ہی قائم نہیں کیا بلکہ مستقل رسالہ اور کتاب لکھ کر اس کو اجاگر کیا ہے اور اسی طرح دیگر کتب حدیث، شروح حدیث اور کتب فقہ و سیر وغیرہ میں اس مسئلہ پر خاصا مواد اور دلائل موجود ہیں جن سے انصاف و دیانت کی دنیا میں علمی طور پر اغماض اور اعراض نہیں کیا جا سکتا۔

اور امام عبدالقادر البغدادیؒ (المتوفی ۴۲۹ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

واجمعوا علیٰ ان الحیٰوۃ شرط فی العلم والقدرۃ والارادۃ والرؤیۃ والسمع وان من لیس بحی لا یصح ان یکون عالماً قادراً مریداً سامعاً مبصراً وھذا خلاف قول الصالحی واتباعہ من القدریۃ فی دعواھم جواز وجود العلم والقدرۃ والرؤیۃ والارادۃ انتہیٰ۔

(الفرق بین الفرق صـ۳۳۷ طبع مصر)

اہل السنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ علم قدرت ارادہ دیکھنے اور سننے کے لیے حیات شرط ہے اور اس امر پر بھی اہل السنت کا اجماع ہے کہ جو ذات حیات سے متصف نہ ہو وہ عالم، قادر، مرید اور سننے دیکھنے والی نہیں ہو سکتی، منکرین تقدیر میں صالحی اور اس کے پیرو کاروں کا قول اس کے خلاف ہے، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ علم و قدرت دیکھنا اور ارادہ کرنا حیات کے بغیر بھی جائز ہو سکتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سماع وغیرہ کے لیے حیاتِ اہل السنت کے نزدیک شرط ہے اور اس پران کا اجماع ہے ہاں اس میں اگر اختلاف ہے تو وہ صالحی وغیرہ گمراہ فرقوں کے سربراہوں کا ہی جو بغیر حیات کے میّت کے لیے علم وقدرت ثابت کرتے ہیں اور اب تو اس اپنی دور میں بعض لوگ یہاں تک آ گئے نکل چکے ہیں کہ وہ برملا یہ کہتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے نہ حیات ثابت ہے نہ سماع لاحول ولا قوۃ الا باللہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اوّل بطور مقدمہ کے جانیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے لیے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسدِ اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود یعنی جسد مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہلِ حق اس بات پر متفق ہیں۔ صحابہؓ کا بھی یہی اعتقاد ہے حدیث میں بھی نص ہے۔

اِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ (اوکما قال) کہ آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق بھی پہنچتا ہے۔

مگر یہ یاد رہے کہ اس حیات سے مراد ناسوتی نہیں ہے وہ دوسری قسم کی حیات ہے جس کو حیات برزخیہ کہتے ہیں الخ (الحبور ص۱۴۹ مطبع انوار احمدی الہ آباد و رأس الربیعین ص۵۰ طبع ملتان)

اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ اگر نظر کو اور وسیع کیا جاوے تو حضور کے لیے بعد وفات کے بھی حیات برزخی ثابت ہے اور وہ حیات شہداء کی حیات برزخی سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیاتِ ناسوتی (عنصری اور جسمانی) کے قریب قریب ہے، چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اس پر متفرع ہیں دیکھئے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور حضور کی ازواج مطہرات سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی حضورؐ کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوئی اور حدیثوں میں صلوٰۃ وسلام کا سماع وارد ہے الخ (الظہور ص۵۸) یہ یاد رہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اور سماع عند القبور اتفاقی اور اجماعی امر ہے اس کی مخالفت اجماعی مسئلہ کی مخالفت ہوگی جو موجب گناہ ہے چنانچہ حضرت گنگوہیؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

الجواب:۔ یہ کرامات اولیاء اللہ سے ہوتی ہے اور حق ہے کہ کرامت خرق عادت کا نام ہے

اس میں تردد کی کوئی بات نہیں اس کا انکار گناہ ہے کہ انکار کرامت کرنا ہے اور کرامت کا حق ہونا اجماعی مسئلہ اہلِ سنت کا ہے فقط واللہ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(فتاوٰی رشیدیہ ج اص۲۲ طبع جید برقی پریس دھلی)

کیفیت حیات میں اختلاف ہے :-

یہاں تک جتنے حوالے پیش کئے گئے ہیں اور جتنی بحث بھی ہوئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مختلف مکاتبِ فکر کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ قبور میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات اور زندگی ایک طے شدہ حقیقت ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کافی تلاش اور خاصی کاوش کے باوجود سینکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کے بعد بھی اہلِ سنت والجماعت میں ایک شخص بھی ایسا نہیں مل سکا جو یہ کہتا ہو کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور علی الخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ نہیں اور آپ کی روح مبارک کا جسد اطہر سے کوئی اتصال و ربط اور تعلق نہیں ۔ باتونی قسم کے لوگ اِدھر اُدھر کی باتیں تو بہت کچھ کر سکتے ہیں مگر کتبِ اہلِ سنت میں ایک حوالہ بھی وہ تا قیامت نہیں بتا سکیں گے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے قبور مطہرہ میں کوئی تعلق اور علاقہ نہیں ہوتا اگر بالفرض کوئی ایسا حوالہ ہو تو چشم ماروشن دلِ ماشاد" (وبیہ باید) اصولی طور پر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعد از وفات قبور مطہرہ میں حیات کو تسلیم کرتے ہوئے کتبِ اہلِ سنت والجماعت میں اس حیات کی نوعیت اور کیفیت میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حیات محض برزخی ہے یا جسمانی اور حسّی ہے ؟

ایک گروہ

یہ کہتا ہے کہ ان کی حیات دنیوی اور حسّی ہے ، حضرت ملا علی القاریؒ ، علامہ سمہودیؒ امام تقی الدین سبکیؒ ، حافظ جلال الدین سیوطیؒ اور نواب قطب الدین خان صاحبؒ کی عبارات میں دنیوی کحال الدنیا اور حسّی وغیرہ کے الفاظ گذر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ :-

جاننا چاہیئے کہ جملہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ... متفق علیہ ہے اور اس میں	بدانکہ حیات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است ...

کس را خلاف نیست دراں کہ آں کامل تر و قوی تر اند وجود حیات شہداء و مقاتلین فی سبیل اللہ است کہ آں معنوی و اُخروی است عند اللہ و حیات انبیاءؑ حیات حسّی دنیاوی است و احادیث و آثار دراں واقع شدہ چنانکہ مذکور گردد یکے ازاں حدیث کہ ابو یعلی بنقل ثقات از روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آوردہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون و دیگر ایں حدیث صحیح است ما من مسلم یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام اھ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۴۴۲)

کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ کی حیات شہداءؓ اور فی سبیل اللہ مقتولوں کی حیات سے کامل تر اور قوی تر ہے کیونکہ شہداء کی زندگی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں معنوی اور اُخروی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات حسی اور دنیاوی ہے اور احادیث اور آثار اس میں موجود ہیں چنانچہ ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ ایک حدیث ان میں امام ابو یعلیؒ نے ثقہ راویوں سے حضرت انس رضی بن مالک سے نقل کی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے اور نماز پڑھتے ہیں اور دوسری صحیح حدیث یہ ہے کہ مجھ پر جو شخص سلام کہتا ہے اللہ تعالیٰ میری طرف میری روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اور علامہ نور الحق بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی (المتوفی ۱۰۷۳ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

قول مختار معتمد جمہور ہمیں است کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بعد از ذائقہ موت زندہ اند بحیات دنیوی الخ (تیسیر القاری شرح بخاری جلد ۳ ص۲۶۲)

جمہور کے نزدیک طے شدہ حقیقت اور مختار قول یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام موت کا ذائقہ چکھنے کے بعد دنیوی زندگی کے ساتھ متصف ہیں

لیکن یہ حیات دنیوی ظاہری نہیں کہ ہر ایک کو محسوس ہو سکے چنانچہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۵ ص ۳۹۷ میں ہے:۔

سوال ۳۰۴۶ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حیات ہونا مسلمات اہل سنت وجماعت سے ہے پھر قبض روح و تجہیز و تکفین و تدفین وغیرہ اُمور منافی حیات معلوم ہوتے ہیں اگر حیات انبیاء مثل حیات شہداء عند اللہ ہونا کہا جاوے تو مابین کیا فرق ہوگا؟

الجواب:۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات شہداء کی حیات سے بھی اقوی واتم ہے۔

اور مراد اس حیات سے حیات دنیاوی ظاہری نہیں ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ لہٰذا احکام اموات ظاہر یہ سب پر جاری ہوتے ہیں۔ اس مسئلہ کی پوری تحقیق آبِ حیات مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ میں مذکور ہے اس کو دیکھیں۔

انتہی بلفظہ

ان عبارات میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے لفظ دنیوی اور حسّی کی بقدر ضرورت بحث ابھی آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ (المتوفی ۱۳۷۷ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

آپؐ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر (مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ صـ۱۳۰) حضرت مدنیؒ کی مراد بظاہر حیات جسمانی اور دنیوی سے یہ ہے کہ آپ کی روح مبارک کا تعلق جسد مثالی سے قائم نہیں ہوتا جیسا کہ بعض صوفیاء کرام کا نظریہ پہلے عرض ہو چکا ہے کہ وہ عذاب و ثواب کے سلسلہ میں قبر میں روح کا تعلق جسدِ مثالی سے مانتے ہیں اور اسی طرح جنت کے عارضی ابدان سے بھی نہیں ہوتا جیسا کہ بعض صحیح روایات سے شہداء کے متعلق ثابت ہے کہ ان کی ارواح کا تعلق جنت کے سبز رنگ کے پرندوں سے قائم کر دیا جاتا ہے (فی جوف طیر خضر) کما مرّ۔ بلکہ روح کا تعلق دنیوی جسم سے قائم ہوتا ہے اور بایں معنی یہ حیات جسمانی اور دنیوی ہے۔ چنانچہ حضرت موصوفؒ وہابی فرقہ اور علماء دیوبند کے عقائد کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ (وہابی) وفات ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی اور بقائے علاقہ بین الروح والجسم کے منکر ہیں اور یہ (علماء دیوبند) حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور و شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں اھ (نقش حیات جلد ۱ صـ۱۰۳)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ موصوفؒ روح اور جسم کے علاقہ اور تعلق کی وجہ سے جسمانی اور دنیوی حیات کا لفظ اس پر اطلاق فرماتے ہیں اور اس کی مزید تشریح حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے بیان سے ہوتی ہے چنانچہ حضرت ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

انبیاء علیہم السلام کو ابدانِ دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے الخ (لطائف قاسمیہ صـ۲)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو انہیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں یہ نہیں کہ مثل شہداء ان ابدان کو چھوڑ کر اور ابدان سے تعلق ہو جاتا ہے الخ (لطائف قاسمی ص۳)۔

حضرت نانوتویؒ نے اس عبارت میں صراحت سے یہ بیان فرمایا ہے کہ جیسے شہداء کو دوسرے عارضی اجسام مرحمت ہوتے ہیں اور ان کی ارواح کا ان سے تعلق قائم کر دیا جاتا ہے (باوجود اس تعلق کے جو فی الجملہ ان کے ارواح کو ان کے اجسام عنصری سے بھی ہوتا ہے کما مرّ مفصلاً) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا یہ طریق نہیں ہے بلکہ ان کے ارواح کا تعلق ان کے ابدان دنیا سے ہوتا ہے اور اس لحاظ سے اس حیات کو دنیوی اور جسمانی حیات کہتے ہیں

ارواح کا ابدانِ عنصریہ سے فی الجملہ تعلق اور حضرت مولانا نانوتویؒ

مؤلف ندائے حق راقم اثیم کے اس جملہ سے۔ باوجود اس تعلق کے جو فی الجملہ ان کے ارواح کو اُن کے اجسام عنصری سے بھی ہوتا ہے کما مرّ مفصلاً خاصے سیخ پا ہوئے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :- بتایئے کہ خط کشیدہ الفاظ حضرت نانوتویؒ کی کونسی عبارت سے معلوم ہو رہے ہیں ؟ کیا حضرت نانوتویؒ کی عبارت اور صاحب تسکین الصدور کی تشریح میں باہم تناقض نہیں ؟ بایں طور کہ حضرت کی عبارت میں سالبہ کلیہ ہے اور صاحب تسکین کی عبارت میں موجبہ جزئیہ فافہم بلفظہٖ (ص۲۹۳) اور (ص۲۹۲) میں عنوان یہ قائم کیا ہے حضرت نانوتویؒ کی عبارت میں ناجائز اضافہ

مگر یہ اعتراض مؤلف مذکور کی کم فہمی اور قلتِ تدبر کا نتیجہ ہے کیونکہ حضرت نانوتویؒ نے ارواح کے اجسام عنصریہ کے ساتھ تعلق کی جس نوع کا (کہ دنیوی اموال اور ازواج سے تعلق اور استفادہ کے سلسلہ میں قبض و تصرف کے طور پر اجسام عنصریہ کے ساتھ ارواح کا تعلق بالکل نہیں رہتا) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ عام مومنین اور حضرات شہداء کے لیے کلیتہً انکار کیا ہے راقم اثیم بھی اس کا مُقر ہے اور ادراک و شعور فہم خطاب اور سماعِ سلام وغیرہ کی حد تک ارواح کے اجسام عنصریہ کے ساتھ فی الجملہ (گو ضعیف ہی سہی) تعلق کی جس نوع کے حضرت نانوتویؒ قائل ہیں ان کی اور حضرات جمہور کی پیروی میں راقم اثیم بھی قائل ہے جب نفی اور اثبات کا محل جدا ہے تو پھر تناقض کیسے ؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت نانوتویؒ ہی کی چند عبارات پیش

کردیں جن سے بصراحت یہ بات واضح تر ہو جاتی ہے کہ وہ کس قسم کے تعلق کے منکر اور کس قسم کے تعلق کے مقر ہیں:۔

(۱) مسئلہ سماع موتٰی کی بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

الغرض ادھر تو روح کو جسم سے وہ تعلق ضعیف ہو گیا جو سرمایۂ ابصار و اسماع تھا۔ ادھر واسطہ ایصال بعد دفن آب خاک ہے جس میں خفیف سی لچک اور قلیل سا سیلان ہے اس لیے خواہ مخواہ یہی کہنا پڑے گا کہ حد قوت اسماع متکلم سے قوت سامعۂ اموات جو بالکل فقط روح کے ساتھ قائم ہے اور جسم سے جبراں تعلق نہیں بری ہے پر بایں ہمہ تعلق بھی موجود ہے گو ضعیف ہے اور واسطہ وصول آواز میں سیلان اور لچک بھی موجود ہے گو خفیف ہے اس لیے اگر اُدھر سے بوجہ توجہ د اقتراب جو محبت مذکورہ کو لازم ہے تلقی آواز یعنی استماع ہو تو بعید نہیں اس لیے مناسب یُوں ہے کہ قبرستان میں گذرے تو سلام سے دریغ نہ کرے اور بن پڑے تو ہدیہ مناسب وقت بھی پیش کرے ورنہ سخت بے مروتی ہے جو یوں آنکھیں چرائے چلا جائے (ھ‍ا. جمال قاسمی ص۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ روح کا جسم سے تعلق اگرچہ ضعیف ہے مگر ہے ضرور اور اس تعلق کی وجہ سے جب مردہ کی طرف سے توجہ ہو اور سلام کہنے والا قریب سے سلام کہے تو وہ سنتا ہے۔

(۲) یا یوں کہیے کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے مال میں میراث جاری نہ ہونی اور آپ کی ازواج کے نکاح کی حرمت کی علّت اور ان کے ساتھ آپ کی حیات جسمانی ہے جو آپ کی موت عرضی کے تلے دیگر افاضۂ حِس و حرکت سے اس طرح معذور ہو گئی ہے جیسے چراغ روشن کسی ہنڈیا میں بند ہو کر مکان میں افاضۂ نور سے معطل ہو جاتا ہے یہ نہیں کہ جیسے ہماری تمہاری حیات جسمانی جس سے جسم پر روح کا قبض و تصرف تھا موت آنے سے اسی طرح زائل ہو جاتی ہے جیسے سایہ کے آنے سے دھوپ۔ آپ کی حیات بھی موت آنے سے زائل ہو جاتی ہے باقی جو یہ السلام علیکم یا اھل القبور سے ایک نوع کے تعلق روح و جسد کا پتہ لگتا ہے جس سے اشتباہ حیات (کاملہ و مطلقہ صفدر) پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کو اوّلاً تو ایسا سمجھیے جیسا بوسیلۂ تار برقی بمبئی یا کلکتہ یا لندن کی خبر میرٹھ یا بنارس میں آجائے ایسے ہی یہاں بھی سمجھیے (کہ سلام کہنے والا گو قبر سے باہر اور مردہ قبر

میں ہوتا ہے مگر اس کے سلام کی آواز اور خبر اس کو ہو جاتی ہے۔ صفدر) دوسرے اگر کچھ تعلق ایسا رہا بھی جیسا کسی جلا وطن کو اپنے اصلی وطن کے ساتھ تو گو اتنا تعلق موجب اطلاع بعض احوال متعلقۂ جسد اسی طرح ہو جاوے جیسا تعلق خاطر مرد آوارہ بسا اوقات بہ نسبت اور بلاد کے احوال متعلقۂ وطن متروک کے زیادہ اطلاع کا باعث ہو جایا کرتا ہے پر اتنی بات سے قبض و تصرف نہیں نکلتا جو اشتباہِ حیات (مطلقہ و کاملہ۔ صفدر) ہو الخ (تصفیۃ العقائد ص۳۱ طبع خواجہ برقی پریس دہلی)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت نانوتویؒ کے نزدیک روح کا جسم کے ساتھ ادراک و شعور کی حد تک تعلق رہتا ہے جس سے مُردہ سلام کہنے والوں کا سلام سنتا ہے ہاں روح کا بدن پر قبض و تصرف نہیں جیسا کہ دنیا میں تھا یا قیامت کے دن ہو گا جس سے حیات کاملہ حاصل ہوتی ہے (۳) لیکن ہر چہ بادا باد بعد موت نہ ارواحِ شہداء کو ان کے ابدان کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے نہ ارواح اور مومنین کو اتنا فرق ہے کہ بمجرد انقطاع علاقہ جسد اول یا بعد چندے شہداء کی ارواح کو تو اور ابدان کے ساتھ تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور اس حساب سے اُن کو حیات روحانی و جسمانی دونوں حاصل ہو جاتی ہیں اور باقی مومنین امت کے لیے اس نقصان کی کچھ مکافات نہیں کی جاتی بہرحال ابدانِ دنیا سے دونوں کو کچھ تعلق نہیں رہتا پھر اشیاء متعلقہ ابدان دنیوی سے تو تعلق کہاں جو اُن کے اموال و ازواج کو جُوں کے تُوں اُنہیں کے ازواج و اموال سمجھے جائیں اور کسی اور کو نکاح کی اجازت اور وارثوں کو تقسیم و تصرف نہ کرنے دیں کیونکہ اموال و ازواج دنیوی دونوں کو انہیں ابدان کی ضرورت رفع کرنے کے لیے بنایا ہے ازواج سے قضاء حاجت فرج اگر ہوتی ہے تو انہیں ابدان کی حاجت ہے الخ (آبِ حیات ص۱۶۸ طبع دہلی)

اس عبارت میں حضرت نے ارواح کے ابدان کے ساتھ ایسے تعلق کا انکار کیا ہے۔ جس سے ابدان کو ایسی قوت حاصل ہو جس کی وجہ سے وہ دنیوی ازواج و اموال کے محتاج ہوں لیکن حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا معاملہ اس سے الگ مانتے ہیں اور کتاب آبِ حیات کا موضوع ہی صرف یہ مسئلہ ہے اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔ اور ارواحِ انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے پر اطراف و جوانب سے سمٹ آتی ہے اور اس لیے حیاتِ جسمانی کو بہ نسبت سابق اسی طرح قوت ہو جاتی ہے۔ جیسے ظرف مذکور کے ڈھکنے کے بعد چراغ

کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے اھ (جمال قاسمی ص۱۱) اور عام مومنین کے لیے بھی حضرت مولانا نانوتویؒ تعلق روح بالجسد مانتے ہیں ہاں اس طرح کا نہیں جس طرح دنیا کی زندگی میں تھا چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اور اسی وجہ سے حدیث لَا نُوْرَثُ کو معارض آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ اور آیت کَانْتِکَحُوْا اَزْوَاجَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ اَبَدًا کو معارض آیت وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا نہیں کہہ سکتے کیونکہ آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ اور آیت وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ کے مصداق وہ ہیں (یعنی غیر انبیاء۔ صفدر) جن کی ارواح کو ان کے ابدان کے ساتھ وہ تعلق نہ رہا جو حالت حیات میں تھا الخ (جمال قاسمی ص۱۳) اور پھر آگے لکھتے ہیں۔ اس لیے یہی کہنا پڑتا ہے کہ روح کو ایسے لوگوں کی اپنے جسم سے وہ علاقہ نہیں رہتا جو وقت حیات تھا الخ (ایضًا) حضرت نانوتویؒ کی ان عبارات سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابدان سے ارواح کا فی الجملہ تعلق ہے اور اسی تعلق کی بناء پر مُردے ادراک و شعور رکھتے ہوتے زندوں کا سلام قریب سے سنتے ہیں ہاں ایسا تعلق ہرگز نہیں ہوتا جیسا کہ زندگی میں تھا جس سے ابدان کو دنیوی ازواج و اموال کی حاجت پڑتی تھی بحمد اللہ تعالیٰ خط کشیدہ الفاظ کا مفہوم خود حضرت نانوتویؒ کی عبارات سے نکل آیا اور مؤلف مذکور کا اعتراض کافور ہوگیا اگر مؤلف مذکور نے تدبر سے کام لیا ہوتا تو ان کو خواہ مخواہ چند ورق سیاہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی اور اسی وجہ سے قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں اور کھاتے رہیں گے ع

تیری بزم میں اور بھی گل کھلیں گے

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اور ارواح انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے مگر اطراف و جوانب سے سمٹ آتی ہیں۔ اس لیے حیاتِ جسمانی کو نسبت سابق سے اسی طرح قوت ہو جاتی ہے جیسے ظرف مذکور کے رکھ دینے کے بعد چراغ کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے۔ اور سکتہ میں ایسا ہو جاتا ہے جیسے فرض کرو کہ چراغ ٹمٹمانے لگے اور گل ہونے کو ہو۔ بہر حال ارواحِ انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے، بلکہ کیفیت حیات میں بوجہ اجتماع اور بھی قوت آجاتی ہے اور مثل چراغ و ظلمت ظرف محیط حیات و موت دونوں مجتمع ہو جاتے ہیں:۔

الغرض بقائے حیاتِ انبیاء ضروری ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج کو نکاحِ ثانی کی اجازت نہیں اور اسی وجہ سے ان کے اموال میں میراث کا جاری ہونا مقرر نہیں ہوا۔ اور نیز اس حکم میں عظمتِ انبیاء بھی منظور رہے اور لفظ ترک گو ایک حدیث میں منسوب الی الانبیاء بھی ہے ۔ مگر دلائل حیات کے قرینہ سے وہ مشاکلۃً ومجازاً ہے (المصالح العقلیۃ حصہ دوم ص۲۱۲)

حضرت نانوتویؒ اور حضرت تھانویؒ کی اس تصریح کے پیشِ نظر حضرات علماء دیوبند جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات جسمانی اور حیات دنیوی کا لفظ بولیں گے تو اس سے یہی مراد ہوگی کہ آپ کی روح کا بدن[1] دنیا سے تعلق ہے نہ یہ کہ تمام احکام میں یہ حیات دنیوی ہے اور اسی طرح علامہ سمہودیؒ اور امام سبکیؒ وغیرہ کی عبارات میں حیات دنیوی اور جسمانی سے بھی یہی مراد ہے، اور علامہ سبکیؒ کی عبارت میں یہ بھی گذر چکا ہے کہ کھانے اور پینے وغیرہ تمام امور میں وہ حیات دنیوی نہیں بلکہ علم و شعور اور ادراک و سماع میں وہ دنیوی ہے کما مر۔

اعتراض قبر میں عود روح کی وجہ سے حیات نص قرآنی کے خلاف ہے جو قابل سماعت نہیں اور نص قطعی کے مقابلہ میں ظنی دلیل (حدیث شریف) کا کیا اعتبار رہ گیا؟ علامہ ابن حزم ظاہریؒ فرماتے ہیں۔

وکذلک قولہ تعالیٰ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی طـ فصح بنص القرآن ان ارواح سائر من ذکرنا لا ترجع الی جسدہ اِلّا الی الاجل المسمی وھو یوم القیٰمۃ الخ (الفصل فی الملل والاھواء والنحل ج۴ ص۶۷ طبع بیروت وکتاب الروح ص۵ والنظم لہ)

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ قبض کر لیتا ہے جانوں کو ان کی نیند کے وقت اور ان جانوں کو قبض کرتا ہے جو نہیں مریں ان کی نیند میں سو روک لیتا ہے ان جانوں کو جن پر موت کا فیصلہ کر چکا ہے اور دوسری جانوں کو مقرر وقت تک چھوڑ دیتا ہے تو اس نص قرآنی سے ثابت ہوا کہ وہ تمام ارواح جن کا ذکر ہم نے کیا ہے قیامت سے پہلے جسم کی طرف نہیں لوٹتے۔

مؤلف ندائے حق نے ص۲۲۲ میں نمبر اول پر اس آیت کریمہ کو نقل کیا ہے اور پھر حسب عادت بے سوچے سمجھے چند تفسیروں کے حوالے بھی نقل کئے ہیں اور اس کے بعد چار اور غیر متعلق آیتیں اور

---

[1] حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی حیات دنیویہ کا مطلب بیان کرتے ہیں ۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ وہ حیات دنیا کی سی ہے یعنی مع الجسد ہے صرف برزخی روحانی نہیں جو تمام مومنین کو بھی حاصل ہے جن کے اجسام مٹی ہو چکے ہیں الخ

(الفرقان ... ۱۹۵۹ ...)

ان کی تفاسیر نقل کرنے کے بعد آخر میں نتیجہ نکالتے ہیں۔ بہر حال قرآنی آیات جمہور صحابہؓ تابعینؒ و کثیر من المحققین اسی طرف ہیں کہ اس جسد عنصری کی طرف دوبارہ قیامت کبریٰ سے پہلے روح نہیں لوٹتی اور وہ حیات، روحانی اور جزائی ہے نہ ابتدائی اور نہ اعادی انتہی (بلفظہ ندائے حق ص ۲۲۶) اور ندائے حق کے مقدمہ باز بزرگ نے بھی اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے (ملاحظہ ہو ص ۲۳)

الجواب :-

علامہ ابن حزمؒ اور مؤلف مذکور وغیرہ کا اس آیت کریمہ سے حیات فی القبر اور اعادہ روح کی نفی پر استدلال اور ثانی الذکر کا اس مسلک کو جمہور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور کثیر من المحققین کی طرف منسوب کرنا قطعاً اور یقیناً باطل اور مردود ہے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور جمہور محققین میں سے کوئی ایک شخص بھی حیات فی القبر کا منکر نہیں اور نہ قبر میں اعادۂ روح کا منکر ہے یہ کاروائی ان حضرات کے غلط نظریہ اور سوء فہم کا نتیجہ ہے اولاً اس لیے کہ اگر اس آیت کریمہ سے حیات فی القبر کی نفی ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن پر قرآن کریم نازل ہوا تھا اور جو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے قرآن کریم کے معانی و مطالب زیادہ جانتے تھے یہ ہرگز نہ فرماتے کہ فتعاد الروح فی جسدہ یعنی قبر میں میت کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے اور اس حدیث کی مفصل بحث پہلے گزر چکی ہے وثانیاً اس لیے کہ اگر اس آیت کریمہ سے حیات فی القبر کی نفی ہوتی تو حضرات محدثین کرامؒ فقہاء عظامؒ متکلمین نیک انجام اور مفسرین ذوالاحترام وغیرہم بزرگان دین کبھی حیات فی القبر کے اور اعادۂ روح فی القبر الی جسدہ کے کے قائل نہ ہوتے حالانکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ جیسی بزرگ شخصیتیں بھی اس کی قائل ہیں۔ کما مرّ مفصلاً وثالثاً حافظ ابن القیمؒ علامہ ابن حزمؒ کے اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

فامساکہ سبحانہ التی قضی علیہا الموت	اللہ تعالیٰ کا ان جانوں کو روکنا جن پر وہ موت کا فیصلہ
لا ینافی ردھا الی جسدھا المیت فی وقت	کر چکا ہوتا ہے اس کے منافی نہیں کہ ارواح کو بے جان
ما رداً عارضاً لا یوجب لہ الحیوۃ المعھودۃ	جسم کی طرف کسی وقت عارضی طور پر ایسے طریقہ پر لوٹا دے
فی الدنیا واذا کان النائم روحہ فی جسدہ	جس سے دنیا کی معہود زندگی ثابت نہ ہو۔ جیسا کہ سونے
وھو حی وحیاتہ غیر حیاۃ المستیقظ فان	والا شخص کہ اس کی روح اس کے جسم میں ہوتی ہے اور

النوم شقيق الموت فكذا الميت اذا اعيدت روحه الى جسده كانت له حال متوسطة بين الحي وبين الميت الذي لم ترد روحه الى بدنه كحال النائم المتوسطة بين الحي والميت فتامل هذا يزيح عنك اشكالات كثيرة (كتاب الروح ص۵۳)

وہ زندہ ہوتا ہے مگر اس کی حیات بیدار آدمی کی حیات کے غیر ہوتی ہے کیونکہ نیند موت کی بہن ہے اسی طرح مُردہ کا معاملہ ہے کہ جب روح اس کے جسم کی طرف ثانی جاتی ہے تو اس کا حال زندہ اور ایسے مُردہ کے حال کے درمیان ہوتا ہے جس کی طرف روح نہ لوٹائی گئی ہو جیسا کہ سونے والے کا حال زندہ اور مردہ کے درمیان ہوتا ہے اس مثال میں خوب غور کرو اس سے تمہارے بہت سے اشکالات رفع ہو جائیں گے۔

حافظ ابن القیمؒ کی مفصل عبارات پہلے عرض کر دی گئی ہیں جن میں حیات فی القبر پر تصریح موجود ہے اور اس عبارت میں بھی وہ علامہ ابن حزمؒ کو جواب دیتے ہوئے تصریح فرماتے ہیں کہ روحوں کو اجسام میں اس انداز سے لوٹانے سے روک دیا جاتا ہے کہ جس سے وہ بدن میں تدبیر و تصرف کریں اور ایسی معہود زندگی حاصل ہو جیسا کہ دُنیا میں تھی رہا ایسے طریقے سے روح کا بدن کی طرف عارضی طور پر لوٹانا جس سے دُنیا کی معہود زندگی ثابت نہ ہو قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کے ہرگز منافی نہیں ہے۔
ورابعًا دیگر مفسرین کرامؒ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ ارواح کو روکنے کا مطلب یہ ہے کہ ارواح ابدان میں تدبیر و تصرف نہیں کرتے مثلاً یہ کہ بدن میں خون کا دورہ ہو سانس چلے کھانا ہضم ہو نبضیں چلیں بدن کا نشو و نما ہو مثلاً بال بڑھیں۔ ناخن بڑھیں وغیرہ وغیرہ جیسا کہ دنیا میں یہ کاروائی ہوتی تھی چنانچہ علامہ آلوسیؒ اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ای یقبضها عن الابدان بان یقطع تعلقها تعلق التصرف فیها عنها الخ (روح المعانی ج۲۴ ص۲)

یعنی اللہ تعالیٰ ارواح کو ابدان سے قبض کرتا ہے یعنی طور کہ ابدان میں ارواح کے تصرف کا تعلق باقی نہیں رہتا

اس عبارت میں تعلق التصرف فیها عنها کے الفاظ صاف طور پر اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ ارواح کا ابدان میں تصرف نہیں ہوتا اور یہ کاروائی تا قیامت باقی رہتی ہے رہا روح کا جسم سے قبر میں ایسا تعلق جس سے عند القبر سماع ہو اور قبر کی راحت و تکلیف وغیرہ کا ادراک ہو اس کا علامہ آلوسیؒ وانشگاف الفاظ میں اثبات کرتے ہیں کما مرّ اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ فرماتے ہیں اور ایک

جان جس سے دم چلتا ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں اور کھانا ہضم ہوتا ہے وہ دوسری ہے وہ موت سے پہلے نہیں کھینچی بلفظہٖ (موضح القرآن) اور حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں پھر اس معطل کرنے کے بعد ان جانوں کو تو تصرف فی الابدان کی طرف عود کرنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو جو کہ نوم میں معطل ہوگئیں تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ایک میعادِ معین یعنی مدت عمر تک کے لیے رہا کر دیتا ہے کہ جاگ کر پھر بدستور ابدان میں تصرف کرنے لگتی ہیں الخ (بیان القرآن ج ۱۲ ص ۲۳ طبع دہلی) الغرض اس آیت کریمہ سے حیات فی القبر کی اُس نوع کا رد اور اعادہ الروح الی الجسد کے اس مفہوم کا ابطال جس کے جمہور مثبت ہیں کسی طرح بھی نہیں ہوتا وہ مفہوم اپنی جگہ پر ایک حقیقت ثابتہ ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ وخاصۃً زمانۂ حال میں جو بزرگ مسئلہ حیات میں بڑی شدت اور غلو سے کام لے رہے ہیں ان کو بھی یہ بات مسلّم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو برزخ میں حیات عطا فرمائی گئی ہے ظاہر بات ہے کہ روح پر تو موت وارد ہی نہیں ہوتی تاکہ یہ کہا جائے کہ اس کو برزخ میں حیات عطا فرمائی گئی ہے بلکہ یہ حیات بدن ہی کی ہوگی جو روح کی مشارکت سے ہوگی، ہاں یہ الگ بات ہے کہ یہ حیات برزخیہ ہے نہ کہ دنیویہ لیکن اس کو حیات دنیویہ کہنے والا بھی ان کے نزدیک اہل السنت والجماعت سے خارج نہیں ہے ماہنامہ تعلیم القرآن میں حیات دنیوی اور حیات برزخی کے ایک سوال کے جواب میں مندرجہ ذیل فتوٰی ملاحظہ ہو۔ الجواب واللہ الملہم بالصواب

حضرت نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر وعدۂ الٰہی اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ کے مطابق حقیقۃً موت واقع ہوئی آپ کی روح اقدس جسدِ اطہر سے منقطع ہو کر جنت الفردوس میں رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ شامل ہوگئی۔ اور حضرات صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپؐ کے جسدِ اطہر کو واقعی میت سمجھ کر قبر مبارک میں دفن کیا۔ اور اس عالم دنیا سے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو عالم برزخ میں مثل شہداء بلکہ شہداء سے بھی اعلیٰ وارفع حیات برزخیہ عطا فرمائی گئی وہ حیات دنیویہ نہیں بلکہ اس سے بدرجہا اعلیٰ وارفع اکمل وافضل حیات برزخیہ ہے نہ کہ حیات دنیویہ لیکن اگر کوئی اس حیات کو دنیوی کے نام سے تعبیر کرے اور آپ کی حیات برزخیہ سے بھی انکار نہ کرے تو اس کو جماعت اہل السنت سے خارج نہیں کرنا چاہیئے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بعد الموت

سب سے اعلیٰ وارفع اجمل و افضل حیات برزخیہ عطا فرمائی گئی ہے یہ جمہور اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے اس پر کتاب اللہ احادیث صحیحہ اور ارشادات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم شاہد ہیں۔ عنایت اللہ بخاری عفی عنہ مسجد جامع گجرات

اس جواب اور فتویٰ پر بچاس حضرات کے دستخط ہیں اور تصدیق کا عنوان یہ ہے جواب صحیح ہے ان میں سے بعض حضرات کے نام یہ ہیں:۔ (۱) مولانا نصیر الدین صاحب غور غشتوی ؒ (۲) مولانا عبد الرحمٰن صاحب بہبودیؒ (۳) مولانا ولی اللہ صاحبؒ انبی (ضلع گجرات) (۴) مولانا غلام اللہ خان صاحب (۵) مولانا محمد طاہر صاحبؒ پنج پیر (۶) مولانا قاضی شمس الدین صاحبؒ (۷) مولانا فیض علی شاہ صاحب (۸) مولانا قاضی غلام مصطفیٰ صاحب مرجانویؒ (۹) مولانا قاضی نور محمد صاحبؒ۔ (۱۰) مولانا محمد امیر صاحبؒ سرگودھا بلاک ۱۵ (۱۱) مولانا احمد حسین صاحب سجادؒ بخاری (۱۲) اور مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب وغیرہم (تعلیم القرآن ماہ جولائی۔ اگست ۱۹۶۰ء ص۳۲)

اس فتوٰی سے ایک بات تو صراحۃً یہ ثابت ہوئی کہ موت کے بعد برزخ میں حیات کا عطا ہونا اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے اور کتاب اللہ احادیث صحیحہ اور ارشادات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اس پر شاہد ہیں معلوم ہوا کہ ایسی حیات کا برزخ میں عطا ہونا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ کے ہرگز خلاف نہیں ہے ورنہ یہ حضرات ہرگز اس کو تسلیم نہ کرتے اور دوسری یہ بات ثابت ہوئی کہ برزخ میں اس عطا شدہ زندگی کو حیات دنیوی سے تعبیر کرنے والا اہل السنت والجماعت سے خارج نہیں ہے کیونکہ اس قائل کی مراد یہ ہوگی کہ روح مبارک کا دنیوی جسم سے تعلق ہے نہ کہ جسم مثالی سے اور ادراک وفہم و شعور میں وہ دنیوی زندگی کی طرح ہے نہ کہ روح کے بدن میں تصرف و تدبیر کرنے اور حس و حرکت کے لحاظ سے دنیوی ہے حضرت مولانا مفتی محمد نعت اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی عبارات میں حیات دنیوی سے یہی ثانی شق مراد ہے نہ کہ اول چنانچہ ان کی عبارات علی الترتیب یہ ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک قسم کی حیات برزخی حاصل ہے جس کی کیفیت خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ لیکن حیات دنیوی کہنا خلاف اہل السنت والجماعت ہے"

"حیات دنیوی ظاہری کا تو دنیا میں کوئی بھی قائل نہیں قرآن کریم کی آئی صریح مخالفت کون مسلمان کر سکتا ہے ۔ حیات برزخی کے قائل ہیں الخ" (تعلیم القرآن ص۱۱ ماہ جنوری ۱۹۶۱ء)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فتویٰ میں تو حیات دنیوی کے ساتھ ظاہری کی قید موجود ہے اور یہی قید حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتویٰ میں بھی ملحوظ رکھنی چاہیئے۔

چنانچہ مولانا احمد حسین صاحب سجاد بخاری حضرت مفتی صاحبؒ کے فتویٰ میں حیات دنیوی کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں شاید یہ حیات دنیوی ظاہری کی طرف اشارہ ہو ۱۲ سجاد (ایضاً حاشیہ) اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دنیوی ظاہری کہنا اہل السنت کے قول کے خلاف ہے کیونکہ قبر اور برزخ کی زندگی اگر مستمر طور پر دنیوی ظاہری ہو تو پھر موت اور روح کے جسم سے منقطع ہونے کا کیا مطلب ہے اور پھر ایسی دنیوی ظاہری زندگی والے کو دفن کرنے کا اور اس کی وراثت کے تقسیم ہونے کا اور عدت گذرنے کے بعد اس کی بیوی کا کسی سے نکاح جائز ہونے کا کیا مقصد ہے؟ اور یہ کیسے اور کیونکر جائز ہو گیا ہے؟ اور اگر موت کے بعد ایسی ہی دنیوی ظاہری زندگی دوبارہ عطا ہو تو دیگر حواس کو محسوس ہونی چاہیئے اور دنیوی ظاہری زندگی کے دیگر آثار بھی اس میں ظاہر ہونے چاہئیں حالانکہ عادۃً یہ مشاہدے کے خلاف ہے۔

حیاتِ حسّی دُنیوی سے مُراد؟

حیات جسمانی اور دُنیوی کا نظریہ تو بالکل صاف اور بے غُبار ہے جیسا کہ آپ نے حضرت نانوتویؒ وغیرہ کی عبارت میں ملاحظہ کر لیا ہے، البتہ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی عبارت میں حِسّی کا لفظ بھی مذکور ہے یہ لفظ غور طلب ہے اگر اس سے مراد یہ ہو (اور ہمارے نزدیک یہی مراد متعین ہے) کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قبر میں جو حیات حاصل ہے وہ خود ان کے حق میں حسّی ہے بایں طور کہ وہ اپنے جسم مبارک کے تمام اعضاء شریفہ میں حیات کے آثار محسوس کرتے ہیں جس طرح کہ دنیا میں ایک تندرست انسان روح کا اثر تمام اعضاء میں محسوس کرتا ہے۔ بخلاف مفلوج اور مشلول کے کہ فالج کی وجہ سے اس کے جو اعضاء ماؤف اور شل ہو جاتے ہیں ان میں وہ حسّ نہیں پاتا۔

الغرض جس طرح حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دنیا میں اپنے تمام اعضاء مبارکہ میں حیات کے آثار محسوس ہوتے تھے اسی طرح قبر میں جو حیات ان کو حاصل ہے وہ ان کے حق میں حسّی ہے اور اس کے آثار وہ خود محسوس کرتے ہیں گو اہلِ دُنیا کو اس کا احساس و شعور نہ ہو سکے اور حسّی کے اس معنی میں نقلاً و عقلاً کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی جب وہ زندہ ہیں تو لامحالہ

زندگی کے آثار ان کو محسوس ہوں گے۔ بخلاف عام مردوں کے کہ ان میں حیات کا اثر صرف اس جزو سے وابستہ ہوتا ہے جس سے فہم خطاب اور الم و راحت کا ادراک ہو سکے اور یہ مطلب اس لحاظ سے بھی قوی اور صحیح ہے کہ قبر اور برزخ کا معاملہ عالم غیب اور دوسرے جہان سے متعلق ہے اس کا مشاہدہ اور احساس اس جہان والے نہیں کر سکتے۔ لہٰذا حسی کا یہ معنی نہیں ہوگا کہ اس جہان والے اس حیات اور اس کے آثار کو محسوس کر سکتے ہیں اور اگر اس حیات حسی سے مراد یہ ہو کہ اہل دنیا اس کو محسوس کر سکیں تو خرق عادت کے طور پر اگر کسی ثقہ سے یہ ثابت ہو تو اس میں بھی شرعاً کوئی استبعاد نہیں کیونکہ خوارق عادات کے لیے کوئی ضابطہ نہیں ہوتا اور عام حالات سے وہ ماوراء ہی ہوتے ہیں علامہ آلوسی الحنفی رحہ کا حوالہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ وہ اہل دنیا کے لیے اس کو حسی تسلیم نہیں کرتے، اور اس تحقیق میں ہم بھی علامہ آلوسی رحہ کے ساتھ ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ شیخ عبدالحق رحہ وغیرہ کے نزدیک یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی روح مبارک آپ کے جسم اطہر سے ہی قبر شریف میں متعلق ہے اور ملاءِ اعلیٰ علیین اور جنت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ روح مبارک کا باوجود جسم اطہر کے ساتھ اعلیٰ اور ارفع تعلق ہونے کے جنت اور علیین سے بھی بدستور تعلق رہتا ہے جو آپ کی شانِ اقدس کے لائق ہے، باقی اس کی کیفیت پروردگار ہی جانتا ہے ہم اس کے مکلف نہیں ہیں۔

دوسرا گروہ

یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی (اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی وفات کے بعد آپ کی روح پُر فتوح تو ملاء اعلیٰ علیین اور جنت میں اس جگہ میں رہے جو آپ کی شایان شان ہے اور آپ کا جسد اطہر صحیح و سالم قبر مبارک میں محفوظ و مصون ہے لیکن بایں ہمہ آپ کی روح مبارک کا آپ کے جسد اطہر سے اتصال، تعلق اور علاقہ ہے جس تعلق کی بنا پر آپ کو حیات اور اس کے لوازمات علم و ادراک و شعور اشتغال بالعبادات حاصل ہیں کہ عند القبر اگر کوئی صلوٰۃ وسلام عرض کرے تو آپ بنفسِ نفیس خود سنتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں (اس کی بحث اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ) روح مبارک کا یہ تعلق جسدِ اطہر سے دخولاً ہو جیسے بعض حضرات کا نظریہ ہے یا اشراقاً و اتصالاً ہو جس طرح کہ بعض دیگر حضرات قائل ہیں (کہ روح مبارک جسم اطہر میں داخل تو نہ ہو لیکن

اس کا پرتو اور عکس جسم اطہر پر اس انداز سے پڑتا ہو کہ آپ کو حیات حاصل ہو) اور اس تعلق کی وجہ سے آپ قبر مبارک کے پاس سلام کہنے والے کا سلام سُن لیتے ہوں اور پھر جواب دیتے ہوں، ایسا نہیں کہ روح مبارک کا جسم اطہر سے کوئی تعلق نہ ہو اور عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع آپ نہ کرتے ہوں، باقی اس تعلق کی کیفیت ہماری سمجھ سے بالاتر ہے ہم کیا اور اس کا ادراک و شعور کیا؟ سچ کہا گیا ہے۔

کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربا

گویا ان حضرات کے نزدیک آپ کی روح مبارک کا تعلق اور علاقہ اُسی بدن سے ہے جو بدن اور جسم دنیا میں تھا گو دنیوی زندگی کے اکثر لوازمات اور آثار اس پر مرتب نہ ہوں مگر ادراک و شعور اور علم و سماع بہر حال اس میں متحقق ہے۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح (جن کی مفصل عبارت ۱۹۲، ۱۹۳ میں گذر چکی ہے) حافظ ابن القیم رح اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح کی عبارات سے یہ مسلک واضح ہوتا ہے کہ آپ کی رُوح مبارک تو جنت اور اعلیٰ علیین میں ہے اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح بھی لیکن معہذا ان کا تعلق قبور میں اپنے ابدان سے بھی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن القیم رح لکھتے ہیں کہ:۔

وبعد وفاته استقرت في الرفيق الاعلىٰ مع ارواح الانبياء ومع هذا فلها اشراف على البدن واشراق وتعلق به بحيث يرد السلام على من سلم عليه وبهذا التعلق رأى موسىٰ قائما يصلي في قبره الى ان قال كما انه صلى الله عليه وسلم في ارفع مكان في الرفيق الاعلىٰ مستقرا هناك وبدنه في ضريحه غير مفقود واذا سلم عليه المسلم رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام ولم يفارق الملأ الاعلىٰ اه

اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی رُوح مبارک دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں مستقر ہے لیکن معہذا بدن مبارک پر اس کا پرتو اور روشنی پڑتی ہے اور اس کا بدن سے تعلق ہے اس انداز سے کہ آپ سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور اسی تعلق کی وجہ سے آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں بحالت قیام نماز پڑھتے دیکھا تھا (پھر آگے فرمایا کہ) جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ میں بلند مقام پر فائز ہیں اور آپ کا بدن مبارک قبر شریف میں موجود رہتا ہے جب بھی کوئی سلام کہنے والا آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی رُوح مبارک کو آپ پر لوٹا

دیتا ہے۔ یعنی کہ آپ سلام کا جواب دیتے ہیں لیکن آپ کی روح مبارک ملاء اعلیٰ سے جدا نہیں ہوتی۔

(زاد المعاد جلد ۲ ص۴۹)

اور دوسرے مقام پر یوں لکھتے ہیں کہ:۔

هذا مع القطع بان روحه الكريمة فی الرفيق الاعلیٰ فی اعلیٰ عليين مع ارواح الانبياء وقد صح عنه انه رأی موسیٰ قائما يصلی فی قبره ليلة الاسراء ورآه فی السماء السادسة او السابعة فالروح كانت هناك ولها اتصال بالبدن فی القبر واشراف عليه وتعلق به بحيث يصلی فی قبره ويرد سلام من سلّم عليه وهی فی الرفيق الاعلیٰ ولا تنافی بين الامرين فان شأن الارواح غير شأن الابدان اھ

(كتاب الروح ص۴۴)

یعنی یہ بات قطعی ہے کہ آپ کی روح مبارک اعلیٰ علیین کے اندر رفیق اعلیٰ میں دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ ہے اور آپ کی یہ حدیث صحیح ہے کہ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو معراج کی رات ان کی قبر میں بحالتِ قیام نماز پڑھتے دیکھا اور ان کو چھٹے یا ساتویں آسمان پر بھی دیکھا پس روح مبارک تو وہیں ہے لیکن اس کا قبر شریف میں بدن مبارک سے اتصال ہے اور اس پر روح کا پرتو پڑتا ہے اور اس سے تعلق ہے اس انداز سے کہ وہ قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور روح مبارک کا مستقر رفیق اعلیٰ ہی ہے اور ان دونوں باتوں میں کوئی منافاۃ نہیں اس لیے کہ ارواح کا معاملہ ابدان کے معاملہ سے الگ ہے

ان عبارات میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح کا مستقر رفیق اعلیٰ بتلایا گیا ہے لیکن بایں ہمہ واضح طور پر یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ ان ارواح طیبہ کا قبور میں ابدان مبارکہ سے اتصال اور تعلق قائم ہوتا ہے جس کی وجہ سے قبور مبارکہ پر سلام کہنے والوں کا سلام سُن کر جواب دینا ثابت ہے۔

حضرت عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

واما بعد وفاته فروحه المقدسة صلی الله عليه وسلم قد استقرت فی الرفيق الاعلیٰ مع ارواح الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام ولا يتوهم من هذا انكار حياته فی قبره

وفات کے بعد آپ کی روح مبارک دیگر انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں مستقر ہے اور اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ قبر شریف میں آپ کی حیات کا اس سے انکار لازم آتا ہے کیونکہ آپ کی روح مبارک کا بدن مبارک پر عکس

الشريف فان لروحه صلى الله عليه وسلم اشراقا على البدن المبارك المطيب و اشراقا وتعلقا به وبدنه في ضريحه غير مفقود واذا سلم عليه المسلم رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام كما ورد في الحديث ولم يفارق الملأ الاعلى ومن كثف ادراكه وغلظت طباعه عن هذا الادراك فلينظر الى الشمس في علو محلها وتعلقها وتأثيرها في الارض وحياة النبات والحيوان بها اه۔

(فتح الملهم جلد ۳ ص ۴۲۱)

پرتو اور روشنی پڑتی ہے اور اس کے ساتھ تعلق ہے اور آپ کا بدن مبارک قبر شریف میں موجود رہتا ہے اور جب بھی کوئی سلام کہنے والا آپ سے سلام عرض کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح مبارک کو آپ پر لوٹا دیتا ہے، حتیٰ کہ آپ سلام کا جواب دیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور روح مبارک ملاء اعلیٰ سے جدا بھی نہیں ہوتی اور جس شخص کا ادراک کثیف اور اس کی طبیعت اس کے سمجھنے سے منقبض ہو تو اسے سورج کی طرف دیکھنا چاہیے کہ وہ کتنے بلند مقام پر ہے لیکن معہذا اس کا تعلق اور تاثیر زمین پر ظاہر ہے اور نباتات و حیوانات کی حیات اور نشوونما اس سے وابستہ ہے۔

حضرت مولانا عثمانیؒ نے اس عبارت میں سورج کی مثال دے کر یہ اشکال کہ جب روح مبارک علیین میں ہے تو پھر قبر مبارک میں اس کے ساتھ حیات کے کیا معنی؟ رفع کیا ہے کہ سورج باوجود بہت بلند ہونے کے زمین اور اس کے اجزاء پر اثر انداز ہے اور عالم اسباب میں حیوانات و نباتات کی نشوونما کا ذریعہ ہے اگر زمین پر اس کی حرارت اور روشنی اثر انداز ہو سکتی ہے تو روح مبارک بھی قبر شریف میں جسم اطہر پر اثر انداز ہو سکتی ہے اور اس میں کوئی بُعد نہیں ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی روح مبارک کا مستقر تو اعلیٰ علیین میں ہے لیکن باوجود اس استقرار کے اس کا تعلق ربط اور اتصال قبر مبارک میں جسد اطہر سے بھی ہے جس سے ایسی حیات آپ کو حاصل ہے کہ آپ عند القبر سلام کہنے والے کا سلام بنفسِ نفیس خود سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں انصاف کی دنیا میں نہ تو اس اتصال اور تعلق کا انکار ہو سکتا ہے اور نہ اس سے بڑھ کر اس کا کوئی ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے؟ ثلج صدر کے لئے یہ دلائل بالکل کافی ہیں۔

ے حریم دل کا کیا کہنا یہاں جلوے ہی جلوے ہیں
بحمد اللہ یہیں وہ ہیں یہیں خلوت نشین میں ہوں

عدم تعلق کا کوئی بھی قائل نہیں رہا

بلا خوفِ تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ تقریباً ۱۳۷۴ھ تک اہل السنت والجماعت کا کوئی فرد کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ دنیا کے کسی خطہ میں اس کا قائل نہیں رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے کسی اسلامی کتاب میں عام اس سے کہ وہ کتاب حدیث و تفسیر کی ہو یا شرح حدیث اور فقہ کی علم کلام کی ہو یا علم تصوف وسلوک کی سیرت کی ہو یا تاریخ کی کہیں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کہ آپ کی روح مبارک کا جسم اطہر سے کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور یہ کہ آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے من ادعی خلافہ فعلیہ البیان ولا یمکنہ انشاء اللہ تعالیٰ الی یوم البعث والجزاء والمیزان- خدا کرے کہ جو حضرات اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں ان کو محل نزاع اور اپنا مدعا سمجھ آسکے ؎

خدایا اس مرض کی ہے دوا کیا کہ ہم کیا ہیں ہمارا مدعا کیا!

مؤلف ندائے حق وصاحب تسکین القلوب و اقامۃ البرہان ہمارے اس دعوی سے خاصے برہم اور سیخ پا ہوئے ہیں (ندائے حق ص ۱۳۳ تا ص ۱۳۸ و تسکین ص ۹۳ و اقامۃ ص ۱۹۲) مگر بیقین جانیئے کہ باوجود مناظرانہ موشگافیوں کے ایک حوالہ بھی صراحت کے ساتھ اس پر پیش نہیں کر سکے کہ مثلاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک کا جسد اطہر سے کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ آپ عند القبر صلوٰۃ و سلام نہیں سنتے اور مؤلف اقامۃ البرہان نے روح کے بدن پر اشراق سے اور فی الجملہ روح کا تعلق جسم سے تسلیم کر کے ایک گونہ حیات تسلیم کر کے زائر کا صلوٰۃ وسلام سننا اور اس کا جواب دینا بھی صاف تسلیم کر لیا ہے (ملاحظہ ہو اقامۃ ص ۱۷۹ وص ۱۹۰ وص ۱۹۲) اور مؤلف تسکین القلوب کا اس سلسلہ میں حوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ صلوٰۃ وسلام کے عند القبر سماع کے قائل ہیں۔

عاجزانہ واویلا

مؤلف ندائے حق اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ انوکھا اجماع آپ سے پہلے کسی

نے نہیں بتایا اور نہ ہم نے سُنا۔ اس غلط اور موضوع حدیث (لعنۃ اللہ علی الکاذب بن صفدر) کے بل بوتے پر اتنا ناچ رہے ہیں کہ اجماع بنا دکھایا۔ کیوں جناب! اجماع کا منکر تو کافر ہوتا ہے کیا سماع عند القبر شریف کا منکر بھی کافر ہے۔ اس سے تو ہمیں اس خبر کی تصدیق ہو رہی ہے جو ہم نے سُنی ہے کہ آپ کے حواری منکر سماع کو صاف کافر کہتے ہیں۔ جناب من! آپ کیوں جھجک کر منکرین کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی فرماتے ہیں صاف کہہ دیجئے کہ کافر ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چہ جائیکہ کراہت کا سوال پیدا ہو۔ اگر آپ یوں فتویٰ دیں گے تو ہم بھی کہہ دیں گے جو غیر اللہ کو حاجات میں غائبانہ پکارے دور سے پکارے یا قبر کے پاس سے پکارے وہ پکا مشرک ہے اس کی ذبیحہ مُردار ہے اس کو اپنی بہن بیٹی نکاح نہیں دے سکتے وغیرہ ہم سے تو عدم سماع کا صریح حوالہ مانگتے ہیں مگر کیا آپ نے اپنے دعویٰ اجماع کا حوالہ دیا ہے ہم نہیں پوچھ سکتے کہ آپ بسند صحیح یہ دکھاؤ جس میں صحابہ یا من بعد ہم نے کہا ہو اجمعنا علی سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند قبرہ الشریف الذی فیہ جسدہ الطیب المطہر یا یہ دکھاؤ کہ صحابی یا من بعد ہم نے مجمع عام میں دعویٰ سماع النبیؐ عند قبرہ الشریف کیا ہو تو سارا مجمع خاموش رہا ہو تردید کسی نے نہ کی ہو مثل مشہور ہے اُلٹے بانس بریلی کو۔ لا دلیل علی النافی فی احکام الشرع وانما الدلیل علی المثبت (اصول سرخسی ج ۲ ص ۱۱۷) چلو علی سبیل التنزل کسی صحابی۔ تابعی۔ تبع تابعین کا قول یا عمل ایسا دکھاؤ جو دال پر سماع ہو اور جو من گھڑت حدیث آپ کو اچھال رہی ہے اس پر مکمل بحث انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر آرہی ہے اور موضوع حدیث پر عمل کرنے کا تمغہ من خدم الشیطان بھی حاصل ہو جائے گا۔ الخ

(ندائے حق ص ۱۳۳ و ص ۱۳۴)

الجواب۔ نیلوی صاحب غصہ تھوک دیجئے اور سراسر لاجواب عاجز اور قاصر ہو کر بلا وجہ پارہ چڑھ جانا بھی کوئی دلیل نہیں اور نہ اس سے کسی بھی صورت کوئی مطلب ہو سکتا ہے۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور امت مسلمہ کا اس پر عمل رہا ہے جو بقول آپ کے اس پر عمل کر کے من خدم الشیطان کا تمغہ حاصل کر چکی ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) ہم نے حضرت گنگوہیؒ کی با حوالہ عبارات تسکین الصدور میں درج کی ہیں کہ عند القبور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں

ہے (محصلہ) جناب اسی کا نام اجماع ہے آپ کو آپے سے باہر نہیں ہونا چاہیئے تھا بلکہ آپ دو چار ٹھوس اور صریح حوالے تیار کر علمی اور تحقیقی خدمت بجالاتے کہ فلاں صحابی یا تابعی یا امام یا محدث یا فقیہ یا متکلم یا بزرگ یوں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر سلام کا سماع نہیں فرماتے یہ آپ کا علمی فریضہ تھا اور اب بھی آپ پر قرض ہے مرنے سے پہلے آپ اس کو پورا کر جائیں۔ ہمارے حواریوں میں سے اگر آپ جیسے مغلوب الغضب نے تکفیر کی ہو تو ہمیں اس کا علم نہیں ہے اور بفضلہ تعالیٰ ہم مسئلہ تکفیر میں لئے غیر محتاط بھی نہیں ہیں مگر آپ کی توجہ کی خاطر ہم اپنے ایک پرانے حواری حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ سے ایک سوال اور اس کے جواب کا کچھ حصہ عرض کئے دیتے ہیں۔

سوال۔ انسان مابعد موت ادراک وشعور باقی میماند وزائرانِ خود را مے شنود یا نے؟

سوال:۔ کیا انسان کا مرنے کے بعد ادراک وشعور باقی رہتا ہے اور وہ اپنے زیارت کرنے والوں کو پہچانتا اور ان کے سلام وکلام کو سنتا ہے یا نہیں۔

جواب۔ انسان را بعد موت ادراک باقی میماند بر ایں معنٰی شرع شریف وقواعد فلسفی اجماع دارند الی ان قال بالجملہ انکار شعور وادراک اموات اگر کفر نہ باشند در الحاد بودن او شبہہ نیست اھ
(فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۸۸)

جواب:۔ انسان کا مرنے کے بعد ادراک باقی رہتا ہے اس مقصد پر شرع شریف اور قواعد فلسفہ کا اجماع ہے۔ (پھر آگے فرمایا) خلاصہ کلام یہ ہے کہ مُردوں کے شعور وادراک کا انکار اگر کفر نہ ہو تو اس کے الحاد ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔

نیلوی صاحب فرمایئے کہ ہمارے حواری حضرت شاہ صاحبؒ نے کیا فرمایا ہے؟ ہم زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتے اور فرض کیجئے کہ بعض اجماعی مسائل کا انکار کفر نہ ہو تو ان کا انکار کارِ ثواب بھی تو نہیں ہے بلکہ گناہ ہے آپ کیوں اس گناہ پر مصر اور کمر بستہ ہیں؟ اور کیوں مخلوقِ خدا کو گمراہ کر کے ان کی راہ مارتے ہیں؟ حضرت مولانا گنگوہی رح کا یہ فتویٰ پہلے نقل کیا جا چکا ہے

الجواب:۔ یہ کرامات اولیاء اللہ سے ہوتی ہے اور حق ہے کہ کرامت خرق عادت کا نام ہے۔ اس میں تردد کی کوئی بات نہیں اس کا انکار گناہ ہے کہ انکار کرامت کرنا ہے اور کرامت کا حق ہونا مسئلہ اجماعی اہل سنت کا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ
(فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۲۲)

کچھ سمجھ آئی آپ کو؟ بانی آپ جیسے عقیدہ رکھنے والوں کے پیچھے نماز کے مکروہ ہونے کا فتویٰ دارالعلوم دیوبند اور دیگر بعض جید علماء کرام کا ہے جیسا کہ پہلے با حوالہ یہ بات عرض کی جا چکی ہے اس میں راقم پر دانت پیسنے کا کیا مطلب؟ آپ کا یہ کہنا کہ یا قبر کے پاس سے پکارنے والا پکا مشرک ہے اس کی ذبیحہ مردار ہے الخ پکارنے سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر پکارنے سے یہ مراد ہے کہ صاحب قبر سے کہے کہ تم میرا کام کردو تو یہ شرک ہے (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹)۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے اس میں اختلاف علماء کا ہے مجوز سماع موتیٰ اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں الخ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹) فرمایئے کہ کیا آپ کے نزدیک سماع موتیٰ کے جملہ قائلین پکے مشرک ہیں؟ اور ان کا ذبیحہ حرام اور مردار ہے؟ اور ان کے نکاح میں جو بیبیاں تھیں اُن سے ان کا نکاح جائز نہیں تھا اور معاذ اللہ تعالیٰ وہ ساری زندگی زنا کرتے رہے نیلوی صاحب ہوش میں آکر بات کیجئے عاجز اور لاجواب ہو کر یوں جلی کٹی سنانے پر نہ آجایئے بفضلہ تعالیٰ ہم نے اپنے دعویٰ کا ثبوت دے دیا ہے اور بغیر جناب سید عنایت اللہ صاحب بخاری (جو اس اجماع کے پہلے منکر ہیں) اور ان کے چند حواریوں کے اور کسی نے اس اجماع کے خلاف لب کشائی نہیں کی اور سب اس اجماع پر خاموش رہے ہیں اور کسی نے اس کی تردید نہیں کی آپ اور آپ کے چند حواری اس اجماع کا انکار کر کے اور اس کے جواب سے بالکل لاجواب ہو کر الٹا ہمیں کو سنتے ہیں؟ اس کو کہتے ہیں الٹا بانس بریلی کو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ فقہی طور پر مدعی اور مدعی علیہ مثبت اور نافی کا مقام متعین کرنا خاصا نزاعی مسئلہ ہے اور یہ ایک اضافی چیز ہے آپ بھی اس بات کے مدعی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا جسم مبارک سے قبر اطہر میں کوئی تعلق نہیں اور آپؐ عند القبر صلوٰۃ وسلام وغیرہ نہیں سنتے (العیاذ باللہ) اور آپ پر بھی اس کا واضح اور صریح دلائل سے ثبوت لازم ہے جس سے آپ یقیناً قاصر ہیں اور تاقیامت قاصر رہیں گے لادلیل علی النافی الخ کو اپنا سپر بنا کر دلیل قائم کرنے سے راہ فرار اختیار کرنا بالکل بے سود ہے معاف رکھنا! تمام حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعینؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عند القبر سماع پر متفق تھے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے

اگر آپ میں ہمت اور جرأت ہے تو ایک حوالہ ہی صریح ثابت کر دیں ولا یمکن ذٰلک انشاء اللہ تعالیٰ آپ ضد اور تعصب و تحزب میں آکر بلاوجہ صحیح حدیث کو جس پر امت کا تعامل ہے منگھڑت قرار دیتے اور اس پر عمل کرنے والوں کو مِنْ خَدَعِ الشَّیْطَانِ کا جو تمغہ دیتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا مزہ آپ مرنے کے بعد چکھیں گے۔ کہ کیا ہے؟

ممکن ہے اہل علم حضرات نفی حیات سے دنیوی حسی حیات ہی مراد لیتے ہوں جس پر ان کے خیال میں کئی مفاسد مرتب ہو سکتے ہیں مگر عوام تو بڑے سطحی ہوتے ہیں وہ ان حدود و قیود کو کیا سمجھیں؟ ہو سکتا ہے کہ وہ اس اجماعی مسلک کا انکار کر کے اپنی عاقبت ہی برباد کر لیں اس لیے حیات کا انکار خطرہ سے خالی نہیں ہے۔

حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ:۔

اور جو جاہل کہ بدعت اور گمراہی میں بڑھ جاتا ہے اس کی مثال بالکل ابوجہل جیسی ہے کہ اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا ہی سمجھایا مگر وہ اپنی جہالت سے باز نہ آیا، اور یاد رہے کہ جو شخص انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مُردہ جانے اس بے ایمان سلب ہو جانے کا خوف ہے الخ (کتاب عین الفقر از سلطان باہوؒ ص ۱۰۲ ناشر اللہ والے کی قومی دوکان کشمیری بازار لاہور)

دوسری دلیل

امام ابوداؤدؒ[1] فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن عوفؒ[2] نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے مقریؒ[3] نے

---

[1] امام ابوداؤدؒ (المتوفی ۲۷۵ھ) کا نام سلیمان بن الاشعث تھا جو الامام الثبت اور سید الحفاظ تھے۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۱۵۲)

[2] امام ابوحاتمؒ ان کو صدوق اور نسائیؒ ثقہ کہتے ہیں امام ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ صاحب حدیث اور اہل حفظ تھے، امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ وہ اہل علم کی صحیح اور ضعیف سب حدیثوں کے عالم تھے محدث مسلمہؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے امام خلالؒ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں امام حافظ اور علم و معرفت میں مشہور تھے (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۸۳)

[3] ان کا نام عبداللہ بن یزیدؒ تھا، امام ابوحاتمؒ ان کو صدوق اور امام نسائیؒ اور خلیلیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں امام ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور محدث ابن قانعؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۸۴)

بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حیوۃ[۱] نے بیان کیا وہ ابو صخر[۲] حمید بن زیاد سے اور وہ یزید[۳] بن عبداللہ بن قسیط سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:-

ما من احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام (ابوداؤد جلد ۱ ص۲۷۹ واللفظ لہ ومسند احمد جلد ۲ ص۵۲۷)	کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ اور امام ابو داؤدؒ نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے (شفاء السقام ص۔۔) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ رواتہ ثقات (فتح الباری پ ۳ ص۲۷۹) کہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں اسنادہ حسن (السراج المنیر جلد ۳ ص۲۷۹) کہ اس کی سند حسن ہے، حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں صححہ النووی فی الاذکار (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص۵۱۵) کہ امام نوویؒ اس حدیث کی اپنی کتاب الاذکار میں تصحیح کرتے ہیں اور امام نوویؒ کتاب الاذکار ص۱۰۶ طبع مصر میں لکھتے ہیں باسناد الصحیح الخ کہ یہ حدیث صحیح اسناد سے مروی ہے
حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:-

واتفق الائمۃ علی انہ یسلم عند زیارتہ علی	حضرات ائمہ کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی

۱؎ حیوۃ بن شریحؒ بڑے صاحب کرامات بزرگ اور صحاح ستہ کے مرکزی آدمی ہیں امام ابن معینؒ اور یعقوب بن شیبہؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں، محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۳ ص۷۰) علامہ ذہبیؒ ان کو الامام القدوۃ اور شیخ الدیار المصریۃ لکھتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۱۶۳)
۲؎ امام بغویؒ ان کو صالح الحدیث اور امام دارقطنیؒ ثقہ کہتے ہیں محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں امام ابن معینؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ان کو لا بأس بہ کہتے ہیں محدث ابن عدیؒ ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں۔ (محصلہ تہذیب التہذیب جلد ۳ ص۴۱ و ۴۲)
۳؎ امام ابن معینؒ ان کو لیس بہ بأس اور امام نسائیؒ ثقہ کہتے ہیں اور امام ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں امام ابن عدیؒ ان کو مشہور اور صالح الروایات لکھتے ہیں، محدث ابراہیم بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ فقیہ اور ثقہ تھے علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں، امام ابن معینؒ ان کو صالح کہتے ہیں امام ابن عبد البرؒ ان کو ثقۃ من الثقات کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص۳۴۲ و ص۳۴۳)

صاحبیہ لما فی السنن عن ابی ھریرۃؓ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ قال ما من رجل یسلم علیّ الا رد اللہ تعالیٰ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام وھو حدیث جید۔ (فتاوی ج۴ ص۳۶)

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی (قبور کی) زیارت کے وقت سلام کہنا چاہیئے کیونکہ سنن (ابوداؤد) میں حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر کوئی شخص بھی سلام نہیں کہتا مگر اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح (توجہ) لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اور علامہ زرقانیؒ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔ باسناد صحیح (زرقانی شرح المواھب ج۵ ص۳۰۸)
اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

قال النووی فی الاذکار اسنادہ صحیح و قال ابن حجر رواتہ ثقات (دلیل الطالب ص۸۴۳)

امام نوویؒ کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح ہے اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں:۔

روی ابوداؤد بسند صحیح اھ (وفاء الوفا ج۲ ص۴۰۳)

کہ امام ابوداؤدؒ نے صحیح سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔

مولانا سید انور شاہ صاحبؒ اور علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ رواتہ ثقات (عقیدۃ الاسلام ص۵۲ و فتح الملھم جلد ص۳۳۰)۔ امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

رواہ احمد وابو داؤد والطبرانی و البیھقی باسناد حسن بل صححہ النووی فی کتاب الاذکار وغیرہ وفیہ نظر وقال شیخنا رواتہ ثقات (القول البدیع ص۱۱۷)

اس حدیث کو امام احمدؒ، ابوداؤدؒ، طبرانی اور بیہقیؒ نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے بلکہ امام نوویؒ نے کتاب الاذکار وغیرہ میں اس کی تصحیح کی ہے اور اس میں کلام ہے اور ہمارے استاد (حافظ ابن حجرؒ) فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے جملہ راوی ثقہ ہیں۔

علامہ محمد بن محمد الخانجی البوسنویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

قال النووی فی الاذکار و ریاض الصالحین اسنادہ صحیح وصححہ ایضاً ابن القیم (ھامش حیات الانبیاء للبیہقیؒ ص۶ قلمی)

امام نوویؒ نے کتاب الاذکار اور ریاض الصالحین ص۴۹۲ طبع مصر میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور حافظ ابن القیمؒ نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے

اصول حدیث کی رو سے یہ روایت بالکل حسن اور صحیح ہے اور اس کے جملہ راوی ثقہ ہیں جیسا کہ آپ باحوالہ پڑھ چکے ہیں اور محدثین کرامؒ کی خاصی جماعت اس کی تصحیح و تحسین کرتی ہے۔

اعتراض:۔ امام سخاویؒ فرماتے ہیں وفیہ نظر کہ اس میں کلام ہے اور اس کی تشریح یوں کی ہے کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یزیدؒ بن عبداللہؒ بن قسیطؒ لیس بذاك اور تقی الدین ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:۔

کانہ لم یدرك اباھریرۃؓ وھو ضعیف وفی سماعہ منہ نظر۔

گویا کہ انہوں نے حضرت ابوہریرۃؓ سے ملاقات نہیں کی اور وہ ضعیف ہیں اور حضرت ابوہریرۃؓ سے ان کے سماع میں کلام ہے۔

اور انہی قرائن کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ:۔

وھو یمنع من الجزم بصحتہ (القول البدیع ص۱۱۷ محصلہ)

اور یہ چیز اس حدیث کے جزم بالصحۃ سے منع کرتی ہے۔

الجواب:۔ یزیدؒ بن عبداللہؒ بن قسیطؒ، بخاری ومسلم اور دیگر صحاح ستہ کے راوی ہیں اور جمہور محدثین ان کی توثیق کرتے ہیں، امام ابوحاتمؒ نے ان کو اس لیے لیس بالقوی کہا تھا کہ امام مالکؒ ان پر راضی نہ تھے لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن عبدالبرؒ نے ابوحاتمؒ کا رد کیا ہے اور پھر آخر میں لکھتے ہیں کہ ویزید قد احتج بہ مالك فی مواضع من المؤطا وھو ثقۃ من الثقات (تھذیب التھذیب جلد ۱۱ ص۳۴۳) امام مالکؒ نے مؤطا میں کئی مقامات پر ان سے احتجاج کیا ہے اور وہ ثقہ راویوں میں سے ایک تھے اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ روی عن ابن عمرؓ وابی ھریرۃؓ کہ انہوں نے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت کی ہے علامہ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ ان کی وفات ۱۲۲ھ میں ہوئی اور ابن حسان الزیادیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نوے سال کی عمر پائی تھی (تھذیب التھذیب جلد ۱۱ ص۳۴۲) اس لحاظ سے

ان کی ولادت ۳۲ھ میں قرار پاتی ہے اور حضرت ابوہریرہؓ کی وفات ۵۸ھ کو ہوئی تھی، درمیان میں چھبیس ۲۶ سال کا طویل زمانہ ہے اور جمہور محدثین کرامؒ کے اصول کے مطابق امکان لقاء کا کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ الغرض اعتراض کی ایک ایک شق باطل ہے اور یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امام سخاویؒ فیہ نظر سے جو کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس حدیث کو جزماً صحیح نہیں کہا جا سکتا ان کا جو اختلاف ہے وہ محدثانہ نقطۂ نظر سے لفظ صحت کے اطلاق میں ہے اس کے حسن ہونے میں تو ان کو بھی کوئی اختلاف نہیں ہے اور جمہور محدثین استدلال و احتجاج کے لیے حدیث میں صحت ہی کی قید کو ملحوظ نہیں رکھتے بلکہ ان کے نزدیک حدیث حسن بھی قابلِ استدلال ہوتی ہے چنانچہ قاضی شوکانیؒ اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (وغیرہ) نے اس کی تصریح کی ہے (ملاحظہ ہو نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۲ و مسک الختام ج ۱ ص ۱۴)

مطلبِ حدیث؟

اس صحیح اور حسن حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ سلام کہنے والے کا جواب دینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کی طرف روح مبارک لوٹائی جاتی ہے اور اس ردِ سلام میں آپ کی روح مبارک کا جسم اطہر سے اتصال اور تعلق ہوتا ہے، اگر سلام بھیجنے والا دور سے بھیجے تو بواسطۂ ملائکہ یہ آپ تک پہنچایا جاتا ہے جیسا کہ انشاء اللہ عنقریب بیان ہوگا اور اگر سلام کہنے والا عند القبر سلام کہے تو آپ بلاواسطہ خود بنفسِ نفیس سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں بحث اپنے مقام پر آرہی ہے انشاء اللہ امام موفق الدین ابن قدامہ الحنبلیؒ (المتوفی ۶۲۰ھ) نے اسی روایت میں یسلم کے جملہ کے بعد عند قبری کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں (ملاحظہ ہو مغنی ج ۳ ص ۵۵۸) اور علامہ ابن عبد الہادیؒ نے بھی امام ابن قدامہؒ کے حوالہ سے امام احمدؒ کی روایت میں عند قبری کے الفاظ نقل کئے ہیں (الصارم المنکی ص ۱۵۸) اور جس روایت میں عند قبری کے الفاظ موجود نہیں ہیں ان سے مراد بھی عند قبری ہے (الصارم ص ۹۵) اس صحیح حدیث سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں حیات ثابت ہے اور حیات بھی ایسی کہ روح مبارک جسد اطہر کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور روح مبارک کا جسد اطہر سے اتصال اور تعلق اور رابطہ قائم ہوتا ہے

حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس حیات میں تشبیہ نہ کیا جائے کیونکہ مراد یہ ہے کہ میری روح جو ملکوت و جبروت میں مستغرق تھی جس طرح کہ دنیا میں نزولِ وحی کے وقت کیفیت ہوتی تھی، اس سے افاقہ ہو کر سلام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں اس کو رد روح سے تعبیر فرمایا کذا فی اللمعات اھ (النشر الطیب ص۲۱۱ و ص۲۱۲ طبع جید برقی پریس دھلی) غرضیکہ یہ روایت اور اسی طرح کئی دیگر احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک آپ کی طرف لوٹائی گئی (اور لوٹائی) جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ زین الدین ابوبکر المراغیؒ (المتوفی ۸۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

اعلم ان کتب السنۃ متضمنۃ للاحادیث الدالۃ علی ان روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم ترد علیہ وانہ یسمع ویرد علیھم السلام (تحقیق النصرۃ ص۱۱۶ طبع مصر)

کتب حدیث ایسی روایات پر مشتمل ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی روح مبارک لوٹائی جاتی ہے اور آپ خود سلام سنتے اور سلام کہنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

حضرت مولانا نانوتویؒ اس حدیث شریف کی طویل بحث کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں
اس صورت میں حاصل معنی حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ تعالیٰ و تجلیات اللہ سے جو بوجہ محبوبیت و محبیت تامہ آپ کو حاصل رہتی ہے اپنے ہوش عطا فرما دیتا ہے یعنی مبدا انکشاف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انبساط الی اللہ حاصل تھا مبدل بانقباض ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے ارتداد علی النفس حاصل ہوتا ہے اور اپنی ذات و صفات اور کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات و صفات سے اطلاع حاصل ہو جاتی ہے سو چونکہ سلام امتیاں بھی منجملہ وقائع متعلقہ ذات خود ہیں اس لئے اس سے مطلع ہو کر بوجہ حسن اخلاق ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں اھ (آب حیات ص۱۷۵)

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اسی حدیث کی تفسیر کرتے ہوئے ایک معترض کا جواب دیتے ہوئے طویل بحث میں یہ بھی لکھتے ہیں اگر لفظ الیّ سے وحی فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا تنبہ وارد ہو سکتا ... علی استعلاء کے

لیے ہے اور انی نہایت طرف کے لیے ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام سے پہلے روح کا استعلاء نہ تھا نہ یہ کہ وہ جسمِ اطہر سے بالکل خارج ہو گئی تھی اور اب اس کو جسمِ اطہر کی طرف لوٹا یا گیا ہے اھ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص۲۲۷ و ۲۲۸)

اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ حاضریٔ روضہ مبارک کے وقت میں آنحضرت علیہ السلام کی روح پر فتوح کو وہاں جلوہ افروز سننے والی جاننے والی غایت جمال و جلال کے ساتھ تصور کرتے ہوئے شہنشاہِ عالم کے دربار کی حاضری خیال کی جاوے اور جملہ طرقِ ادب کا لحاظ رکھا جاوے الخ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص۳۱۲)

اور نیز فرماتے ہیں کہ آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مومنین و شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے آپ سے توسل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا تھا بلکہ اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہیئے محبوب حقیقی تک وصال اور اس کی رضاء صرف آپ ہی کے ذریعہ اور وسیلہ سے ہو سکتی ہے اسی وجہ سے میرے نزدیک یہی ہے کہ حج کے پہلے مدینہ منورہ جانا چاہیئے اور آپ کے توسّل سے نعمت قبولیتِ حج وعمرہ کے حصول کی کوشش کرنی چاہیئے (مکتوبات ج ۱ ص۱۲)

اور حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی۔ حدیث ما من احد یسلّم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی (الحدیث) کی تشریح کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلّم حقیقت ہے، اگرچہ اس حیات کی نوعیت کے بارے میں علماء اُمت کی رائیں مختلف ہیں لیکن اتنی سی بات سب کے نزدیک مسلّم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے اس لیے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ آپ کا جسدِ اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے اس بناء پر اکثر شارحین نے ردّ روح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روحِ پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی وجلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے اور یہ بات بالکل قرینِ قیاس ہے پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے، تو

اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں پس اس روحانی توجہ و التفات کو ردِ روح سے تعبیر فرمایا گیا۔ (معارف الحدیث ج ۵ ص ۳۴۵)

اشکال

ہر سلام کرنے والے کے سلام کے موقع پر عود روح کے سلسلہ میں علمی طور پر خاصا اشکال وارد ہوتا ہے کہ بار بار نزع روح اور عود روح تو اچھا بھلا سوہان روح ہے جو سمجھ سے بالا تر ہے اس لیے ایسی حدیث سے حیات کا مسئلہ کیونکر حل ہو سکتا ہے؟ چنانچہ یہ اشکال اور اس کا جواب حافظ ابن حجرؒ یوں لکھتے ہیں کہ:۔

وجه الاشكال فيه ان ظاهره ان عود الروح الى الجسد يقتضي انفصالها عنه وهو الموت وقد اجاب العلماء عن ذٰلك باجوبة احدها ان المراد بقوله ردّ الله عليّ روحي انّ ردّ روحه كانت سابقة عقب دفنه لا انها تعاد ثم تنزع ثم تعاد الثاني سلّمنا لكن ليس هو نزع موت بل لا مشقة فيه الثالث ان المراد بالروح الملك الموكل بذٰلك الرابع المراد بالروح النطق فتجوّز فيه من جهة خطابنا بما نفهمه الخامس انه يستغرق في امور الملأ الاعلىٰ فاذا سلم عليه رجع اليه فهمه ليجيب من سلّم عليه وقد اشكل ذٰلك من جهة اُخرى وهو انّه يستلزم استغراق الزمان كله في

اس میں اشکال کی وجہ یہ ہے کہ روح کا جسم کی طرف عود اس کو چاہتا ہے کہ پہلے روح جسم سے الگ ہو اور یہی موت ہے، (حالانکہ آپ قبر مبارک میں مستمر طور پر زندہ ہیں کما مر) اور علماء نے اس کے کئی جوابات دیئے ہیں ایک یہ ہے کہ آپ کے دفن کے بعد ہی آپ کی روح مبارک آپ کی طرف اللہ تعالیٰ نے لوٹا دی ہے یہ نہیں کہ لوٹائی جاتی ہے پھر نکالی جاتی ہے اور پھر لوٹائی جاتی ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ایسا ہی ہے لیکن یہ نزع موت کا سا نہیں بلکہ اس میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی تیسرا جواب یہ ہے کہ روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کے سپرد یہ (درود شریف پہنچانے کا) کام ہوتا ہے چوتھا جواب یہ ہے کہ روح سے مراد مجازی طور پر نطق ہے اس کو اس طریقہ پر اس لیے تعبیر کیا تاکہ ہم سمجھ سکیں پانچواں جواب یہ ہے کہ آپ ملاء اعلیٰ کے معاملات میں مستغرق رہتے ہیں سو جب بھی کوئی شخص سلام کہتا ہے آپ کی توجہ اور

ذٰلك لاتصال الصلوٰة والسلام عليه في اقطار الارض ممن لا يحصى كثرة واُجيب بأن امور الاخرة لا تدرك بالعقل واحوال البرزخ اشبهُ احوال الاخرة والله اعلم۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲ طبع مصر)

فہم آپ کی طرف لوٹ آتا ہے تاکہ آپ سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دے سکیں اور اس حدیث میں ایک اور وجہ سے بھی اشکال وارد ہوا ہے وہ یہ کہ اس سے لازم آتا ہے کہ آپ کا سارا وقت ہی سلام کے جواب لوٹانے میں صرف ہو جائے کیونکہ زمین کے بیشتر اطراف سے صلوٰۃ وسلام اس کثرت سے آپ کو پہنچتا ہے جو احصاء وشمار سے باہر ہے اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ آخرت کے معاملات عقل سے نہیں پہچانے جا سکتے اور برزخ کے معاملات احوال آخرت سے مشابہ ہیں۔ واللہ اعلم

حضرت مولانا عثمانی نے فتح الباری کی یہ مکمل عبارت (فتح الملہم جلد ۱ ص ۳۳۰) میں نقل کی ہے اور علامہ السخاوی نے متعدد جوابات نقل کئے ہیں ایک یہ ہے :۔

واجاب البيهقي بما حاصله ان المعنى الا وقد رد الله عليّ روحي يعني ان النبي صلى الله عليه وسلم عقب ما دفن رد الله عليه روحه لاجل سلام من يسلم عليه استمرت في جسده صلى الله عليه وسلم لا انها تعاد ثم تنزع ثم تعاد۔

اور امام بیہقی نے جو جواب دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دفن کے بعد آپ کی روح مبارک آپ کی طرف لوٹا دی ہے تاکہ آپ سلام کہنے والوں کے سلام کا جواب دیں اور پھر وہ روح آپ کے جسد اطہر میں مستمر ہے نہ یہ کہ لوٹائی جاتی ہے پھر نکالی جاتی ہے اور پھر لوٹائی جاتی ہے۔

اور دوسرا جواب یہ نقل کیا ہے :۔

قال الفاكهاني وغيره ان نقول المراد بالروح النطق مجازاً فكانه صلى الله عليه وسلم قال الا رد الله الىّ نطقي وهو صلى الله عليه وسلم حي على الدوام لكن

امام فاکہانی وغیرہ فرماتے ہیں کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ روح سے مجازاً نطق مراد ہے پس گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری طرف میرا نطق لوٹا دیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

لا یلزم من حیاته النطق فالله سبحانه وتعالیٰ یرد علیه النطق عند سلام کل مسلم علیه اھ

اگرچہ دائمی طور پر زندہ ہیں لیکن حیات سے نطق لازم نہیں آتا سو اللہ تعالیٰ ہر سلام کہنے والے کے سلام کے وقت نطق کی طاقت آپ کو عطا کر دیتا ہے۔

اور ایک جواب یہ نقل کیا ہے:۔

واجاب السبکی الکبیر بجواب آخر حسن جداً فقال یحتمل ان یکون ردا معنویا وان تکون روحه الشریفة مشتغلة بشهود الحضرة الالٰهیة والملأ الاعلیٰ عن هذا العالم فاذا سلم علیه اقبلت روحه الشریفة علیٰ هذا العالم لیدرك سلام من یسلم علیه ویرد علیه (القول البدیع ص۱۲۷ طبع الٰہ آباد الہند)

اور علامہ تقی الدین سبکیؒ نے ایک اور جواب دیا ہے جو بہت عمدہ ہے وہ یہ کہ انہوں نے فرمایا کہ رد روح سے رد معنوی مراد ہے بایں طور کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اس جہان سے بے نیاز ہو کر درگاہِ الٰہی اور ملاءِ اعلیٰ میں مشغول ہوتی ہے سو جب بھی کوئی شخص آپ پر سلام کہتا ہے تو آپ کی روح مبارک اس جہان کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے تاکہ سلام کہنے والے کے سلام کا ادراک کر کے اس کا جواب دے سکے۔

علامہ سبکیؒ نے شفاء السقام ص۳۸ میں یہ بات بیان کی ہے اور حافظ ابن الملقنؒ (المتوفی ۸۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

المراد برد الروح النطق لانه صلی اللہ علیه وسلم حی فی قبره وروحه لاتفارقه لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورهم (بحواله تحفة الذاکرین ص۲۸ للشوکانیؒ ودلیل الطالب ص۸۴۳ لنواب صدیق حسن خانؒ)

رد روح سے مراد نطق ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی روح مبارک آپ سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ صحیح روایت میں آتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

الا رد اللہ علیّ روحی ای رد علیّ نطقی لانه حی دائماً وروحه لاتفارقه لان الانبیاء احیاء

رد روح سے مراد نطق ہے کیونکہ آپ دائمی طور پر زندہ ہیں آپ کی روح مبارک آپ سے الگ نہیں ہوتی

فی قبورھم اھ (السراج المنیر جلد ۳ ص ۲۷۸) کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حضرت امام سیوطیؒ نے الا رد اللہ علی روحی کے اشکال مذکور کے پندرہ جوابات دیئے ہیں جو ان کی کتاب انباہ الاذکیاء میں موجود ہیں ایک جواب یہ ہے۔

ان قوله رد الله جملة حالية وقاعدة العربية ان جملة الحال اذا وقعت فعلا ماضيا قدرت فيها قد كقوله تعالى جاؤكم حصرت صدورهم اى قد حصرت وكذا هنا تقدر والجملة ماضية سابقة على السلام الواقع من كل احد وحتى ليست للتعليل بل مجرد حرف عطف بمعنى الواو فصار تقدير الحديث ما من احد يسلم علی الا قد رد الله علی روحی قبل ذلك وارد عليه۔

(انباہ الاذکیاء ص ۱)

کہ رد اللہ کا جملہ حال ہے اور عربی کا قاعدہ یہ ہے کہ حال جب فعل ماضی ہو تو اس میں حرف قد مقدر ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول جاؤکم حصرت صدورھم میں حرف قد مقدر ہے اور گویا عبارت یوں ہے قد حصرت اور اسی طرح اس مقام پر بھی حرف قد مقدر ہے اور یہ جملہ ہر سلام کہنے والے کے سلام سے پہلے حال اور ماضی ہے اور حرف حتیٰ تعلیل کے لیے نہیں بلکہ محض حرف عطف ہے جو بمعنی واؤ کے ہے اور معنی حدیث یوں ہے کہ کوئی شخص مجھ پر سلام نہیں کہتا مگر اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری روح اس سے پہلے ہی لوٹا دی ہوتی ہے اور میں اس کے سلام کا جواب لوٹاتا ہوں۔

• علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۶۹ھ) اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

وفيه دليل على انه صلى الله عليه وسلم حي حياة مستمرة لان الكون لا يخلو من مسلم يسلم عليه في كل لحظة وقد ثبت بالاحاديث الصحيحة انه صلى الله عليه وسلم وسائر الانبياء احياء حياة حقيقية كالشهداء وان كان حال البرزخ لا يقاس على

اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں کیونکہ کوئی علاقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر لحظہ سلام کہنے والوں سے خالی نہیں اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام شہداء کی طرح حقیقی طور پر زندہ ہیں اگرچہ برزخ کی حالت کو

حال الدنیا الخ (نسیم الریاض ج۳ ص۴۹۹ طبع مصر) دُنیا کی حالت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

یعنی اگر کسی شخص کو یہ زندگی سمجھ نہیں آسکتی اور وہ اس کو محسوس نہیں کر سکتا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ زندگی ہی ثابت نہیں ہے کیونکہ برزخ کا معاملہ دُنیا کے معاملہ سے الگ ہے

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ مامن احد یسلم علیّ کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

فظاهر عقد الباب يدل على ان المراد بالسلام عليه السلام عند القبر وقت حضوره للزيارة الارد الله علىّ روحي قال ابن حجر اى نطقى حتى ارد عليه السلام اى اقول وعليك السلام قال القاضي لعل معناه ان روحه المقدسة فى شأن ما فى الحضرة الالهية فاذا بلغه سلام احد من الامة رد الله تعالىٰ روحه المطهرة من تلك الحالة الى رد من سلم عليه الخ

(بذل المجهود جلد۳ ص۲۰۷)

بظاہر باب کا یوں قائم کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے زیارت کے وقت قبر کے پاس سلام کہنا مراد ہے الّا رد الله علیّ روحی کا معنی حافظ ابن حجرؒ یہ کرتے ہیں کہ مجھے قوت گویائی دی جاتی ہے اور حتّٰی ارد علیہ السلام کا معنی یہ ہے کہ میں کہوں گا وعلیک السلام قاضیؒ فرماتے ہیں کہ شاید اس کا معنیٰ یہ ہو کہ آپ کی روح مقدس اللہ تعالیٰ کے جلال اور مشاہدہ کے نظارہ میں مشغول ہوتی ہے، پس جب آپ کو اُمت میں سے کسی کا سلام پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح مبارک کو اس طرف سے سلام کہنے والے کے سلام کے جواب دینے کی طرف لوٹا دیتا ہے۔

ایک شُبہ :۔

ممکن ہے کسی صاحب کو یہ شبہ ہو کہ ہو سکتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبر میں حیات سے مُراد روحانی حیات ہو یعنی روح کی حیات اور اسی طرح ردّ سلام بھی صرف رُوح کی وساطت سے ہو اس لیے الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون کی حدیث اور من صلّی علیّ عند قبری الحدیث جسمانی حیات پر دال نہیں ہیں اور محل نزاع تو یہ حیات ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ولعل المراد بحدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون انھم ابقوا علی ھذہ الحالۃ ولم تسلب عنھم فلا یرد ان الروح بنفسہ یستطیع الصلوٰۃ ورد السلام فکیف وجہ فی الحدیث بقاء الحیوٰۃ بفعل الصلوٰۃ وکذا رد السلام برد الروح واللہ اعلم بھذہ الحقائق۔
(تحیۃ الاسلام ص۳۶)

اور شاید یہ کہ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون کی حدیث سے مراد یہ ہو کہ وہ اسی (دنیوی) حالت پر باقی رکھے گئے ہیں اور یہ حالت ان سے سلب نہیں کی گئی بس یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ روح خود بھی تو نماز پڑھنے اور سلام کا جواب دینے پر قادر ہے سو حدیث میں نماز کی ادائیگی اور اسی طرح رد سلام کے لیے زندگی کو رد روح کے ساتھ کیوں وابستہ کیا گیا ہے؟ اور ان حقائق کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ نماز کا پڑھنا اور سلام کا سننا اور جواب دینا عقلی طور پر روح سے بھی متحقق ہو سکتا ہے مگر الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون اور رد سلام کی حدیثوں سے روح کی نماز اور روح کا رد سلام مراد نہیں بلکہ وہ حیات مراد ہے جو دنیا میں تھی جس میں جسم و روح دونوں کا تعلق تھا اور یہی حالت قبر میں بھی ہے اور پھر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

والاحادیث ارادت افعال الحیوٰۃ واعمالھا لا بقاء الروح وھو قولہ فنبی اللہ حی یرزق والانبیاء فی قبورھم یصلون تسرد فی ذکر الحیوٰۃ افعالھا لا اصلھا اوارادھم الاجساد فان اجسادھم حرمت علی الارض۔
(تحیۃ الاسلام ص۳۶)

اور یہ احادیث بتلاتی ہیں کہ حیات سے ایسی حیات مراد ہے جس سے زندگی کے افعال و اعمال صادر ہوں صرف بقاء روح ہی مراد نہیں ہے اور اسی سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے فنبی اللہ حی یرزق اور یہ ارشاد بھی کہ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون یہ حدیثیں حیات کے افعال کے ذکر میں بیان کی گئی ہیں نفس حیات کے بیان کے لیے نہیں ذکر کی گئیں یا یہ مراد ہو کہ حیات اجسام کے ساتھ ہے کیونکہ ان کے اجسام زمین پر حرام کر دیئے گئے ہیں۔

یعنی حیات سے مراد تھا۔ روح کی حیات نہیں بلکہ اعمال وافعال والی اور اجسام والی حیات مراد ہے۔

تیسری دلیل

امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ہارونؒ[1] بن عبد اللہؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حسینؒ[2] بن علیؒ نے بیان کیا وہ عبد الرحمٰنؒ[3] بن یزید بن جابرؒ سے اور وہ ابو الاشعث[4] الصنعانیؒ سے اور وہ حضرت اوسؓ بن اوس سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ	بے شک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ایک
خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ	جمعہ ہے اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے
الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ	اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نفخہ اولیٰ

---

[1] ان کی کنیت ابو موسیٰ تھی الحمال کے لقب سے معروف تھے حافظ ابن حجرؒ ان کو الحافظ لکھتے ہیں امام مروزیؒ نے امام احمدؒ بن حنبلؒ سے دریافت کیا کہ میں ان سے روایت لکھوں؟ فرمایا ہاں بخدا ابو حاتمؒ اور ابراہیمؒ الحربیؒ فرماتے ہیں کہ وہ صدوق تھے حربیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر جھوٹ حلال بھی ہوتا تب بھی وہ اس سے گریز کرتے امام نسائیؒ اُن کو ثقہ کہتے ہیں، ابن حبانؒ ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۸ و ۹)

[2] حسین بن علی الجعفیؒ صحاح ستہ کے راوی ہیں، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے افضل کوئی نہیں دیکھا ابن معینؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ عجلیؒ ان کو ثقہ اور صالح کہتے ہیں، ابن حبانؒ اور ابن شاہینؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں عثمانؒ بن ابی شیبہؒ ان کو ثقہ اور صدوق کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۵۸ و ۳۵۹)

[3] امام احمدؒ فرماتے ہیں لیس بہ بأس امام ابن معینؒ عجلیؒ ابن سعدؒ اور امام نسائیؒ وغیرہ ان کو ثقہ کہتے ہیں، یعقوبؒ بن سفیانؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابو داؤدؒ اُن کو من ثقات الناس اور ابو بکرؒ بن ابی داؤدؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں، موسیٰ بن ہارونؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں ابو حاتمؒ ان کو صدوق لا بأس بہ اور ثقہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۲۹۸)

[4] ان کا نام شراحیل بن آدہؒ تھا۔ امام بخاریؒ اور مسلمؒ وغیرہ نے ان سے تخریج کیا ہے عجلیؒ ان کو تابعی اور ثقہ کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب جلد ۴ ص ۳۱۹)

فان صلوانکم معروضۃ علیّ قال قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض صلواتنا علیک وقد ارمت قال یقولون بلیت فقال ان اللہ عزّوجل حرّم علی الارض اجساد الانبیاء (ابوداؤد جلد ۱ ص۱۵۰ واللفظ لہ والدارمی ص۱۹۵ والنسائی جلد ۱ ص۱۵۴ والمستدرک جلد ۱ ص۲۷۸ وجلد ۴ ص۵۶ وموارد الظمآن ص۱۴۶ وابن ماجہ ص۷۷ وسنن الکبریٰ جلد ۳ ص۲۴۹ وابن ابی شیبۃ ج ۲ ص۵۱۶ طبع مجلس علمی)

ہوگا اور اسی میں نفخہ ثانیہ ہوگا۔ سو تم جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کس طرح ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجساد حرام کر دیئے ہیں (یعنی زمین ان کو نہیں کھاتی)

محدث ابن حبانؒ کی سند یوں ہے اخبرنا محمد بن اسحاق بن خزیمۃ حدثنا ابو کریب حدثنا حسین بن علی حدثنا عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس رضی الخ (موارد الظمآن ص۱۴۶) اور امام ابو نعیم اصبہانیؒ (المتوفی سنہ ۴۳۰ھ) کی سند میں بھی عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الخ ہے (دلائل النبوۃ ص۴۹۶)

امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں اس حدیث کو بخاری کی شرط پر صحیح کہتے ہیں اور یہ حدیث امام حاکمؒ نے مستدرک جلد ۴ ص۵۶۰ میں بھی اسی سند سے روایت کی ہے اور وہاں امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں اس کو بخاری اور مسلم دونوں کی شرط پر صحیح کہتے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام ابن خزیمہؒ ابن حبانؒ، دارقطنیؒ اور نوویؒ نے صحیح کہا ہے (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص۵۱۴) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:-

وصححہ ابن خزیمۃ وغیرہ (فتح الباری پ ۱۳ ص۲۷۹) اس کی ابن خزیمہؒ وغیرہ نے تصحیح کی ہے

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے بالا سانید الصحیحۃ حضرت اوس بن اوسؓ سے یہ روایت کی ہے (کتاب الاذکار ص۱۰۶ طبع مصر)

علامہ ابن عبد الہادیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اس لیے کہ اس کے سب راوی صدق وامانت اور ثقاہت وعدالت میں مشہور ہیں اور اسی واسطے حفاظ حدیث کی ایک

بڑی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے مثلاً امام ابن حبانؒ، حافظ عبد الغنی المقدسیؒ اور ابن دحیہؒ وغیرہ اور کوئی شخص ایسا نہیں جس نے اس حدیث پر حجت اور دلیل سے کلام کیا ہو۔
(الصارم المنکی ص۱۴۳ طبع مصر)

حافظ ابن حجرؒ اس کو حدیث صحیح کہتے ہیں :۔ (فتح الباری ج۶ ص۵۸)

حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں :۔

ومن تامّل فی ھذا الاسناد لم یشك فی صحتہ لثقتہ رواتہ وشھرتھم وقبول الائمۃ حدیثھم اھ
(جلاء الافھام ص۳۶)

جو شخص بھی اس کی اسناد میں تامل کرے گا تو اس کو اس کی صحت میں کوئی شخص نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کے تمام راوی ثقہ اور مشہور ہیں اور ائمہ کرامؒ نے ان کی حدیثیں قبول کی ہیں۔

اور یہی الفاظ اس مقام پر علامہ ابن عبد الہادیؒ کے ہیں۔ (ملاحظہ ہو الصارم المنکی ص۴۵)

اور علامہ عینیؒ لکھتے ہیں کہ صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلّم ان الارض لا تأکل اجساد الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسّلام (عمدۃ القاری ج۶ ص۶۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے صحیح طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے آپ نے فرمایا کہ زمین حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے اجساد کو نہیں کھاتی۔

اور حافظ ابن القیمؒ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :۔

قد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم ان الارض لا تأکل اجساد الانبیاء اھ
(کتاب الروح)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے صحت کے ساتھ یہ ثابت ہو چکا ہے آپ نے فرمایا کہ زمین حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کے اجساد کو نہیں کھاتی۔

علامہ منذریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے انہ حسن (القول البدیع ص۱۱۹)

علامہ عبد الغنی النابلسیؒ اس کو حسن صحیح سے تعبیر کرتے ہیں (ترجمان السنۃ ج۳ ص۲۹۷، والقول البدیع ص۱۱۹)

اور شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ :۔

در حدیث صحیح آمدہ است کہ بسیار گوئید درروز جمعہ درود برمن زیرا کہ صلوٰۃ شما

معروض مے گردد بر من ایں جا معلوم می شود کہ حیات انبیا حیات جسمی دنیاوی است نہ مجرد بقائے ارواح الخ (مدارج النبوت ج۲ ص۹۲)

حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

فانہ صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ان اللہ عزوجل حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء (رواہ ابوداؤد۔ خزائن الاسرار ص۱۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ ثابت ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جسموں کو کھائے۔

مولانا عثمانیؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:۔

وھو حی فی قبرہ الشریف ولحوم الانبیاء حرام علی الارض کما ورد بہ الاثر اھ (فتح الملہم ج۱ ص۲۹۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جسم زمین پر حرام ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

اصول حدیث کے رُو سے یہ روایت بھی بالکل صحیح ہے اور اس میں کوئی شک اور شُبہ نہیں۔

اعتراض

بعض حضرات لکھتے ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا راوی عبد الرحمٰنؒ بن یزیدؒ بن جابرؒ نہیں (جو ثقہ ہے) بلکہ یہ عبد الرحمٰن بن یزیدؒ بن تمیمؒ ہے جو منکر الحدیث ہے۔ (التاریخ الکبیر ج۳ قسم اول ص۳۶۵ اور التاریخ الصغیر ص۱۷۹ ملخصاً) اور امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ عبد الرحمٰنؒ بن یزیدؒ بن تمیمؒ ضعیف ہے لہٰذا یہ روایت منکر ہے (علل الحدیث لابن ابی حاتم ج۱ ص۱۹۷) اور علامہ منذریؒ نے بھی اس علت قیقہ کا ذکر کیا ہے (الترغیب والترھیب ج۱ ص۱۲۹ و مختصر سنن ابی داؤد ج۲ ص۴) اور علامہ سبکیؒ اور امام سخاویؒ نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے (شفاء السقام ص۳۵ والقول البدیع ص۱۱۹) اور اسی بناء پر قاضی ابوبکر بن العربی المالکیؒ (المتوفی ۵۴۳ھ) فرماتے ہیں ان الحدیث لا یثبت (بحوالہ نیل الاوطار ج۳ ص۲۶۳) کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

الجواب: عقل مندوں کا یہ مشہور مقولہ ہے کہ ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج — تا ثریا میرود دیوار کج

کہ عمارت کی جب پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی ہو تو اس پر جو عمارت بھی استوار کی جائے گی وہ تا ثریا کج ہی چلی جائے گی۔ اور یہ شعر اور محاورہ اس اعتراض پر پورا صادق آتا ہے اس حدیث کا جو راوی ہے وہ عبدالرحمٰنؒ بن یزیدؒ بن جابرؒ ہے نہ کہ عبدالرحمٰنؒ بن یزیدؒ بن تمیمؒ۔ اولاً اس لیے کہ جن کتابوں کے ہم نے پہلے حوالے درج کئے ہیں ان تمام میں ابن جابرؒ کی تصریح ہے وثانیاً امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ اس سند کو ایک مقام پر امام بخاریؒ کی شرط پر اور دوسرے مقام پر امام بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں کی شرط پر صحیح کہتے ہیں اور عبدالرحمٰنؒ بن یزید بن جابرؒ تو بخاریؒ اور مسلمؒ کے راوی ہیں لیکن ابن تمیم نہیں اور متعدد محدثین نے ابوحاتمؒ وغیرہ کا رد کیا ہے چنانچہ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ:

ان حسين بن علي الجعفي قد صرح بسماعه له من عبد الرحمٰن بن يزيد بن جابر قال ابن حبان في صحيحه ثنا ابن خزيمة ثنا ابو كريب ثنا حسين بن علي ثنا عبد الرحمٰن بن يزيد بن جابر فصرح بالسماع منه وقولهم انه ظن انه ابن جابر وانما هو ابن تميم فغلط في اسم جده بعيد فانه لم يكن يشتبه على حسين هذا بهذا مع نقده وعلمه بهما وسماعه منهما اهـ۔

(جلاء الافہام ص۳۷ طبع مصر)

حسینؒ بن علی الجعفیؒ نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت انہوں نے عبدالرحمٰنؒ بن یزیدؒ بن جابرؒ سے سنی ہے چنانچہ ابن حبانؒ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں کہ ہم سے ابن خزیمہؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوکریبؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حسینؒ بن علیؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبدالرحمٰنؒ بن یزیدؒ بن جابرؒ نے بیان کیا تو اس سند میں انہوں نے ان سے سماع کی تصریح کی ہے رہا معترضین کا یہ قول کہ عبدالرحمٰن کے دادا ابن جابرؒ نہیں حسینؒ سے غلطی واقع ہو گئی ہے کہ ابن تمیمؒ کا انہوں نے ابن جابر بنا دیا ہے تو یہ بہت بعید سی بات ہے حسینؒ بن علیؒ پر اس میں کوئی اشتباہ نہ تھا وہ تنقید کی اہلیت بھی رکھتے تھے اور دونوں کو بخوبی جانتے بھی تھے اور دونوں سے سماعت بھی کی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس اعتراض کا خوب رد کیا ہے (ملاحظہ ہو فتح الباری ج۲ ص۵۵۰) اور حافظ ابن القیمؒ نے بھی اس کا رد کیا ہے (دیکھئے جلاء الافہام ص۲۰ و تہذیب سنن ابی داؤد ج۲ ص۱۵۴ طبع مصر)

حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

قال ابن دحیۃ انہ صحیح بنقل العدل عن العدل ومن قال انہ منکر او غریب بعلۃ خفیۃ فقد استوعر لان الدارقطنی ردھا اھ (مرقات ج۲ ص۲۱ طبع مصر)

محدث ابن دحیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ عادل راویوں نے عادل راویوں سے یہ نقل کی ہے جس نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث علت خفیہ کی وجہ سے منکر یا غریب ہے تو اس نے بالکل نکمی بات کی ہے امام دارقطنیؒ نے اس کا خوب رد کیا ہے۔

اور امام سخاویؒ اس علت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

لکن قد رد ھذہ العلۃ الدارقطنی وقال ان سماع حسین من ابن جابر ثابت والی ھذا جنح الخطیب اھ (القول البدیع ص۱۱۹)

لیکن اس علت کو امام دارقطنیؒ نے رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ حسینؒ کا ابن جابرؒ سے سماع ثابت ہے اور اسی تحقیق کی طرف علامہ خطیبؒ مائل ہوئے ہیں۔

وخامساً مولانا سید احمد حسن صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وللحدیث طرق جمعھا المنذری فی جزء فتعدد الطرق یشد بعضھا بعضا۔ (تنقیح الرواۃ ج۱ ص۲۵۵)

اس حدیث کے کئی طرق ہیں جن کو امام منذریؒ نے ایک جزء میں جمع کر دیا ہے سو تعدد طرق ایک دوسرے کی تقویت کرتے ہیں۔

اور امام منذریؒ نے الترغیب والترھیب اور مختصر سنن ابی داؤد میں اس کا ذکر کیا ہے کہ میں نے ایک جزء میں اس حدیث کے طرق جمع کر دیئے ہیں۔

الغرض امام ابو داؤدؒ، نسائیؒ، ابن حبانؒ، بیہقیؒ، حاکمؒ، ذہبیؒ، ابن خزیمہؒ، امام نوویؒ، ابن القیمؒ، دارقطنیؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ سبھی اس راوی کو عبد الرحمٰنؒ بن یزید بن جابرؒ ہی نقل کرتے ہیں اور اس روایت کو صحیح سمجھتے ہیں، اندریں حالات اس روایت کی صحت پر کلام کرنا بالکل غلط ہے

اس روایتی تحقیق کے بعد اس حدیث کا درایتی پہلو بھی ملاحظہ کیجئے جو امور اس صحیح حدیث سے

بلا کسی ضم ضمیمہ کے حاصل ہوتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر زندگی میں درود شریف پیش ہوتا رہا چنانچہ آپ کے یہ الفاظ صراحت کے ساتھ اس پر دال ہیں کہ جمعہ کے دن

فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فان صلواتکم معروضۃ علیّ — تم مجھ پر بکثرت درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

درود شریف کا یہ عرض جسم اطہر اور روح مبارک دونوں سے وابستہ ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سہارنپوری لکھتے ہیں کہ :۔

اور اس حدیث پاک میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ درود روح مبارک اور بدن مبارک پر پیش ہوتا ہے اھ (فضائل درود ص۳۷) اور اس عرض میں حضرات صحابہؓ کرام کو کوئی اشکال پیش نہیں آیا رہی اس عرض کی کیفیت تو اس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے تھے ہم اس کے مکلّف نہیں ہیں۔

۲۔ حضرات صحابہ کرامؓ کو یہ اشکال پیش آیا کہ زندگی میں تو روح اور جسد دونوں کا تعلق ہے اور اس دور میں درود کے پیش ہونے پر تو کوئی اشکال نہیں لیکن جب آپ کی وفات ہو چکے گی تو اس کے بعد درود کیونکر پیش کیا جائے گا؟ آیا صرف روح مبارک پر پیش ہوگا؟ یا صرف جسد اطہر پر؟ یا دونوں پر؟ عقلی طور پر اس کی کئی صورتیں سامنے آسکتی ہیں مگر حضرات صحابہ کرامؓ کو محض روح مبارک پر درود شریف پیش ہونے کا کوئی شبہ نہ تھا اور نہ وہ تنہا روح مبارک پر درود شریف پیش ہونے کے حق میں تھے جبھی تو وہ یہ سوال کر رہے ہیں کہ :۔

قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت قال یقولون بلیت — یا رسول اللہ ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ تو (معاذ اللہ) خاک ہو چکے ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے نزدیک آپ پر صلوٰۃ وسلام پیش ہونے میں آپ کے جسد اطہر کو اولین درجہ حاصل ہے اور اس کے (العیاذ باللہ) بوسیدہ ہونے سے اس عرض کے سلسلہ میں ان کے اذہان وقلوب میں اشکال پیدا ہوا، اگر درود شریف کا تعلق آپ کے

جسدِ اطہر کے ساتھ نہ ہوتا تو آپؐ پہلے صحابہ کرامؓ کے اس نظریہ کی تردید فرماتے کہ جسد کا کیا سوال ہے درود شریف تو روح پر پیش کیا جاتا ہے، مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ صحابہ کرامؓ کے اس نظریہ کی پوری تائید فرمائی ہے کہ درود شریف کا تعلق آپ کے جسدِ اطہر کے ساتھ بھی باقاعدہ وابستہ ہے اور یہ تائید صرف دلالۃً ہی نہیں بلکہ صراحۃً ہے چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ:-

ان اللہ عزّوجلّ حرّم علی الارض اجساد الانبیاء — اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کے اجسام حرام کر دیئے ہیں۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ درود شریف کے پیش ہونے میں جسدِ اطہر کا پورا پورا دخل ہے کیونکہ آپ کا یہ ارشاد صحابہ کرامؓ کے اس سوال کے بعد وارد ہوا ہے کہ ہمارا درود آپ پر جب کہ آپ معاذ اللہ خاک ہو چکے ہوں گے کیونکر پیش کیا جائے گا؟ اور اس میں محض بے حس اور لا شعور جسم کا سوال نہیں بلکہ ایسے جسمِ اطہر کا سوال ہے جس پر درود شریف پیش ہو سکے اور روح کے بغیر یہ ہرگز ممکن نہیں ہے اس سے بڑھ کر حیاتِ جسمانی کی اور کون سی دلیل ہو سکتی ہے؟ لیکن چونکہ یہ حیات فی القبر برزخی بھی ہے لہذا اس جہان کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کو اس کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا، اور نہ ان کو حس و حرکت محسوس ہو سکتی ہے اور پہلے گذر چکا ہے کہ حیاتِ دنیوی کا یہ مطلب ہے کہ روح مبارک کا تعلق دنیوی بدن سے ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے حیات ہے لہذا بعض حضرات کا یہ فرمانا کہ برتقدیر تسلیم یہ احادیث صحیح بھی ہوں تو ان سے دنیوی زندگی ثابت نہیں ہوتی الخ غفلت پر مبنی ہے۔

٣- اگر درود شریف کا یہ عرض جسدِ عنصری پر نہ ہوتا بلکہ جسدِ مثالی پر ہوتا تو حضرات صحابہ کرامؓ کو کبھی اشکال پیش نہ آتا کیونکہ جسدِ مثالی کے خاک ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا خاک ہونے اور بوسیدہ ہونے کا احتمال بلکہ یقین تو جسدِ عنصری اور جسمِ خاکی ہی سے وابستہ ہو سکتا ہے یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ قبر مبارک میں عرض صلوٰۃ و سلام کا آپ کے جسدِ عنصری کے ساتھ براہِ راست تعلق ہے اور پھر وہ حدیثیں جن میں آپ سلام کہنے والوں کو جواب دیتے ہیں اور عند القبر صلوٰۃ و سلام کا بلاواسطہ سماع فرماتے ہیں جس کی تحقیق انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی اس پر مستزاد ہیں۔ غرضیکہ اس صحیح حدیث کے اندرونی اور بیرونی قرائن واضح طور پر اس امر کو ثابت

کو رہے ہیں کہ آپ کی روح مبارک کا جسدِ اطہر کے ساتھ تعلق ہے اور اس تعلق کی وجہ سے آپ پر درود شریف پیش ہوتا ہے اور اسی تعلق سے آپ جواب دیتے ہیں چنانچہ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ :-

ومعلوم بالضرورة ان جسده صلی الله علیه وسلم فی الارض طری مطراً وقد سأله الصحابةؓ کیف تعرض صلواتنا علیك وقد ارمت فقال ان الله حرّم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء ولو لم یکن جسده فی ضریحه لما اجاب بهذا الجواب الخ (کتاب الروح ص۵۴)

اور بداہۃً معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم مبارک بالکل تر وتازہ زمین میں موجود ہے اور صحابہ کرامؓ نے آپ سے پوچھا کہ ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے (معاذ اللہ) تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ پیغمبروں کے اجسام کو کھائے اگر آپ کا جسم مبارک قبر میں نہ ہوتا تو آپ یہ جواب ہرگز نہ دیتے۔

یعنی اگر عرض صلوٰۃ میں آپ کے جسم مبارک کا دخل نہ ہوتا تو آپ صحابہ کرامؓ کو یہ جواب نہ دیتے حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ :-

ان الصحابةؓ سألوا بیان کیفیة العرض بعد اعتقادهم بانه کائن لامحالة لقول الصادق رفعاً للاشتباه ان العرض هل هو علی الروح المجرد او علی المتصل بالجسد حسبوا ان جسد النبی صلی الله علیه وسلم کجسد کل احد فکفی فی الجواب ما قاله علی وجه الصواب (هامش ابوداؤد ج۱ ص۱۵۷)

صحابہ کرامؓ نے اس یقین کے بعد کہ لامحالہ آپ پر درود تو پیش کیا جاتا ہے کیونکہ صادق کا فرمان ہے محض اپنے شک کو دور کرنے کے لیے اس عرضِ صلوٰۃ کی کیفیت دریافت کی کہ آیا وہ صرف روح مبارک پر پیش کیا جاتا ہے یا روح پر جو جسم سے متصل ہو؟ اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ عام لوگوں کی طرح آپ کے جسد اطہر کو بھی مٹی کھا جائے گی۔ اس سوال کا جو جواب آپ نے دیا وہ معقول اور درست طریقہ سے ان کے شبہ کے ازالہ کے لیے کافی تھا۔

اس عبارت کا مطلب بھی روشن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض صلوٰۃ کے سلسلہ میں جسدِ اطہر سے صرفِ نظر نہیں فرمائی بلکہ درود شریف کے سلسلہ میں جسم

مبارک اور روح اطہر دونوں کو ملحوظ رکھا ہے۔

حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

قال ای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم علی الارض ای منعھا فیہ مبالغۃ لطیفۃ اجسام الانبیاء ای ان تاکلھا فان الانبیاء احیاء فمحصل الجواب ان الانبیاء احیاءً فی قبورھم فیمکن لھم سماع من سلم علیھم اھ (مرقات ج۲ ص۲۰۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے یعنی اس کو روک دیا ہے (اور اس میں لطیف مبالغہ ہے) کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو وہ کھائے کیونکہ وہ زندہ ہیں پس جواب کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں تو ان کے لئے ممکن ہے کہ جو شخص بھی سلام عرض کرے وہ اس کو سنیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:۔

ان اللہ تعالیٰ حرم علی الارض ان تاکل لحوم الانبیاء فاخبر انہ یسمع الصلوٰۃ والسلام من القریب وانہ یبلغ ذلک من البعید۔ (مناسک الحج ص۸۵ طبع دھلی)

بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ پیغمبروں کا گوشت کھائے پس آپ نے خبر دی ہے کہ آپ قریب سے صلوٰۃ وسلام خود سنتے ہیں اور دور سے آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔

حضرت مولانا ابو عتیق عبدالہادی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ظاھرہ یدل علی ان روحہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس فی جسدہ الاطھر بل اذا سلم علیہ احد عند القبر وقت حضورہ للزیارۃ رد اللہ روحہ فیہ وھو ینافی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم مع انھم اتفقوا علی حیاتہ صلی اللہ

یہ حدیث بظاہر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک جسد اطہر میں نہیں ہوتی بلکہ جب بھی کوئی شخص آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہو کر قبر مبارک کے پاس سلام کہتا ہے تو اس وقت آپ کی روح مبارک آپ کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور یہ مطلب تو آپ کی حیات کے منافی ہے حالانکہ سب کا اتفاق ہے

علیہ وسلم بل حیاۃ الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام متفق علیہا لا اختلاف لاحد فیہ فقال الحافظ معناہ ردّ اللہ علیّ نطقی اھ

(انوار المحمود ج۱ ص۶۱)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات ایک اتفاقی امر ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، اس اشکال کے جواب میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ردّ روح سے مراد ردّ نطق ہے۔

ان تمام اقتباسات سے معلوم ہوا کہ محدثین کرامؒ نے اس صحیح حدیث پر وارد ہونے والے اشکال کے کئی جوابات دیئے ہیں ان میں سے جو جواب بھی کسی کو پسند آئے قبول کرلے اور اس صحیح حدیث کے پیش نظر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ثابت ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

چوتھی دلیل

امام ابن ماجہ[1] فرماتے ہیں کہ ہم سے عمرو بن سواد[2] المصری نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبد اللہ بن[3] وہب نے بیان کیا وہ عمرو بن[4] الحارث سے اور وہ سعید[5] بن ابی ہلال

---

[1] ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ المتوفی ۲۷۳ھ جو الحافظ الکبیر اور المفسر تھے (تذکرہ ج۲ ص۱۸۹) [2] ابو حاتمؒ ان کو صدوق کہتے ہیں، ابن حبانؒ ثقات میں لکھتے ہیں خطیبؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے ابن یونسؒ ان کو ثقہ اور صدوق کہتے ہیں نسائیؒ ان کو لا بأس بہ کہتے ہیں مسلمہؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں حاکمؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں (تہذیب التہذیب ج۸ ص۴۶) [3] یہ صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں ایک لاکھ حدیث انہوں نے بیان کی ہے ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے ابو حاتمؒ ان کو صالح الحدیث اور صدوق کہتے ہیں، ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر العلم کہتے ہیں عجلیؒ ان کو ثقہ صاحب سنت اور رجل صالح کہتے ہیں، ابن عدیؒ ان کو من اجلۃ الناس وثقاتہم کہتے ہیں، نسائیؒ ان کو لا بأس بہ اور ثقہ کہتے ہیں ساجیؒ ان کو صدوق اور ثقہ کہتے ہیں خلیلیؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور متفق علیہ تھے (تہذیب التہذیب ج۶ ص۷۱ تا ص۷۴) [4] ان کی کنیت ابو امیہ تھی الانصاری اور المدنی نسبت ہے امام ابن معینؒ ابو زرعہؒ، نسائیؒ، عجلیؒ، ابن سعدؒ اور دیگر بے شمار محدثین (غیر واحد) ان کو ثقہ کہتے ہیں خطیبؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابن حبانؒ ان کو ثقات میں من الحفاظ المتقنین لکھتے ہیں ساجیؒ ان کو صدوق اور ثقہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب ج۸ ص۱۶)

[5] ابو العلاء کنیت اور اللیثی المصری نسبت تھی، صحاح ستہ کے راوی ہیں، ابن سعدؒ، عجلیؒ، ابن خزیمہؒ، دارقطنیؒ، بیہقیؒ، خطیبؒ

(باقی صفحہ آئندہ)

سے اور وہ زیدؒ[1] بن ایمن سے اور وہ عبادہؒ[2] بن نُسی سے اور وہ حضرت ابو الدرداءؓ[3] سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

اکثروا الصلوٰۃ علیّ یوم الجمعۃ فانہ مشھود تشھدہ الملٰئکۃ وان احدًا لن یصلی علیّ الا عرضت علیّ صلوٰتہ حتّٰی یفرغ منھا قال قلت وبعد الموت قال وبعد الموت ان اللہ حرّم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق۔ (ابن ماجہ ص۱۱۹)

جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ وہ دن حاضری کا ہے اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں مجھ پر کوئی شخص درود نہیں پڑھتا مگر اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے حتّٰی کہ وہ اس سے فارغ ہو میں نے کہا وفات کے بعد بھی پیش کیا جائے گا؟ فرمایا کہ ہاں وفات کے بعد بھی پیش کیا جائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو کھائے سو اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہے اس کو رزق ملتا ہے

حافظ منذریؒ فرماتے ہیں۔ اسنادہ جید (ترجمان السنۃ ج۳ ص۲۹۷) کہ اس کی سند جید

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اور ابن عبد البرؒ وغیرہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ ابو حاتمؒ لا باس بہ اور ساجیؒ صدوق کہتے ہیں اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ج۲ ص۹۵) ابن حزمؒ نے ان کو لیس بالقوی کہا ہے لیکن یہ جرح مبہم ہے جس کا اعتبار نہیں امام احمدؒ نے ان کو مختلط کہا ہے مگر صحاح ستہ کے مصنفینؒ نے ان کی روایت لی ہے اور ان پر اختلاط کے الزام کو در خور اعتنا نہیں سمجھا۔ اس لئے کہ انکی تحقیق میں وہ مختلط نہ تھے یا بقول ابن الصلاحؒ صحیحین (وغیرھما) کی روایات رُوات کے اختلاط سے قبل کی ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص۳۵۷)

[1] ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ اس روایت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں رواتہ ثقات (تہذیب التہذیب ج۳ ص۳۹۸) امام ابن حبانؒ اور حافظ ابن حجرؒ کا ان کو ثقہ کہنے کے بعد علامہ ابن الہادیؒ کا الصارم المنکی ص۱۷۶ میں ان کو مجہول الحال کہنا کوئی وقعت نہیں رکھتا کیونکہ محدثینؒ کا قاعدہ یہ ہے من عرف حجۃ علی من لم یعرف

[2] ابن سعدؒ۔ امام احمدؒ ابن معینؒ، عجلیؒ اور نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابو حاتمؒ اور ابن خراشؒ لا بأس بہ کہتے ہیں، ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں، ابن نمیرؒ ان کی توثیق کرتے ہیں الخ (تہذیب ج۵ ص۱۱۴)

[3] حضرت ابو الدرداءؓ کا نام عویمرؓ بن یزید تھا۔ جلیل القدر صحابی تھے۔ علامہ ذہبی ان کو الامام الربانی لکھتے ہیں اور ان کو حکیم الامت بھی کہتے تھے اہل الشام اور دمشق کے عالم، فقیہ، قاری، مفتی اور قاضی تھے (تذکرہ ج۱ ص۲۳ و ۲۴)

اور کھری ہے۔ علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں ورجالہ ثقات (السراج المنیر جلد ۲ ص۲۹) کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں قال الهیثمی رجالہ ثقات (فیض القدیر جلد ۲ ص۸۵) کہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں اس کے راوی ثقہ ہیں اور علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں۔ رواہ ابن ماجہ برجال ثقات

(زرقانی شرح مواہب جلد ۵ ص۳۳٦)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ :۔

قلت رجالہ ثقات

(تہذیب التہذیب جلد ۳ ص۳۹۸) میں کہتا ہوں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

اور علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

رواہ ابن ماجۃ باسناد جید (خلاصۃ الوفاء ص۴۵) امام ابن ماجہؒ نے اس کو جید سند سے روایت کیا ہے

اور حضرت ملا علی القاریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

باسناد جید نقلہ میرک عن المنذریؒ اس کی سند جید ہے، محدث میرکؒ نے امام منذریؒ

ولہ طرق کثیرۃ (مرقات جلد ۲ ص۱۱۲) سے اس کو نقل کیا ہے اور اس کے طرق بہت ہیں

قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

وقد اخرج ابن ماجۃ باسناد جید الخ امام ابن ماجہؒ نے جید سند کے ساتھ اس کی

(نیل الاوطار جلد ۳ ص۲٦۴) تخریج کی ہے۔

مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں کہ :۔

باسناد جید (عون المعبود جلد ۱ ص۴۰) اس کی سند جید اور کھری ہے۔

ان تمام حوالوں سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں اور اس کی سند جید اور کھری ہے، اور محدثین کرامؒ کا جم غفیر جید کہہ کر اس حدیث کی تصحیح کرتا ہے۔

اعتراض

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ زید بن ایمنؒ کی عبادہ بن نسیؒ سے روایت مرسل ہے (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص۳۹۸) امام بخاریؒ نے یہ بات اپنی کتاب التاریخ الکبیر جلد ۲ ص۳۵۴ قسم اول طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد) میں فرمائی ہے۔ اور امام سخاویؒ فرماتے ہیں :۔

ورجاله ثقات لكنه منقطع (القول البديع ص١١٩) کہ اس کے راوی ثقہ ہیں مگر سند منقطع ہے

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن امام بخاریؒ نے فرمایا کہ زیدؒ بن ایمنؒ کی عبادہؒ بن نسیؒ سے روایت مرسل ہے (تہذیب التہذیب ج۳ ص۳۹۸)

علامہ عراقیؒ شرح ترمذی میں فرماتے ہیں کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر اس میں انقطاع ہے الخ (نیل الاوطار ج۳ ص۲۶۳) اور بعض حضرات نے اس پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ فنبی اللہ حی یرزق کا جملہ راوی کا مدرج ہے، یہ مرفوع روایت کا حصہ نہیں ہے لہذا یہ روایت مخدوش ہے۔

الجواب:- یہ اعتراض چنداں وقعت نہیں رکھتا اولاً اس لیے کہ عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ باحوالہ یہ بحث آرہی ہے کہ اصول حدیث کے رو سے صحیح اور جید کا ایک ہی درجہ ہے اور حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اس کا اتصال بھی ضروری ہوتا ہے اس لحاظ سے جن حضرات نے اس کو جید کہا ہے۔ گویا ان کے نزدیک اس کا اتصال بھی ثابت ہے، اور حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ زیدؒ بن ایمنؒ، عبادہؒ بن نسیؒ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے سعیدؒ بن ابی ہلالؒ راوی ہیں (تہذیب التہذیب ج۳ ص۳۹۸) (حاشیہ علامہ سندھیؒ بر ابن ماجہ ج۱ ص۵۰۲ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ عبادہؒ بن نسیؒ کی ابوالدرداءؓ سے روایت مرسل ہے لیکن یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب ج۵ ص۱۱۳ میں تصریح فرمائی ہے کہ عبادہؒ بن نسیؒ حضرت ابوالدرداءؓ سے براہ راست روایت کرتے ہیں) خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات نے اس حدیث کے مرسل اور منقطع تسلیم کرنے میں حضرت امام بخاریؒ وغیرہ کا ساتھ نہیں دیا اور رخ جمہور ہی کے ساتھ ہے۔

نوٹ:- علامہ عراقیؒ نے اس روایت کے بارے میں لا یصح نہیں فرمایا جیسا کہ نیل الاوطار کے حوالہ سے مؤلف ندائے حق نے ص۸۹ میں دھوکا کھایا ہے اسی طرح قاضی ابوبکر بن العربیؒ نے بھی اس روایت کے بارے ان الحدیث لا یثبت نہیں فرمایا جیسا کہ نیل کے حوالہ سے اسی صفحہ میں مؤلف مذکور نے مغالطہ دیا ہے قاضی ابن العربیؒ کا یہ ارشاد حضرت اوسؓ بن اوسؓ کی روایت کے بارے میں ہے جس کی بحث پہلے گذر چکی ہے۔

ثانیاً اگر یہ روایت مرسل بھی ہو (بعض محدثین کرام نے مرسل اور منقطع میں فرق کیا ہے لیکن

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح بات جس کی طرف فقہاء کرامؒ علامہ خطیب بغدادیؒ امام ابن عبدالبرؒ اور دیگر محدثین کرام گئے ہیں یہ ہے کہ مرسل اور منقطع ایک ہی ہے محصلہ (تدریب الراوی ص ۱۲۶ و ۱۲۷) تب بھی مرسل روایت سے اصول حدیث کے رو سے ترجیح اور تفسیر درست ہے، چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

والترجیح بالمرسل جائز (تدریب الراوی ص ۱۲۱) مرسل سے ترجیح جائز ہے

اور مولانا عثمانیؒ تدریب الراوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔

قال شیخ الاسلام والمرسل یفسر المتصل (مقدمہ فتح الملہم ص ۲۵) شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مرسل روایت سے متصل روایت کی تفسیر کی جاسکتی ہے۔

اور حدیث فنبی اللہ حی یرزق ان روایات کی تفسیر ہے جن میں رزق دیئے جانے کے بغیر حیات کا ذکر آتا ہے چنانچہ دلیل ۳ میں حضرت اوسؓ بن اوسؓ کی جو روایت نقل کی جاچکی ہے اس میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجساد طیبہ کی حفاظت کا ذکر اور درود شریف کے سلسلہ میں روح مبارک کے جسد اطہر سے تعلق کا تذکرہ تھا لیکن اس میں یہ احتمال ہوسکتا ہے (گو کمزور ہی سہی) کہ یہ داخلی تعلق نہ ہو بلکہ خارجی تعلق ہو کہ وہاں ایسی حیات ہی نہ ہو جس میں کسی قسم کے رزق کی ضرورت پیش آتی اور حضرت ابو الدرداءؓ کی یہ مرسل روایت اس کی تفسیر اور حیات کے اس معنی کو ترجیح دینے کے لیے کافی ہے کہ یہ تعلق حیات کا ہے اور اس میں باقاعدہ شایان شان رزق بھی ملتا ہے۔

فنبی اللہ حی یرزق لہٰذا اصولِ حدیث کے رو سے یہ روایت مرجح اور مفسر ہے ثانیاً جو حضرات مرسل سے احتجاج کے قائل نہیں وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ مرسل معتضد حجت ہے (ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص ۱۲۱ اور مقدمہ نووی ص ۱۷ وغیرہ) اور اس حدیث کی تقویت اور اعتضاد کے لیے علاوہ سابق پیش کردہ اور آئندہ عرض کی جانے والی احادیث کے اجماع امت مؤید ہے اس لیے یہ روایت قابل استدلال ہے علاوہ ازیں یہ روایت دوسری روایتوں کے لیے شاہد ہے چنانچہ علامہ ابن الہادیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وھذا الحدیث وان کان فی اسنادہ شیٔ فھو شاھد لغیرہ و عاضد لہ واللہ اعلم۔ (الصارم ص ۱۷۸)

اور اس حدیث کی سند میں اگرچہ کچھ تھوڑا سا ضعف ہے مگر یہ دوسری روایات کے لیے شاہد اور باعث تقویت ہے۔ واللہ اعلم۔

ورابعاً محدثین کرامؒ کا یہ ضابطہ ہے کہ جو جملہ حدیث کے ساتھ ہو وہ متصل ہی مانا جائے گا اور محض احتمال سے ادراج ثابت نہیں ہو سکتا (فتح الباری ج ۱ ص ۲۲۵) اور ادراج کے اثبات کے لیے محدثین کرامؒ نے جو قواعد بیان فرمائے ہیں وہ یہ ہیں :-

ویدرک ذٰلک بورودہ منفصلاً فی روایۃ اخرٰی او بالتنصیص علیٰ ذٰلک من الراوی او بعض الائمۃ المطلعین او باستحالۃ کونہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ذٰلک (تدریب الراوی ص ۱۷۳)

اور اس ادراج کا علم اس طرح ہوتا ہے کہ مدرج حصہ کسی دوسری روایت میں الگ آیا ہو یا راوی صراحت سے بیان کرے کہ یہ مدرج ہے یا اطلاع پانے والے اماموں میں سے کوئی اس کی تصریح کرے یا اس قول کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونا محال ہو

لیکن ان میں سے ایک بات بھی اس کے مدرج ہونے پر ثابت نہیں بلکہ آخری بات اس کے مدرج نہ ہونے کی روشن دلیل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الانبیاء احیاء فرما کر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت فرمادی ہے تو پھر فنبی اللہ حیٌ یرزق کا ارشاد آپ سے محال کیوں ہوگا ؟

وخامساً : اگر اس کو مدرج بھی تسلیم کر لیا جائے کہ راویوں میں سے کسی نے حدیث کے سابق حصہ کا مطلب اور مراد سمجھ کر اس کو اپنی طرف سے بطور تفسیر کے بڑھا دیا ہے تب بھی یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کی دلیل ہے کیونکہ اصول حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ حدیث کا راوی اپنی مروی حدیث کا مطلب بہ نسبت دوسروں کے زیادہ بہتر جانتا ہے۔ چنانچہ امیر یمانی محمد بن اسمٰعیل الصنعانیؒ المتوفی ۱۱۸۲ھ لکھتے ہیں کہ :

وراوی الحدیث اعرف بالمراد بہ من غیرہ (سبل السلام ج ۱ ص ۱۲۶ طبع مصر)

کہ حدیث کا راوی حدیث کی مراد کو دوسروں سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔

اور مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارک پوریؒ (المتوفی ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں کہ :-

وقد تقرران راوی الحدیث ادرای بمراد الحدیث من غیرہ اھ (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۵۷)

اور بلاشبہ یہ بات طے شدہ ہے کہ حدیث کا راوی اپنی حدیث کی مراد کو دوسروں سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔

لہٰذا اگر یہ حصہ مدرج بھی ہو تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بابرکات پر اِس سے استدلال درست اور صحیح ہے، کیونکہ راوی حدیث نے اس سے یہی مطلب سمجھا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں و نبی اللہ حی یرزق اھ (ھدایتہ الشیعہ ص۳۶)

اور حضرت مولانا تھانویؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اُس عالم کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہداء کے لیے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے مگر انبیاء علیہم السلام میں اُن سے اکمل و اقویٰ ہے (نشر الطیب ص۲۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ اکابر بھی اس جملہ کو حدیث کا حصہ اور صحیح تسلیم کرتے ہوئے اس سے استدلال و احتجاج کرتے ہیں۔

پانچویں دلیل

امام نسائیؒ[1] فرماتے ہیں کہ ہم سے عبدالوہابؒ[2] بن عبدالحکم الوراقؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے معاذؒ[3] بن معاذؒ نے بیان کیا وہ سفیانؒ[4] بن سعید ثوریؒ سے اور وہ عبداللہؒ[5] بن سائبؒ سے اور وہ زاذانؒ[6] سے اور وہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

ان للہ ملٰئکتہ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام (نسائی ج۱ ص۱۴۳ مسند احمد ج۱ ص۴۵۲ و ابن ابی شیبہ ج۲ ص۵۱۷ طبع مجلس علمی) دارمی ص۳۷۲

بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسے فرشتے مقرر ہیں جو زمین میں گھومتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

موارد الظمآن ص۵۹۲ مشکوٰۃ ص۸۶ اور البدایتہ والنہایہ ج۱ ص۲۵۵ الجامع الصغیر ج۱ ص۹۳ و خصائص الکبریٰ ج۲ ص۲۸۱ و

---

[1] امام نسائیؒ سفیان ثوریؒ تک سند ذیل سے دوسرا طریق یوں ہے اخبرنا محمود بن غیلان قال حدثنا وکیع و عبدالرزاق عن سفیان اھ اور یہ جملہ حضرات ثقہ اور ثبت اور علم حدیث کے مسلّم امام ہیں تاہم پہلی سند کے رواۃ کی توثیق ملاحظہ ہو [2] عبدالوہاب ثقہ تھے (تقریب ص۲۴۹) [3] معاذ بن معاذ ثقہ اور متقن تھے (تقریب ص۳۵۷) [4] ثقہ حافظ فقیہ عابد امام حجت تھے (تقریب ص۱۵۱) [5] ثقہ تھے (تقریب ص۲۰۰) [6] زاذانؒ کا ترجمہ ص۱۰۹ و ص۱۱۷ میں گذر چکا ہے۔

تحریرات حدیث ص۲۱۱) علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں کہ امام نسائیؒ اور اسماعیل القاضیؒ نے صحیح سند سے یہ روایت نقل کی ہے (وفاء الوفا ج۲ ص۴۰۴)

اور علامہ ابن عبد الہادیؒ لکھتے ہیں کہ امام نسائیؒ اور اسماعیل القاضیؒ وغیرہ نے مختلف طرق سے صحیح اسانید کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔ (الصارم المنکی ص۱۶۵)

علامہ عزیزیؒ فرماتے ہیں حدیث صحیح (السراج المنیر ج۱ ص۵۱۸) کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ج۹ ص۲۴) کہ محدث بزارؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کے جملہ راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ اور یہ روایت مستدرک ج۲ ص۴۲۱ میں بھی مروی ہے قال الحاکم والذہبی صحیح امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے۔ امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ:-

رواہ احمد والنسائی والدارمی وابو نعیم والبیہقی والخلعی وابن حبان والحاکم فی صحیحہما وقال صحیح الاسناد۔

امام احمدؒ۔ نسائیؒ۔ دارمیؒ۔ ابو نعیمؒ۔ بیہقیؒ۔ خلعیؒ ابن حبانؒ اور حاکمؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور حاکمؒ کہتے ہیں کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔

(القول البدیع ص۱۱۵)

اور حضرت شاہ عبد العزیزؒ صاحب محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ

نزد احمدؒ ونسائیؒ نیز آمدہ کہ خدائے را فرشتگانند سیر کنندگان در زمین میرسانند مرا از امت من سلام را وبتواتر رسیدہ ایں معنی الخ

امام احمدؒ اور نسائیؒ کی روایت میں ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے فرشتے زمین پر سیر کرتے ہیں اور مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں اور یہ مضمون متواتر طور پر ثابت ہے۔

(فتاویٰ عزیزی ج۲ ص۶۹)

(۳۱) سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امت کا سلام پہنچنا تواتر سے ثابت ہے اور امام سخاویؒ امام دارقطنیؒ کے حوالہ سے یہ روایت بھی نقل کرتے ہیں کہ:-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ ملٰئکۃ یسیحون فی الارض یبلغونی صلوٰۃ من صلی علیّ من امتی اخرجہ الدارقطنی اھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین پر پھرتے ہیں میری امت میں سے جو شخص مجھ پر صلوٰۃ پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچاتے ہیں

(القول البدیع ص۱۱۵) اور یہ شفاء السقام ص۳۴ میں بھی مذکور ہے۔

ان دونوں روایتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ فرشتے صلوٰۃ وسلام دونوں پہنچاتے ہیں۔ علامہ شہاب الدین محمد بن احمد الابشیہیؒ المتوفی (۸۵۰ھ) یہ روایت اس طرح نقل کرتے ہیں:

ان للّٰہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی الصلوٰۃ علیّ من امتی فاستغفر لھم (المستطرف فی کل فن مستظرف ج۱ ص۲۱۷ طبع مصر)	بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرشتے زمین میں پھرتے ہیں میری امت کی طرف سے وہ مجھے درود پہنچاتے ہیں پس میں ان کے لیے استغفار کرتا ہوں۔

اور علامہ عزیزیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح سلام آپ پر پیش کیا جاتا ہے اسی طرح صلوٰۃ اور درود بھی پیش کیا جاتا ہے (السراج المنیر ج۱ ص۱۵) اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصریح فرمادی ہے کہ یبلغونی فرشتے مجھے صلوٰۃ وسلام پہنچاتے ہیں اور کلمہ نی جو واحد متکلم کی ضمیر ہے ذات پر دلالت کرتا ہے (علم نحو کا قاعدہ ہے کہ ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی نہ تو صرف جسد اطہر کا نام ہے اور نہ محض روح مبارک کا بلکہ دونوں کے مجموعہ کا نام ہے اگر صرف روح مبارک پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا جاتا تو آپ فرمادیتے کہ میری روح پر اس کا عرض ہوتا ہے اور اگر محض بدنِ اطہر پر یہ عرض ہوتا تب صرف بدن اطہر کا ذکر فرمادیتے مگر آپ نے تو اپنی ذات اقدس کا تذکرہ فرمایا ہے جو روح وجسم دونوں کے مرکب کا نام ہے لہٰذا یہ روایت بھی آپ کی حیات کی دلیل ہے۔ اس روایت سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ دور دراز سے جو لوگ درود وسلام پڑھتے ہیں وہ آپ تک بتوسط ملائکہ پہنچایا جاتا ہے۔ آپ خود اس کی سماعت نہیں فرماتے جیسا کہ بعض جاہلوں کا خیال ہے۔ اس حدیث کی تشریح میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہو گئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ کو صرف وہی درود وسلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کریں تو آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔ انتہیٰ بلفظہٖ (معارف الحدیث ج۵ ص۸)

چھٹی دلیل

حافظ ابوالشیخ اصبہانیؒ[1] فرماتے ہیں کہ ہم سے عبدالرحمٰنؒ بن احمد الاعرجؒ[2] نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے الحسنؒ بن الصباحؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابومعاویہؒ نے بیان کیا وہ فرماتے

---

[1] علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ اصبہان، مسند زمانہ، الامام اور صاحب المصنفات السائرۃ لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کثرت علم اور وافر حافظہ کے ساتھ نیک اور دیندار بھی تھے اور محدث ابن مردویہؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور مامون تھے علامہ خلیلیؒ ان کو حافظ ثبت اور متقن کہتے ہیں، حافظ ابونعیمؒ ان کو احد الاعلام اور ثقہ کہتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۱۴۷ و ۱۴۸) حافظ ابن القیمؒ ان کو الحافظ لکھتے ہیں (اجتماع جیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلۃ والجہمیۃ ص ۹۵ طبع امرتسر) اور حافظ ابن حجرؒ ان کو الحافظ اور ثقہ لکھتے ہیں (لسان المیزان ج ۶ ص ۳۹۵) [2] ان کا مکمل نام عبدالرحمٰنؒ بن احمدؒ بن یزیدؒ الزہریؒ ہے، کنیت ابوصالح اور لقب الاعرج ہے سنہ ۳۰۰ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ امام ابونعیم احمدؒ بن عبداللہ اصبہانیؒ (المتوفی ۴۳۰ھ) نے تاریخ اصبہان ج ۲ ص ۱۱۱ طبع لندن) میں ان کا تذکرہ کیا ہے ان سے علاوہ امام ابوالشیخ اصبہانیؒ کے القاضی ابواحمدؒ محمدؒ بن احمدؒ بن ابراہیمؒ بھی روایت کرتے ہیں (ملاحظہ ہو تاریخ اصبہان ج ۲ ص ۱۱۳)

امام ابوالحسن علیؒ بن محمدؒ بن عراق الکنانیؒ (المتوفی ۹۶۳ھ) لکھتے ہیں کہ

حدیث من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا وکل اللہ بہا ملکا یبلغنی وکفی امر دنیاہ وآخرتہ وکنت لہ شہیدا وشفیعا (خط) من حدیث ابی ہریرۃؓ ولا یصح فیہ محمد بن مروان وہو السدی الصغیر وقال العقیلی لا اصل لہذا الحدیث (تعقب) بان البیہقی اخرجہ فی الشعب من ہذا الطریق وتابع السدی عن الاعمش فیہ ابومعاویۃ اخرجہ	حدیث من صلی علیّ الخ یعنی جس نے میری قبر کے پاس درود شریف پڑھا تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے فرشتہ مقرر کیا ہے جو مجھے پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے دنیا و آخرت کے کام پورے کرتا ہے۔ اور میں اس کے حق میں گواہ اور شفیع ہوں گا۔ (خطیب بغدادیؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے) یہ حدیث حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی ہے اور صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں محمد بن مروان السدی الصغیر ہے اور امام عقیلیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں (عقیلی کی اس بات پر گرفت کی گئی ہے کہ

ہیں کہ ہم سے اعمشؒ نے بیان کیا وہ ابو صالحؒ سے اور وہ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

من صلی عند قبری سمعته ومن صلی علیّ من بعید اُعلمته (جلاء الافہام للحافظ ابن القیمؒ ص۱۹ وقال غریب جداً)۔

جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اُسے خود سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دُور سے درود شریف پڑھا تو وہ مجھے (بواسطہ فرشتوں کے) بتلایا جاتا ہے۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ)

ابوالشیخ فی الثواب قلت سنده جید کما نقله السخاوی عن شیخه الحافظ ابن حجر والله تعالیٰ اعلم وله شواهد من حدیث ابن مسعود وابن عباس وابی هریرة اخرجها البیهقی ومن حدیث ابی بکر الصدیق اخرجه الدیلمی ومن حدیث عمار اخرجه العقیلی من طریق علی بن القاسم الکندی وقال علی بن قاسم شیعی فیه نظر لا یتابع علی حدیثه انتهی

امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں اس طریق سے اسکی تخریج کی ہے اور ابو معاویہؒ اعمشؒ سے روایت کرنے میں سُدی کا متابع ہے اس کی تخریج امام ابوالشیخؒ نے کتاب الثواب میں کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابوالشیخ کی سند جید ہے۔ جیسا کہ علامہ سخاویؒ نے شیخ استاد حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ اعلم اور اس حدیث کے حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے شواہد موجود ہیں جن کی تخریج امام بیہقیؒ نے کی ہے اور حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی حدیث بھی شاہد ہے جس کی تخریج امام دیلمیؒ نے کی ہے اور حضرت عمارؓ کی حدیث بھی اس کا شاہد ہے جس کی

وفی لسان المیزان (ص۲۴۹ ج۴) ان ابن حبان ذکر علی بن القاسم فی الثقات وقد تابعه عبدالرحمٰن بن صالح وقبیصة بن عقبة اخرجها الطبرانی۔ (تنزیه الشریعة ص۳۳۵ طبع مصر)

تخریج علی بن القاسم الکندی کے طریق سے امام عقیلیؒ نے کی ہے اور کہا ہے کہ یہ راوی شیعہ ہے اس میں کلام ہے اور اس کی حدیث کی متابعت نہیں کی گئی مگر لسان المیزان (ص۲۴۹ ج۴) میں ہے کہ امام ابن حبانؒ نے علی بن القاسمؒ کو ثقات میں لکھا ہے اور عبدالرحمٰنؒ بن صالحؒ اور قبیصہؒ بن عقبہؒ اس کے

اس حدیث کے جملہ راوی ثقہ اور معروف ہیں اور محدثین کی خاصی جماعت اس حدیث کو صحیح مانتی اور کہتی ہے حافظ ابن حجرؒ ابو الشیخ کی مذکور سند کے بارے میں فرماتے ہیں بسند جید (فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۲) علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں وسندہٗ جید (القول البدیع ص ۱۱۶) حضرت ملا علی القاریؒ بھی اس کو بسند جید فرماتے ہیں (مرقات ج ۲ ص ۱۰) نواب صدیق حسن خانؒ بھی فرماتے ہیں اسنادہ جید (دلیل الطالب ص ۸۴۴) مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ بھی اس کو بسند جید فرماتے ہیں (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰) ان اکابر محدثین کے (جن میں حافظ ابن حجرؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جن کی تقریب اور تہذیب پر آج رواۃ کی توثیق و تضعیف کا مدار ہے) بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت جید اور صحیح ہے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) دو متابع موجود ہیں۔

غرضیکہ امام ابو الشیخؒ کی سند سے یہ حدیث جید اور صحیح ہے اور حضرات محدثین کرامؒ اس کو جید قرار دیتے ہیں اور اس کے کئی شواہد بھی بیان کرتے ہیں اور اس عبارت میں اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ جن حضرات کو یہ مغالطہ ہوا ہے کہ اس حدیث کے بیان کرنے میں صرف سدی صغیر ہی متفرد ہے ان کی رائے درست نہیں ہے کیونکہ ابو معاویہؒ جو الحافظ اور الثبت ہیں اس کے متابع ہیں۔ امام سیوطیؒ بھی فرماتے ہیں کہ۔

ثم وجدت لمحمد بن مروان متابعاً علی الاعمش اخرجه ابو الشیخ فی الثواب حدثنا عبد الرحمٰن بن احمد الاعرج حدثنا الحسن بن الصباح حدثنا ابو معاویة عن الاعمش به الخ (اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة ج ۱ ص ۲۸۳)	پھر میں نے اعمشؒ سے روایت کرنے میں محمد بن مروان کا متابع پایا ہے اور وہ ابو معاویہؒ ہے اس کی تخریج امام ابو الشیخؒ نے کتاب الثواب میں یوں کی ہے حدثنا عبد الرحمٰن بن احمد الاعرج حدثنا الحسن بن الصباح حدثنا ابو معاویة عن الاعمش اور پھر یہ حدیث نقل کی۔

اس سے بھی صراحۃً یہ بات ثابت ہو گئی کہ حدیث کی صحت کا مدار ابو معاویہؒ پر ہے نہ کہ محمد بن مروان السدی الصغیر پر اور اسی سند کو حضرات محدثین کرامؒ کا جم غفیر بسند جید سے تعبیر کرتا ہے اور اس حدیث کے مفہوم پر امت کا اتفاق و اجماع اور تعامل ہے

ان دونوں لفظوں میں کوئی خاص اصولی فرق نہیں ہے۔

چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

ان ابن الصلاح یری التسویۃ بین الجید	امام ابن الصلاحؒ جید اور صحیح کو ایک ہی قرار دیتے ہیں
والصحیح ولذا قال البلقینی بعد ان نقل	اور اس لیے بلقینیؒ نے یہ نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ
ذلك من ذلك یعلم ان الجودۃ یعبر بها	اس سے معلوم ہوا کہ صحت کی تعبیر جودت سے کی جا سکتی ہے
عن الصحۃ وفی جامع الترمذی فی الطب	اور ترمذیؒ نے ابواب الطب میں ایک جگہ کہا ہے کہ
هذا حدیث جید حسن وکذا قال غیرہ	یہ حدیث جید اور حسن ہے اور اسی طرح دوسروں نے
لامغایرۃ بین جید وصحیح عندهم الا ان	بھی کہا ہے، محدثین کے نزدیک جید اور صحیح میں
الجهبذ منهم لا یعدل عن صحیح الی جید	کوئی فرق نہیں ہے مگر ان میں سے جب بھی کوئی

* اور حدیث ید اللہ علی الجماعۃ بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ اور مشہور ہے کہ زبان خلق کو نقارہ

خدا سمجھو۔ اللہ تعالیٰ کا ہم پر خصوصی انعام و فضل ہے کہ ؎

رہِ اُلفت میں گو ہم پر بہت مُشکل مقام آئے

نہ ہم منزل سے باز آئے نہ ہم نے راستہ بدلا

۳؎ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ الامام اور علم السنۃ لکھتے ہیں (تذکرہ ج۲ ص۵۵) اور بخاری میں ان کی متعدد روایتیں ہیں (مثلاً ج۱ ص۳۶ و ج۱ ص۲۶۶ و ص۵۰۳ و ج۲ ص۶۶۲ وغیرہ میں) جن لوگوں نے اس راوی کو مختلف فیہ قرار دے کر اس سند کو کمزور کرنے کی لاحاصل سعی کی ہے وہ اسماء الرجال سے بالکل بے خبر معلوم ہوتے ہیں ۴؎ ابو معاویہ کا نام محمد بن خازمؒ ہے جو صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ الثبت اور محدث الکوفہ لکھتے ہیں (تذکرہ ج۱ ص۲۷۱) امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ امام اعمشؒ سے روایت کرنے میں اثبت ہیں (تہذیب التہذیب ج۹ ص۱۳۵) علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ

ویضطرب فی غیر حدیث الاعمش	اعمشؒ کے علاوہ دوسروں سے روایت کرنے میں گڑبڑ
(تذکرہ ج۱ ص۲۷۱)	کر جاتے ہیں۔

اور یہ روایت اعمشؒ کے طریق سے ہے مگر صد حیرت ہے کہ اب تو ایسے ثقہ اور ثبت راوی کو بھی مختلف فیہ بنایا جا رہا ہے فالی اللہ المشتکی ۵؎ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ الثقہ اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں (تذکرہ ج۱ ص۱۲۵) ان میں

(باقی بر صفحہ آئندہ)

الا لنکتۃ کان یرتقی الحدیث عندہ عن الحسن لذاتہ ویتردد فی بلوغہ الصحیح فالوصف بہ انزل رتبۃ من الوصف بصحیح وکذا القوی (تدریب الراوی ص۱۰۴ طبع مصر)

ہاں بجائے صحیح کے جیّد کہے گا تو اس میں کوئی نکتہ ہوگا مثلاً اس کے نزدیک وہ روایت حسن لذاتہ سے تو اوپر ہوگی مگر اس کے صحیح کہنے میں تردد ہوگا اس لیے وہ بجائے صحیح اور قوی کے جیّد کا لفظ اس پر اطلاق کرے گا۔

الغرض جیّد اور صحیح ایک ہوں یا جیّد صحیح سے نیچے اور حسن لذاتہ سے اُوپر ہو جمہور محدثین کے نزدیک اس کے حجت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابن الصلاح (المتوفی ۶۴۳ھ) کے نزدیک جیّد اور صحیح ہیں

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

تشیّع تھا مگر کیا یہ اسی حدیث پر اثر انداز ہے یا صحاح ستہ کی تمام روایات پر بھی جن کو امت مسلمہ صحیح سمجھتی ہے، ان کا نام سلیمان بن مہران تھا جلیل القدر محدث اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں مؤلف آئینہ البرہان نے اس پر خاصہ زور صرف کیا ہے کہ یہ مدلّس ہیں اور بغیر تصریح سماع کے ان کی حدیث قابلِ احتجاج نہیں (محصلہ ص۴۲ اور یہی اعتراض ندائے حق ص۱۹۳ میں ہے) مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ امام اعمشؒ ان مدلسین میں شامل ہیں جن کی تدلیس مطلقاً مضر نہیں ہے (دیکھئے توجیہ النظر ص۲۵) ؎ ابو صالح کا نام ذکوان اور لقب السمان الزیات ہے صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں علامہ ذہبیؒ ان کو حفاظ محدثین میں لکھتے ہیں اور امام احمدؒ بن حنبلؒ نے فرمایا ثقۃ ثقۃ من اجل الناس واوثقھم (تذکرہ جلد ۱ ص۸۳) یعنی وہ ثقہ ثقہ اور جلیل القدر اور ثقہ تر لوگوں میں سے تھے، امام ابن معینؒ ان کو ثقہ اور ابو حاتمؒ ان کو ثقہ اور صالح الحدیث کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث سے احتجاج کیا جاتا ہے امام ابو زرعہؒ ان کو ثقہ اور مستقیم الحدیث کہتے ہیں، علامہ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے امام ساجیؒ ان کو ثقہ اور صدوق کہتے ہیں، امام حربیؒ اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور امام عجلیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب ج۳ ص۲۱۹ و ۲۲۰) نوٹ ضروری :- یہ راوی نہ تو ابو صالح مولی التوامہ ہے جس کا نام نبہان ہے اور نہ یہ ابو صالح مولی ام ہانی ہے جس کا نام باذام یا باذان ہے جن پر کچھ کلام بھی ہے اور امام اعمشؒ کی ان سے روایت منقطع بھی ہے یہ راوی بلا شک اور بلا شبہ ابو صالح ذکوان السمان ہے۔ البتہ خواہ مخواہ کی سینہ زوری کا کوئی علاج نہیں ہے اور ابو معاویۃ عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃؓ بخاری کی سند ہے (مثلاً ملاحظہ ہو ج۲ ص۲۳۵ وغیرہ) امام بیہقیؒ وغیرہ نے جس ابو صالح پر کلام کیا ہے وہ یہ ہرگز نہیں ہے، اس کی کڑی اس سے ملا کر اس روایت کو ضعیف قرار دینا اسماء الرجال کا خون کرنا ہے

کوئی فرق نہیں ہے ان کے نزدیک یہ دونوں ایک ہیں اور اس نظریہ میں دیگر محدثین کرامؒ بھی ان کے ہمنوا ہیں جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے اور خود امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ

ومتی قالوا ھذا حدیث صحیح فمعناہ انہ اتصل سندہ مع سائر الاوصاف المذکورۃ الخ (مقدمۃ ابن الصلاح ص۱۰ طبع مدینہ منورہ)	جب محدثینؒ یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی سند متصل ہے مع مذکورہ اوصاف کے جو صحت کے لیے ضروری ہیں۔

اور جو حضرات صحیح اور جید میں فرق ملحوظ رکھتے ہیں اور اس کے سلسلے نکتہ بیان کرتے ہیں تو وہ بھی جید کو حسن لذاتہ سے اونچا مقام دیتے ہیں اور جمہور محدثین کرامؒ کے نزدیک حدیث حسن بھی حجت اور قابلِ استدلال ہے، اگر بالفرض اس میں کچھ معمولی سا ضعف اور کمی بھی ہو تو امت مسلمہ کے اجماع اور اس پر تعامل سے وہ ضعف بھی رفع ہو جاتا ہے اور اس حدیث کے قابل احتجاج ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ علامہ طاہر بن صالح الجزائریؒ حافظ ابن حزم الظاہریؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔

اذا ورد حدیث مرسل او فی احد ناقلیہ ضعف فوجدنا ذالک الحدیث مجمعا علی اخذہ والقول بہ علمنا یقیناً انہ حدیث صحیح لاشک فیہ اھ (توجیہ النظر ص۵۰ الی اصول الاثر طبع مصر)	اور جب کوئی مرسل حدیث ہو یا کوئی ایسی حدیث ہو جس کے کسی راوی میں ضعف ہو اور ہم یہ دیکھیں کہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے اور سب اس کے قائل ہیں تو یقیناً ہم یہ جان لیں گے کہ وہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

اور اس پیش کردہ حدیث کا مقام بھی یہی ہے حضرات صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک کوئی شخص اہل السنت والجماعت میں ایسا نہیں گذرا جو یہ کہتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عند القبر صلوٰۃ و سلام کا سماع نہیں فرماتے تمام اہل السنت والجماعت کا آپ کے سماع عند القبر پر اتفاق ہے کوئی اس کا مخالف نہیں گذرا اور کتب اہل اسلام میں اس کے خلاف ایک بھی صریح حوالہ موجود نہیں ہے من ادعی خلافہ فعلیہ البیان

اعتراض :۔

ممکن ہے کوئی صاحب یہ کہہ دیں کہ حافظ ابن القیمؒ نے اس روایت کو غریب جداً لکھا ہے تو پھر اس سے احتجاج و استدلال کیسا؟ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ غریب حدیثیں مت لکھا کرو کیونکہ وہ منکر ہوتی ہیں اور اکثر ضعیف راویوں سے مروی ہوتی ہیں اور امام مالکؒ فرماتے ہیں شر العلم الغریب کہ بُرا علم غریب حدیثوں کا ہونا ہے اور امام عبدالرزاقؒ فرماتے ہیں کہ ہم غریب الحدیث کو بہتر سمجھتے تھے مگر وہ بدتر نکلی اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص غریب الحدیث طلب کرتا ہے تو وہ جھوٹ کا مرتکب ہے (محصلہ تدریب الراوی ص۳۷۶ طبع مصر)

الجواب :۔ یہاں دو باتیں ہیں ایک فنِ غریب الحدیث اور دوسری کسی حدیث کا غریب ہونا اور محدثین کرامؒ کے نزدیک ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ایک متن حدیث سے متعلق ہے اور دوسری بالعموم سند سے۔ امام ابن الصلاحؒ بتیسویں نوع میں معرفت غریب الحدیث کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

وھو عبارۃ عما وقع فی متون الاحادیث من الالفاظ الغامضۃ البعیدۃ من الفھم لقلۃ استعمالھا ھذا فن مھم یقبح جھلہ باھل الحدیث خاصۃ ثم باھل العلم عامۃ والخوض فیہ لیس بالھین الخ (مقدمہ ابن الصلاح ص۲۲۵)

غریب الحدیث وہ فن ہے جس میں متون احادیث میں ایسے الفاظ سے بحث کی جاتی ہے جو نہایت مشکل اور فہم سے بعید ہوتے ہیں کیونکہ وہ قلیل الاستعمال ہوتے ہیں اور یہ اہم فن ہے محدثین کا اس سے جاہل رہنا خصوصاً اور دیگر اہل علم کا عموماً قبیح ترین فعل ہے مگر اس میں دخل دینا بھی آسان کام نہیں ہے

اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ :۔

غریب الحدیث ھو ما وقع فی متن الحدیث من لفظۃ غامضۃ بعیدۃ من الفھم لقلۃ استعمالھا وھو فن مھم والخوض فیہ صعب فلیتحر خائضہ الخ (تقریب النواوی مع تدریب الراوی ص۳۷۵ طبع مصر)

غریب الحدیث اس کو کہتے ہیں کہ متن حدیث میں کوئی مشکل اور بعید از فہم لفظ واقع ہو کیونکہ اس کا استعمال کم ہوا ہے اور یہ اہم فن ہے اور اس میں خوض اور دخل دینا بہت مشکل ہے سو اس میں خوض کرنے والے کو محنت اور کوشش کرنی چاہیئے۔

چونکہ یہ فن بڑا مشکل ہے اور ہر کہ ومہ کی اس تک رسائی نہیں ہوسکتی اس لیے حضرت امام مالکؒ امام عبدالرزاقؒ اور امام ابو یوسفؒ وغیرہ نے اس میں دخل دینے سے منع کیا ہے تاکہ نااہل لوگ اس میں دخل دینے پر جری نہ ہو جائیں اور ایسے غریب اور مشکل الفاظ صحیح حدیثوں میں بھی اکثر آجاتے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس حدیث پر لفظ غریب بولا گیا وہ صحت کے معیار ہی سے گر گئی اور ضعیف ہوگئی جیسا کہ نہایت ہی سطحی قسم کے لوگوں نے سوء فہم سے یہ سمجھ رکھا ہے اور من صلی عنی قابری الحدیث اس معنی میں غریب نہیں ہے کیونکہ اس کے متن میں کوئی ایسا لفظ واقع نہیں جو بعید از فہم اور مشکل ہو پھر اس حدیث کو غریب الحدیث کی مد میں لے جانا اور پھر اس کو ضعیف قرار دینا اہل علم کی شان سے بالکل بعید ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ہاں البتہ حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ نے جن غرائب کا ذکر کیا ہے وہ ایسی غریب حدیثیں ہیں جن کی سند میں کوئی راوی منفرد ہو اور ایسی احادیث کے لکھنے سے انہوں نے منع فرمایا ہے اور وجہ یہ بیان کی کہ وہ اکثر ضعیف راویوں سے مروی ہوتی ہیں اور منکر ہوتی ہیں، اکثر غرائب بڑے شوق سے مناکیر اور ضعفاء سے مروی ہوں یہ دعوٰی ہم نے کب کیا ہے کہ ہر غریب حدیث صحیح ہوتی ہے اور امام احمدؒ بن حنبلؒ نے بھی یہ دعوٰی کب کیا ہے کہ تمام غرائب منکر اور ضعیف ہوتی ہیں ان کا دعوٰی بھی تو یہی ہے کہ ان میں اکثر ضعیف ہوتی ہیں ہاں ان میں صحیح بھی ہیں اور لفظ عامتها اس کا واضح قرینہ ہے۔

امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ:-

ثم ان الغريب ينقسم الى صحيح كالافراد المخرجة فى الصحيح والى غير صحيح وذلك هو الغالب على الغرائب اھ (مقدمہ ۲۴۴)	پھر غریب کی دو قسمیں ہیں ایک صحیح جیسے ان منفرد راویوں کی حدیثیں جن کی صحیح میں تخریج کی گئی ہے اور دوسری غیر صحیح اور غرائب پر یہی غالب ہے۔

اس عبارت سے بھی واضح ہوا کہ تمام غرائب غیر صحیح نہیں ہیں بلکہ ان میں صحیح بھی ہیں اور امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ:-

وينقسم الى صحيح وغيره وهو الغالب اھ (تقریب النواوی ص۳۷۶)	کہ غریب کی دو قسمیں ہیں ایک صحیح اور دوسری غیر صحیح اور غالب یہی ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ غریب حدیثیں صحیح بھی ہوتی ہیں اور امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ

بخاری کی پہلی حدیث انما الاعمال بالنیات غریب ہے فان اسنادہ متصف بالغرابۃ الخ (مقدمہ ابن الصلاح ص۲۴۵) اس کی سند غرابت سے متصف ہے۔

تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ یہ ضعیف ہے؟ اور بخاری اور مسلم میں متعدد روایتیں اس لحاظ سے غریب ہیں کہ ان میں کہیں راوی منفرد ہوتا ہے مگر ہیں وہ صحیح اور ترمذی شریف میں متعدد مقامات پر آتا ہے ھذا حدیث حسن غریب حسن صحیح غریب (مزید تشریح شرح نخبۃ الفکر ص۳۵ اور توجیہ النظر ص۱۶۱ وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں) اگر غرابت صحت کے منافی ہوتی تو یہ حسن اور صحیح کے ساتھ کیسے جمع ہوگئی؟ محض غریب غریب کہہ کر پوری اُمت مسلمہ کی مخالفت کرکے اس جید اور صحیح حدیث کو ضعیف قرار دینا کوئی دینی اور علمی خدمت نہیں ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ان الغرابۃ لاتنافی الصحۃ ویجوزان یکون الحدیث صحیحا غریبا (مقدمۂ مشکوٰۃ ص۳ طبع اصح المطابع دھلی) بلاشک غرابت صحت کے منافی نہیں ہے اور جائز ہے کہ حدیث صحیح غریب ہو۔

اور مؤلف ندائے حق ص۱۸۴ میں لکھتے ہیں کہ اور نری وحدت راوی مضر نہیں اور نہ یہ جرح ہے وحدۃ الراوی لیس بجرح عندنا (فواتح الرحموت ج۲ ص۲۴۵)

الغرض اس روایت پر اصول حدیث کے رُو سے کوئی ایسا اعتراض وارد نہیں ہوا جو اس کی صحت اور اس کے قابل احتجاج ہونے پر اثر انداز ہو یہی وجہ ہے کہ ساری اُمت اس کے مفہوم پر متفق ہے۔

نوٹ ضروری:۔ اسی مضمون کی روایت حضرت ابوہریرہؓ سے امام بیہقیؒ وغیرہ نے روایت کی ہے لیکن اس کی سند میں محمد بن مروان السدی الصغیر ہے جو ضعیف لیس بشئ غیر ثقہ، کذاب ذاھب الحدیث، متروک الحدیث اور وضاع ہے (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج۹ ص۴۳۶ وغیرہ) اور حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ففی اسنادہ نظر تفرد بہ محمد بن مروان اس کی سند میں کلام ہے کیونکہ اس میں محمد بن

السدی الصغیر وھو متروک الخ (تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۵۱۵) — مروان السدی الصغیر متفرد ہے اور وہ متروک ہے

لیکن جمہور اہل السنت والجماعت کا استدلال ابو الشیخ رحؒ کی سند سے ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے اور جس کو حافظ ابن حجرؒ اور امام السخاویؒ وغیرہ محدثین بسندٍ جیّد فرماتے ہیں جمہور کا مستدل سُدی والی روایت سے نہیں ہے اس لیے اہل علم اور دیانت دار آدمی کا ہرگز یہ کام نہیں کہ خلط مبحث کرے اور ایسے صریح فرق کو نظر انداز کر دے۔

فنّی کوتاہ فہمی

بسا اوقات محدثین کرامؒ فنّی طور پر بعض اسانید پر کلام کرتے ہیں لیکن ان کے متون سے جو مسائل اور احکام ثابت ہوتے ہیں وہ کثرت شواہد اور تعامل امت اور اس کی تلقّی بالقبول کی وجہ سے ان کو معمول بہ قرار دیتے ہیں اسی طرح حدیث من صلّی علیّ عند قبری الحدیث (کی اس سند پر جس میں محمد بن مروان السدّی ہے۔ مگر ہمارا استدلال اس سے نہیں ہے ہمارا مستدل تو ابو الشیخ رحؒ کی سند ہے) پر فنّی اور روایتی لحاظ سے بعض اکابر علماء نے کلام کیا ہے لیکن باین ہمہ دیگر احادیث کی تائید اور امت کے تعامل سے وہ اس سے ثابت حکم کو معمول بہ قرار دیتے ہیں چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وقد روی ابن ابی شیبۃ والدارقطنی عنہ من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلّی علیّ نائیًا ابلغتہ وفی اسنادہ لین لکن لہ شواھد ثابتۃ فان ابلاغ الصلٰوۃ والسلام علیہ من البعد قد رواہ اھل السنن من غیر وجہ الخ

ابن ابی شیبہؒ اور دارقطنیؒ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر میری قبر کے پاس (صلوٰۃ و سلام کہا تو میں خود سُنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا تو وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے اس کی سند کمزور ہے لیکن اس کے کئی شواہد ثابت ہیں کیونکہ دُور سے آپؐ کو صلوٰۃ و سلام

لہ ماہنامہ تعلیم القرآن ص۳۸ اکتوبر ۱۹۶۰ء میں ہے کہ اس حدیث کی جو سند سدی صغیر پر مشتمل ہے اس کو بوجہ راوی مذکور کے کمزور کہا جائے گا اور جس سند میں یہ راوی نہیں ہے وہ کمزور نہیں ہے اور حدیث ہذا کی دوسری سند بھی ہے جس کے صحیح ہونے کی تصریح کرتے ہیں چنانچہ ملا علی القاری الحنفی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں قال میرک نقلاً عن الشیخ ورواہ ابو الشیخ وابن حبان فی کتاب ثواب الاعمال بسندٍ جید۔

(فتاوی ابن تیمیہؒ جلد ۱ طبع ۳۶ و طبع جدید جلد ۲۷ ص ۱۱۶) پہنچانے کی روایت متعدد طرق سے اہل السنن نے بیان کی ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ علمی طور پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سند کے لحاظ سے اگرچہ یہ روایت کمزور ہے لیکن اپنے شواہد کی تائید سے یہ روایت قابلِ اعتبار و عمل ہے اور علامہ ابن عبد الہادیؒ لکھتے ہیں کہ

فاما ذلك الحديث وان كان معناه صحيحاً فاسناده لا يحتج به وانما يثبت معناه باحاديث أُخر فانه لا يعرف إلا من حديث محمد بن مروان السدي الصغير عن الاعمش كما ظنه البيهقيؒ وما ظنه في هذا هو متفق عليه عند اهل المعرفة وهو عندهم موضوع على الاعمش الخ (الصارم المنكي ص ۱۳۱)

بہرحال یہ حدیث اگرچہ اس کا معنی صحیح ہے لیکن اس کی سند قابلِ احتجاج نہیں ہے البتہ اس کا معنی دوسری احادیث کی روشنی میں ثابت ہے یہ روایت اعمشؒ سے محمد بن مروان السدی الصغیر کے طریق ہی سے معروف ہے جیسا کہ بیہقیؒ نے خیال کیا ہے اور ان کا خیال اس فن کی معرفت رکھنے والوں کے ہاں اتفاقی امر ہے اور یہ ان کے نزدیک (بطریق محمد بن مروان عن الاعمشؒ) اعمشؒ پر موضوع ہے۔

اور نیز لکھتے ہیں کہ یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر موضوع ہے نہ تو یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کی اور نہ ابو صالحؒ اور اعمشؒ نے اور محمد بن مروان السدی متھم بالکذب والوضع ہے اور نیز فرماتے ہیں کہ بعض نے یہ روایت ابومعاویہ عن الاعمشؒ کے طریق سے بیان کی ہے اور یہ کھلی غلطی ہے اس حدیث میں محمد بن مروان ہی منفرد ہے اور وہ متروک الحدیث اور متھم بالکذب ہے۔ ملاحظہ کیجئے کہ علامہ ابن عبد الہادیؒ نے اس روایت کو سند کے لحاظ سے گرانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور محمد بن مروان عن الاعمش کے طریق کو موضوع تک کہتے ہیں (اور اسی ادھوری بات کو مؤلف ندائے حق نے پلّے باندھ رکھا ہے) لیکن دوسری احادیث کی روشنی میں وہ اس کے معنی اور مدلول کو صحیح کہتے ہیں اور اس کا معنی صحیح تسلیم کرتے ہوئے وہ خود لکھتے ہیں کہ

وهو صلى الله تعالى عليه وسلم يسمع السلام من القبر و تبلغه الملئكة

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر کے پاس سے سلام خود سنتے ہیں اور دور سے فرشتے آپ

الصلوٰۃ والسلام من البعد اھ — کو صلوٰۃ وسلام پہنچاتے ہیں۔

(الصارم المنکی ص۲۸۲)

اور تصریح فرماتے ہیں کہ آپؐ صرف عند القبر صلوٰۃ وسلام سننے ہی نہیں بلکہ جواب بھی دیتے ہیں چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

واما من صلی علیہ عند قبرہ فانہ یرد علیہ (الصارم المنکی ص۱۶۵) — جو شخص عند القبر آپ کو سلام کہتا ہے آپ اس کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

اور نیز لکھتے ہیں کہ

واما من سلم علیہ عند قبرہ فانہ یرد علیہ وذالک کالسلام علی سائر المؤمنین لیس ہو من خصائصہ الخ (الصارم المنکی ص۱۳۱) — بہر حال جس نے آپؐ پر عند القبر سلام کہا تو آپ اس کا جواب دیتے ہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سب مومن سلام کا جواب دیتے ہیں یہ صرف آپؐ ہی کی خصوصیت نہیں ہے۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ موصوفؒ فنی طور پر اس حدیث کی سند پر کلام کرنے کے باوجود اصل مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں رکھتے اور عند القبر آپؐ کے صلوٰۃ وسلام سننے اور جواب دینے کے وہ اسی طرح قائل ہیں جیسے دیگر علماء، قلت قاضی شوکانیؒ ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ

ثم حکم ابن عبد البرؒ مع ذالک بصحتہ لتلقی العلماء لہٗ بالقبول فردہٗ من حیث الاسناد وقبلہٗ من حیث المعنی الخ (نیل الاوطار ج۱ ص۲۴) — پھر باوجود اس کے ابن عبد البرؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ علماء نے اس کو قبول کیا ہے سو ابن عبد البرؒ نے اس روایت کو سند کے لحاظ سے رد کیا ہے اور معنی کے لحاظ سے قبول کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی ضعیف حدیث کے شواہد موجود ہوں یا علماء امت نے اس کو قبول کر کے اس پر تعامل کیا ہو تو وہ حدیث باوجود کمزور ہونے کے قابلِ عمل ہوتی ہے حافظ ابن القیمؒ اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کی اس سلسلہ میں بعض عبارتیں ہم نے سماع الموتی میں عرض کر دی ہیں ان کو وہیں ملاحظہ فرمائیں اس بحث کو پیش نظر رکھنے کے

بعد مؤلف ندائے حق کا صنے۱۳۷ میں یہ لکھنا کہ پھر اجلہ محدثین کا اس حدیث کی سند پر جرح کرنا ہی دلیل ہے اس حدیث کے غیر معمول بہ ہونے کے الخ سراسر مردود ہے اور بالکل قابلِ التفات ہی نہیں ہے۔

فائدہ علامہ ابن عبدالہادیؒ کی تحقیق میں یہ روایت صرف محمد بن مروان عن الاعمش کی سند ہی سے معروف ہے اور بقول ان کے یہ سند موضوع بھی ہے لیکن بایں ہمہ وہ اس کے معنی کو صحیح کہتے ہیں جیسا کہ آپ نے خود انہی کی عبارات سے یہ حقیقت ملاحظہ کرلی ہے برخلاف اس کے ہمارا اور جمہور کا مستدل ہرگز یہ سند نہیں ہے بلکہ ہمارا استدلال ابوالشیخؒ کی سند سے ہے۔ مؤلف ندائے حق نے صنے۱۸۴ تا صنے۱۹۰ تک بلاوجہ محض تک بندی سے اور پٹواریوں کی طرح نقشہ نویسی سے اس کو ناقابلِ اعتبار بنانے کی بے جا سعی کی ہے مگر اس سے کیا حاصل ؟ ابوالشیخؒ کی سند اصول حدیث کے رو سے جید ہے اور امت مرحومہ کے تعامل کی وجہ سے معمول بہ ہے لاریب فیہ اگر علامہ ابن عبدالہادیؒ کو اس سند کا علم نہیں تو کیا مضائقہ ہے انہی کے استاد بھائی وسیع النظر محقق عالم حافظ ابن القیمؒ اور حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانیؒ اور امام سخاویؒ وغیرہ کو (جو علم حدیث میں مسلّم شخصیتیں ہیں) اس کا علم ہے اور اصول حدیث کا مسئلہ ہے (من عرف حجۃ علی من لم یعرف)

الغرض علامہ ابن عبدالہادیؒ کے محمد بن مروان عن الاعمش کے طریق پر کلام کرنے بلکہ اسے موضوع کہنے سے ابوالشیخؒ کی سند پر قطعاً کوئی زد نہیں پڑتی جیسا کہ اہل علم اور ارباب انصاف پر یہ ظاہر ہے۔ خود علامہ ابن عبدالہادیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ

"والعلماء المتنازعون کل منهم یحتج بدلیل شرعی ویکون عند بعضهم من العلم ما لیس عند الآخر فان العلماء ورثة الانبیاء قال الله تعالیٰ وداود وسلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیه غنم القوم وکنا لحکمهم شاهدین

اور علماء جو آپس میں اختلاف کرتے ہیں ان میں سے ہر ایک شرعی دلیل سے احتجاج کرتا ہے کیونکہ بعض کے پاس وہ علم ہوتا ہے جو دوسرے کے پاس نہیں ہوتا بلاشبہ علماء حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے داؤد اور سلیمان نے کھیتی کے بارے جس وقت فیصلہ کیا جب رات کے

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (پ۱۷)

وقت اس میں قوم کی بکریاں جا پڑیں اور ہم ان کے فیصلہ پر گواہ تھے اور ہم نے فیصلہ کی بات سلیمان کو سمجھا دی اور ہر ایک کو ہم نے حکم اور علم دیا۔

علامہ ابن عبد الہادیؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک چیز کا علم تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام کو نہ تھا اور علماء حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں اور ان کے علم کا بھی یہی حال ہے۔

ساتویں دلیل

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ

سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول والذی نفس ابی القاسم بیدہ لینزلن عیسی بن مریم اماما مقسطا وحکما عدلا فلیکسرن الصلیب ولیقتلن الخنزیر ولیصلحن ذات البین ولیذھبن الشحناء ولیعرضن المال فلا یقبلہ احد ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنہ قلت ھو فی الصحیح (بخاری ص۴۹۰ ج۱) باختصار رواہ ابو یعلی ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ص۲۱۱ ج۸)

میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا آپؐ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں ابو القاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جان ہے البتہ ضرور حضرت عیسٰی بن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے امام منصف اور حاکم عادل ہو کر سو البتہ ضرور صلیب توڑیں گے اور البتہ خنزیر کو قتل کریں گے اور البتہ ضرور لوگوں کے آپس کے معاملات درست کر دیں گے اور البتہ ضرور مال پیش کریں گے تو کوئی اس کو نہ لے گا۔ پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر کہیں گے اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو میں ضرور ان کو جواب دوں گا۔ یہ روایت اختصار کے ساتھ صحیح (بخاری ص۴۹۰ ج۱) میں ہے اس کو محدث ابو یعلیٰؒ نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

واضح بات ہے کہ صحیح بخاری میں کوئی ایسا راوی نہیں جو ضعیف ہو اور اسکی حدیث

صحیح اور حجت نہ ہو، ضرورت تو نہیں مگر صرف بطور شاہد کے حضرت ابوہریرہؓ کی ایک اور روایت بھی ملاحظہ کر لیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

لیھبطن عیسٰی بن مریم حکماً وامامًا مقسطا ولیسلکن فجًا حاجًا او معتمرًا ولیاتین قبری حتّٰی یسلم علیّ ولاردن علیہ (الجامع الصغیر ص ۱۴۰ ج ۲ وقال صحیح)

البتہ ضرور حضرت عیسٰی بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام نازل ہوں گے منصف اور امام عادل ہو کر اور البتہ وہ ضرور فج (جگہ کا نام ہے) کے رستے پر حج یا عمرہ کے لیے جائیں گے اور بلاشبہ وہ میری قبر پر آئیں گے حتّٰی کہ وہ مجھے سلام کہیں گے اور بلاشک میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔

اور یہ روایت مستدرک ص ۵۹۵ ج ۲ اور الدر المنثور ص ۲۴۵ ج ۲ میں بھی ہے۔ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت قبر مبارک میں جو اب ہے وہی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نزول کے وقت بھی ہوگی بالفاظ دیگر اُس وقت آپ کی قبر مبارک میں آپ پر کوئی نئی حالت طاری نہیں ہوگی جو مثلاً اب نہیں ہے اور اس تفریق پر کوئی شرعی دلیل بھی قائم نہیں ہے سو اگر اُس وقت آپ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا سلام سُنیں گے اور اس کا جواب دیں گے تو اس وقت بھی یہ ممکن بلکہ واقع ہے اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ عرض سلام اور اس کا جواب آپ کی ذات گرامی سے وابستہ ہے جو جسم مع الروح کا نام ہے، نہ صرف جسم سے اور نہ تنہا روح سے۔ اس صحیح روایت سے بھی معلوم ہوا کہ عند القبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صلوٰۃ وسلام کا سماع متحقق ہے اور آپ کا جواب دینا بھی ثابت ہے اور اس کا انکار صحیح حدیث کا انکار ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نزول متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

تمام اہل اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو زندہ آسمان کی طرف اُٹھایا گیا ہے اور قرب قیامت وہ آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے، دجال لعین کو قتل کریں گے اور یہود و دیگر کفار سے جہاد کریں گے اور زمین پر قرآن وحدیث کی حکومت جاری فرمائیں گے حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھالیں تو وہ اپنے صحابہ کی طرف نکلے الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۷۴) اور اس کی

سند صحیح ہے (تفسیر ابن کثیر ج۱ ص۵۷۵) اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری کیسی (اچھی) حالت ہوگی جب کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام تم میں آسمان سے نازل ہوں گے (کتاب الاسماء والصفات ص۳۰۱، للبیہقیؒ طبع الہ آباد) اور من السماء کے الفاظ (مجمع الزوائد ج۷ ص۳۴۹ اور کنزل العمال ج۷ ص۲۶۸ اور منتخب کنز برحاشیہ مسند احمد ج۶ ص۵۶ میں بھی موجود ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد زمین میں چالیس سال رہیں گے (ابوداؤد طیالسی ص۳۳۱ و مستدرک ج۲ ص۳۳۵)

امام ابن عطیہؒ فرماتے ہیں کہ امت مسلمہ کا اس امر پر اجماع ہے جس کی بنیاد متواتر احادیث پر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور آخر زمانہ میں نازل ہوں گے (تفسیر بحر محیط ج۲ ص۴۷۳) امام ابوالحسن الاشعریؒ فرماتے ہیں کہ امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا ہے (کتاب الابانہ عن اصول الدیانہ ص۴۶ طبع حیدرآباد دکن) امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور ان کی نبوت کی نفی کفر ہے (الحاوی للفتاوی ج۲ ص۱۶۶) حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر احادیث (تقریباً نو صحابہ کرامؓ کی روایتوں کا حوالہ بھی دیا ہے) سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ وہ شام میں دمشق کے اندر سفید مشرقی مینار پر صبح کی نماز کے وقت نازل ہوں گے (محصلہ تفسیر ج۱ ص۵۸۲)

نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخر زمانہ میں نازل ہونا متواتر احادیث سے ثابت ہے (فتح البیان ج۲ ص۳۴۴)

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر کسی اور نبی کے آنے کا قائل ہو تو اس کے کفر میں دو آدمیوں نے بھی شک نہیں کیا کیونکہ ان میں سے ہر ایک امر میں سب پر حجت قائم ہو چکی ہے (الملل والنحل ج۳ ص۱۳۹)

الغرض حضرت عیسٰی علیہ السلام کا رفع اور پھر نزول تواتر اور قطعیت سے ثابت ہے جو اس کا انکار یا تاویل کرے وہ کافر ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا فیصلہ

مسلمانوں کے جملہ فرقے خواہ وہ کسی بھی مکتب فکر سے تعلق ہیں اس بات پر متفق ہیں اور ان کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں اور قیامت سے قبل ضرور نازل ہوں گے اور اس بات کو مرزا قادیانی بھی ماننے پر مجبور ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ یہ امر پوشیدہ نہیں کہ مسیح بن مریم کے آنے کی پیشگوئی ایک اوّل درجہ کی پیشگوئی ہے جس کو سب نے باتفاق قبول کر لیا ہے تواتر کا اوّل درجہ اس کو حاصل ہے (ازالہ اوہام ص۵۵۷) اور نیز لکھا ہے کہ مثلاً صحیح مسلم کی حدیث میں یہ لفظ موجود ہے کہ حضرت مسیح جب آسمان سے اتریں گے تو ان کا لباس زرد رنگ کا ہوگا (ازالہ اوہام ص۹۲۷) الحاصل حضرت عیسٰی علیہ السلام کی آمد اور آسمان سے نزول کا اقرار قادیانی دجال کو بھی ہے۔

باب ہفتم

عند القبر سماع کے بارے میں علماء اسلام کا نظریہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع کے بارے میں متعدد حوالے پہلے عرض کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے اعادہ کی حاجت نہیں ہے جو حوالے پہلے مذکور نہیں ہیں ان میں سے بعض کا بیان سن لیجئے۔

علامہ مناویؒ حدیث من صلّی علیّ الحدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلّی علیّ نائیا ای بعید ا ابلغتہ ای اخبرت بہ من احد من الملٰئکۃ وذٰلک لان لروحہ تعلقا بمقر بدنہ الشریف وحرام علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء اھ

(فیض القدیر ج ۶ ص ۱۷۰ طبع مصر)

جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا تو میرے پاس وہ پہنچایا جاتا ہے یعنی کسی فرشتہ کے ذریعہ مجھے اس کی خبر دی جاتی ہے اور یہ اس لیے کہ آپ کی روح مبارک کا آپ کے بدن شریف سے تعلق ہے اور زمین پر پیغمبروں کے جسم حرام کر دیئے گئے ہیں۔

اور کم وبیش یہی عبارت اس مقام پر علامہ عزیزیؒ کی ہے (السراج المنیر ج ۳ ص ۳۷۰)

علامہ مناویؒ کو اس مقام پر ایک صریح مغالطہ ہوا ہے وہ یہ کہ ان کو ابو الشیخؒ کی سند کا علم نہیں ہے اور سدی کی سند کے پیش نظر انہوں نے اس پر کلام کیا ہے سدی واقعی نامعتبر ہے

لیکن مدار ابو الشیخ کی سند پر ہے۔ کما مر مفصلاً اور حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ

من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ای سماعا حقیقیا بلا واسطۃ اھ (مرقات ج۲ ص۱۰ و نحوہ فی شرح الشفاء ج۳ ص۵۱)

جس شخص نے مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں خود اس کو سنتا ہوں یعنی حقیقی طور پر فرشتوں کے توسط کے بغیر میں خود سنتا ہوں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ سماع صلوٰۃ وسلام کا مسئلہ کوئی کنایہ یا رمز نہیں بلکہ حقیقی سماع پر محمول ہے۔ حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غور غشتویؒ (المتوفی ۱۳۸۶ھ) اپنے حاشیہ مشکوٰۃ ص۸۷ میں سمعتہ کی شرح میں لکھتے ہیں سمعاً حقیقیا بلا واسطۃ اور لفظ نائیاً کی شرح میں لکھتے ہیں ای بعیدًا۔

علامہ السید احمد طحطاوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۳۳ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

فانہ یسمعھا ای اذا کانت بالقرب منہ صلی اللہ علیہ وسلم وتبلغہ الیہ ای یبلغھا الملک الیہ اذا کان المصلی بعیدًا۔ (طحطاوی ص۳۰۵ طبع مصر)

بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود شریف سنتے ہیں جب کہ آپ کے قریب پڑھا جائے اور فرشتہ آپ کو پہنچاتا ہے جب کہ درود پڑھنے والا دور سے پڑھتا ہو۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول پر صراحت سے دلالت کرتی ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو آپ بنفس نفیس خود سنتے ہیں اور دور سے پہنچایا جاتا ہے۔

علامہ شہاب الدین احمد الخفاجیؒ (المتوفی ۱۰۶۹ھ) دعاء کا لفظ استعمال کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ

لانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حی فی قبرہ یسمع دعاء زائرہ الخ (نسیم الریاض ج۳ ص۳۹۸)

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اپنے زیارت کرنے والے کی دعا سنتے ہیں۔

لہٰذا ہر دعا کے عام لفظ سے صلوٰۃ وسلام کے علاوہ دعا متبادر ہے۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

استعانت کے تین معنی ہیں، ایک یہ کہ حق تعالیٰ سے دعا کرے کہ بحرمت فلاں میرا کام کردے یہ بالاتفاق جائز ہے خواہ عند القبر ہو خواہ دوسری جگہ اس میں کسی کو کلام نہیں، دوسرے یہ کہ صاحبِ قبر سے کہے کہ تم میرا کام کردو یہ شرک ہے خواہ قبر کے پاس کہے خواہ قبر سے دور کہے الخ بعض روایات میں جو آیا ہے اَعِيْنُوْنِيْ عِبَادَ اللهِ تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں بلکہ عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں، ان سے طلبِ اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے تو وہ اس باب سے نہیں ہے، اس سے حجتِ جواز پر لانا جہل ہے معنی حدیث سے تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جاکر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کردیوے اس میں علماء کا اختلاف ہے مجوّز سماع موتی اس کے جواز کے مُقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں، اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی دلیل ہے اھ (فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹ و ۱۰۰ طبع جید برقی پریس دھلی) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

اور تفصیل یہ ہے کہ استمداد تین قسم ہے ایک یہ کہ اہل قبور سے مدد چاہے اس کو سب فقہاء نے ناجائز لکھا ہے۔ دوسرے یہ کہ کہے اے فلاں خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ فلاں کام میرا پورا ہوجائے یہ مبنی اوپر مسئلہ سماع کے ہے جو سماع موتیٰ کے قائل ہیں، ان کے نزدیک درست دوسروں کے نزدیک ناجائز اسی کو شیخ (عبد الحق محدث دہلوی) نے لکھا ہے کہ وان الا ستمداد باھل القبور الیٰ قولہ فقد انکرہ کثیر من الفقھاء الخ انبیاء (علیہم السلام) کو اسی وجہ سے مستثنیٰ کیا کہ ان کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں تیسرے یہ کہ دعا مانگے الٰہی بحرمتِ فلاں میرا کام پورا کردے یہ بالاتفاق جائز ہے اور تمام شجروں میں موجود ہے اھ

(فتاوی ج ۲ ص ۸)

قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہیؒ کا یہ ارشاد کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں بڑی موزنی بات کی ہے۔

علامہ ابن عبد الهادیؒ اس پر خاصی بحث کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبر شریف کے قریب سے تو آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں لیکن قبر مبارک سے دور باقی مسجد نبوی میں جو سلام پڑھا جاتا ہے وہ آپ خود نہیں سنتے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی نماز میں یا مسجد میں داخل یا اس سے خارج وقت پڑھے۔ (الصارم المنکی ص۹۵)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیئے مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں (تذکرۃ الخلیل ص۳۶)

حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: بروایت حضرت انسؓ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سن لیتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچائی جاتی ہے یعنی بذریعہ فرشتوں کے اھ (نشر الطیب ص۲۱۱) اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ سلام کا سننا نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ (اور) سلام کا جواب دینا یہ تو دائماً ثابت ہیں (ایضاً ص۲۱۳)

ان تمام اقتباسات سے یہ امر روشن ہوگیا ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھے تو اس کو آپ خود بنفس نفیس سنتے ہیں اور دور سے فرشتے پہنچاتے ہیں اور حضرت گنگوہیؒ کی عبارت سے یہ بات بھی واضح ہوگئی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں جو شخص اس کا منکر ہو وہ اجماع کا منکر ہے اور منکر اجماع کے لیے جو وعیدیں وارد ہوئی ہیں وہ سب بلا شبہ اس شخص پر چسپاں ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی عبارت میں چار مسئلوں کا خصوصیت سے ذکر ہے اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں بھی کچھ تحقیق سپرد قلم کردی جائے ایک تو یہ کہ فقہاء کرامؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے اور دوسرا مسئلہ توسل اور حرمت کا ہے اور تیسرا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ عام موتیٰ کے عند القبر سماع یا عدم سماع کا مسئلہ ہے اور چوتھا استمداد باھل القبور کا ہے

قیامت کے دن شفاعت

شفاعت کا مسئلہ قرآن و حدیث اور کتب عقائد میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس کی کئی اقسام ہیں ایک شفاعت کبریٰ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن تمام امتوں کے لئے تعجیل حساب کے سلسلہ میں کریں گے اس کے علاوہ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ کی شفاعت عمومی بھی حق ہے اور اسی طرح شہداء حفاظ قرآن اولیاء عظامؒ اور جو بچے نابالغ فوت ہو چکے ہوں بشرطیکہ ماں باپ نے ان پر نوحہ نہ کیا ہو ان کی شفاعت بھی حق ہے اور اہل اسلام کا کوئی قابل قدر فرقہ ایسا نہیں جو اس کا انکار کرتا ہو، یہ مسئلہ چونکہ دلائل قطعیہ صریحہ سے ثابت ہے اس لیے اس کے لیے دلائل پیش کرنا غیر ضروری ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے جس شفاعت کا ذکر کیا ہے وہ آگے آ رہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر شفاعت کی درخواست جائز ہے

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا علم تواتر سے ثابت ہے اس لیے آپ کی قبر شریف کے پاس حاضر ہو کر یہ کہنا کہ حضرت آپ میری مغفرت کی شفاعت فرمائیں جائز اور درست ہے اور یہ صرف حضرات متأخرین ہی کی ایجاد نہیں ہے جیسا کہ بعض خام خیال لوگوں کا بے بنیاد وہم ہے بلکہ اس کا ثبوت حضرات صحابہ کرامؓ سے اور ان کے ایک گونہ اجماع اور حضرت عمرؓ کی تائید اور تصویب سے ہے۔ چنانچہ علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں۔

وقد یکون التوسل بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد الوفاۃ بمعنی طلب ان یدعو کما کان فی حیاتہ وذٰلک فیما رواہ البیھقیؒ من طریق الاعمش عن ابی صالح عن مالک الدارؓ ورواہ ابن ابی شیبۃ بسند صحیح عن مالک الدار قال اصاب الناس قحط فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجاء رجل الی

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات کے بعد توسل کبھی اس معنی میں ہوتا ہے کہ آپ سے دعا طلب کرے جیسا کہ آپ کی حیات میں تھا اور یہ جیسا کہ امام بیہقیؒ نے بطریق اعمش عن ابی صالح عن مالک الدار روایت نقل کی ہے اور ابن ابی شیبہؒ نے اس کو صحیح سند کے ساتھ مالک الدارؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس گیا اور اس نے کہا،

قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ استسق اللہ تعالیٰ لامتك فانهم قد هلكوا فاتاه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی المنام فقال ائت عمرؓ فاقرأه السلام واخبره انهم مسقون وقل له علیك الكیس الكیس فاتی الرجل عمر رضی الله تعالیٰ عنه فاخبره فبكی عمر رضی الله تعالیٰ عنه ثم قال یا رب ما آلو الا ما عجزت عنه وروی سیف فی الفتوح ان الذی رأی المنام المذكور بلال بن الحارث المزنی احد الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم ومحل الاستشهاد طلب الاستسقاء منه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وهو فی البرزخ ودعائه لربه فی هذه الحالة غیر ممتنع وعلمه بسوال من یسأله قد ورد فلا مانع من سوال الاستسقاء وغیره منه كما كان فی الدنیا۔

یارسول اللہ۔ اللہ تعالیٰ سے اپنی اُمتوں کے لیے بارش طلب فرمائیں کیونکہ وہ ہلاک ہو چلے ہیں، تو خواب میں اس شخص سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ملاقات کی اور فرمایا کہ تو عمرؓ کے پاس جا اور اس کو سلام کہہ اور اس کو خبر دے کہ اُن پر بارش نازل کی جائے گی اور عمرؓ سے کہہ دے کہ دانائی پر قائم رہے دانائی پر قائم رہے تو وہ شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی تو حضرت عمرؓ رو پڑے پھر فرمایا اے میرے رب میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی مگر جس امر سے میں عاجز ہو گیا۔ علامہ سیفؒ نے اپنی کتاب فتوح میں ذکر کیا ہے کہ جس شخص نے خواب دیکھا تھا وہ حضرت بلال بن الحارث المزنیؓ صحابی تھے اور اس سے استدلال یوں ہے کہ آپؐ برزخ (اور قبر) میں تھے کہ آپؐ سے بارش طلب کرنے کی دعا کی التجاء ہوئی اور اس حالت میں آپؐ کا رب تعالیٰ سے دعا کرنا کوئی ممتنع امر نہیں ہے اور سوال کرنے والے کے سوال کے علم کے بارے میں دلیل وارد ہوئی ہے لہذا آپؐ سے بارش وغیرہ کے طلب کرنے کے سوال میں کوئی مانع نہیں ہے جیسا کہ آپؐ سے دُنیا میں ایسا سوال کیا جاتا تھا

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۱ ج۱۲ - استیعاب ص۴۶۴ ج۲ ، اصابہ ص۴۸۴ ج۳ - وفاء الوفاء ص۱۳۷۱ ج۲)

یہ واقعہ علامہ علی بن عبد الکافی السبکیؒ نے امام بیہقیؒ کی کتاب دلائل النبوۃ سے پوری سند کے ساتھ نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو شفاء السقام ص۱۳۰) اور حافظ ابن کثیرؒ نے بھی یہ

واقعہ امام بیہقیؒ کی پوری سند کے ساتھ نقل فرمایا ہے اور آخر میں لکھتے ہیں وھذا اسناد صحیح۔ (البدایہ والنہایہ ج۷ ص۹۲) اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ

رواہ ابن ابی شیبۃ باسناد صحیح من روایۃ ابی صالح السمان اھ (فتح الباری ج۲ ص۴۱۵) — اس کو ابن ابی شیبہؒ نے صحیح سند کے ساتھ ابو صالح السمان سے روایت کیا ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی سند کے رواۃ یہ ہیں:۔

(۱) امام ابوبکر عبداللہ بن محمدؒ بن ابی شیبہؒ المتوفی ۲۳۵ھ الحافظ عدیم النظیر الثبت النحریرؒ ثقہ حافظ اور متقن تھے (تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۱۸ و ۱۹ محصلہ)

(۲) ابو معاویہ محمدؒ بن خازمؒ المتوفی ۱۹۵ھ الحافظ الثبت اور محدّث الکوفہ تھے (تذکرہ ج۱ ص۲۷۱) ان پر بعض محدثین نے اضطراب کا الزام لگایا ہے لیکن علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ دیضطرب فی غیر حدیث الاعمش (تذکرہ ج۱ ص۲۷۱) کہ امام اعمشؒ کے علاوہ اور حضرات سے روایت کرنے میں یہ اضطراب کرتے ہیں اور یہ روایت حضرت اعمشؒ سے ہے۔

(۳) اعمشؒ المتوفی ۱۴۸ھ الحافظ الثقہ اور شیخ الاسلام تھے (تذکرہ ج۱ ص۱۴۵)

(۴) ابو صالح ذکوان السمان الزیات المتوفی ۱۰۱ھ حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ثقہ من اجل الناس واوثقھم (یعنی جلیل القدر اور ثقہ لوگوں میں شمار تھے (تذکرہ ج۱ ص۸۳)

(۵) حضرت مالک الدارؓ کو علامہ ذہبیؒ حضرات صحابہ کرامؓ میں شمار کرتے ہیں (تجرید اسماء الصحابۃؓ ج۲ ص۴۷) اور علامہ ابن سعدؒ (المتوفی ۲۳۰ھ) ان کو تابعینؒ میں شمار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام (مولیٰ عمرؓ) تھے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے انہوں نے روایت کی ہے وکان معروفا (طبقات ابن سعدؒ ج۵ ص۱۲) اور وہ معروف و مشہور تھے۔

غرضیکہ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں اور حافظ ابن کثیرؒ، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ سمہودیؒ وغیرہ اس روایت کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ۱۷ھ کے آخر اور ۱۸ھ کی ابتداء کا ہے (تاریخ طبری ج۴ ص۹۵ و البدایۃ والنہایہ ج۷ ص۹۱) اور مؤرخ عبدالرحمٰنؒ بن محمدؒ بن خلدونؒ (المتوفی ۸۰۸ھ) فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ۱۸ھ کا ہے

(ابن خلدون ج۲ ص۹۶۹)

امام طبریؒ اور حافظ ابن کثیرؒ اس واقعہ کے سلسلہ میں یہ بھی نقل کرتے ہیں

حتی اقبل بلال بن الحارث المزنی فاستأذن علی عمرؓ فقال انا رسول رسول اللہ الیک یقول لک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لقد عہدتک کیسا وما زلت علی ذالک فما شأنک؟ قال متی رأیت ہذا قال البارحۃ فخرج فنادی فی الناس الصلوٰۃ جامعۃ اھ (تاریخ طبری ج ۴ ص ۹۸ والبدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۹۱ واللفظ لہما)

یہاں تک کہ حضرت بلالؓ بن الحارث المزنی آئے اور حضرت عمرؓ سے اجازت طلب کی اور فرمایا کہ میں تمہاری طرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قاصد ہوں آپؐ نے فرمایا کہ اے عمرؓ میں تو تجھے دانا ہی سمجھتا رہا اور تم اسی پر قائم تھے مگر اب تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ (کہ تم نے دعا اور صلوٰۃ استسقاء ادا نہیں کی) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ خواب تم نے کب دیکھا؟ حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ گزشتہ شب حضرت عمرؓ (نماز استسقاء کے لیے) نکلے اور لوگوں میں بھی نماز کے لیے جمع ہونے کا اعلان کیا

اور اختصاراً اس واقعہ کا ذکر علامہ ابن اثیرؒ (المتوفی سنہ ۶۳۰ھ) نے بھی کیا ہے (الکامل لابن اثیر ج ۲ ص ۵۵۶) اور یہ واقعہ جب حضرت عمرؓ نے حضرات صحابہ کرامؓ سے بیان کیا اور فرمایا

فان بلال بن الحارث یزعم ذیۃ وذیۃ فقالوا صدق بلالؓ اھ (تاریخ طبری ج ۴ ص ۹۹ والبدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۹۱)

کہ بلاشبہ بلالؓ بن الحارث ایسا اور ایسا خیال کرتا ہے تو حضرات صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ بلالؓ بن الحارث سچ کہتا ہے

اس واقعہ سے ذیل کے بڑے واضح فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات سے تقریباً سات آٹھ سال بعد پیش آیا اس وقت بکثرت حضرات صحابہ کرامؓ موجود تھے۔

۲۔ خواب دیکھنے والے کوئی مجہول شخص نہیں تھے (جیسا کہ مؤلف اقامۃ البرہان لکھتے ہیں یہ ایک ایسے اعرابی کا عمل ہے جو سراپا جہالت ہے نہ اس کا نام معلوم ہے نہ اس کا حال اس لیے ایسے مجہول العین اور مجہول الوصف انسان کے عمل سے احکام شریعت پر استدلال دین سے تمسخر اور تلعب کی بدترین مثال ہے بلفظہ ص ۲۸۸ سبحان اللہ اور مؤلف شفاء الصدور ص ۲۰۱ میں اس کو

مجہول کہتے ہیں اور ندائے حق ص۳۰۳ میں اس واقعہ کا یوں تمسخر اڑاتے ہیں یہ جمہور زنبود کنشف خواہیں جنگلیوں کا مذہب آپ ہی کو نصیب ہو۔ اللهم اهدنا الصراط المستقیم ضعیف حدیث[1] پھر عمل ایک جنگلی کا جب صحابی کا عمل حجت نہیں تو جنگلی کے عمل کا کیا مقام ہے پھر[2] واقعہ خواب کا غیر نبی کا خواب کوئی حجت نہیں جب تک کہ مؤید بالاجماع نہ ہو بلفظہ ندائے حق ص۳۰۳ و ۳۰۴ اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ ہم خیر القرون کا اونچا دور حضرت عمرؓ کا عہد بتاتے ہیں جس میں اعرابی (جنگلی) حضور کی قبر پر پہنچ کر بارش کی دعا کرواتا ہے سب علماء نے اسے بدعت میں شمار کیا ہے اگر یہ آپ کی بات حق ہے تو ان علماء کی تغلیط فرمایئے اور فتوی شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا رد فرمایئے اور شاہ اسمٰعیل شہید کو بدعت کی تعریف سمجھایئے (چھوٹا منہ اور بڑی بات) بلفظہ ص۳۰۴ اور نیز لکھتے ہیں کہ مگر یہ شرط ہے کہ کسی جنگلی کا عمل نہ ہو کیونکہ وہ حجت نہیں الخ بلفظہ (ص۳۱۶) ملاحظہ فرمایئے کہ کس طرح ایک جلیل القدر صحابی کو بار بار جنگلی کے لفظ سے تعبیر کرکے ان کا تمسخر اڑاتے ہیں اور پھر اس جائز کارروائی کو بدعت کہتے ہیں اور پھر کس طرح سب علماء کی طرف اس کے بدعت قرار دینے کی نسبت کرتے ہیں اور کس بیباکی سے صحیح حدیث کو ضعیف کہتے ہیں اور کس دیدہ دلیری سے حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ اور حضرت شاہ شہیدؒ کا نامکمل حوالہ دے کر عوام کو مغالطہ دیتے ہیں اس کی بحث ہم نے سماع الموتی میں کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ فرمائیں

۱۔ یہ واقعہ کسی جنگلی کا نہیں بلکہ جلیل القدر صحابی حضرت بلالؓ بن الحارث المزنیؓ (المتوفی ۶۰ھ) کا ہے۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلب دعا اور سوال شفاعت شرک نہیں ورنہ یہ جلیل القدر صحابی یہ کارروائی ہرگز نہ کرتے۔

۴۔ یہ معاملہ نرے خواب کا نہیں ہے بلکہ اس سچے خواب کو خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کی تائید و تصویب حاصل ہے اور اس کارروائی کا حکم پہلے تو علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین الحدیث کے تحت سُنّیت کا ہوگا ورنہ استحباب اور اقل درجہ جواز سے کیا کم ہوگا

۵۔ یہ واقعہ حضرت عمرؓ نے جب دیگر حضرات صحابہ کرامؓ سے بیان فرمایا تو انہوں نے صدق بلالؓ فرما کر اس کی پر زور تائید و تصدیق کی لہذا اس واقعہ کو نرا خواب یا اعرابی اور جنگلی کا قصہ تصور کر کے گلو خلاصی چاہنا یا جلیل القدر اور معروف و مشہور صحابی کو مجہول العین والحال کہنا دین

سے خالص تمسخر اور تلعب ہے حضرات صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنا بمضمون حدیث ما انا علیہ واصحابی باعث نجات اور رشد و فلاح ہے اور خود مؤلف اقامۃ البرہان نے لکھا ہے کہ محمدؐ بن حرب ہلالیؒ کا اتباع ہم پر لازم نہیں لیکن صحابہؓ کے آثار کی پیروی کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے اور ان کے دائرہ عمل سے باہر قدم رکھنا کھلی گمراہی ہے الخ بلفظہ (ص ۲۹۰)

علاوہ ازیں اس واقعہ کی حقیقت اور صداقت علماء اسلام کے محتاط طبقہ حضرات فقہاء کرامؒ کے اس فتویٰ سے بھی اجاگر ہوتی ہے جیسے انہوں نے بڑی عقیدت اور محبت کے الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلب مغفرت اور سوال شفاعت کی مخلصانہ دعا سے اپنی معتبر اور مستند کتابوں میں واضح تر الفاظ سے بیان اور نقل کیا ہے اور ہر مسلک اور ہر مکتب فکر کے علماء مناسک حج میں اس کو بلا نکیر نقل کرتے چلے آ رہے ہیں اور لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں نے اس پر عمل کیا اور اس وقت بھی اس پر عمل پیرا ہیں اور سچ ہے کہ

ع زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

اتمام حجت :۔

اگر استشفاع عند القبر کے منکرین حضرات کو ان صحیح اور ٹھوس حوالوں سے تسکین نہیں ہوتی تو لیجئے ہم اپنے اور ان کے پیر و مرشد المحقق رئیس الموحدین حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کا حوالہ عرض کئے دیتے ہیں (جن سے وابستگی کا زبانی دعویٰ یہ حضرات بھی کرتے ہیں اور حضرت یہ بات محض اپنے قیاس و اجتہاد سے نہیں فرماتے جس میں غلطی کا امکان اغلب ہوتا ہے بلکہ باحوالہ تحریر فرماتے ہیں) ان کا ارشاد یوں ہے۔

وروی البیہقیؒ وابن ابی شیبۃؒ ان بلال بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاء الی قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وقال یا رسول اللہ استسق لامتک فانھم ھلکوا. فاتاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی المنام واخبرہ انھم یسقون (تحریرات حدیث ص ۲۵۵)

امام بیہقیؒ اور ابن ابی شیبہؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت بلالؓ ابن الحارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پر آئے اور فرمایا یا رسول اللہ اپنی امت کے لیے بارش طلب فرمائیں کیونکہ وہ ہلاک ہو چلی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خواب میں ملے اور ان کو خبر دی کہ بارش برسے گی۔ (ان شاء اللہ)

اس سے مؤلف ندائے حق کا یہ مطالبہ بھی پورا ہو گیا جو انہوں نے راقم الحروف کو خطاب کر کے لکھا تھا کہ آپ اپنے مطالعہ کے زور سے ذخیرۂ احادیث میں ایک حدیث ایسی دکھا دیں، جس میں یہ ہو کہ صحابہ کرامؓ بعد وفات النبی آپ سے استشفاع و استغفار کراتے تھے الخ بلفظہٖ (ص۱۳۶) اور قارئین کرام پہلے پڑھ چکے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور خلیفہ راشد حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہؓ کرام نے استشفاع عند القبر کے سلسلہ میں حضرت بلالؓ بن الحارث کے اس فعل کی تائید کی ہے وہ حضرات اور کیا کرتے؟

حافظ ابن تیمیہؒ علامہ ابن عبد الہادیؒ اور علامہ آلوسیؒ وغیرہ اس مسئلہ میں جمہور کے خلاف رائے رکھتے ہیں ان حضرات کی بعض عبارات پر اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ اور حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی ادھوری عبارات پر (جن کی بقدر ضرورت بحث سماع الموتیٰ میں ہم نے کر دی ہے) بنیاد رکھتے ہوئے مؤلف اقامۃ البرہان نے یہ فیصلہ دیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک سے استشفاع اجماع صحابہؓ اور تعامل سلف اور تعامل جمہور اہل سنت کے سراسر خلاف اور بدعت سیئہ ہے فماذا بعد الحق الا الضلال (بلفظہٖ ص۳۱۲)

حضرات صحابہ کرامؓ کا استشفاع عند القبر کے بدعت سیئہ ہونے پر اجماع تو در کنار کسی ایک صحابی سے صریح الفاظ میں اس کی نفی ثابت نہیں ہے اور سابق واقعہ حضرات صحابہ کرامؓ سے اس کار روائی کے جواز پر کافی و شافی دلیل ہے اور علماء کرام جو حضرات فقہاء کرامؒ کی کتابوں پر عبور رکھتے ہیں (جن کے کچھ حوالے ہم نے اسی کتاب میں درج کر دیئے ہیں) اور مناسک الحج کی کتابیں پڑھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ حضرات سلف کا اور جمہور اہل سنت کا تعامل کیا ہے۔ محض لفظوں کے کرتب سے حقیقت ثابتہ کا انکار علماء کو قطعاً زیب نہیں دیتا۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرات فقہاء کرامؒ جو عند القبر استشفاع کو جائز قرار دیتے ہیں اور بڑے ادب و تعظیم کے ساتھ اس کا شرعی اور فقہی طریقہ بتاتے ہیں کیا یہ سب اہل سنت کے مسلک کے خلاف تھے اور کیا یہ بدعت سیئہ کے مرتکب اور اس کے مروج تھے؟ اور کیا یہ سب حضرات الا الضلال کا مصداق ہو کر گمراہ قرار پائے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ دیدہ دلیری

ہی اعجاب کل ذی رأی برأیہ کا ہے جس کا جو جی چاہتا ہے کرتا پھرتا ہے۔

منع کی دلیل

ترکِ استشفاع اور ترک الدعاء عند القبر کی سب سے بڑی وزنی دلیل امام ابن تیمیہؒ حافظ ابن القیمؒ اور علامہ ابن عبد الہادیؒ وغیرہ نے یہ پیش کی ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ ائمہ دینؒ اور سلف صالحینؒ سے ایسی کارروائی ثابت نہیں اگر یہ جائز ہوتی تو وہ ضرور ایسا کرتے علاوہ ازیں حضرت ابن عمرؓ جب سفر پر جاتے یا سفر سے واپس تشریف لاتے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر بڑی عقیدت سے یہ فرماتے۔ السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا ابا بکرؓ۔ السلام علیک یا ابتاہ (یہ الفاظ مصنف عبد الرزاق ج۳ ص۵۷۶ اور ابن ابی شیبہ ج۳ ص۳۸۵ طبع ملتان اور وفاء الوفاء ج۲ ص۴۰۹ میں عبد الرزاق کے حوالہ سے بسندِ صحیح اور الصارم المنکی ص۱۱۶ اور المسلک المتقسط ص۳۴۲ وغیرہ میں مذکور ہیں) اگر آپؐ سے طلب دعا جائز ہوتی تو حضرت ابنِ عمرؓ اس پر بھی عمل کرتے (محصلہ فتاویٰ ومختصر الفتاوی المصریہ ص۱۹ وقاعدہ جلیلہ ص۱۲۵ و ۱۳۷ واغاثۃ اللہفان ج۱ ص۲۰۲ والصارم المنکی ص۱۱۱ و ص۱۱۳ وغیرہ)

الجواب

یہ ان حضرات کا ایک علمی مغالطہ ہے کیونکہ قبر کے پاس حاضر ہو کر سفارش کرانا اور طلبِ دعا نہ تو فرض و واجب ہے اور نہ سنت مؤکدہ تاکہ یہ حضرات اس پر خواہ مخواہ ضرور عمل کر کے دکھاتے اور اس کارروائی کے نہ کرنے پر وہ ملامت کئے جاتے اس کارروائی کے مُقر اس کو صرف جائز ہی کہتے ہیں اور جواز کے اثبات کے لیے حضرت بلالؓ بن الحارث کا یہ فعل جس کی حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہؓ کرام نے تائید کی ہے کیا کم ہے؟ اگر حضرت ابنِ عمرؓ صحابی ہیں جنہوں نے ایسا نہیں کیا تو یقین جانیے کہ حضرت بلالؓ ابن الحارث اور ان کی اس کارروائی کے مصدقین بھی صحابہؓ ہی ہیں تصویر کا صرف ایک رُخ ہی نہیں دیکھنا چاہیے دُوسرا رُخ بھی دیکھنا چاہیے اگرچہ حافظ ابنِ تیمیہؒ اپنی زبان سے حضرات سلفؒ سے یہ کارروائی تسلیم نہیں کرتے بلکہ سختی سے اس کے منکر ہیں لیکن اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ کارروائی بعض متاخرین سے ثابت ہے (محصلہ قاعدہ جلیلہ ص۱۰۱ بحوالہ ندائے حق ص۱۲) اور مشہور غیر مقلد عالم سہسوانیؒ لکھتے

ہیں کہ سلف سے ثابت نہیں اور انہی کی پیروی اولیٰ ہے ہاں بعد کو آنے والے اہلِ فضل اور اہل الدین سے یہ زیادتی ثابت ہے (بحوالہ ندائے حق صفہ ۱۲) الغرض نفسِ جواز کے لیے یہ ثبوت کافی ہے علاوہ ازیں جب حضرات صحابہ کرام رضی سے یہ کاروائی ثابت ہے تو منکرین حضرات کا یہ دعویٰ کہ سلف سے یہ ثابت نہیں نری سینہ زوری ہے جو بالکل قابلِ سماعت نہیں ہے

قبرِ مبارک پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کا طریقہ

قبرِ مبارک پر صلوٰۃ وسلام کا عرض کرنا جیّد حدیث کی روشنی میں اُمت کے تعامل سے اور قبرِ مبارک پر دعا اور شفاعت کی التجاء کرنا حضرات فقہاء کرام کے فتوٰی سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہے جس کا انکار بغیر کسی ضدی اور نرے متعصب کے اور کوئی نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے البتہ اس میں حضرات فقہاء احناف کا آپس میں اختلاف ہے کہ صلوٰۃ وسلام وغیرہ عرض کرنے والا اپنا رُخ اور چہرہ قبلہ کی طرف پھیر کر سلام وغیرہ عرض کرے یا قبلہ کی طرف پیٹھ پھیر کر آپ کی قبر مبارک اور مواجہ شریفہ کو ملحوظ رکھ کر یہ کاروائی کرے اکثر عبارات دوسرے قول کی مؤید ہیں جیسا کہ بعض عبارات اسی کتاب میں آپ نے ملاحظہ کرلی ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہ رح کے اس سلسلہ میں دو قول منقول ہیں اور راجح دوسرا ہے۔

چنانچہ حضرت ملا علی القاری رح لکھتے ہیں

ثم اعلم انہ ذکر بعض مشائخنا کابی اللیث ومن تبعہ کالکرمانی والسروجی انہ یقف الزائر مستقبل القبلۃ کذا رواہ الحسن عن ابی حنیفۃ رح وقال ابن الھمام رح وما عن ابی اللیث من ان الزائر یقف مستقبل القبلۃ مردود بما روی ابو حنیفۃ رح عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما انہ قال من السنۃ ان تاتی قبر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتستقبل القبر بوجھك ثم تقول السلام	تو جان کہ ہمارے بعض مشائخ رح نے جیسے ابو اللیث رح اور اُن کی پیروی میں کرمانی رح اور سروجی رح نے یہ ذکر کیا ہے کہ زیارت کنندہ قبلہ کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو اور اسی طرح حسن رح نے امام ابو حنیفہ رح سے روایت کیا ہے اور ابن الھمام رح فرماتے ہیں کہ ابو اللیث رح نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ زیارت کنندہ قبلہ رُخ ہو کر کھڑا ہو مردود ہے اس حدیث کے رُو سے جو امام ابو حنیفہ رح نے حضرت ابن عمر رض سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ سُنت یہ ہے کہ تم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس آؤ اور اپنا رُخ قبر کی

عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته الخ (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط ص ۳۴۷)

طرف کرو اور پھر کہو السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته الخ

یہ عبارت فتح القدیر ج ۲ ص ۵۹۱ طبع ہند میں موجود ہے اور علامہ سمہودیؒ نے یہ حوالہ وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۲۴ میں بھی محقق الحنفیہ کمال بن الھمامؒ کے عنوان سے نقل کیا ہے اور حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت مسند الامام الاعظمؒ کے حوالہ سے بالسند نقل کی ہے اور آخر میں لکھا ہے

وقد تقرر ان قول الصحابي من السنة كذا محمول على سنته صلى الله تعالى عليه وسلم فله حكم الرفع (وفاء الوفا ج ۲ ص ۴۲۱)

اور یہ بات (اصول حدیث میں) طے شدہ ہے کہ جب صحابی (مطلقاً) من السنۃ کا لفظ کہے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر محمول ہوتی ہے اور وہ مرفوع کے حکم میں ہے۔

حضرت امام مالکؒ اور استشفاع عند القبر

مشہور محدث قاضی عیاضؒ (جو القاضی العلامہ عالم المغرب اور الحافظ تھے محدث ابن بشکوالؒ فرماتے ہیں کہ وہ اہل العلم والیقین والذکاء والفہم میں تھے تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۹۶، قاضی ابن خلکانؒ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے وقت میں امام الحدیث تھے الخ ص ۹۷، قاضی القضاۃ امام برہان الدین ابراہیم بن فرحونؒ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے وقت میں حدیث اور اس کے علوم کے امام تھے اور نیز لکھتے ہیں کہ وہ امام مالکؒ کے مذہب کے حافظ تھے (الدیباج المذہب ص ۱۶۸ و ص ۱۶۹، ان کی وفات سنہ ۵۴۴ھ میں ہوئی تھی) اپنی سند کے ساتھ یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ابن حمیدؒ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین ابو جعفر کا حضرت امام مالکؒ سے مسجد نبوی میں مناظرہ ہوا حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کریں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو یہ ادب سکھلایا کہ تم اپنی آوازوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند نہ کرو الآیۃ اور ایک قوم کی تعریف کی ہے کہ بلاشبہ جو لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں الآیۃ اور ایک قوم کی مذمت کی ہے سو فرمایا ہے کہ جو لوگ تجھے حجروں کے سامنے سے پکارتے ہیں الآیۃ اور بے شک وفات کے بعد بھی آپؐ کی عزت و حرمت ایسی ہی ہے جیسا کہ زندگی میں تھی اس پر ابو جعفر نے عاجزی کرتے ہوئے آواز پست کرلی اور حضرت

امام مالکؒ سے دریافت کیا کہ اے ابوعبداللہؒ کیا میں قبلہ رُخ ہو کر دعا کروں یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رُخ کروں حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ تو کیوں اپنا رُخ آپؐ سے پھیرتا ہے حالانکہ آپؐ ہی (شفاعت کبریٰ کے ذریعے) تیرے اور تیرے باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ہوں گے اور آگے فرمایا۔

بل استقبله واستشفع به فيشفعه الله قال الله تعالى ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الآية (الشفاء ج ۲ ص ۳۳ طبع مصر)

بلکہ آپؐ کی طرف متوجہ ہو اور آپ کو سفارشی بنا اللہ تعالیٰ آپؐ کی سفارش قبول فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اور اگر بے شک جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا آلایۃ

علامہ عبدالکافی السبکیؒ قاضی عیاضؒ کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں وھو اسناد جید (شفاء السقام ص ۱۱۵) اور پھر ایک ایک راوی کا حال انہوں نے بیان کیا ہے اور ان کی توثیق کی ہے اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ

فانظر الى هذه الحكاية وثقة رواتها وموافقتها لما رواه ابن وهب عن مالك الخ ص ۱۱۷

تو اس حکایت کو اور اس کے ثقہ راویوں کو دیکھ اور اس کو بھی دیکھ کہ یہ اس روایت کے موافق ہے جو ابن وہبؒ نے مالکؒ سے بیان کی ہے

اس واقعہ کو علامہ سمہودیؒ نے بھی وفاء الوفا ج ۲ ص ۴۲۲ میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے ثقہ راویوں کی یہ جید روایت صاف طور پر یہ بتاتی ہے کہ حضرت امام مالکؒ استشفاع عندالقبر کے قائل تھے اور ان کے نزدیک بعد از وفات بھی وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ الآیۃ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مغفرت کی دعا طلب کرنا ثابت ہے حضرت امام مالکؒ کا یہ استدلال بالکل واضح صحیح اور حق ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

ضرب کاری

چونکہ یہ روایت حافظ ابن تیمیہؒ کے مسلک اور ان کے دعویٰ پر ضربِ کاری ہے اور اس میں عندالقبر استشفاع حضرت امام مالکؒ جیسی شخصیت سے ثابت ہے اس سے خاصے

پریشان اور برہم ہو کر اصولی طور پر تین جواب انہوں نے دیئے ہیں (۱) کہ یہ حکایت منقطع ہے۔ کیونکہ اس میں محمد بن حمید الرازی نے امام مالکؒ کو نہیں پایا الخ (۲) محمد بن حمید اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہے (قاعدہ جلیلہ ص۷۵ و ص۷۶) (۳) قاضی عیاضؒ نے فقہ مالکی کی کتاب مبسوط کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ میں اس کو درست نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑا ہو کر دعا مانگے بس سلام کرے اور چلا جائے (قاعدہ جلیلہ ص۷۵) اور حافظ ابن تیمیہؒ کی پیروی میں علامہ ابن عبد الہادیؒ نے الصارم المنکی ص۲۱۸ تا ۲۲۱ اس پر طویل بحث کی ہے اور اعتراض کے لیے یہی اصول استعمال کئے ہیں جو اوپر بیان ہوئے اور حافظ ابن تیمیہؒ کے ان ہی اصولی اعتراضات کو مؤلف اقامۃ البرہان نے ص۲۹۱ تا ۲۹۳ میں خوب پھیلا کر لکھا ہے اور اسماء الرجال کی کتابوں سے محمد بن حمید الرازی کے کذاب اور جھوٹے ہونے کے حوالے بھی نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ ابن حمید الرازی کے علاوہ اس سند میں کئی مجاہیل ہیں اس لیے امام مالکؒ سے یہ روایت ثابت نہیں امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک حکایت بھی بیان کی ہے جو امام مالکؒ پر افتراء کی گئی ہے (قاعدہ جلیلہ ص۲۰، اقامہ ص۲۹۳)

الجواب

یہ ساری کاوش بلاوجہ ہے حافظ ابن تیمیہؒ بلاشبہ علمی طور پر بڑی شخصیت کے مالک ہیں مگر ان کی طبیعت میں شدت اور حدت بھی بے پناہ تھی جب وہ اپنی شدت پر اُتر آتے ہیں تو انہیں بخاری و مسلم کی صحیح روایت حُسِبَتْ عَلَيَّ بِتَطْلِيقَةٍ بھی نظر نہیں آتی اور وہ حالت حیض میں دی گئی طلاق سے بھی کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں (تفصیل کے لیے عمدۃ الاثاث اور سماع الموتیٰ ملاحظہ کریں) اصل بات یہ ہے کہ قاضی عیاضؒ کی سند میں راوی ابن حمید ہے جس کو حافظ ابن تیمیہؒ نے محمد بن حمید الرازی سمجھ لیا ہے اور یہی ان کا کھلم کھلا وہم اور صریح غلطی ہے۔

اولاً اس لیے قاضی عیاضؒ اپنے وقت میں علم حدیث اور اس کے فنون کے امام تھے اگر یہ راوی محمد بن حمید الرازی ہوتا جو کذاب ہے تو اس سے وہ ہرگز اخراج و استدلال نہ کرتے۔

ثانیاً اور خود امام ابن تیمیہؒ تصریح فرماتے ہیں کہ لم یدرک مالکاً کہ اس کی ملاقات امام مالکؒ سے نہیں ہوئی تو بلا دلیل اور بلاوجہ البیاء راوی کیوں سمجھ لیا گیا جس کی امام مالکؒ سے ملاقات

ہی نہیں ہوئی ونا لنّا یہ راوی محمدؒ بن حمید الیشکری المعمری ہے چنانچہ علامہ السبکیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ میری رائے میں یہ ابوسفیان محمد بن حمید المعمری ہے خطیبؒ فرماتے ہیں کہ اس کا شمار ان لوگوں میں ہے جنہوں نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے اور وہ خود فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ نے جب موطا لکھا تو مجھے دکھلایا (شفاء السقام ص۱۱۷) امام عقیلیؒ نے ان کو ضعفاء میں لکھا ہے اور کہا ہے فی حدیثہ نظر لیکن ان کے علاوہ باقی تمام آئمہ جرح وتعدیل ان کی توثیق کرتے ہیں چنانچہ ابن معینؒ ایک روایت میں ان کو ثقہ اور ایک میں صدوق کہتے ہیں ابوحاتمؒ ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں ابوداؤد ان کو ثقہ کہتے ہیں اور نسائیؒ ان کو لیس بہ بأس کہتے ہیں اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور امام ابوخیثمہؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں اور ابن شاہینؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ج۹ ص۱۳۲) ان کی وفات سنہ ۱۸۲ھ میں ہوئی ہے (الف) اور حضرت امام مالکؒ کی سنہ ۱۷۹ھ میں اور ان کی عدم لقاء کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جب کہ امام خطیبؒ کی تصریح موجود ہے کہ حضرت امام مالکؒ سے روایت کرنے والوں میں ان کا نام بھی ہے کما مر البتہ ایک بات علامہ ابن عبد الہادیؒ نے کہی ہے کہ اس سند کے راوی یعقوبؒ ابن اسحاقؒ بن ابی اسرائیلؒ کی لقاء معمریؒ سے نہیں ہوئی معمریؒ کی وفات سنہ ۱۸۲ھ میں ہوئی ہے اور یعقوبؒ بن اسحاقؒ کی ولادت سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا درمیان کی کڑی غائب ہے بینھما مفازۃ بعیدۃ (الصارم المنکی ص۲۱۸) لیکن یہ محض تک بندی ہے تاریخ اور دلیل کے لحاظ سے وہ یہ دعوٰی بالکل ثابت نہیں کر سکے ان کا فریضہ تھا کہ وہ تاریخی طور پر یعقوبؒ بن اسحاقؒ کی سنِ ولادت بتاتے تاکہ معاملہ صاف ہو جاتا علامہ عبد الکافیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی اپنے والد اسحاقؒ بن ابراہیمؒ بن کامجراؒ سے (جن کی ولادت سنہ ۱۵۰ھ یا ۱۵۱ھ میں اور وفات سنہ ۲۴۰ھ میں ہوئی تہذیب التہذیب ج۱ ص۲۲۴) اور عمرؒ بن شبہؒ سے بھی روایت ہے (جن کی وفات سنہ ۲۰۲ھ میں ہوئی ایضاً ج۷ ص۴۶۰ جن کی عمر نوے سال سے متجاوز تھی) جب ان سے روایت ہو سکتی ہے تو تاریخی لحاظ سے معمریؒ سے روایت میں کیا اشکال ہو سکتا ہے؟ الغرض اس حکایت کو جھٹلانے اور منقطع اور ساقط الاعتبار قرار دینے کی کوئی ٹھوس اور قابلِ اعتماد دلیل موجود نہیں ہے اس کو جب قاضی عیاضؒ جیسے محدث نقل کرتے ہیں اور

عبدالکافی السبکیؒ اور سمہودیؒ جیسے وسیع النظر عالم باسناد جید کہتے ہیں تو اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

علامہ شہاب الدین احمد الخفاجیؒ الشفاء کے اس منقولہ واقعہ کی شرح کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

وفی ھذا ارد علی ما قالہ ابن تیمیۃؒ من ان استقبال القبر الشریف فی الدعاء عند الزیارۃ امر منکر لم یقل بہ احد ولم یرو الا فی حکایۃ مفتراۃ علی الامام مالک یعنی ھذہ القصۃ التی اوردھا المصنف رحمہ اللہ ھنا وللہ درہ حیث اوردھا بسند صحیح وذکر انہ تلقاھا عن عدۃ من ثقات مشائخہ فقولہ انھا کذب محض مجازفۃ من ترھاتہ وقولہ لم ینقل ولم یرد باطل فان مذھب مالک واحمد والشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنھم استحباب استقبال القبر الشریف فی السلام والدعاء وھو مسطر فی کتبھم اھ

(نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۹۸)

اس میں ابن تیمیہؒ کے قول کا رد ہے کہ زیارت کے وقت قبر شریف کی طرف دعا کرتے وقت رخ پھیرنا بری بات ہے اس کا کوئی بھی قائل نہیں اور نہ کسی سے مروی ہے مگر اس حکایت میں جو امام مالکؒ پر گھڑی گئی ہے یعنی یہی واقعہ جس کو قاضی عیاضؒ نے یہاں نقل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مصنف کے اصیل ہونے کی خوبی ہے کہ اس نے صحیح سند کے ساتھ یہ حکایت اپنے متعدد ثقہ مشائخ سے نقل کی ہے ابن تیمیہؒ کا یہ کہنا کہ یہ نرا جھوٹ ہے اٹکل پچو بات ہے جو ان کی بیباکانہ جسارت ہے، رہا ان کا یہ قول کہ یہ کسی سے منقول نہیں اور نہ کسی سے روایت ہے یہ قول بھی باطل ہے کیونکہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور امام الشافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ سلام اور دعا کرتے وقت قبر شریف کی طرف رخ کرنا مستحب ہے جیسا کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔

اور خود حافظ ابن تیمیہؒ کو بھی ان حضرات کے اس مسلک کا اقرار ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

فقال الاکثرون کمالک واحمد وغیرھما

اکثر حضرات جیسے امام مالکؒ اور امام احمدؒ وغیرہ

بیسلم علیہ مستقبل القبر وھو الذی ذکرہ اصحاب الشافعی واظنہ منقولا عنہ الخ (فتاوی ج ۲۷ ص ۱۱۷ طبع جدید)

فرماتے ہیں کہ آپ پر سلام قبر مبارک کی طرف رُخ کر کے کرنا چاہیئے اور اسی کو حضرات شوافع نے ذکر کیا ہے اور میرے خیال میں امام شافعیؒ سے بھی منقول ہے۔

درایت

رہی حافظ ابن تیمیہؒ کی یہ بات کہ امام مالکؒ سے مبسوط میں روایت ہے کہ زیارت کنندہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑا ہو کر دعا نہ کرے بلکہ سلام کہہ کر چلا جائے تو اس میں بھی کلام ہے اولاً اس لیے کہ حضرت امام مالکؒ سے اس کے خلاف بھی روایت موجود ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ اپنی کتاب روس المسائل میں حافظ ابو موسیٰ الاصبہانیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔

روی عن مالك بن انس الامام رحمه الله تعالى انه قال اذا اراد الرجل ان يأتى قبر النبى صلى الله عليه وسلم فيستدبر القبلة ويستقبل النبى صلى الله تعالى عليه وسلم ويصلى عليه ويدعوا اه (شفاء السقام ص ۱۱۹)

حضرت مالکؒ ابن انسؒ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب آدمی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس آئے تو قبلہ کی طرف پیٹھ پھیر کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رُخ کر کے آپؐ پر صلوٰۃ بھی پڑھے اور دُعا بھی کرے۔

اس میں ویصلی علیہ کے بعد حرفِ عطف کے ساتھ ویدعو کے الفاظ صراحت سے مذکور ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر کے پاس دعا بھی ان کے نزدیک درست ہے، وثانیاً اس لیے کہ حضرت امام مالکؒ باہر سے آنے والوں یا سفر پر جانے والوں کے لیے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس وقوف اور سلام و دعا کو درست فرماتے ہیں ہاں اہل مدینہ کے لیے اس کو درست نہیں کہتے چنانچہ خود حافظ ابن تیمیہؒ فقہ مالکیؒ کی کتاب مبسوط کے حوالہ سے حضرت امام مالکؒ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ پر یہ لازم نہیں کہ وہ جب مسجد میں داخل ہوں یا اس سے نکلیں تو قبر مبارک کے پاس ٹھہریں یہ تو باہر سے آنے والوں کے لیے ہے اور

نیز فرمایا کوئی حرج نہیں اس شخص کے لئے جو سفر سے آئے یا سفر کے لیے نکلے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر کے پاس ٹھہرے اور وہاں صلوٰۃ پڑھے اور آپ کے لیے اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے لیے دعا کرے۔ حضرت امام مالکؒ سے کہا گیا کہ اہلِ مدینہ کے کچھ لوگ نہ تو سفر سے آئے ہوتے ہیں اور نہ سفر کا ارادہ کرتے ہیں وہ روزانہ ایک دفعہ یا زیادہ یہ کارروائی کرتے ہیں اور ایسا اوقات وہ جمعہ کو یا اور ایام میں ایک دو دفعہ یا زیادہ قبر کے پاس ٹھہرتے ہیں اور سلام کہتے ہیں اور ایک گھڑی دعا کرتے ہیں تو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات مدینہ طیبہ میں کسی اہلِ فقہ سے نہیں پہنچی اور اس کے ترک کر دینے میں گنجائش ہے اور اس اُمت کے آخری لوگوں کی اصلاح بھی صرف اسی طریقہ سے ہوگی جس سے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی اور مجھے اس امت کے پہلے لوگوں اور اس کی بہترین شخصیتوں سے یہ خبر نہیں پہنچی کہ وہ ایسا کرتے تھے۔

ویکرہ الا لمن جاء من سفر او اراده (فتاوی ابن تیمیہؒ ج ۲۷ ص ۱۱۷ طبع جدید و شفاء السقام ص ۲۵)

اور ایسا کرنا مکروہ ہے ہاں مگر جو سفر سے آئے یا سفر کرنے کا ارادہ کرتا ہو۔

اس تفصیلی حوالہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر سلام اور دعا کرنا ان لوگوں کے لئے مکروہ ہے جو مدینہ طیبہ ہی میں ہمہ وقت مقیم ہوں لیکن ان میں سے اگر کوئی شخص سفر کا ارادہ رکھتا ہو یا سفر سے واپس آیا ہو اور اسی طرح دیگر مسافروں کے لیے ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے اور اس کی وجہ بھی خود حافظ ابنِ تیمیہؒ لکھتے ہیں۔

لان ذلك تحية له والمحيا لا يقصد بيته كل وقت بخلاف القادمين من السفر اھ (ج ۲۷ ص ۱۱۸)

کیونکہ یہ آپ کو سلام کہنا ہے اور جس کو سلام کہا جاتا ہے ہر وقت اس کے گھر کا قصد نہیں کیا جاتا بخلاف اُن کے جو سفر سے آئیں۔

(۳۱) سے اہلِ مدینہ کے ہر وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر لئے سلام و دعا نہ حاضر ہونے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی۔ علاوہ ازیں متعدد کتابوں میں آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر طلبِ دُعا کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:-

وقد ذكر جماعة منهم الشيخ ابو منصور الصباغ فى كتابه الشامل الحكاية المشهورة عن العتبى قال كنت جالسا عند قبر النبى صلى الله عليه وسلم فجاء اعرابى فقال السلام عليك يا رسول الله سمعت الله يقول وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاۤءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا وقد جئتك مستغفرا لذنبى مستشفعا بك الى ربى اھ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۰)

ایک جماعت نے عتبیؒ سے یہ مشہور حکایت نقل کی ہے جس جماعت میں شیخ ابو منصور الصباغ بھی ہیں وہ فرماتے ہیں انہوں نے اپنی کتاب الشامل میں بیان کیا ہے عتبیؒ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے اور اگر بے شک وہ لوگ جبکہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تیرے پاس آتے پس وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور ان کے لیے رسول بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنیوالا مہربان پاتے اس لیے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کے لیے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنا کر آیا ہوں

اس کے بعد اس نے درد دل سے چند اشعار پڑھے اور اظہار عقیدت اور جذبہ محبت کے پھول نچھاور کر کے چلا گیا اور اسی واقعہ کے آخر میں مذکور ہے کہ خواب میں اس کو کامیابی کی بشارت بھی مل گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عتبیؒ جا کر اس اعرابی سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔

یہ واقعہ امام نوویؒ نے کتاب الاذکار ص ۱۸۵ طبع مصر میں اور علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفیؒ الحنفیؒ المتوفی سنہ ۷۱۰ھ نے اپنی تفسیر المدارک جلد ۱ ص ۳۹۹ میں اور علامہ تقی الدین سبکیؒ نے شفاء السقام ص ۴۶ میں اور شیخ عبد الحقؒ نے جذب القلوب ص ۱۹۵ میں اور علامہ بحر العلوم عبد العلیؒ نے رسائل الارکان ص ۲۸ طبع لکھنو میں نقل کیا ہے اور علامہ علی بن عبد الکافی السبکیؒ اور علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں کہ :۔

وحكاية العتبى فى ذلك مشهورة وقد حكاها المصنفون فى المناسك من جميع المذاهب

عتبیؒ کی حکایت اس میں مشہور ہے اور تمام مذاہب کے مصنفین نے مناسک کی کتابوں میں اور مؤرخین

والمؤرخون وکلھم استحسنوھا الخ (شفاء السقام ص۴۶ ووفاء الوفا ج۲ ص۱۳۶۲)

نے اس کو ذکر کیا ہے اور سب نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے۔

اور خطیب قسطلانیؒ اور علامہ زرقانیؒ نے بھی اس الحکایۃ المشھورۃ کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے (المواھب مع الزرقانی ج۸ ص۳۰۰) اور اسی طرح شیخ محمد بخیت الحنفیؒ نے اپنی کتاب تطہیر الفؤاد من دنس الاعتقاد (ص۵۱ طبع مصر) میں تذکرہ کیا ہے۔ یہ بات پیش نظر ہے کہ اس واقعہ سے استدلال اس رنگ میں نہیں کہ عتبیؒ کوئی بڑے پارسا بزرگ اور ثقہ راوی تھے جن کی اس کارروائی کی پیروی کی جارہی ہے فرض کیجئے کہ وہ بادہ مست بھی ہوں جیسا کہ بعض کتابوں میں اس کا ذکر بھی ہے اور بعض معاصرین نے اس کو پلّے باندھ لیا ہے بلکہ استدلال اس انداز سے ہے کہ اس کی اس کارروائی کو ہر مکتب فکر کے علماء کرام کی اکثریت نے مستحسن سمجھ کر اس پر عمل کیا ہے اور تلقی امت اور تعامل علماء و فقہاء سے یہ کارروائی جواز کا درجہ رکھتی ہے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو دیکھا کہ یہود عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اس دن تم کیوں روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکریہ کے طور پر روزہ رکھا تھا اس لیے ہم بھی روزہ رکھتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ ہمارا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تمہاری نسبت زیادہ ہے آپؐ نے خود بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور امت کو بھی حکم دیا (او کما قال مشکوٰۃ ج۱ ص۱۸۰ متفق علیہ) اس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں کہ یہودی یہودیت پر قائم رہ کر ثقہ اور عادل راوی ہو گئے اور ان کی بات اس لحاظ سے حجت ہو گئی بلکہ ان کا یہ فعل ایک اچھا فعل تھا اس لیے آپؐ نے اس پر خود بھی عمل کیا اور امت کو بھی حکم دیا اسی طرح اس واقعہ کو سمجھیے۔ اور اسی طرح دیگر متعدد علماء کرام نے قدیماً وحدیثاً اس کو نقل کیا ہے اور حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ مواہب میں بسند امام ابو منصور صباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحمہم اللہ تعالیٰ محمد بن حرب ہلالیؒ سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کرکے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کرکے عرض کیا کہ یا خیر الرسل اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا ہے وَلَوْ اَنَّھُمْ

إِذْ ظَّلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں پھر دو شعر پڑھے الخ اور ابن محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی ہے اھ غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں پس حجت ہوگیا۔ (نشر الطیب ص۲۵۴)

اور حضرت مولانا نانوتوی یہ آیت کریمہ لکھ کر تحریر فرماتے ہیں کہ کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں اھ (آب حیات ص۴۲)

اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی سابق واقعہ ذکر کرکے آخر میں لکھتے ہیں کہ:۔

فثبت ان حکم الاٰیۃ باق بعد وفاتہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (اعلاء السنن ج۱۰ ص۳۳۰)	پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔

ان اکابر کے بیان سے معلوم ہوا کہ قبر مبارک پر حاضر ہوکر شفاعت مغفرت کی درخواست کرنا قرآن کریم کی آیت کے عموم سے ثابت ہے بلکہ امام سبکی فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس معنی میں صریح ہے۔ صریح فی ذٰلک (شفاء السقام ص۱۲۸) اور خیر القرون میں یہ کارروائی ہوئی مگر کسی نے انکار نہیں کیا جو اس کے صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے۔

علامہ سمہودی لکھتے ہیں کہ:۔

والعلماء فہموا من الاٰیۃ العموم بحالتی الموت والحیٰوۃ واستحبوا لمن اتی القبر ان یتلوھا ویستغفر اللّٰہ تعالیٰ وحکایۃ الاعرابی فی ذٰلک نقلھا جماعۃ من الائمۃ عن العتبی الخ (وفاء الوفا ج۲ ص۱۳۶۱)	علماء نے اس آیت کریمہ سے آپ کی زندگی اور موت دونوں حالتوں کا عموم سمجھا ہے اور انہوں نے اس کو مستحب قرار دیا ہے کہ جو شخص آپ کی قبر مبارک پر جائے وہ اس کو پڑھے اور اللّٰہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور اعرابی کی حکایت اس سلسلہ میں آئمہ کرام کی ایک جماعت نے عتبی سے نقل کی ہے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ علماء امت نے اس آیت کریمہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی اور بعد از وفات دونوں حالتوں میں عموم سمجھ کر آپ کی قبر مبارک پر اس کو پڑھنا مستحب قرار دیا ہے اور یہ صرف آپ کی زندگی ہی سے مخصوص نہیں ہے۔

امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحنبلیؒ اپنی کتاب المستوعب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے آداب میں لکھتے ہیں کہ پھر آپ کی قبر مبارک کی دیوار کے پاس پہنچے اور کنارہ پر قبر مبارک کی طرف رُخ کر کے قبلہ کی طرف پیٹھ پھیر کر اور منبر کو بائیں طرف کر کے کھڑا ہو اور یہ دعا پڑھے۔

اللھم انك قلت فی کتابك لنبیك علیہ السلام وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الآیۃ وانی قد اتیت نبیك مستغفرًا فاسئلك ان توجب لی المغفرۃ کما اوجبتھا لمن اتاہ فی حیاتہ اللھم انی اتوجہ الیك بنبیك صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وذکر دعاءً طویلاً۔

(وفاء الوفا ج ۲ ص ۴۲۳)

اے اللہ تعالیٰ تو نے اپنی کتاب میں اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا ہے اور اگر وہ جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تیرے پاس آتے الخ اور بیشک میں تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معافی مانگنے آیا ہوں اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے لیے مغفرت لازم کردے جیسا کہ تو نے اس شخص کے لیے لازم کی جو آپ کی زندگی میں آپؐ کے پاس آیا اے میرے رب میں تیرے ہاں تیرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سفارشی پیش کرتا ہوں اور پھر لمبی دعا ذکر کی۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (المتوفی ۱۱ شوال ۱۳۹۶ھ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند و مفتی اعظم پاکستان) اپنی معتبر اور مستند علمی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپؐ کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اس حکم میں ہے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین دن بعد ایک گاؤں والا آیا اور قبر شریف کے پاس آ کر گر گیا اور زار زار روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہگار۔ رسولؐ کی خدمت

میں حاضر ہو جائے اور رسولؐ اس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی اس لیے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں اس وقت جو لوگ حاضر تھے ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضۂ اقدس کے اندر سے آواز آئی قَدْ غُفِرَ لَكَ (بحر محیط). یعنی مغفرت کر دی گئی (معارف القرآن جلد دوم ص۴۵۸، ۴۵۹)

فائدہ: حضرت علیؓ کی اس روایت کے بارے میں علامہ ابن عبدالہادیؒ نے الصارم المنکی ص۲۷۶ میں کڑی جرح کی ہے کہ اس کی سند میں ہیثم بن عدی کذاب راوی ہے اور یہ خبر منکر اور موضوع ہے اور انہی کی پیروی میں آفاتۃ البرہان از ص۲۸۴ تا ص۲۹۷ میں اس پر کتب اسماء الرجال سے مفصل بحث کی ہے لیکن علامہ ابن عبدالہادیؒ کا اس کو قطعی طور پر موضوع کہنا صرف ہوائی فائر ہے اس لیے کہ اس روایت کی سند میں جس راوی پر سخت جرح ہوئی ہے وہ ہیثم ہے اور ابن عبدالہادی لکھتے ہیں کہ

واظنه ابن عدی الطائی فان یکن هو فهو متروك كذاب والا فهو مجهول الخ	میرا خیال ہے کہ یہ راوی ہیثم بن عدی الطائی ہے پس اگر یہ وہی ہے تو وہ متروک اور کذاب ہے
(الصارم المنکی ص۲۷۶)	اور اگر وہ نہیں تو وہ مجہول ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب خود علامہ ابن عبدالہادیؒ اس راوی کی تعیین ہی میں متردد ہیں تو ان کو اس کا حق کیسے اور کہاں سے حاصل ہے کہ وہ قطعیت کے ساتھ اس حدیث کو موضوع قرار دیں؟ ہاں اگر علی التعیین یہ راوی ہیثم بن عدی طائی ہی ہوتا تو کتب اسماء الرجال سے جتنی جرحیں اس پر نقل کی گئی ہیں کہ وہ کذاب اور متروک ہے وہ بجا ہیں مگر ایسا نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ یہ روایت ضعیف ہوگی لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت کی التجا کرنا ذمہ دار حضرات فقہاء کرام محدثین عظام اور تعامل علماء سے ثابت ہے اس لیے جواز کے مسئلہ کے لیے یہ روایت قابل برداشت ہوگی۔ کیونکہ محدثین کرامؒ کے ہاں یہ طے شدہ بات ہے کہ عقیدہ کے باب میں خبر واحد صحیح بھی معتبر نہیں اور حلال و حرام اور طلاق و نکاح وغیرہ کے سلسلہ میں صحیح یا حسن خبر ہی قابل احتجاج ہو سکتی ہے باقی جواز اور استحباب کے لیے ضعیف حدیث بھی قابل قبول ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ

وقال العلماء من المحدثین والفقہاء وغیرھم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعاً الخ (کتاب الاذکار ص طبع مصر)

علماء محدثین رح اور فقہاء رح وغیرہم یہ فرماتے ہیں کہ فضائل اور ترغیب وترہیب میں ضعیف حدیث کے ساتھ عمل جائز اور مستحب ہے بشرطیکہ موضوع نہ ہو۔

غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب رح (المتوفی ۱۳۲۰ھ) لکھتے ہیں کہ ضعیف حدیث جو موضوع نہ ہو اس سے استحباب اور جواز ثابت ہو سکتا ہے (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۲۶۵) اور نواب صدیق حسن خان صاحب رح لکھتے ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے حجت ہونے پر علماء کا اتفاق ہے (دلیل الطالب ص ۸۸۹) اور حضرات فقہاء کرام رح نے استشفاع عند القبر کو جائز ہی کہا ہے جیسا کہ مولانا گنگوہی رح کی عبارت میں مذکور ہے یا بعض نے مستحب کہا ہے جیسا کہ علامہ سمہودی رح کی عبارت میں مذکور ہے۔

تعامل کس طبقہ کا معتبر ہے؟

اہل علم کی عبارات میں جب یہ آتا ہے کہ علماء نے اس کی تلقی بالقبول کی ہے یا اس اُمت کا تعامل ہے تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہر عالم کہلانے والے کی تلقی بالقبول یا تعامل مراد ہے ورنہ ہر بدعت پسند طبقہ جو حظوظِ نفس کے لیے اپنی بدعات کو حرزِ جان قرار دیتا اور اس پر شدت سے کاربند اور مصر ہے اس کا عمل بھی تلقی بالقبول کی مد میں ہوگا حاشا و کلا عالم اور اُمتی سے عالم اور اُمتی مراد ہے جو قرآن کریم اور سنت نبویہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ کو جاننے والا اور دل و جان سے ان پر عامل اور حضرات صحابہ کرام رض تابعین رح تبع تابعین رح اور سلف رح وخلف رح کے عمل کو صحیح اور ٹھوس حوالوں کے پیش نظر اپنے لیے راہ نجات سمجھے اس لیے ان الفاظ سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے اور نہ دینا چاہیئے اللہ تعالیٰ ہر ایک کو صحیح سمجھ نصیب فرمائے (آمین)

محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام الحنفی رح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضری کے آداب بتلاتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔

ثم یسأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشفاعۃ فیقول یا رسول اللہ اسألک الشفاعۃ

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرے پس کہے اے اللہ تعالیٰ کے رسول میں آپ سے شفاعت کا

يا رسول الله! اسئلك الشفاعة واتوسل بك الى الله فى ان اموت مسلماً على ملتك وسنتك ويذكر كل ما كان من قبيل الاستعطاف والرفق اھ

(فتح القدير ج ۲ ص ۳۳۸ طبع مصر)

سوال کرتا ہوں یا رسول اللہ میں آپ سے شفاعت کی درخواست کرتا ہوں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں آرزو یہ ہے کہ میں بحالت اسلام آپ کی ملت وسنت پر مروں اور ہر ایسی چیز کا ذکر کیسے جو تشفق و ترحم کے قبیل سے ہو۔

قبر مبارک کے پاس شفاعت کی درخواست اس بات پر مبنی ہے کہ قبر شریف میں آپ زندہ ہوں اور آپ کے جسد اطہر سے روح مبارک کا اتصال علاقہ اور تعلق ہو اور شفاعت کی درخواست کرنے والے کی التجا بنفس نفیس خود سماعت فرماتے ہوں، اگر یہ محض توسل کی صورت ہوتی تو قبر کے پاس حاضری کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں یہ تو ہر جگہ ہو سکتی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں (جس کو سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ المتوفی ۱۱۱۸ھ کے حکم سے تقریباً پانچ سو علماء کرام کی مستند جماعت نے مرتب کیا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری اور اپنے معروضات پیش کرنے کے بعد اس کی بھی تصریح کی ہے۔

ويبلغه سلام من اوصاه فيقول السلام عليك يا رسول الله من فلان بن فلان يستشفع بك الى ربك فاشفع له ولجميع المسلمين اھ

(عالمگیری ج ۱ ص ۲۸۲ طبع مصر)

جس شخص نے آپ کی خدمت میں سلام کہنے کی تاکید کی ہو آپ کو اس کا سلام بھی عرض کرے پس یوں کہے کہ یا رسول اللہ فلاں بن فلاں نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا ہے اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بناتا ہے سو آپ اس کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے شفاعت کریں۔

اس عبارت میں بھی آپ کی خدمت اقدس میں سلام عرض کرنے اور شفاعت کی درخواست کرنے کا صراحت و وضاحت سے ذکر ہے۔ اور علامہ بحر العلوم عبد العلیؒ لکھتے ہیں کہ

ثم يسأل النبى صلى الله تعالى عليه وسلم الشفاعة فيقول يا رسول الله اسئلك

پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرے اور کہے یا رسول اللہ میں آپ کی شفاعت کا

الشفاعة یا رسول اللہ اسئلك الشفاعة واتوسل بك الی اللہ فی ان اموت مسلما علی ملتك و سنتك الخ (رسائل الارکان ص۲۸۱ طبع لکھنؤ)

سوال کرتا ہوں یا رسول اللہ میں آپ کی شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور آپ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ میں آپ ملت اور آپ کی سنت پر مروں۔

اور پھر آگے لکھا ہے کہ جس شخص نے آپ کے روضۂ اقدس پر سلام عرض کرنے کی وصیت کی ہو اس کا سلام بھی پہنچائے اور یہ کہے کہ یا رسول اللہ فلاں بن فلاں کی طرف سے آپ کو سلام قبول ہو یا یوں کہے فلاں بن فلاں آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے (رسائل الارکان ص۲۸۲) اور نیز فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرات شیخین رض کو سلام کہے اور پھر لوٹے (الخ)

علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں۔

وقال ابو منصور الکرمانی من الحنفیۃ ان کان احد اوصاك بتبلیغ التسلیم تقول السلام علیك یا رسول اللہ من فلان بن فلان یستشفع بك الی ربك بالرحمۃ والمغفرۃ فاشفع (وفاء الوفا ج۲ ص۴۲۳)

امام ابو منصور الکرمانی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے تمہیں سلام پہنچانے کی وصیت کی ہو تو تم وہاں کہو یا رسول اللہ فلاں بن فلاں کی طرف سے آپ پر سلام ہو وہ آپ کو آپ کے رب کے سامنے رحمت اور مغفرت کے سلسلہ میں سفارشی بناتا ہے پس آپ اس کے لیے سفارش کریں۔

حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحبؒ سابق مفتی مظاہر العلوم سہارنپور نے بھی اپنی مشہور اور مستند کتاب معلم الحجاج ص۳۲۵ میں آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرنے کا اور ص۳۲۶ میں دوسروں کا سلام آپ تک پہنچانے کا فقہی طریقہ صراحت سے ذکر کیا ہے۔

اور علامہ حسنؒ بن عمارؒ بن علی شرنبلالی الحنفیؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کے وقت بڑے والہانہ اور عقیدت مندانہ انداز میں عرض پیش کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

یا رسول اللہ نحن وفدك وزوار حرمك تشرفنا بالحلول بین یدیك وقد جئناك

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کے پاس وفد کے طور پر آپ کے حرم کی زیارت کی غرض سے آئے ہیں اور

من بلاد شاسعة واماكنة بعيدة نقطع السهل والوعر بقصد زيارتك لنفوز بشفاعتك والنظر الی ما ثرك ومعاهدك والقيام بقضاء بعض حقك والاستشفاع بك الی ربنا فان الخطايا قد قصمت ظهورنا الی ان قال الشفاعة الشفاعة الشفاعة يارسول الله يقولها ثلاثا اھ (نورالایضاح ص۱۹۱)

ہمیں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے اور ہم دور دراز شہروں اور بعید جگہوں سے آسان اور دشوار گذار راستے طے کر کے آپ کی زیارت کی غرض سے آئے ہیں تاکہ آپ کی شفاعت سے کامیابی حاصل کریں اور مبارک نشانات اور مقامات کو دیکھیں اور آپ کے حق کا کچھ حصہ ادا کریں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی پیش کریں کیونکہ گناہوں نے ہماری کمر توڑ دی ہے (پھر آگے فرمایا کہ) شفاعت شفاعت شفاعت یا رسول اللہ تین مرتبہ کہے۔

غور فرمائیے کہ کس طرح اس عبارت کے لفظ لفظ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کی تعظیم وعقیدت محبت ومودت اور الفت ورأفت کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے اور کس نیازمندانہ اور عاجزانہ انداز میں آپ سے شفاعت کی التجا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اہل اسلام کو سمیت اس حقیر پُرتقصیر کے بار بار روضۂ اقدس پر حاضری کا شرف مرحمت فرمائے۔ اے خالقِ بے نیاز کیا زندگی میں آئندہ بھی وہ دن آئے گا کہ ؎

وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم خاکِ در رسول کو سرمہ بنائیں ہم

اور علامہ شرنبلالیؒ نے پھر آگے حضرات شیخینؓ کی قبور کے پاس حاضری دینے کا مستحب طریقہ بتلاتے ہوئے نہایت والہانہ انداز میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ:۔

جئنا كما نتوسل بكما الی رسول الله صلی الله عليه وسلم ليشفع لنا ويسأل الله ربنا ان يتقبل سعينا ويحيينا علی ملته ويميتنا عليها ويحشرنا في زمرته الخ (نورالایضاح ص۱۹۱)

ہم تم دونوں کے پاس آئے ہیں تمہیں بطور وسیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ آپ ہمارے لیے شفاعت کریں اور اللہ تعالیٰ سے جو ہمارا رب ہے سوال کریں کہ وہ ہماری سعی کو قبول فرمائے اور ہمیں آپ کی ملت پر زندہ رکھے اور اسی پر وفات دے اور آپ کے گروہ میں ہمارا حشر کرے (آمین ثم آمین)

علامہ السید احمد طحطاوی الشفاعۃ کے جملہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

ای نطلب منک الشفاعۃ (طحطاوی صلا۳۰)	یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ سے شفاعت کرنے کی التجا کرتے ہیں۔

مشہور فقیہ عبدالرحمن بن الشیخ محمد بن سلیمان الحنفی المعروف بداماد آفندی (المتوفی ۱۰۷۸ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ویقول السلام علیک یا رسول اللہ اسئلک الشفاعۃ الکبریٰ واتوسل بک الی اللہ تعالیٰ فی ان اموت مسلما علی ملتک وسنتک الخ (مجمع الانہر ج ۱ ص ۳۱۳ فی شرح ملتقی الابحر مؤلف العلامۃ ابراہیم بن محمد الحلبی الحنفی المتوفی ۹۵۶ھ)	اور کہے سلام ہو آپ پر اے اللہ تعالیٰ کے رسول میں آپ سے بڑی شفاعت مانگتا ہوں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں کہ میں آپ کی ملت و سنت پر مسلمان ہوتے ہوئے مروں۔

اور اس سے قبل ج ۱ ص ۳۱۲ میں یہ حدیث نقل کرتے ہیں من صلی علی قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیا بلغتہ۔

حضرت امام نووی لکھتے ہیں کہ:۔

فاذا صلی تحیۃ المسجد اتی القبر الکریم فاستقبلہ واستدبر القبلۃ علی نحو اربع اذرع من جدار القبر وسلم مقتصدا لا یرفع صوتہ السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا خیرۃ اللہ من خلقہ السلام علیک یا حبیب اللہ الی ان قال فیتوسل بہ فی حق نفسہ ویتشفع بہ الی ربہ سبحانہ وتعالیٰ ویدعو لنفسہ ولوالدیہ واصحابہ واحبابہ ومن احسن الیہ وسائر	جب وہ تحیۃ المسجد ادا کرے تو قبر مبارک کے پاس جائے اور اس کے سامنے کھڑا ہو اور قبلہ کی طرف پیٹھ پھیر دے اور قبر مبارک کی دیوار سے تقریباً چار ہاتھ دور کھڑا ہو اور میانہ روی اختیار کرے اور آواز بہت زیادہ بلند نہ کرے اور کہے السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا حبیب اللہ اور سلام ہو تجھ پر اے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے چنے ہوئے (پھر آگے فرمایا) سو اپنے نفس کے حق میں آپ کا توسل کرے اور پروردگار کے سامنے آپ کو سفارشی بنائے اور اپنے والدین اور دوستوں اور

المسلمین اھ (کتاب الاذکار ص۱۸۴ طبع مصر)

جس نے بھی اس سے حسن سلوک کیا ہے اس کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے۔

نیز حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ويتوسل به في حق نفسه ويتشفع به إلى ربه سبحانه وتعالى ومن أحسن ما يقول ما حكاه أصحابنا عن العتبي مستحسنين له قال كنت جالسا عند قبر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فجاء أعرابي فقال السلام عليك يا رسول الله الخ (الایضاح فی مناسك الحج ص۴۹۵ طبع مصر)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے نفس کے بارے میں وسیلہ بنائے اور آپؐ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنائے اور اچھی بات وہ ہے جو ہمارے شوافع حضرات نے عتبیؒ سے حکایت کی اور اس کو انہوں نے اچھا سمجھا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں آپؐ کی قبر مبارک کے پاس تھا ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ الخ

علامہ رحمۃ اللہ السندھیؒ اور حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

ثم أي في تلك الساعة يطلب الشفاعة أي في الدنيا بتوفيق الطاعة وفي الآخرة بغفران المعصية فيقول يا رسول الله أسألك الشفاعة ثلاثا لأنه أقل مراتب الالحاح لتحصيل المنال في مقام الدعاء والسؤال ولا يبعد أن يكون إشارة إلى طلبها في المقامات الثلاثة من الدنيا أو البرزخ والآخرة والمراتب المرتبة من الشريعة والطريقة والحقيقة (لباب المناسك مع شرح المسلك المتقسط في المنسك المتوسط ص۳۳۹ طبع مصر)

پھر اس گھڑی شفاعت طلب کرے دنیا میں اطاعت کی توفیق کی اور آخرت میں گناہ کی بخشش کی اور تین مرتبہ کہے یا رسول اللہ میں آپ سے شفاعت طلب کرتا ہوں کیونکہ دعا اور سوال کے مقام میں مقصد حاصل کرنے کے لیے یہ عاجزی کے اقل مراتب ہیں اور بعید نہیں کہ دنیا۔ برزخ اور آخرت کے تین مقامات میں طلب شفاعت کی طرف اشارہ ہو اور ان تین بالترتیب مراتب کی طرف بھی اشارہ ہو جو شریعت طریقت اور حقیقت سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔

احناف کے ان دو بزرگ علماء نے قبر مبارک پر طلب شفاعت کا مستحسن ہونا اور اس کا طریقہ

بتایا ہے اور نیز یہ دونوں بزرگ لکھتے ہیں (ہم صرفی بحث سے صرف نظر کرتے ہوئے معنی کرتے ہیں)

وحسن ای بصیغۃ الوصف او المضی ای
ویستحسن ان یقول ای کما قال اعرابی
مقبول اللھم انك قلت وانت اصدق
القائلین وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ
جَآءُوْكَ ای تائبین فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ
ای عن ظلمۃ المعصیۃ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ
الرَّسُوْلُ ای بالشفاعۃ لردھم الی الطاعۃ
لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا ای قابلا لتوبتھم
رَّحِیْمًا بعصمنھم جئناك ای فقد اتینك
ظلمین لانفسنا مستغفرین من ذنوبنا
ای ومستشفعین بك الی ربنا فاشفع لنا
ای الی ربك واسئلہ ان یمن علینا بسائر
طلباتنا بکسر فسکون ای مطلوباتنا
وصئولاتنا الخ (لباب المناسك مع
المسلك المتقسط ص۳۳۴)

اور مستحسن ہے کہ زیارت کنندہ کہے جیسا کہ ایک مقبول
(بارگاہِ الٰہی) اعرابی نے کہا تھا اے اللہ تعالیٰ تو
نے فرمایا اور تو سب کہنے والوں میں زیادہ سچا ہے
اور اگر وہ جب کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا
تیرے پاس توبہ کرتے ہوئے آتے اور اپنے گناہ کی
تاریکی سے وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور ان کے
لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ان
کے اطاعت کی طرف لوٹنے کی شفاعت کرکے استغفار
کرتے تو اللہ تعالیٰ کو وہ توبہ قبول کرنے والا اور ان کے
بچاؤ پر مہربان پاتے سو بے شک ہم اپنی جانوں پر ظلم کرتے
ہوئے اور اپنے گناہوں سے معافی چاہتے ہوئے آئے ہیں
ہم آپ کو اپنے رب کے ہاں سفارشی بناتے ہیں سو آپ
اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش فرمائیں اور آپ
اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ ہمارے مطلوبات اور
سوالات پورے فرماکر ہم پر احسان فرماتے۔

اور پھر آگے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما (حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض) پر سلام کہنے کا طریقہ اور تعظیم و عقیدت کا سبق دیتے ہوئے علامہ رحمت اللہ صاحب رح لکھتے ہیں (اور حضرت ملا علی القاری رح اس کی تشریح کرتے ہوئے ان کی مکمل تائید کرتے ہیں)

جئنا یا صاحبی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم زائرین لنبینا وصدیقنا و
فاروقنا ونحن نتوسل بکما الی رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیشفع لنا الی ربنا

اے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو ساتھیو ہم
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق رض اور فاروق رض
کی زیارت کے لیے آئے ہیں اور ہم تم دونوں کو
آپ کے ہاں وسیلہ بناتے ہیں تاکہ آپ ہمارے

ای فی مغفرۃ ذنوبنا الخ (ایضاً ص۳۴)

یلیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لئے سفارش کریں اھ

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی الحنفی رح (المتوفی سنہ) لکھتے ہیں کہ

وقد اطبق الائمۃ الحنفیۃ علی سنیۃ زیارۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وزیارۃ صاحبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما والسلام علیہم و طلب الشفاعۃ منہم فلو کانوا قائلین بعدم سماع النبی والصاحبین لکان کلامہم متناقضاً اھ (المنحۃ الوھبیۃ ص۱۲)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں کی زیارت کے سنت ہونے اور ان پر سلام کہنے اور ان سے شفاعت طلب کرنے پر علماء احناف کا اتفاق ہے اگر یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبینؓ کے عدم سماع کے قائل ہوتے، (جیسا کہ وہم کیا گیا ہے) تو ان کا کلام متناقض ہوتا۔

یہ عبارت بڑی واضح اور روشن ہے جس سے حضرات فقہاء احناف کا مسلک واضح ہوتا ہے۔

علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں کہ

وقال الکرمانی من الحنفیۃ اذا اختار الرجوع یستحب لہ ان یأتی القبر الشریف ویقول بعد السلام والدعاء ودعناك یا رسول اللہ غیر مودع ولاسأمین بفرقتك نسألك ان تسأل اللہ تعالیٰ ان لا یقطع آثارنا من زیارت حرمك وان یعیدنا سالمین غانمین الی اوطاننا وان یبارك لنا فیما وھب لنا وان یرزقنا الشکر علی ذالك الخ (وفاء الوفا ج۲ ص۴۵۲)

احناف کے فقیہ کرمانی رحؒ نے کہا ہے کہ جب زیارت کنندہ واپس لوٹنے کا قصد کرے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ قبر شریف پر جائے اور سلام و دعا کے بعد کہے یا رسول اللہ ہم آپ سے رخصت ہو رہے ہیں لیکن رخصت ہونے کو جی نہیں چاہتا اور نہ آپ کی جدائی کو خوشی سے گوارا کرتے ہیں ہم آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ آپکے حرم شریف کی زیارت سے ہمارے آثار نہ مٹائے اور ہمیں سلامت اور غنیمت کے ساتھ ہمارے اوطان کی طرف لوٹائے اور جو کچھ اس نے دیا ہے اس میں برکت دے اور ہمیں اس پر شکر کی توفیق مرحمت فرمائے (آمین)،

علامہ ابن عابدین الشامیؒ فرماتے ہیں کہ

يستحب له اذا عزم على الرجوع الى اهله ان يودع المسجد بصلوٰة ويدعو بعدها بما احب وان يأتى القبر الكريم فيسلم ويدعو ويسأل الله تعالىٰ ان يوصله الى اهله سالمًا ويقول غير مودع يا رسول الله ويجتهد فى خروج الدموع فانه من امارات القبول اھ (شامی ج ۲ ص ۲۵۷ طبع مصر)

جب زیارت کنندہ اپنے گھر کو لوٹنے کا ارادہ کرے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ مسجد (نبوی) میں نماز پڑھ کر رخصت ہو اور اس کے بعد جو پسند ہو دعا کرے اور قبر مبارک کے پاس آئے اور سلام کہے اور دعا کرے اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ وہ اسے سلامتی سے اس کے گھر لوٹائے اور کہے یا رسول اللہ آپ سے رخصت ہونے پر دل آمادہ نہیں اور کوشش کرے کہ آنسو نکلیں کیونکہ یہ قبولیت کی نشانیوں میں سے ہے۔

چونکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ آپ کے سماع کے قائل ہیں سماع الموتیٰ میں ہم نے ان کا حوالہ عرض کر دیا ہے اس عبارت میں وہ آپ سے خطاب کرتے ہوئے آپ کے فراق اور جدائی کا والہانہ اظہار فرماتے اور اس کا طریقہ بتاتے ہیں۔

ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی صاحب علامہ ابن حجر کی الجوہر المنظوم کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔

روی عن علیؓ انه بعد دفنه صلی الله علیه وآله وسلم جاء اعرابی فقال یا رسول الله جئتك لتستغفر لی الی ربی فنودی من القبر الشریف قد غفر لك وانت صفية عمة النبی صلی الله علیه وآله وسلم بعد وفاته (فقالت) الا یا رسول الله انت رجائنا ۔ وكنت بنا برًا ولم تك جافیا۔ ويسمع الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم ولم ینكرها احد۔

(تحریرات حدیث ص ۲۵۶)

حضرت علیؓ سے روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن کئے جانے کے بعد ایک اعرابی آیا سو اس نے کہا کہ یا رسول اللہ میں آپ کے پاس آیا ہوں آپ میرے لیے میرے رب سے مغفرت طلب فرمائیں پس قبر مبارک سے آواز آئی کہ بیشک تیری مغفرت ہو چکی ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ آپ کی وفات کے بعد آئی اور اس نے یہ شعر پڑھا خبردار! اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ میری امید ہیں اور آپ ہم پر مہربان تھے اور آپ سخت مزاج نہ تھے حضرات صحابہ کرامؓ نے یہ سنا اور کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہ کیا

سند اور تاریخ کے لحاظ سے یہ واقعہ صحیح ہے یا غیر صحیح؟ یہ اپنے مقام کی بحث ہے۔ مگر

حضرت مولانا حسین علیؒ صاحب نے اس واقعہ کو مقام استدلال میں پیش کیا ہے اور اس کی یہاں تردید نہیں فرمائی اور تعامل اُمّت کی وجہ سے گویا انہوں نے اس کو صحیح سمجھا ہے اور ہمارا استدلال بھی اسی پہلو سے ہے حضرت مرحوم نے تفسیر بے نظیر ص۵۲ میں علامہ ابن عبد الہادیؒ کے نظریہ کی پیروی کرتے ہوئے اس روایت کے راوی ہیثم بن عدی الطائی پر کڑی جرح نقل کی ہے۔ لیکن پہلے یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ خود علامہ موصوفؒ اس راوی کی تعیین میں متردد ہیں تو وثوق کے ساتھ اس روایت کو موضوع اور ساقط الاعتبار قرار دینا بے جا ہے۔

ان تمام ذمہ دار فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کی روشن عبارات سے یہ بات واضح سے واضح تر ہو گئی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت کی التجاء کرنا جائز، صحیح اور درست ہے حضرت قطب الارشاد مولانا گنگوہی رحمہ اللہ نے فقہاء کرامؒ کی انہی عبارات کا حوالہ دیتے ہوئے یوں لکھا ہے کہ" اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی دلیل ہے۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے استشفاع تو حضرات فقہاء کرامؒ کے نزدیک ایک مسلمہ حقیقت ہے بلکہ حضرت ملا علی القاریؒ حاجی کو ہدایت کرتے ہوئے شہدائے اُحد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

ولا تترك اتیان زیارتھم واستدعاء شفاعتھم (شرح شفاء ج۳ ص۱۱ طبع مصر)	اور تم شہداء (اُحد) کی زیارت کو مت ترک کرنا اور نہ ان سے شفاعت کی التجاء سے گریز کرنا۔

اور حضرت مولانا گنگوہیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرے اپنی شفاعت چاہے اور کہے یا رسول اللہ اسئلك الشفاعة واتوسل بك الی اللہ فی ان اموت مسلماً علی ملتك و سنتك ان الفاظ میں اور جو چاہے زیادہ کر سکتا ہے مگر وہ سب کلمات ادب اور عاجزی کے ہوں لیکن سلفؒ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر الفاظ جتنے کم ہوں مستحسن ہے اور بہت تیز آواز سے نہ بولے بلکہ آہستہ خضوع اور ادب کے ساتھ عرض کرے اور جس طرف سے سلام کہنا ہو اس طرح عرض کرے۔ السلام علیکم یا رسول اللہ من فلان بن فلان یستشفع بك الی ربك الخ

(زبدۃ المناسک ص۱۴۰، ۱۴۱ طبع کراچی)

اور پھر ص۱۴۲ و ص۱۴۳ میں حضرات شیخین رح سے سلام عرض کرنے کا طریقہ اور ان کے توسل سے دعا کرنے اور ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاں سفارشی بنانے کا صراحت سے تذکرہ فرمایا ہے۔

حضرات فقہاء کرام کی ان عبارات کے جوابات

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرنا اور اس کا جواز و استحباب تو قارئین کرام کو مذکورہ بالا حوالوں سے بخوبی معلوم ہو گیا ہے اسی طرح حضرات شیخین رض کی قبور پر حاضر ہو کر سلام کہنا اور ان سے توسل کرنا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاں سفارشی بنانا بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے ان عبارات سے گلو خلاصی کے لیے ہمارے معاصرین کرام فریقوں نے جو چور دروازے اپنے لیے تلاش کئے ہیں جن سے وہ خود بھی نکل کر بھاگنا چاہتے ہیں اور اپنے ان حواریوں کو بھی گزارنا چاہتے ہیں جو اکابر کے دامن سے الگ رہنے کو ایک گونہ عار سمجھتے ہیں اور ان سے کٹ اور ہٹ کر الگ تھلگ رہنا چاہتے ہیں۔ یہ جوابات ہم انہی کی عبارات میں عرض کر رہے ہیں۔

چنانچہ مؤلف ندائے حق استشفاع عند القبر کی تردید کرتے ہوئے اور تسکین الصدور میں عالمگیری وغیرہ سے پیش کردہ حوالوں کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(۱) خلاصہ یہ نکلا کہ شیخین (ابوبکر رض و عمر رض) سے درخواست کرو حضور کو کہو کہ خدا سے کہیں کہ وہ ہماری مغفرت کرے یعنی واسطہ در واسطہ بریلویوں سے ایک قدم آگے وہ تو کہتے ہیں لے بے فقیر میری تیرے آگے اور تیری اللہ کے آگے (دعا ہو والتجاء) ہے۔ اور یہ بناسپتی دیوبندی فرماتے ہیں ہماری ابوبکر و عمر کے آگے اور ان کی حضور کے آگے اور پھر حضور کی اللہ کے آگے واہ ری دیوبندیت جدیدہ ترمیم شدہ۔

ناظرین اب انصاف سے بتائیں کہ مشرکین مکہ کو جو کوسا جاتا ہے ان کا کیا قصور تھا جو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل اور دیگر انبیاء و اولیاء کرام کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ الخ (ندائے حق ص۲۷۰ بقدر الحاجۃ)

الجواب:۔

اگر حافظ ابن الہمام مصنفین عالمگیری (اپنے وقت کے پانچ سو جید اور محقق علماء احناف رح نے اس کو

سلطان عالمگیرؒ کے حکم سے مرتب کیا تھا) علامہ شُرنبلالیؒ السید احمد طحطاویؒ علامہ رحمۃ اللہ سندھیؒ ملا علی القاریؒ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ وغیرہ وغیرہ حضرات بقول مؤلف ندائے حق اس کار روائی میں مشرکین مکہ کے پیروکار ہیں یا یہ سب حضرات بناسپتی دیوبندی ہیں یا یہ جملہ حضرات ترمیم شدہ دیوبندیت کی راہ پر گامزن ہیں توصاف لفظوں میں سُن لیجئے کہ ہم سوانی برادران بھی انہی حضرات کے دامن سے وابستہ ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہمیں اس پر فخر ہے اور ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں انہی حضرات کے مسلک پر رکھے اور قیامت کے دن انہی حضرات کے ساتھ ہمارا حشر ہو آپ اپنے لیے جو راستہ چاہیں اختیار کریں۔ ؎

اولٰئِکَ اٰبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

غور فرمایئے کہ مولف ندائے حق نے کس جرأت اور بے باکی سے ان اکابر علماء ملت کی کڑی مشرکین مکہ سے جاملائی ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

نجدیوں سے بھی دو قدم آگے

موجودہ دور کے نجدی علماء جو توسّل وغیرہ کے مسائل میں خاصے متشدد اور اپنی سطحیت اور ظاہریت میں بہت مشہور ہیں وہ بھی اس مسئلہ میں کفر و شرک کا فتویٰ لگانے سے گریز کرتے ہیں اس کو صرف بدعتِ شنیعہ کہتے ہیں چنانچہ وہ یہ عنوان قائم کرتے ہیں۔

کلام الناس فی مسئلۃ سوال اللہ بالمخلوق	اللہ تعالیٰ سے مخلوق کے واسطہ سے سوال کرنے کے بارے میں لوگوں کا کلام

اور آگے لکھتے ہیں:۔

بان الذی نعتقدہ انا لانکفر بھا احداً بل نقول ھی بدعۃ شنیعۃ نھی عنھا السلف الخ (الدرر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیۃ ج ۱ ص۱۱۲)	جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم اس کی وجہ سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ ایک بُری بدعت ہے جس سے سلف رحمہم اللہ نے منع کیا ہے۔

حضرت بلالؓ بن الحارث کا واقعہ جس کی تائید و تصدیق خلیفہ راشد حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ نے کی آپ پہلے پڑھ چکے ہیں آپ اس کی روشنی میں بخوبی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ کیا حضرات سلفؒ

نے اس سے منع کیا ہے یا اس کی اجازت دی ہے؟ نیز آپ حضرات فقہاء کرامؒ کی صریح عبارات پڑھ چکے ہیں جن سے اس کا روائی کا جواز اور استحباب ثابت ہے اور بدعت شنیعہ جائز اور مستحب نہیں ہوتی قطع نظر اس سے نجدیوں کا فتویٰ بھی دیکھئے کہ وہ اس مسئلہ میں تکفیر نہیں کرتے لیکن مؤلف ندائے حق ہیں جو ان اکابر فقہاء امت کی کڑی مشرکین مکہ سے ملانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں فالی اللہ المشتکیٰ باقی مؤلف ندائے حق کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک (اور اسی طرح حضرات شیخین رضؓ کی قبور) کے پاس سفارش کی التجا. اور شفاعت کی درخواست کو ھٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ کا مصداق قرار دینا خالص تحریف ہے کیونکہ اگر عند القبر شفاعت کی التجا اس کا مصداق ہوتی تو حضرت بلالؓ بن الحارث حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ اور فقہاء امت پر یہ بات واضح ہوتی اور وہ اس کی ہرگز اجازت نہ دیتے کیونکہ یقینی بات ہے کہ وہ حضرات قرآن کریم اور اس کی تفسیر اور اس کے معانی و مطالب کو مؤلف ندائے حق اور ان کے مشیروں سے زیادہ جانتے تھے۔ الغرض اس مسئلہ سے یہ آیت کریمہ بالکل غیر متعلق ہے اس سے غائبانہ شفاعت مراد ہے جس سے علم الغیب اور حاضر و ناظر کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے جو خالص شرک ہے بقدر ضرورت اس کی بحث ہم نے سماع الموتیٰ میں کر دی ہے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ استمداد عند القبر کے جواز اور عدم جواز میں خاصا اختلاف نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو مائۃ مسائل ص۳۶ و ۴۷ اور مسائل اربعین مسئلہ ص۲۷ میں جو یہ لکھتے ہیں۔

"وحق آنست کہ انکار فقہاء عام است از آنکہ استمداد از قبور انبیاء کنند یا از قبور غیر ایشاں ہمہ جائز نیست"۔

تو بظاہر اس سے اہل قبور سے مرادیں مانگنا مراد ہے ورنہ استشفاع عند القبر تو اکثر اور عام فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔ ہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام پر حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے دو فتوے عرض کر دیں تاکہ بات کی تہہ تک پہنچنا آسان ہو جائے۔

سوال: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اولیاء کرام و شہداء و صلحا نے عالی مقام سے بعد وفات کے اس طور سے استمداد درست ہے یا نہیں کہ لے فلاں بزرگ حق تعالیٰ سے میری حاجت روائی کے لئے آپ عرض کریں اور میری سفارش کریں اور میرے لیے دعا کریں؟

• جواب :۔ استمداد اموات سے بلا شبہ بدعت ہے خواہ قبر کے پاس استمداد کی جاوے یا غائبانہ ہووے صحابہؓ و تابعینؒ کے زمانے میں یہ امر نہ تھا لیکن اس بارہ میں اختلاف ہے کہ استمداد کرنا بدعت حسنہ ہے یا بدعت سیئہ ہے۔ اور طریقہ استمداد کے مختلف ہونے سے استمداد کے بارہ میں کیا حکم بھی مختلف ہوتا ہے ؟ تو اگر استمداد اس طریقے سے کیا جاوے جو سوال میں مذکور ہے تو ظاہراً جائز ہے اس واسطے کہ اس صورت میں شرک لازم نہیں آتا جیسا کہ بزرگوں سے بحالت حیات استمداد کرنا اس طور سے جائز ہے کہ اُن سے عرض کیا جاوے کہ درگاہ الٰہی میں میری حاجت روائی کے لیے آپ دعاء والتجاء کریں اور اگر اموات سے استمداد کسی دوسرے طریقے سے ہو تو اس طریقے کے موافق حکم ہوگا الخ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۸۹ مترجم اردو و اصل فارسی ج ۱ ص ۸۹ طبع مجتبائی دہلی)

اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمانؓ بن حنیف کی اس روایت کا ذکر کیا ہے جو ترمذی اور مشکوٰۃ وغیرہ کے حوالے سے آگے آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک یہ کارروائی شرک اور ناجائز نہیں بلکہ جائز ہے ہاں البتہ وہ اس پر بدعت حسنہ کا اطلاق کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین رحمہ کے زمانے میں نہ تھا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات بلالؓ بن الحارث اور حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کی کارروائی ان کے پیش نظر نہیں ہے ورنہ وہ ایسا نہ فرماتے بہر حال کچھ بھی ہو وہ اس کارروائی کو جائز قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ شرک نہیں ہے وھو المطلوب۔

حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی ایضاح الحق الصریح ص ۸۰ کی عبارت کا جواب ہم نے سماع الموتیٰ میں عرض کر دیا ہے اس کو وہیں ملاحظہ کر لیں (ان کی عبارت سے مؤلف ندائے حق نے ص ۱۱۹ میں استدلال کیا تھا)

نیز حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

واما استمداد باہل قبور در غیر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا غیر انبیاء علیہم السلام منکر شدہ اند آنرا بسیارے از فقہاء مے گویند کہ نیست نیارت

بہر حال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ (کیونکہ ان کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں (فتاویٰ رشیدیہ)

مگر برائے رسانیدن نفع باموات بدعا و
استغفار و قائل گشتہ اند بآں بعضے ازایشاں
وظاہر است کہ از فقہاء آنانکہ قائل بسمع وادراک
اند قائل بجواز اند و آنانکہ منکر اند آں را نیز انکار
کنند و آں امر نسبت ثابت و مقرر نزد مشائخ
صوفیہ اہل کشف و کمال تا آنکہ گویند اکثرے را
فیوض و فتوح از ارواح رسیدہ امام شافعی رحمہ
اللہ تعالیٰ علیہ گفتہ کہ قبر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
تریاق مجرب است مراجابت دعا را اھ
(فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص۱۰۸ طبع مجتبائی دہلی)

باقی اہل القبور سے مدد طلب کرنے کے بہت سارے
حضرات فقہاء کرامؒ منکر ہیں وہ فرماتے ہیں کہ زیارت
کا یہی مطلب ہے کہ مُردوں کو دعا و استغفار سے نفع
پہنچایا جاوے اور بعض فقہاء کرامؒ اس کے جواز کے
قائل ہیں اور ظاہر ہے کہ فقہاء میں سے جو میت کے سماع
اور ادراک کے قائل ہیں وہ اس کے بھی قائل ہیں اور جو
اُس کے منکر ہیں وہ اِس کے بھی منکر ہیں اور یہ امر
مشائخ صوفیاء میں سے اہلِ کشف و کمال کے ہاں ثابت
اور محقق ہے وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ اکثر کو فیوض اور
اشکالات کا حل ارواح سے ہوا ہے امام شافعیؒ فرماتے
ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؒ کی قبر اجابتِ دعا کیلئے
تریاق مجرب ہے۔

اور پھر اس کی مزید بحث کرنے کے بعد آخر میں تحریر فرماتے ہیں۔

ونیست صورت استمداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب کند
حاجت خود را از جناب عزت الٰہی بتوسل روحانیہ
بندہ کہ مقرب و مکرم درگاہ والا است وگوید خداوندا
ببرکت ایں بندہ کہ تو رحمت و اکرام کردہ او را برآوردہ
گرداں حاجت مرا یا ندا کند آں بندہ مقرب و مکرم
را کہ اے بندہ خدا و ولی وے شفاعت کن مرا
و بخواہ از خدائے تعالیٰ مطلوب مرا
تا قضا کند حاجت مرا پس نیست بندہ درمیان
مگر وسیلہ و قادر و معطی و مسئول پروردگار است
تعالیٰ شانہ و در وے ہیچ شائبہ شرک نیست

استمداد کی صورت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ محتاج
اپنی حاجت اللہ سے طلب کرتا ہے مگر توسل اُس بندہ
کے جو اللہ تعالیٰ کے دربار میں مقرب و مکرم ہے اور کہتا
ہے کہ اے پروردگار اس بندہ کی برکت سے جس کو تو نے
اپنی رحمت اور اکرام سے نوازا ہے میری حاجت پوری
کر دے اور یا اس بندہ مقرب و مکرم کو ندا کرتا ہے کہ اے
اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے ولی آپ میرے لیے
سفارش کریں اور اللہ تعالیٰ سے میرے مطلوب کی التجا کریں
کہ وہ میری حاجت پوری کر دے سو اس صورت میں بندہ
درمیان میں صرف وسیلہ ہے قادر اور دینے والا اور جس سے

چنانکہ منکر وہم کردہ و آں چناں است کہ توسل وطلب دعا از صالحان و دوستانِ خدا در حالت حیات کنند و آن جائز است باتفاق پس آں چرا جائز نباشد و فرقے نیست در ارواح کاملین در حین حیات و بعد از ممات مگر در ترقی کمالہم (فتاویٰ عزیزی جز ۲ ص ۱۰۸)

سوال کیا گیا ہے وہ صرف پروردگار ہے اور اس صورت میں شرک کا شائبہ تک بھی موجود نہیں ہے جیسا کہ منکر نے وہم کیا ہے اور یہ صورت ویسی ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں اور ولیوں سے ان کی زندگی میں اُن سے توسل اور طلبِ دعا کی جاتی ہے اور وہ بالاتفاق جائز ہے تو یہ صورت کیوں جائز نہیں ہے؟ اور کاملین کے ارواح میں زندگی اور بعد از وفات میں کوئی فرق نہیں ہاں مگر (بعد از وفات) ترقی کمال میں (جو پہلے سے بعد از وفات زیادہ ہوتی ہے)

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس مفصل عبارت سے معلوم ہوا کہ قبر کے پاس شفاعت طلب کرنے اور توسل کا مذکورہ بالا طریقہ جائز ہے اس میں شرک کا شائبہ تک نہیں ہے۔

الغرض حضرات فقہاء کرامؒ نے عند القبر جس توسل اور استشفاع کا ذکر کیا ہے یہ صورت جائز ہے اور وہ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ کی مد اور زد میں کسی طرح بھی نہیں آتی محض کوئی تحکم اور سینہ زوری کا مظاہرہ کرنا چاہے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

مغالطہ: عند القبر سوال کی ایک اور صورت بھی ہے جو خالص کفر و شرک ہے اور سطحی قسم کے لوگ پہلی صورت اور اس میں فرق نہ کرنے یا نہ سمجھنے کی وجہ سے اُلجھن میں پڑ جاتے ہیں اور اس صورت کا حکم پہلی صورت پر چسپاں کر دیتے ہیں جس سے خود مغالطہ کھاتے اور دوسروں کو مغالطہ میں ڈالتے ہیں چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ ایک اور مقام میں اہل قبور سے مدد مانگنے کی طویل بحث کرتے ہوئے اور اس کی قسمیں بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

دوم آنکہ چیزیکہ خصوصیت بجناب الٰہی دارد مثل دادن فرزند یا بارش باران یا دفع امراض یا طول عمر و مانند ایں چیز ہا بے آنکہ دعا و سوال از جناب الٰہی در نیت منظور باشد از مخلوقے درخواست

دوم یہ کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے مثلاً اولاد دینا یا بارش نازل کرنا یا بیماریاں دور کرنا یا عمر لمبی کرنا اور اسی طرح کی اور اشیاء مگر دعا و سوال کے وقت اللہ تعالیٰ سے مانگنا نیت میں

نمایند ایں نوع حرام مطلق بلکہ کفر است واگر از مسلماناں کسے از اولیائے مذہب خود خواہ زندہ باشند یا مُردہ ایں نوع مدد خواہد از دائرہ مسلماناں خارج مے شود اھ
(فتاوی عزیزی ج ۱ ص ۳۳ و ۳۴)

ملحوظ نہ ہو اور مخلوق سے اس کی مدد خواست کرے تو یہ قسم مطلق حرام بلکہ کفر ہے اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص اپنے مذہب کے اولیاءؒ سے خواہ وہ زندہ ہوں یا وفات پا چکے ہوں اس طرح کی مدد چاہے تو وہ مسلمانوں کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں سے یوں مُرادیں مانگنا کہ تُو میرا کام کر دے خالص کفر اور شرک ہے اور جُہلا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو قبروں پر حاضر ہو کر بزرگوں سے یہ سودا بازی کرتے ہیں کہ ؎

گگر ڑے تے پُتّر دے

اور یہی وہ صورت ہے جس کے بارے میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ پانی پتی فرماتے ہیں۔
دُعا از آنہا خواستن حرام است (مالا بد منہ ص ۸) یعنی اہل قبور سے مُرادیں مانگنا حرام ہے۔

اور یہی وہ استعانت ہے جس کے بارے حضرت مولانا گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں۔
دوسرے یہ کہ صاحب قبر سے کہے کہ تم میرا کام کر دو یہ شرک ہے خواہ قبر کے پاس کہے خواہ قبر سے دور کہے اھ (فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹ طبع جیّد برقی پریس دہلی)

اور اسی صورت کے بارے حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ توسّل بالمخلوق کی تین تفسیریں ہیں ایک یہ کہ مخلوق سے دعا کرنا اور اس سے التجا کرنا جیسا مشرکین کا طریقہ ہے اور یہ بالاجماع حرام ہے اھ (بوادر النوادر ص ۵۹۷) اور یہی وہ صورت ہے جس کو ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ نے تفسیر بے نظیر ص ۴۸ میں بحوالہ حافظ ابن تیمیہؒ نقل کیا ہے وہ لوگ جو انبیاءؑ صالحین کو بعد موت کے نزدیک سے پکارتے ہیں وہ بھی مشرک ہیں انتہی بلفظہٖ

الغرض استعانت باہل القبور کی یہ صورت کفر شرک اور بالاجماع حرام ہے بخلاف پہلی صورت کے کہ اس میں مراد تو اللہ تعالیٰ سے مانگی جاتی ہے بزرگوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف سفارشی بنایا جاتا ہے اور یہ طریقہ جیسا کہ زندگی میں درست ہے بقول حضرت شاہ عبد العزیزؒ بعد از وفات بھی درست ہے اس میں شرک کا شائبہ تک بھی موجود نہیں ہے۔

۲- مؤلف ندائے حق نے حضرات فقہاء کرامؒ اور علماء ملت کی عبارات سے گلو خلاصی کا ایک طریق تو وہ اختیار کیا جو آپ ۱ میں پڑھ چکے ہیں دوسرا طریق انہوں نے یہ اختیار کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ سو جیسے بریلویہ کی تعمیم بلادلیل وخلاف قاعدہ ہے اسی طرح آپ کی تعمیم بھی بلادلیل اور خلاف قاعدہ ہے (اس سے قبل اسی صفحہ میں لکھتے ہیں) پھر زمانہ حال میں بریلویوں کو کیوں برا کہتے ہو تم نے صلوٰۃ وسلام پہ سماع کا حصر اُٹھایا (یعنی شفاعت کو بھی جائز رکھا۔ صفدر) اور پھر نبی کے سماع کے حصر کو بھی اُڑایا (یعنی حضرات شیخینؓ کو بھی شامل کر دیا صفدر) جیسے وہ لوگ اپنے مسلک کی تائید میں کسی ایرے غیرے نتھو خیرے کا قول کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ نکالتے ہیں اگرچہ کتاب وسنت کے خلاف ہو ایسے ہی تم نے بھی اپنی تائید میں کتابوں کے حوالے پیش کئے دلائل اربعہ (کتاب وسنت اجماع وقیاس مجتہد) میں سے نہ اُن کا دعویٰ ثابت اور نہ تمہارا۔ یہود ونصاریٰ بھی توریت وانجیل کو چھوڑ کر اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی پوتھیاں ہی پیش کرتے تھے۔ (بلفظہٖ ص ۶۷، ص ۶۸)

الجواب:۔ مؤلف مذکور کی بیباکی ملاحظہ کیجئے کہ وہ حضرات فقہاء کرامؒ کے اس محتاط طبقہ کو جس کے احتیاط سے بڑھ کر احتیاط کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ایرے غیرے اور نتھو خیرے سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کی مستند اور معتبر کتابوں کو جو علوم اسلامیہ کا بیش بہا ذخیرہ ہیں پوتھیوں سے تعبیر کرکے اپنے دل ماؤف کی بھڑاس نکال لیتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اگر یہ حضرات ایرے غیرے نتھو خیرے ہیں تو نہ معلوم دینی اور فقہی خدمات کرنے والے کون حضرات ہوں گے؟ اور اگر ان حضرات کی کتابیں پوتھیاں ہیں تو علوم شرعیہ کا ذخیرہ کن کتابوں میں ملیگا؟ اور مؤلف مذکور خود خیر سے کتاب وسنت اور اجماع وقیاس مجتہد سے ایک حوالہ بھی نہیں پیش کرسکے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک کا آپ کے جسد اطہر سے قبر مبارک میں کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے اور یہ کہ آپؐ سے یا حضرات شیخینؓ سے مذکورہ بالا طریقہ سے توسل ناجائز ہے اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک پیش نہیں کرسکیں گے غیروں کی طرف سے یا اپنی طرف سے غیر متعلق حوالے اور عبارات پیش کرنے سے کچھ نہیں بنتا جیسا کہ کسی بھی اہل علم سے یہ مخفی نہیں ہے۔

۴۔ مؤلف ندائے حق نے اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز اور تأسف انگیز بات یہ لکھی ہے کہ بس ہم اب آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ جتنی کتابوں میں یہ مسئلہ قبر پر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دعا و استغفار و استشفاع کا جو معتبر کتب میں لکھا جا چکا ہے وہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے اور بس بلفظہٖ (ص ۳۱۱)

الجواب: ۔ ان ٹھوس عبارات اور صریح حوالوں سے چھٹکارے کے لیے اس سے بہتر جواب اور کوئی نہیں ہو سکتا یہ ایسا جواب ہے جس سے مؤلف ندائے حق کی مرضی کے خلاف تمام ان امور کا قلع قمع ہو جاتا ہے جن کو وہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں لیکن ہم بجبر کے بغیر کیا کریں؟ اگر ان مشہور و متداول اور بقول مؤلف مذکور معتبر کتابوں میں بھی باغی گھس گئے ہیں تو پھر اسلامی کتابوں کا اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا حشر ہو گا؟ اور ان باغیوں نے ان میں داخل ہو کر کیا کچھ نہ کیا ہو گا؟ بعض بزرگوں نے قطعیات کے خلاف بعض غیر معروف کتابوں کے بارے میں یہ بات تو کہی تھی لیکن حضرات فقہاء کرامؒ کی معتبر مستند متداول مشہور اور بے شمار کتابوں کے بارے میں یہ تیر بہدف نسخہ اور اکسیر اعظم صرف مؤلف مذکور ہی کو سوجھی ہے۔

اقامۃ البرہان: ۔ یہ جواب تو تھا مؤلف ندائے حق کا اب آپ مؤلف اقامۃ البرہان کا جواب بھی ملاحظہ کیجیے جس سے انہوں نے حضرات فقہاء کرامؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کے فتاوٰی رشیدیہ سے گلو خلاصی چاہی ہے

چنانچہ وہ لکھتے ہیں اگر فتاوٰی رشیدیہ کے مرتب سے یہاں سہو نہیں ہوا اور یہ الفاظ واقعی حضرت گنگوہیؒ ہی کے ہیں تو اس کے بارے میں بادب گذارش ہے کہ اصولی طور پر اس دلیل سے اتفاق مشکل ہے اس لیے کہ جس حدیث پر سماع انبیاء علیہم السلام کا مدار ہے بشرط صحت اس سے صرف صلوٰۃ وسلام کا سماع ثابت ہوتا ہے اور یہ حکم یعنی سماع عند القبر چونکہ خلاف قیاس ہے اس لیے اپنے مورد پر بند رہے گا لہٰذا سماع صلوٰۃ وسلام پر قیاس کر کے استشفاع عند القبر کو جائز کہنا صحیح نہیں اور مطابق فتوٰی شاہ محمد اسحاقؒ انبیاء علیہم السلام کی قبور کا استشفاء جائز نہیں۔ باقی رہا فقہاء کا لکھ دینا تو یہ جواز کے لئے کافی نہیں، کیونکہ یہ قول متاخرین کا ہے اور ان کو مذہب میں ایک نیا قول ایجاد کرنے کی اجازت نہیں

قبر مبارک تو امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے زمانہ میں بھی موجود تھی مگر انہوں نے قبر مبارک پر شفاعت مغفرت عرض کرنے کی اجازت نہیں دی اس لیے ان متاخرین کا قول حجت نہیں چنانچہ فتاویٰ غیاثیہ میں شیخ الاسلام شہیدؒ سے نقل ہے کہ لانا نأخذ باستحسان مشائخ البلخ وانما نأخذ بقول اصحابنا المتقدمین اھ (ص ۲۹۴ و ص ۲۹۵)

مؤلف ندائے حق نے بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے (مکتوبات ج ۲ ص ۱۲۳ کے) حوالہ سے شیخ الاسلام شہیدؒ کی یہ بالا عبارت پیش کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ تعامل استحسان کی دلیل نہیں پھر آگے مؤلف مذکور جوش میں آکر لکھتے ہیں اب فرمایئے کہ آپ کن دلائل کے زور پر متاخرین کے اس نازیبا عمل کو مستحسن قرار دیتے ہیں جب کہ آئمہ اربعہؒ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں پھر متاخرین کی کون سنتا ہے۔ بلفظہٖ (ندائے حق ص ۱۲۱ و ص ۱۲۲)

الجواب: جمہور کے دلائل عرض کر دیئے گئے ہیں اگر آپ حضرات کا حضرت گنگوہیؒ سے اتفاق مشکل ہے یا آپ کے نزدیک متاخرین کا قول حجت نہیں یا وہ نازیبا عمل ہے تو یقین جانیئے کہ ہمیں ان سے اتفاق کرنے اور ان کے قول کو حجت سمجھنے اور ان کے قول کو جو حضرت بلالؓ اور حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کے قول و عمل سے مؤید ہے زیبا سمجھنے کا فخر حاصل ہے اور ہمارے لیے اتفاق آسان ہے حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے اقوال پہلے گذر چکے ہیں باقی آئمہ کرامؒ سے نصاً کچھ بھی ثابت نہیں اور حضرات متاخرینؒ کا قول محض استحسان نہیں بلکہ حضرت بلالؓ کے عمل پر مبنی ہے جس کو حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کی تائید حاصل تھی لہٰذا حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شیخ الاسلام شہیدؒ کا حوالہ بالکل غیر متعلق حوالہ ہے اور یہ ناقلین کو ہرگز مفید نہیں ہے کما لا یخفیٰ

اعتراض: دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا عموماً اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خصوصاً عند القبر سماع ثابت نہیں بلکہ قرآن و حدیث کے دلائل اس کے خلاف ہیں اولاً اس لیے کہ حضرت عزیر علیہ السلام سو سال تک مردہ رہے اور جب اس کے بعد زندہ ہوئے تو انہوں نے اس طویل زندگی کو یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ سے تعبیر کیا اگر سماع ثابت ہوتا تو ایسا نہ ہوتا بلکہ ان کو معلوم ہوتا کہ کتنا عرصہ گذر چکا ہے وثانیاً قرآن کریم میں اِنَّكَ

لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی الآیۃ اور اس مضمون کی جتنی بھی آیتیں آتی ہیں وہ سماع کی نفی کرتی ہیں عام اس سے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع ہو یا عام موتٰی کا و ثالثاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں حجرہ اور مسجد کے باہر لوگ باتیں کیا کرتے تھے اور ایک موقع پر حضرت ابن مسعودؓ کی اہلیہ حضرت زینبؓ نے دروازہ کے باہر حضرت بلالؓ سے باتیں کیں اور مسئلہ دریافت کیا مگر آپ نہ سُن سکے تو قبر میں اتنی مٹی کے نیچے کیسے سُن سکتے ہیں؟ (محصلہ)

الجواب: - اس کی پوری تحقیق تو سماع الموتٰی کے رسالہ میں ہوگی جو انشاء اللہ الگ شائع ہوگا (اور اب بفضلہ تعالیٰ شائع ہو چکا ہے) یہاں نہایت اختصار سے یہ عرض ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خصوصاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عند القبر سماع کی نفی ان دلائل سے باطل ہے پہلی شق کا جواب یہ ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قبر اور برزخ کی زندگی کا احساس عموماً نہیں ہو سکتا کہ کم گذری یا زیادہ؟ وہاں مومنوں کی راحت و خوشی اور بدکاروں کی تکلیف و تعذیب اس انداز سے ہوتی ہے کہ زمانہ کا صحیح ادراک ہی نہیں ہو سکتا، اور آخر اس جہاں میں بھی آرام و خوشی کے موقع پر اکثر ایسا ہو جاتا ہے کہ وقت کا پتہ نہیں چلتا کہ تھوڑا گذرا ہے یا زیادہ؟ اور تکلیف کے وقت تھوڑا عرصہ بھی زیادہ معلوم ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ غمی میں بھی وقت کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا صاحب تسکین القلوب نے بجا فرمایا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ خوشی کے وقت مرور زمانہ کا احساس نہیں رہتا اور تکلیف دکھ اور غم فراق کے وقت یہ احساس بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے الخ (ص۵۵) گویا غمی میں وقت اور زمانہ کی تعیین و تحدید میں افراط ہو جاتا ہے اور خوشی میں تفریط کچھ بھی ہو صحیح اندازہ تو نہ رہا۔ وھو المطلوب چنانچہ علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں ؎

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اُڑتے جاتے ہیں
مگر گھڑیاں جُدائی کی گذرتی ہیں مہینوں میں

الغرض: حضرت عزیر علیہ السلام کے اس واقعہ کو عدم سماع سے کوئی تعلق نہیں آخر یہی مضمون حضرات سلفؒ و خلفؒ کے سامنے بھی تھا۔ مگر وہ سبھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

والسلام کے سماع کے قائل تھے اور کسی نے اِس مضمون سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عند القبر عدم سماع پر استدلال نہیں کیا۔ علامہ ابن عبد الہادی رح ایک مقام پہ لکھتے ہیں کہ :۔

ولا یجوز احداث تأویل فی اٰیۃٍ وسنۃٍ لم یکن علیٰ عھد السلف و لا عرفوہ ولا بینوہ للامۃ فان ھذا یتضمن انھم جھلوا الحق فی ھذا و ضلوا عنہ واھتدیٰ الیہ ھذا المعترض المستأخر فکیف اذا کان التأویل یخالف تأویلھم ویناقضہ وبطلان ھذا التأویل اظھر من ان یطنب فی ردہ الخ (الصارم المنکی ص۲۲۴ طبع مصر)

جائز نہیں کہ کسی آیت یا حدیث کا کوئی ایسا معنی اور تاویل کی جائے جو حضرات سلف رح کے زمانہ میں کی گئی ہو اور نہ انہوں نے وہ تاویل سمجھی ہو اور نہ اُمت کے سامنے بیان کی ہو کیونکہ یہ اِس بات کو متضمن ہے کہ سلف رح اس میں حق سے جاہل رہے اور اس سے بھک گئے اور یہ پیچھے آنے والا معترض اس کی تہہ کو پہنچ گیا اور خصوصاً جب کہ متأخر کی تاویل سلف کی تاویل کے خلاف اس کے برعکس ہو پھر کیونکر وہ قبول کی جا سکتی ہے؟ اور اس تاویل کا بطلان ایسا ظاہر ہے کہ اس کے رد کے لیے کسی بسط کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس آیت کریمہ یا حدیث شریف کا مطلب اور معنی حضرات سلف صالحین رح نے نہ سمجھا ہو اور نہ کیا ہو اور متأخرین رح میں سے کسی نے سمجھا اور کیا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ معنی یقیناً مردود ہے اور حضرت عزیر علیہ السلام سے متعلق اس مضمون سے حضرات سلف صالحین رح میں سے کسی نے عدمِ سماع موتٰی اور خصوصاً عدم سماع انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر استدلال نہیں کیا لہٰذا اس سے یہ استدلال باطل اور مردود ہے۔ دلائل کی مد میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے خواہ اس کے کہنے والی شخصیت متأخرین میں کتنی ہی بڑی ہو۔

حضرت مجدد الف ثانی رح ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

سعادت آثارا آنچہ برما و شما لازم است تصحیح عقائد بمقتضائے کتاب و سنت برنہجیکہ علماء اہل حق شکر اللہ سعیہم از کتاب و سنت آں

اے نیک بخت جو چیز ہم پر اور تم پر لازم ہے وہ کتاب و سنت کے مطابق عقائد کی اصلاح کرنا ہے مگر اُسی طریقہ پر کہ علماءِ اہلِ حق نے (اللہ تعالیٰ ان کی

عقائد را فہمیدہ اند و آنچہ اخذ کردہ چہ فہمیدن ما و شما از حیز اعتبار ساقط است اگر موافق افہام ایں بزرگواران نباشد۔ زیرا کہ ہر مبتدع و ضال احکام باطلۂ خود را از کتاب و سنّت می فہمد و از آں جا اخذ می نماید و الحال انہ لا یغنی من الحق شیئا۔ (مکتوبات دفتر اوّل حصہ سوم ص۳۳ مکتوب ۱۹۳ طبع امرتسر)

کوششوں کو بار آور کرے) کتاب و سنّت سے ان کو سمجھا ہے اور ان سے اخذ کیا ہے کیونکہ ہمارا اور تمہارا سمجھنا اگر ان بزرگوں کے فہم کے مطابق نہ ہو اعتبار کے مقام سے ساقط ہے کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے باطل احکام کو کتاب و سنّت ہی سے سمجھتا ہے اور وہاں ہی سے اخذ کرتا ہے حالانکہ اس کا یہ سمجھنا حق کی کسی چیز سے مستغنی نہیں کرتا۔

اس سے بھی وضاحت کے ساتھ ثابت ہوا کہ قرآن و حدیث کے مطلب اور معنیٰ کے سمجھنے میں حضرات سلف صالحینؒ کے فہم پر اعتماد کرنا پڑے گا اور اس کے بغیر چارہ نہیں ورنہ سخت ٹھوکر لگے گی۔

اور دوسری شق کا جواب یہ ہے کہ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اور اسی طرح اس مضمون کی جتنی بھی دیگر آیات ہیں ان سے سماع موتٰی کی نفی پر استدلال اگرچہ بعض سلفؒ نے کیا ہے جن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ پیش پیش ہیں مگر جمہور نے ان کا ساتھ نہیں دیا بلکہ جمہور حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ ہیں جو سماع موتٰی کی روایت کے راوی اور اس کے مُقر ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

والصحیح عند العلماء روایۃ عبداللہ بن عمرؓ لما لہا من الشواہد علی صحتہا من وجوہ کثیرۃ الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)

اور صحیح بات علماء کرام کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہی ہے کیونکہ اس کی صحت پر کئی ایک شواہد دلالت کرتے ہیں۔

اور اس پر بحث کرتے ہوئے آگے سماع موتٰی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔

والسلف مجمعون علی ہذا وقد تواترت الآثار عنہم بان المیت یعرف بزیارۃ الحی لہ ویستبشر بہ الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)

اور سلف صالحینؒ کا اس بات پر اجماع ہے، اور بلا شبہ تواتر کے ساتھ ان سے مروی ہے کہ مُردہ اس زندہ کو جو اس کی زیارت کرتا ہے پہچانتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے۔

اور اس آیت کا مطلب حافظ ابن کثیرؒ یہ بیان فرماتے ہیں۔

ای لا تسمعھم شیئًا ینفعھم کذٰلک ھؤلاء علی قلوبھم غشاوۃ وفی اٰذانھم وقر الکفر (تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۳۸۴)

یعنی تو ان کو کوئی چیز نہیں سُنا سکتا جو ان کو نفع دے پس اسی طرح ان کفار کے دلوں پر پردے ہیں اور ان کے کانوں میں کفر کے بوجھ ہیں۔

یعنی آیت کا یہ مطلب نہیں کہ مُردے سنتے نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کے حق میں سماع مفید اور نافع نہیں کیونکہ جب تکلیفی زندگی ختم ہو چکی ہو تو پھر ایمان لانے اور توبہ کرنے کا کیا معنٰی؟ پس یہی حال زندہ کافروں کا ہے کہ وہ سنتے تو ہیں مگر ان کو سماع مفید اور نافع نہیں، کیونکہ وہ ایمان نہیں لاتے اور حق کو قبول نہیں کرتے آخر خود قرآن کریم میں اس کی تصریح موجود ہے کہ:۔

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَھُمْ مُّسْلِمُوْنَ (پ۱۹۔ النمل۔۶)

تو نہیں سُنا سکتا مگر ان کو جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں پس وہ مسلمان ہوتے ہیں۔

اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ دُنیا میں جو کافر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور مسلمان نہیں ہوتے وہ سنتے ہی نہ تھے اگر ان سے قوت سماع ہی سلب کر لی گئی تھی تو وہ مکلّف کس امر کے تھے؟ مطلب صاف ہے کہ وہ اس انداز سے نہیں سنتے تھے کہ وہ حق کو قبول کر لیں اور اس کو مان لیں اور سماع ان کے حق میں مفید اور نافع ہو۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی یوں ہے:۔

فَاَعْرَضَ اَکْثَرُھُمْ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ہ (پ۲۴ حٰمٓ السجدۃ-۱)

پس ان میں سے اکثر نے اعراض کیا، سو وہ نہیں سُنتے۔

اس کا مطلب بھی بجز اس کے اور کیا ہے کہ کافر اس انداز سے نہیں سُنتے جو ان کے حق میں نافع اور مفید ہو، یہ مراد تو قطعاً اور یقیناً نہیں کہ کافر دُنیا میں سنتے ہی نہ تھے اور نہ اب سُنتے ہیں اور چونکہ کافروں کے اسماع کو مُردوں کے اسماع سے تشبیہ دی گئی ہے تو اصول کی رُو سے مشبہ اور مشبہ بہ میں مشابہت درکار ہے اور وہ یہی ہے کہ نہ کافروں کے حق میں سماع مفید اور نافع ہے اور نہ مُردوں کے حق میں ہاں نفس سماع دونوں کے لیے ثابت اور متحقق ہے۔

حضرت مولانا تھانوی تحریر فرماتے ہیں کہ چونکہ بعض احادیث میں مُردوں کا سننا قریب جگہ نہ کہ بعید جگہ سے وارد ہے اس لئے بعض علماء نے آیت (کے معنی) میں کہا ہے کہ مُراد سماعِ منفی سے سماع نافع ہے (بیان القرآن ج ۸ ص ۱۴) اور بھی متعدد مفسرین کرامؒ نے اس آیت کریمہ کے معنی میں یہی فرمایا ہے کہ اس سے مُردوں کے مطلق سماع کی نفی نہیں بلکہ سماع نافع اور مفید کی نفی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :-

قلت اذا صح عن النبي صلى الله عليه وسلم ان الموتى تسمع كلام الحي فمعنى قوله تعالى اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى باختيارك وقدرتك كما انت تسمع الحي على ما جرى به عادة الله تعالى لكن الله تعالى يسمع الموتى كلام الاحياء اذ شاء اوانك لا تسمع الموتى سماعا تترتب عليه الفائدة انتهى

(ملخصًا تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۵۴)

میں کہتا ہوں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ مُردے زندہ کا کلام سنتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کہ تو مُردوں کو نہیں سُنا سکتا یہ معنی ہوگا کہ تو اپنے اختیار اور قدرت سے نہیں سُنا سکتا جس طرح کہ تو زندہ کو سُنا سکتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے لیکن اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تو مُردوں کو زندوں کا کلام سنا دیتا ہے یا اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کا یہ مطلب ہے کہ تو ان کو اس انداز سے نہیں سُنا سکتا جس پر فائدہ مرتب ہو۔

مطلب یہ ہے کہ یہ سنانا تیری قدرت، اختیار اور بس میں نہیں ہے کیونکہ جس عالم میں یہ سماع ہے وہ قبر اور برزخ کا عالم ہے اور اِس جہان میں جیسے سماع عادۃ اللہ کے مطابق ہے اُس جہان کا سماع اس سے متفاوت اور جُدا ہے، اس کو آپ ایسا ہی سمجھیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ الاية

کہ بیشک تو ہدایت نہیں دے سکتا (یعنی تجھے ہدایت دینے کا اختیار اور قدرت نہیں ہے) جس سے تو محبت کرتا ہے اور لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت فرماتا ہے

اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے تو کسی کو ہدایت حاصل ہی نہیں ہوتی اور قاضی صاحبؒ نے دوسرا مطلب اس آیت کریمہ کا یہ بیان فرمایا ہے کہ نفی اس سماع کی ہے جس پر کوئی نتیجہ ثمرہ اور فائدہ مرتب ہو اور وہ ہی سماع ہو سکتا ہے جو نافع اور مفید ہو اور مرنے کے بعد سماع کا کیا فائدہ؟ کہ نہ ایمان قبول اور نہ توبہ۔ بہرکیف یہ آیت کریمہ مطلقاً نفی سماع موتٰی کی دلیل نہیں ہے اور بطور قطعی اور یقینی طور پر دلیل نہ ہونا تو واضح امر ہے اور بعض حضرات نے اسماع (سنانے) اور سماع (سننے) میں فرق کیا ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اسماع کی نفی ہے۔ سماع کی نہیں۔ لہٰذا اس آیت کریمہ کو سماع موتٰی کی نفی پر دلیل بنانا درست نہیں ہے چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

اپنے خیالِ نارسا کے موافق سمعِ اموات حد اسماع سے تو پرے ہے پر استماع اموات ممکن ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خدا نے تو اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باوجود اس کے سلام اہل القبور مسنون کر دیا اگر استماع ممکن نہیں تو یہ بیہودہ حرکت یعنی سلام اہل القبور ملحدوں کی زبان درازی کے لیے کافی ہے (جمال قاسمی ص۹ طبع مجتبائی دہلی)

اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

اقول والاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر اھ (فیض الباری ج۲ ص۴۶۷) — میں کہتا ہوں کہ مُردوں کے سماع کی حدیثیں تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں۔

اور دوسرے مقام پر منکرین سماع موتٰی کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

وان ذخیرۃ الحدیث تدل علی سمع الموتٰی الخ (العرف الشذی ص۳۵۳) — حدیث کا ذخیرہ تو سماع موتٰی پر دلالت کرتا ہے۔

تو ان تمام دلائل کو پیش نظر رکھ کر موصوفؒ آیت کریمہ کا ایک مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ

فقیل بالفرق بین السماع والاسماع والمنفی ھو الثانی دون الاول الخ (فیض الباری ج۲ ص۴۶۷) — اور یہ فرق بھی بیان کیا گیا ہے کہ سماع اور ہے اور اسماع اور ہے اور آیت میں نفی اسماع کی ہے نہ کہ سماع کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ سماع اور اسماع کا فرق بڑے بڑے اکابر نے محوظ رکھا ہے حضرت مولانا عثمانی رحمہ اللہ مسئلہ سماع موتٰی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

قال العبد الضعیف عفا اللہ عنہ والذی فصل لنا من مجموع النصوص واللہ اعلم ان سماع الموتٰی ثابت فی الجملۃ بالاحادیث الکثیرۃ الصحیحۃ اھ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹)

بندہ ضعیف اللہ تعالیٰ اس کی لغزشوں سے درگذر فرمائے کہتا ہے کہ جو چیز ہمیں مجموعہ احادیث سے حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے یہ ہے کہ سماع موتٰی فی الجملہ احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے۔

اور اپنی مختصر مگر مستند تفسیر میں اس پر خاصی بحث کرتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں کہ :۔ بہرحال آیت میں اسماع کی نفی سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی واللہ اعلم انتہی۔ (پ ۲۱، سورۃ الروم ۵ ص ۵۳۱)

علامہ آلوسی الحنفی اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے خاصی بحث کرتے ہیں اور اس میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ :۔

والحق ان الموتٰی یسمعون فی الجملۃ اھ

حق بات یہ ہے کہ مردے فی الجملہ سنتے ہیں۔

(روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۷)

الحاصل اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی سے سماع مفید اور نافع کی نفی مراد ہو یا یہ مطلب ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار سے یہ خارج ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اور یا مطلب ہو کہ نفی اسماع کی ہے، سماع کی نفی نہیں کوئی بھی تفسیر اور مطلب لیا جائے موتٰی کے مطلق سماع کی نفی اس سے ثابت نہیں ہوتی جب عام موتٰی کے مطلق سماع کی نفی پر یہ دال نہیں تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عند القبر جس کی بحث چل رہی ہے (نفی سماع پر یہ کیونکر دلیل بن سکتی ہے ؟ اور اگر بالفرض عام موتٰی کے سماع کی نفی پر دال بھی ہو تو پھر بھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع اس سے خارج ہے۔ آخر اس مضمون کی آیات تمام حضرات سلف صالحین کے سامنے بھی تھیں ان کا ورع اور تقوٰی بھی زیادہ تھا، خدا خوفی بھی بڑی تھی اور قرآن کریم کی تفسیر اور مطالب پر بھی ان کی گہری نگاہ تھی مگر کسی نے اس مضمون

کی آیات سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے (عند القبور) سماع کی نفی پر استدلال و احتجاج نہیں کیا بلکہ ان کا اجماع اس کے خلاف منعقد ہوا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہی رح وغیرہ کی صریح عبارات سے باحوالہ یہ بات پہلے عرض کی جا چکی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص حضرات سلف صالحین رح کے مقابلہ میں اپنی ہی رائے پر مصر ہے اور اسی کو حرف آخر سمجھے تو اس جہان میں اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ عام سماع موتٰی کا مسئلہ اگرچہ اختلافی ہے مگر سارے مالکی، شافعی، حنبلی اور احناف کی اکثریت اور اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی اکثریت سماع موتٰی کی قائل ہے اگر سماع موتٰی کے مسئلہ سے شرک پیدا ہوتا یا یہ منجر الی الشرک ہوتا تو یہ اکابر علماء اسلام کبھی سماع کا اقرار نہ کرتے اور اگر اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی اور اس مضمون کی دیگر آیات سے سماعِ موتٰی کی نفی ثابت ہوتی تو یہ اکابر قرآن کریم کے خلاف ہرگز یہ نظریہ نہ رکھتے اور اگر اپنے مقام پر سماعِ موتٰی کے دلائل و براہین ثابت اور متحقق نہ ہوتے تو یہ اکابر سماعِ موتٰی کا کیوں اقرار کرتے؟ ان میں سے ایک ایک بات صراحت سے اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ حق جمہور کے ساتھ ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع تو اجماعی مسئلہ ہے اس کے حق ہونے میں کوئی شک نہیں ہے حافظ ابن تیمیہ رح اور علامہ ابن القیم رح وغیرہ وہ بزرگ ہیں کہ اگر کسی بات سے شرک کا ادنیٰ ترین وہم بھی پیدا ہوتا ہو تو وہ اس کا سدّ باب کرتے ہیں اور اس کے خلاف محاذ قائم کر دیتے ہیں مگر سماعِ موتٰی کا مسئلہ اتنا صاف اور ایسا بے غبار ہے کہ یہ بزرگ اس کے پُرزور حامی ہیں چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وسماع المیت للاصوات من السلام والقرأۃ حق (اقتضاء الصراط المستقیم ص۱۸۱ طبع مصر)	مردہ کا سلام و قرأت کی آوازوں کو سننا حق ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ موتٰی کا سماع حافظ ابن تیمیہ رح کے نزدیک صرف سلام تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کے نزدیک وہ قرآن کریم کی قرأت بھی بدستور سنتے ہیں اگر اس سماع میں شرعاً کوئی خرابی ہوتی یا یہ نصوص کے خلاف ہوتا تو موصوف رح اس کو حق سے کبھی تعبیر نہ کرتے۔

حضرت عبد اللہ رض بن عباس رض سے ایک روایت آتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی کوئی شخص اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گذرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا تو جب وہ اس کی قبر پر سلام کہتا ہے صاحبِ قبر اس کو (اس کی آواز سے) پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے (محصلہ الجامع الصغیر ج ۲ ص۱۵۱) اس روایت کو امام ابن عبدالبرؒ علامہ عبدالحق اشبیلیؒ۔ ابن عبدالہادیؒ۔ قاضی شوکانیؒ اور مولانا عثمانیؒ وغیرہ سب صحیح کہتے ہیں (تفصیل سماع الموتیٰ کے رسالہ میں ہے) اس حدیث کو حافظ ابن القیمؒ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

ھذا انص فی ان یعرفہ بعینہ ویرد علیہ السلام اھ (کتاب الروح ص۷)	یہ حدیث اس بات میں نص ہے کہ مُردہ سلام کہنے والے کو بخصوصہ پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے

اور اپنے مشہور قصیدہ نونیہ میں اس مسئلہ کو خوب پھیلا کر انہوں نے بیان کیا ہے اور مزے لے لے کر اشعار فرماتے ہیں۔ ان کے چند اشعار یہ ہیں۔ ؎

وھذا ورد نبینا تسلیم من یأتی بتسلیم مع الاحسان	اور یہ امر صحیح ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم عند القبر اس شخص کے سلام کا جواب دیتے ہیں جو آپ کو سلام کہتا ہے۔
ما ذاك مختصا بہ ایضا کما قد قالہ المبعوث بالقرآن	یہ بھی آپ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جیسا کہ خود اُس ذات گرامی نے فرمایا جس کو قرآن دے کر بھیجا گیا ہے۔
من زار قبر اخ لہ فاتی بتسلیم علیہ وھو ذو ایمان	جس شخص نے اپنے کسی مومن بھائی کی قبر کی زیارت کی اور اس نے سلام کہا!
رد الالہ علیہ حقا روحہ حتی یرد علیہ رد بیان (النونیہ ص۱۴۵)	تو پروردگار یقینی طور سے اس پر اس کی رُوح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کا جواب واضح بیان سے لوٹاتا ہے۔

بعض لوگوں نے لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَکُمْ اور ھُمْ عَنْ دُعَآئِھِمْ غٰفِلُوْنَ وغیرہ مضامین کی آیات سے بھی یہ استدلال کرنے کی ناکام سعی کی ہے کہ عند القبر سماع نہیں نبی ہو یا ولی وغیرہ

لیکن ان کا یہ استدلال بالکل غلط ہے، ان آیات کا سماع موتٰی اور علی الخصوص حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عدم سماع سے کوئی تعلق نہیں تفصیل بفضلہٖ تعالیٰ اپنی جگہ پر کر دی گئی ہے اور اسی طرح بعض لوگوں نے اصحاب کہف کے قصہ سے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اور دیمک کے ان کی لاٹھی کو کھا جانے کے واقعہ سے بھی عدم سماع موتٰی اور عدم سماع انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر استدلال کیا ہے۔ مگر اس مسئلہ سے ان واقعات کا کوئی تعلق نہیں اور نہ دور کا واسطہ ہے حضرات سلفؒ میں سے کسی نے ان سے یہ استدلال نہیں کیا۔

الغرض محض کشید اور نرے شبہات کا نام دلیل اور برہان نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ فہم عطا فرمائے اور حضرات سلف صالحینؒ اور جمہور اکابر کے دامن سے وابستہ رکھے۔ آمین ثم آمین

تیسری شق کا جواب

جملہ علماء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ نص کے مقابلہ میں قیاس قابل قبول نہیں بلکہ مردود ہے، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح حدیثیں (جن کا با حوالہ ذکر ہو چکا ہے) اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ آپ کا عند القبر سماع ثابت ہے اور آپ سلام کہنے والوں کا جواب بھی دیتے ہیں تو اس کے مقابلہ میں یہ نرے عقلی ڈھکوسلے کیا وقعت رکھتے ہیں کہ جب آپ دروازہ کے باہر لوگوں کی آوازیں دنیا میں نہیں سنتے تھے اور حضرت زینبؓ کی آواز نہ سنی تو وفات کے بعد مٹی کے ڈھیر کے نیچے کیونکر سنتے ہیں اور پھر وہ عالم بھی الگ ہے اور عند قبری میں لفظ عند کتنی مسافت پر بولا جائے گا وغیرہ وغیرہ یہ سب قیاس فاسد اور مردود ہے اور حضرات سلفؒ اور اکابر سے کٹ جانے کے بعد یہ محض اپنے ذہن کی ایجاد اور اختراع ہے اس کو بھلا کون سنتا اور مانتا ہے؟ اس باطل قیاس کے تمام مقدمات حضرات سلفؒ اور اکابر کے سامنے بھی تھے مگر کسی نے عند القبر سماع کا انکار نہیں کیا بلکہ سو فیصدی حضرات نے اس کی تائید کی ہے اور یہی پہلو حق ہے اور یہی نظریہ درست ہے اور یہی مسلک صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی پر قائم و دائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

باب ششم

مسئلۂ توسل

دعا کا مسنون طریقہ جو متعدد احادیث سے ثابت ہے، یہ ہے کہ دعا کنندہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرے اور اس کے بعد درود شریف پڑھے اور اس کے بعد نہایت اخلاص، بے حد عاجزی اور بہت ہی تضرّع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرے دل میں جتنی رقّت ہوگی اور جتنا سوز و گداز ہوگا اتنی ہی دعا زود اثر ہوگی اور جس قدر غفلت اور بے پرواہی سے عاکی جائے گی اتنی ہی وہ غیر مؤثر رہے گی اور آخر میں پھر درود شریف پڑھ کر ہاتھ منہ پہ پھیرے اس بات میں اہلِ اسلام کا کوئی نزاع نہیں ہے ہاں البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ دعا میں یہ کہا جا سکتا ہے یا نہیں کہ مثلاً اے پروردگار تو بوسیلہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا بطفیلِ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ یا بہ برکت حضرت امام ابو حنیفہؒ یا بحرمتِ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ یا بجاہ حضرت مجدد الف ثانیؒ میرا کام کر دے؟ یا اس قسم کا کوئی مفہوم ہو جس کو اپنی زبان، لغت اور عرف کے اعتبار سے ادا کرے تو آیا یہ درست ہے یا نہیں؟ حافظ ابن تیمیہؒ اور اُن کے اتباع اس کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایسا کہنا درست نہیں ہے حافظ ابن تیمیہؒ نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب "القاعدۃ الجلیۃ فی التوسل والوسیلۃ" تصنیف فرمائی ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے دلائل پیش کئے ہیں اور دوسرے حضرات کو جواب دینے کی سعی بھی فرمائی ہے اور اس کے علاوہ بھی اپنی دیگر کئی کتابوں مثلاً فتاویٰ منہاج السنۃ اور زیارۃ القبور وغیرہ میں اجمالاً و تفصیلاً اس پر بحث

کی ہے۔ علامہ سبکیؒ اس مسئلہ میں حافظ ابن تیمیہؒ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

وحسبك ان انكار ابن تيمية للاستغاثة والتوسل قول لم يقله عالم قبله وصار به بين اهل الاسلام مثلة اھ (شفاء السقام ص۱۲۰)

تیرے (تعجب کے) لیے یہ بات کافی ہے کہ ابن تیمیہؒ کا طفیل اور توسل سے انکار کا قول ایسا ہے کہ اُن سے پہلے یہ بات کسی عالم نے نہیں کی اور اسی وجہ سے وہ اہلِ اسلام میں بدنام ہوگئے ہیں۔

اس سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ توسّل کا انکار حافظ ابن تیمیہؒ سے قبل کسی عالم نے نہیں کیا اور اس مسئلہ کے پہلے منکر یہی حافظ ابن تیمیہؒ ہیں۔

علامہ ابن عابدین الشامی الحنفیؒ لکھتے ہیں۔

وقال السبكي يحسن التوسل بالنبي صلى الله تعالى عليه وسلم الى ربه ولم ينكره احد من السلفؒ والخلفؒ الا ابن تيميةؒ فابتدع مالم يقله عالم قبله ونازع العلامة ابن امير حاج فى دعوى الخصوصية واطال الكلام على ذالك فى الفصل الثالث عشر آخر شرحه على المنية فراجعه (شامی ج ۵ ص۳۵۰)

امام سبکیؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توسل مستحسن ہے اس کا بجز ابن تیمیہؒ کے سلفؒ وخلفؒ میں اور کسی نے انکار نہیں کیا اور ابن تیمیہؒ نے یہ ایک ایسی بدعت گھڑی ہے کہ اُن سے پہلے کسی عالم نے یہ بات نہیں کی اور علامہ ابن امیر حاجؒ نے منیہ کی شرح میں تیرھویں فصل کے آخر میں اس پر طویل کلام کیا ہے اور توسّل کے (آپ کی ذات کے ساتھ) مخصوص ہونے کے دعویٰ میں اختلاف کیا ہے۔

آگے ذکر آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کہ علامہ عزالدینؒ نے توسل کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات سے مخصوص کیا ہے لیکن علامہ ابن امیر حاجؒ یہ فرماتے ہیں کہ توسل آپؐ کی ذات سے ہی مخصوص نہیں بلکہ دیگر صلحاء سے بھی درست ہے۔

اور علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں۔

وقد شنع التاج السبكي كما هو عادته على المجد فقال ويحسن التوسل والاستغاثة

علامہ سبکیؒ نے اپنی عادت کے مطابق ابن تیمیہؒ کی شناعت اور بُرائی بیان کی ہے اور کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی ربہ ولم ینکر ذالک احد من السلف والخلف حتی جاء ابن تیمیۃ فانکر ذالک وعدل عن الصراط المستقیم وابتدع مالم یقلہ عالم وصار بین الانام مثلۃ (روح المعانی ج۶ ص۱۲۶)

تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل اور طفیل سے دعا اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحسن امر ہے اور سلف و خلف میں اس کا کسی نے انکار نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ابن تیمیہ آئے انہوں نے اس کا انکار کیا اور سیدھی راہ سے تجاوز کیا اور بدعت کی ایسی بات ایجاد کی جو کسی عالم نے نہ کہی اور لوگوں میں وہ بدنام ہو گئے۔

حافظ ابن تیمیہ نے جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر اور توسل کا رد کیا تو ان کی تردید میں علامہ عبدالکافی السبکی نے شفاء السقام کے نام سے کتاب تالیف فرمائی۔ مولانا محمد بن علی النیموی الحنفی (المتوفی ۱۳۲۲ھ جن کی مدح و تعریف میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب نے عربی میں ایک بہترین قصیدہ لکھا ہے اور ان کی تالیف کے بارے میں فرماتے ہیں لم یصنف مثلہ قبلہ فقط کہ اس سے پہلے ایسی کتاب کبھی تصنیف نہیں ہوئی) اپنی بہترین تالیف آثار السنن میں لکھتے ہیں کہ شفاء السقام کا رد حافظ ابن تیمیہ کے شاگرد حافظ ابن عبدالہادی نے اپنی تالیف الصارم المنکی سے کیا پھر اس کے رد میں علامہ ابن علان نے المبرد المبکی تصنیف فرمائی اور الصارم المنکی کا رد مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی اپنی کتاب السعی المشکور میں کیا ہے (تعلیق التعلیق علی تعلیق الحسن علی آثار السنن ص۲۴۹ طبع ملتان)

فائدہ بعض لوگوں نے جن میں مؤلف اتحاف النبلاء بھی ہیں امام سبکی کی کتاب شفاء السقام کو تعصب کا نتیجہ قرار دیا ہے لیکن ان کی رائے بالکل غلط ہے۔

چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں کہ

ولیس ردہ تعصبا بل ھو مصیب فیما ردبہ شھد بہ الاجلۃ (التعلیقات السنیۃ ص۱۹۶)

سبکی کا رد کرنا تعصب پر محمول نہیں ہے بلکہ وہ اس رد میں درست رائے کے حامل ہیں جلیل القدر علماء نے اس کی شہادت دی ہے۔

الغرض توسل جمہور سلف و خلف کے نزدیک درست ہے حافظ ابن تیمیہ ان کے تلامذہ اور اس لڑی کے بیشتر حضرات اور زمانہ حال کے اکثر غیر مقلدین حضرات اس کے منکر ہیں بعض

ان میں سے اس کے جواز کے قائل بھی ہیں جن کے حوالے عنقریب آرہے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ اور ہمارے اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم تقریباً سبھی مشروع توسّل کے جواز کے قائل ہیں

یہ یاد رہے کہ توسّل کا مسئلہ صرف جواز کا درجہ رکھتا ہے نہ ضروری ہے نہ ناجائز اور گمراہی ہے جیسا کہ وہم کیا گیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ مسئلہ توسل پر مبسوط بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

وهذا الذي ذكرته انما هو لدفع الحرج عن الناس والفرار من دعوى تضليلهم كما يزعمه البعض في التوسل بجاه عريض الجاه صلى الله تعالى عليه وسلم لا للميل الى ان الدعاء كذلك افضل من استعمال الادعية المأثورة التي جاء بها الكتاب وصدحت بها السنة اه

(روح المعانی ج ۶ ص ۱۲۸)

یہ چیز جو میں نے جواز توسّل کی ذکر کی ہے محض لوگوں سے دفع حرج کے لیے اور ان کو گمراہ قرار دینے کے دعوٰی سے جیسا کہ بعض نے کہا ہے بچانے کے لیے ہے کیونکہ ان کے خیال سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی بلند ہستی کا توسل گمراہی ہے میرا یہ میلان نہیں کہ توسل سے دعا کرنا اُن ادعیہ ماثورہ سے بہتر ہے جو کتاب اللہ میں آئی ہیں اور جن کو حدیث میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ کی یہ عبارت جواز توسل پر صراحت سے دال ہے اور ان کی اس سے بھی واضح عبارت آگے آرہی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

حافظ ابن تیمیہؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ایک مقام میں لکھتے ہیں کہ

القسم الثالث وهو ان يقول اللهم بجاه فلان عندك او ببركة فلان او بحرمة فلان عندك افعل بي كذا فهذا يفعله كثير من الناس لكن لم ينقل عن احد من الصحابةؓ والتابعينؒ وسلف الامة انهم كانوا يدعون بمثل هذا الدعاء ولم يبلغني عن احد من العلماء في ذلك

تیسری قسم یہ ہے کہ کہے اے اللہ فلاں کے مرتبہ سے جو تیرے ہاں اس کا ہے یا فلاں کی برکت سے یا فلاں کی حرمت سے جو تیرے نزدیک اس کی ہے میرا یہ کام کردے تو ایسا توسل بہت سے لوگوں سے ثابت ہے لیکن حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور سلف امت سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے ایسی دعا کی ہو اور مجھے کسی عالم سے ایسی کوئی بات نہیں پہنچی جس کو میں

ما احكيه الا ما رأيت فى فتاوى الفقيه ابى محمد عبد السلام فانه افتى انه لا يجوز لاحد ان يفعل ذلك الا للنبى صلى الله عليه وسلم ان صح الحديث فى النبى صلى الله عليه وسلم اھ (زيارة القبور والاستنجاد بالمقبور ص ۱۱۳ طبع مصر)

بیان کروں ہاں البتہ فقیہ ابو محمد عبد السلامؒ کے فتاویٰ میں یہ بات میں نے دیکھی ہے کہ انہوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ کوئی شخص ایسا توسل بجز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور کسی سے نہیں کر سکتا وہ بھی اگر آپؐ کے بارے میں حدیث ثابت ہو۔

انشاء اللہ تعالیٰ یہ بات قاضی شوکانیؒ وغیرہ کے حوالہ سے عنقریب آئے گی کہ امام ابو محمد عبد السلامؒ (المتوفی ۶۶۰ھ) کا اس توسل کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے مخصوص کرنا درست نہیں ہے اور جس حدیث کا حوالہ اس عبارت میں مذکور ہے وہ بھی اپنی جگہ پر صحیح اور قابل احتجاج ہے باحوالہ اس کا بیان بھی آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ، اور اس کا تذکرہ بھی ہوگا کہ ایسا توسل حضرات صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے یہ سب کچھ کہہ اور کر چکنے کے باوجود بھی حافظ ابن تیمیہؒ نفسِ توسل اور توسل کی بعض صورتوں کا انکار نہیں کر سکے اور وہ ان کو درست سمجھتے ہیں مثلاً وہ ایک مقام پر توسل کا معنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

اسئلك بنبيك محمد اى اسئلك بايمانى به وبمحبته اھ (القاعدة الجليلة ص ۳۸)

میں تجھ سے تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کا معنی یہ ہے کہ چونکہ میرا آپ پر ایمان اور آپ سے محبت ہے اس لیے اس کی وجہ سے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ

فالتوسل الى الله بالنبيين هو التوسل بالايمان بهم وبطاعتهم كالصلوة والسلام عليهم ومحبتهم وموالاتهم او بدعائهم وشفاعتهم واما نفس ذواتهم فليس فيها ما يقتضى حصول مطلوب العبد وان

اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے توسل کا یہ مطلب ہے کہ ان پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے کی وجہ سے توسل ہے جیسے ان پر صلوٰۃ وسلام کہنے اور ان سے محبت کرنے یا ان کی دعا اور ان کی شفاعت

كان لهم عند الله تعالى الجاه العظيم اهـ
(فتاوىٰ ابن تيمية ج ۲۷ ص۱۳۳ طبع جديد)

کی وجہ سے توسل ہے باقی رہیں ان کی ذوات تو ان میں کوئی چیز نہیں جو بندے کے مطلوب کے حصول کو چاہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بہت بڑا درجہ ہے۔

گویا ان کے نزدیک یہ توسل بصالح الاعمال کی مد میں شمار ہوتا ہے اور اس کے ثبوت کے لیے بخاری جلد ۲ ص۸۸۳ اور مسلم ج ۲ ص۳۵۳ کی وہ روایت ہے جس میں تین آدمی ایک غار میں چلے گئے اور بارش کی وجہ سے ایک چٹان نے غار کا منہ بند کر دیا تو انہوں نے اپنے نیک اعمال کے توسل سے اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا کی جو قبول ہو گئی، چٹان غار کے منہ سے ہٹ گئی اور وہ صحیح وسالم باہر نکل آئے (محصلہ) حضرات امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

استدل اصحابنا بهذا على انه يستحب للانسان ان يدعو في حال كربه وفي دعاء الاستسقاء وغيره بصالح عمله ويتوسل الى الله تعالى به لان هؤلاء فعلوه فاستجيب لهم وذكره النبي صلى الله عليه وسلم في معرض الثناء عليهم وجميل فضائلهم اهـ
(نووی شرح مسلم ج ۲ ص۳۵۳)

اس حدیث سے ہمارے اصحاب نے یہ استدلال کیا ہے کہ آدمی کے لیے مستحب ہے کہ وہ پریشانی کے وقت اور استسقاء وغیرہ کی دعا میں اپنے نیک عمل کی برکت اور اس کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کیونکہ ان تینوں نے ایسا ہی کیا تھا سو ان کی دعا قبول ہو گئی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا ذکر ان کی تعریف اور ان کے اچھے فضائل کے سلسلہ میں کیا ہے

ہمارے نزدیک توسل بالذات اور توسل بصالح الاعمال میں صرف نزاع لفظی ہے کیونکہ جو حضرات توسل بالذات کے قائل ہیں ان کی مراد یہ ہرگز نہیں کہ مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو (العیاذ باللہ تعالیٰ) وصفِ نبوت اور رسالت اور ان دینی خدمات سے جو آپ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں سرانجام دی ہیں الگ کر کے توسل کیا جائے یا معاذ اللہ تعالیٰ آپ پر ایمان لانے اور آپ سے محبت کرنے کی شرط سے صرفِ نظر کر لی جائے یہ کسی کے وہم میں نہیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دیگر مقبول بندوں کو ان کی مذہبی سرگرمیوں اور خلقِ خدا کی ہدایت کی کوششوں سے جدا کر کے محض ان کی ذات ہی کو ملحوظ رکھا جائے ایسا بھی نہیں بلکہ جہاں بھی ان حضرات سے توسل ہوگا وہاں ان کی تمام خوبیوں اور کمالات کو پیش نظر

رکھا جائے گا اور ان نیک کاموں کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کی جو خصوصی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اُن کو کسی صورت میں فراموش نہیں کیا جائے گا ذکر اگرچہ ذات کا ہوتا ہے اس لیے کہ وہ موصوف ہے لیکن اس کے اعمال، کمالات اور صفات کو بھی اس میں دخل ہے اور اسی وجہ سے توسل کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ محبت بھی ان کی ان عظیم قربانیوں کی وجہ سے ہے جو حسبِ ارشاد جنابِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ (ابوداؤد ج ۲ صفحہ ۲۷۵) ہر دعا کنندہ کا اپنا نیک اور صالح عمل ہے اور اسی طرح صالح اعمال آخر کسی ذات ہی سے صادر ہوں گے از خود تو ان کا صدور نہیں ہو سکتا تو توسل بصالح الاعمال ذات کے واسطے کے بغیر سمجھ سے باہر ہے اس لیے ہمارے نزدیک توسل بالذات اور توسل بصالح الاعمال کا مآل بالآخر ایک ہی ہے صرف اس کی تعبیر اور تشریح کا فرق ہے اور نزاع صرف لفظی ہے جب حافظ ابن تیمیہؒ وغیرہ توسل بصالح الاعمال کے قائل ہیں تو توسل بالذات کا بھی ان کو اقرار کر لینا چاہیئے۔ ان کے ذہن میں جو یہ وہم ہے کہ ذات کے توسل سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ تعالیٰ) اس ذات کا رُتبہ شان اور درجہ خدا تعالیٰ سے بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے یا اس کا اس پر کوئی جبر اور زور ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) تو یہ کسی مسلمان کے وہم میں بھی نہیں آتا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

لان فيهما ايهام ان المتجوه به والمستغاث به اعلى من المتجوه عليه والمستغاث عليه اھ (شفاء السقام ص ۱۲۹)

ان الفاظ سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ جس کے جاہ اور وسیلہ سے سوال کیا گیا ہے اس کا درجہ اس سے اعلیٰ ہے جس کے ہاں التجاء کی گئی ہے۔

چنانچہ امام تقی الدین سبکیؒ نے ان کے اس وہم اور نظریہ کا اس طرح رد کیا ہے کہ:۔

فالتوسل والتشفع والتجوه والاستغاثة بالنبي صلى الله عليه وسلم وسائر الانبياء والصالحين ليس لها معنى في قلوب المسلمين غير ذلك ولا يقصد بها احد منهم سواه فمن لم ينشرح صدره لذلك فليبك على نفسه اھ

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور نیک لوگوں کے وسیلہ، سفارش، جاہ اور طفیل وغیرہ سے دعا کرنے کا معنی مسلمانوں کے دلوں میں اس کے سوا اور کچھ نہیں (کہ ان پر ایمان لانا اور ان سے محبت کرنا نیکی ہے) اور کوئی مسلمان اس معنی کے علاوہ اور کچھ ارادہ اس توسل

(شفاء السقام ص۱۲۹) سے نہیں کیا کرتا مگر جس کا سینہ اس کے فہم کے لئے تنگ ہو گیا تو اس کو اپنے نفس پر رونا چاہیئے۔

اس عبارت میں علامہ سبکی رحؒ نے حافظ ابن تیمیہؒ کے اس وہم اور نظریہ کی تردید کی ہے اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کا نظریہ توسل کے متعلق واضح کیا ہے کہ ہر مسلمان کا یہی نظریہ ہوتا ہے کہ جن حضرات کے توسل سے دعا مانگی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقبول بندے ہیں اور ان کی محبت اور ان سے لگاؤ نزول رحمت الٰہی کا ذریعہ ہے اور یہ جائز ہے۔

حضرت مولانا تھانوی رحؒ لکھتے ہیں کہ توسل کی حقیقت یہ ہے کہ اے اللہ فلاں شخص میرے نزدیک آپ کا مقبول ہے اور مقبولین سے محبت رکھنے پر آپ کا وعدہ محبت ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ پس میں آپ سے اس رحمت کو مانگتا ہوں پس توسل میں یہ شخص اپنی محبت کو اولیاء اللہ کے ساتھ ظاہر کر کے اس محبت پر رحمت و ثواب مانگتا ہے اور محبت اولیاء کا موجب رحمت و ثواب ہونا نصوص سے ثابت ہے (انفاس عیسیٰ ص۲)

ایک حدیث قدسی میں اس طرح آتا ہے کہ رب العزت نے فرمایا کہ :-

حقت محبتی للمتحابین فیّ الحدیث (مستدرک ج۴ ص۱۶۹ قال الحاکم والذہبی علی شرطہما) میری محبت ان لوگوں کے لیے لازم ہے جو میری رضا کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

الغرض نہ تو اس توسل میں یہ بات وہم میں آتی ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ اولیاء کا درجہ اور شان خدا تعالیٰ سے بڑھ کر ہے اور نہ یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے جبراً اس کو منوا سکتے ہیں کہاں خالق اور کہاں مخلوق؟ کجا آقا اور کجا عاجز بندے؟ اس کا سمجھنا کوئی مشکل نہیں مگر ؎

گھر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں
اُسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

توسل کی بعض اور صورتیں بھی حافظ ابن تیمیہؒ کے نزدیک درست ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ وقول القائل ببرکت الشیخ قد یعنی بہا قائل کا یہ کہنا کہ شیخ کی برکت سے (میرا یہ کام ہو گیا ہے)

دعاءہٗ واسرع الدعاء اجابۃً دعاء
غائب لغائب وقد یعنی بھا برکت ما
امرہ بہ وعلمہ الخیر وقد یعنی بھا
برکت معاونتہ لہ علی الحق وموالاتہ
فی الدین ونحو ذلک وھذہ کلھا معان
صحیحۃ (زیارۃ القبور والاستنجاد
بالقبور ص۱۱۸)

کبھی تو اس سے شیخ کی دعا مراد ہوتی ہے اور سب سے
جلدی وہ دعا قبول ہوتی ہے جو غائب کی غائب کے لیے
ہو اور کبھی اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ شیخ نے جو حکم اس کو
دیا ہے اور تعلیم خیر اس کو دی ہے اس کی برکت سے سوال کرتا
ہوں اور کبھی اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ جیسے حق پر وہ اس کا
تعاون اور دین میں اس سے دوستی کرتا ہے تو اس کی برکت سے
دعا کرتا ہے اور یہ سب معانی اپنی جگہ درست اور صحیح ہیں

جب یہ معانی درست اور صحیح ہیں تو صحیح العقیدہ مسلمان کے توسل کو ان میں سے کسی ایک معنی کے لحاظ سے سمجھا جا سکتا ہے مشرک کا معاملہ ہی جدا ہے وہ توسل میں غیر اللہ کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب اور متصرف فی الامور سمجھ کر توسل کیا کرتا ہے، اور ان میں سے ایک ایک بات اپنے مقام پر کفر ہے۔ حضرات فقہاء کرامؒ نے اس بات کی تصریح کی ہے لیکن مسلمان کے ذہن میں ان کفریہ امور میں سے کوئی ایک امر بھی نہیں ہوتا۔ امام بدر الدین بعلی الحنبلیؒ (جنہوں نے حافظ ابن تیمیہؒ کے فتاوی کا ملخص لکھا ہے) اسی سابق عبارت کے قریب قریب عبارت لکھ کر آگے فرماتے ہیں کہ:۔

وقد یعنی بہ معنیً باطلاً مثل دعائہ
المیت والغائب واستقلال الشیخ
بذلک تاثیرًا او فعلہ لما لا یقدر علیہ
الا اللہ او متابعتہ او مطاوعتہ علی البدع
والمنکرات ونحو ھذہ المعانی الباطلۃ
(مختصر الفتاوی المصریۃ ص۱۹۷)

اور کبھی برکت شیخ کے لفظ سے باطل معنی مراد لی
جاتی ہے، مثلاً مردہ اور غائب سے مراد مانگنا اور
شیخ کی اس میں مستقل تاثیر تسلیم کرنا یا ایسے فعل کی
اس سے توقع رکھنا جس پر اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی قادر
نہیں یا اس کی بدعات اور منکرات پر متابعت اور
فرمانبرداری کرنا اور اس قسم کے باطل معانی مراد رکھنا۔

اس قسم کا توسل یقیناً باطل اور مردود ہے مگر یقین جانیے کہ کسی مومن اور مسلمان کے تصور میں بھی ان میں سے کوئی معنی نہیں ہوتا مسلمان انہی معانی کو پیش نظر رکھتا ہے جن کے خود حافظ ابن تیمیہؒ قائل ہیں۔ الغرض کلیۃً توسل کے حافظ ابن تیمیہؒ بھی منکر نہیں ہیں ہاں صرف بعض صورتوں کے منکر ہیں اور جن صورتوں کو وہ ناجائز سمجھتے ہیں ان کو دیگر اہل السنت والجماعت بھی درست نہیں

سمجھتے رہا توسل بالذات اور توسل بصالح الاعمال کا نزاع تو یہ صرف لفظی ہے ع

یہ اپنی حدِّ نظر ہے کسی کی دید کہاں

جمہور علماء کرام اور مسئلۂ توسل

جمہور اہل السنت والجماعت توسل کے جواز کے قائل ہیں لیکن اس میں تفصیل سے کام لیتے ہیں توسل کی بعض صورتوں کو حرام بعض کو بلا دلیل اور بعض کو جائز قرار دیتے ہیں چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ توسل کے مسئلہ کی تفصیل کرتے ہوئے اور اس کی قسمیں بیان کرتے ہوئے آخر میں رقمطراز ہیں :۔

والثالث دعاء اللہ ببرکت ھذا المخلوق المقبول وھذا قد جوزہ الجمہور الخ (بوادر النوادر ص۷۰۶)

اور توسل کی تیسری صورت یہ ہے کہ کسی مقبول مخلوق کی برکت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگے اور اسے جمہور نے جائز قرار دیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ توسل کی یہ صورت جمہور علماء کرام کے نزدیک جائز ہے بزرگانِ دین اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کا توسل اسی صورت میں ہوتا رہا ہے جس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے۔

علامہ سید سمہودیؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے توسل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

قلت فکیف لا یستشفع ولا یتوسل بمن لہ ھذا المقام والجاہ عند مولاہ بل یجوز التوسل بسائر الصالحین کما قالہ السبکی اھ (وفاء الوفا ج ۲ ص۴۲۲)

میں کہتا ہوں کہ اس ذات گرامی کو شفیع اور وسیلہ بنانا کیونکر درست نہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے ہاں جاہ اور مرتبہ حاصل ہے جب کہ تمام صالحینؒ کو وسیلہ بنانا درست اور جائز ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ اور طفیل تو صحیح اور درست ہے ہی جملہ صالحینؒ کا توسل بھی درست ہے اس عبارت میں علامہ سبکیؒ کے جس حوالہ کا ذکر ہے وہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے، اور علامہ سبکیؒ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

ان التوسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز فی کل حال قبل خلقہ وبعد خلقہ فی مدۃ

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توسل ہر حالت میں درست ہے آپ کی پیدائش سے پہلے اور دنیا میں آپ

حیاتہ فی الدنیا وبعد موتہ فی مدۃ البرزخ وبعد البعث فی عرصات القیامۃ والجنۃ اھ (شفاء السقام ۱۲۰)

کی زندگی کی مدت میں اور وفات کے بعد برزخ میں اور قیامت کے دن میدان محشر اور جنت میں ہر مقام پر درست ہے۔

یعنی جس وجہ سے توسل کیا جاتا ہے وہ ان تمام مقامات اور حالات میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں علی وجہ الاتم پائی جاتی ہے کیونکہ ہر مقام میں آپ پر ایمان لانا اور محبت کرنا ضروری ہے جب توسل کی وجہ سب مقامات میں یکساں ہے تو توسل بھی جائز ہے، ہندوستان میں مسلمانوں کے جتنے بھی مکاتب فکر ہیں فن حدیث میں ان کا رشتہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلوی سے جاملتا ہے اور موصوف بھی توسل کے قائل ہیں چنانچہ اپنی مشہور و متداول کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ :۔

ومن ادب الدعاء تقدیم الثناء علی اللہ والتوسل بنبی اللہ لیستجاب (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۶ طبع مصر)

اور دعاء کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کو مقدم کیا جائے تاکہ دعاء کو قبولیت کا شرف حاصل ہو۔

اس عبارت سے بصراحت یہ معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ دعا میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے توسل کو مستحب اور قبولیت دعا کا بہترین ذریعہ قرار دیتے ہیں اور حضرت شاہ صاحبؒ کے بعد اپنے دور میں علماء ہند کی سند کی کڑی حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۶۲ھ) سے جاملتی ہے وہ اس مسئلہ کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

دعا بایں طور کہ الٰہی بحرمت نبی وولی حاجت مرا روا کن جائز است چنانچہ از شرح فقہ اکبر ملا علی القاریؒ مفہوم میشود الخ (مسائل مسائل ص ۳۵)

اس طریقہ سے دعا کرنا کہ اے میرے پروردگار نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور ولی کی حرمت سے میری حاجت پوری کردے جائز ہے چنانچہ حضرت ملا علی القاری کی شرح فقہ اکبر سے معلوم ہوتا ہے

قطع نظر دیگر دلائل کے جو حضرات علم حدیث میں حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ کی شاگردی اور ان کے سلسلہ سے خوشہ چینی کا دم بھرتے ہیں ان کے لیے تو اس سے فرار بھلا معلوم نہیں ہوتا اور حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ (المتوفی شہادۃً ۱۲۴۶ھ) ابو داودؒ شریف کی ایک حدیث کی

تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ جو لوگوں میں ایک ختم مشہور ہے، اس میں یوں پڑھتے ہیں یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ یعنی لے شیخ عبدالقادرؒ کچھ دو تم اللہ کے واسطے یہ لفظ نہ کہنا چاہیئے ہاں اگر یوں کہے کہ یا اللہ کچھ دے شیخ عبدالقادرؒ کے واسطے تو بجا ہے الخ (تقویۃ الایمان ۹۵)

بزرگانِ دین کے مشہور سلاسل اربعہ (قادری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی) کے شجروں میں بکثرت واسطے وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے، اور قاضی شوکانیؒ نے جوازِ توسل پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ (العرف الشذی ص۴۳۹) اس رسالہ کا نام در نضید ہے (بوادر النوادر ص۶۳) اس میں وہ لکھتے ہیں کہ :۔

اور دوسرا مطلب حدیث توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاجات میں وسیلہ بنانا صرف زندگی کی حالت سے مخصوص نہ تھا بلکہ جس طرح زندگی میں آپ کو وسیلہ بنایا جاتا تھا اسی طرح انتقال کے بعد بھی آپ کو وسیلہ بنانا جائز ہے اور جس طرح آپ کی موجودگی میں آپ سے توسل جائز تھا، اسی طرح عدم موجودگی میں بھی جائز تھا یہ بالکل واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی زندگی میں وسیلہ بنانا اور آپ کے بعد دوسرے بزرگوں کو وسیلہ بنانا صحابہ کرامؓ کے اجماعِ سکوتی سے ثابت ہے کیونکہ حضرت فاروق رضؓ نے حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنایا تو کسی صحابی نے اس کا خلاف نہیں کیا میرے خیال میں جوازِ توسل کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مخصوص کر دینا جیسا کہ عز الدین (ابو محمد عبدالسلامؒ) کو وہم ہوا ہے اس کی کوئی وجہ نہیں الخ (بحوالہ بوادر النوادر ص۶۳) جناب قاضی شوکانیؒ نے جو کچھ فرمایا ہے دلائل اور اکثر امت کے تعامل سے یہی قوی اور صحیح ہے اور ایسے مسائل کے لیے اس سے زیادہ قطعی دلائل کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

علامہ آلوسیؒ مسئلہ توسل پر خاصی طویل بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

لہ ایچ ایم سعید کمپنی ایم محمد اینڈ سنز تاجران اردو بازار پاکستان چوک کراچی نے جو نسخہ طبع کرایا ہے اس میں یہ عبارت ہی بدل دی ہے اللہ تعالیٰ خائنین سے بچائے ان کو اس کا تو حق تھا کہ وہ اس عبارت کو برقرار رکھ کر حاشیہ پر دلائل سے اس کی تردید کرتے جو ایک علمی خدمت سمجھی جاتی لیکن عبارت ہی کو اڑا دینا پرلے درجہ کی علمی خیانت ہے۔

وبعد هذا كله انا لا ارى بأسا في التوسل الى الله تعالى بجاه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عند الله تعالى حيا وميتا ويراد من الجاه معنى يرجع الى صفة من صفاته مثل ان يراد به المحبة التامة المستدعية عدم رده وقبول شفاعته فيكون معنى قول القائل الٰهي اتوسل بجاه نبيك صلى الله تعالى عليه وسلم ان تقضي لي حاجتي الٰهي اجعل محبتك له وسيلة في قضاء حاجتي ولا فرق بين هذا وبين قولك الٰهي اتوسل برحمتك ان تفعل كذا اذ معناه ايضا الٰهي اجعل رحمتك وسيلة في كذا الخ

(روح المعانی ج ۶ ص ۱۲۵)

اس ساری بحث کے بعد میں اللہ تعالیٰ کے ہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جاہ سے آپ کی زندگی میں اور بعد از وفات توسل میں کوئی حرج نہیں سمجھتا اور آپ کی جاہ توسل سے مراد کوئی ایسا معنیٰ لیا جائے گا جو آپ کی صفات میں سے کسی صفت کی طرف راجع ہو مثلاً آپ کی محبت تامہ جو عدم رد اور قبول شفاعت کو چاہتی ہے لہٰذا قائل کے اس طرح کہنے کا کہ اے الٰہ میں تیرے نبی کے جاہ سے توسل کرتا ہوں کہ تو میری حاجت پوری کر دے یہ معنیٰ ہو گا کہ اے میرے الٰہ تیری جو محبت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اس کو میری حاجت پورا کرنے کا وسیلہ بنا دے اور اس میں اور تیرے اس قول میں کوئی فرق نہیں کہ اے میرے الٰہ میں تیری رحمت سے توسل کرتا ہوں کہ تو ایسا کر دے کیونکہ اس کا بھی یہی معنیٰ ہے کہ اے اللہ تو اپنی رحمت کو اس میں وسیلہ بنا دے۔

اس عبارت سے بوضاحت یہ بات ثابت ہو گئی کہ علامہ آلوسیؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی اور بعد از وفات دونوں حالتوں میں آپ کی جاہ و عظمت سے توسل کو جائز قرار دیتے ہیں اور اس میں وہ کوئی حرج و مضائقہ نہیں سمجھتے اور پھر آگے لکھتے ہیں۔

ان التوسل بجاه غير النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لا بأس به ايضا ان كان المتوسل بجاهه مما علم ان له جاها عند الله تعالى كالمقطوع بصلاحه وولايته اه

(روح المعانی ج ۶ ص ۱۲۸)

کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ اوروں کی جاہ و برکت سے توسل میں بھی کوئی حرج نہیں ہے جبکہ یہ معلوم ہو کہ جس کی جاہ سے توسل کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی جاہ ہے جیسے وہ شخصیت کہ یقینی طور پر اس کی صلاح و ولایت معلوم ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ذات گرامی سے آپ کی زندگی میں بھی اور بعد از وفات بھی توسل درست ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اوروں سے بھی توسل جائز ہے جب کہ ان کی نیکی و تقویٰ اور ولایت یقینی طور پر معلوم ہو اور یہ بات دلائل سے ثابت ہے کہ تواتر بھی قطعیت اور یقین کا فائدہ دیتا ہے تو معلوم ہوا کہ جس بزرگ کی صلاحیت اور نیکی اور ولایت تواتر سے ثابت ہو اس کا توسل بھی درست ہے لیکن یہ بات ذہن سے ہرگز اوجھل نہ ہو کہ توسل کا یہ معنی نہیں کہ اس بزرگ سے مرادیں مانگی جائیں یا اس کو حاجت روا اور مشکل کشا تصور کیا جائے جیسا کہ بعض جاہل عوام کا خیال ہے۔ چنانچہ خود علامہ آلوسیؒ واشگاف الفاظ میں فی مثل یا سیدی اغثنی کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں۔

ولا اری احدا ممن یقول ذلک الا وھو یعتقد ان المدعو الحی الغائب او المیت المغیب یعلم الغیب او یسمع النداء ویقدر بالذات او بالغیر علی جلب الخیر ودفع الاذی والّا لما دعاہ الخ

کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اے میرے سردار میری مدد کرو وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جس زندہ غائب یا مردہ غائب کو پکارا جاتا ہے وہ غیب جانتا ہے یا پکار سنتا ہے اور بالذات یا بالغیر جلب نفع اور دفع مضرت پر قادر ہے۔ ورنہ وہ کیوں اس کو پکارتا۔

(روح المعانی ج ۶ ص ۱۲۸)

الغرض :۔ اس طرز و انداز سے غیر اللہ سے مدد مانگنا عین شرک ہے اور فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ کی عبارات سے اس کا شرک ہونا پہلے باحوالہ نقل کیا جا چکا ہے اور یہی کچھ اس عبارت میں علامہ آلوسیؒ فرما رہے ہیں غرضیکہ علامہ آلوسیؒ کی خود اپنی عبارات اور تصریحات جواز توسل پر بالکل واضح ہیں غیر متعلق عبارات سے استدلال کرنا اہل علم کی شان کے خلاف ہے۔

حضرت مولانا محمد عبد الحی صاحب لکھنویؒ سے کسی نے سوال کیا کہ اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور (یعنی جب تم اپنے کاموں میں حیران ہو جاؤ تو اہل قبور سے استعانت کرو) حدیث ہے یا نہیں؟ اور اس کا معنی کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں وہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں ہے کسی کا مقولہ ہے اور اس کا یہ معنی ہے کہ جب کسی چیز کے حلال و حرام ہونے میں تمہیں تردد ہو اور دلائل متعارض ہوں تو خود قیاس نہ کرو (غلطی کھا جاؤ گے) بلکہ ان حضرات کی تقلید اور پیروی کرو جو

آپ قبروں میں آرام فرما ہیں اور جو کچھ انہوں نے کہا اس کو تسلیم کرو اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جب تم اُمور دنیویہ میں تنگ دل ہو جاؤ تو اصحاب قبور کو دیکھو اور ان سے عبرت حاصل کرو کہ آخر انہوں نے بھی دُنیا ترک کر دی ہے اور آخرت کو چلے گئے ہیں تو تم یہ سمجھو کہ آخر ہم بھی دُنیا سے جانے ہی والے ہیں (محصلہ) اور آگے لکھتے ہیں :۔

ونیز بر استمداد ہم محمول میتواں شد یعنی وقتیکہ متحیر شوید در اُمور و کار بر آری شما نشود پس دعا نے انجاح مرام بوسیلۂ اصحاب قبور سازید والیشاں را وسیلہ گردانیدہ از جناب باری تعالیٰ دعا سازید تا ببرکت ایشاں بدرجۂ قبول رسد ایں کہ ایشاں را حلال مشکلات استقلالاً یا شریک کارخانۂ تدبیر عالم دانید کہ ایں عین شرک است انتہیٰ (مجموعۂ فتاوی عبد الحیؒ ج ۳ ص ۲۳)

اور اس عبارت کو توسل پر بھی حمل کیا جا سکتا ہے یعنی جس وقت تم اُمور میں حیران ہو جاؤ اور تمہارا مطلب پُورا نہ ہو سکے تو تم حاجت میں کامیابی کے لیے اصحاب قبور کے وسیلہ سے دعا کرو اور ان کو وسیلہ قرار دیتے ہوئے جناب باری تعالیٰ سے دعا کرو تاکہ ان کی برکت سے دعا درجہ قبولیت کو پہنچ جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو استقلالاً مشکل کشا یا کارخانۂ عالم کی تدبیر میں شریک سمجھا جائے کیونکہ یہ عین شرک ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جس معنی میں جواز توسل کے دیگر حضرات قائل ہیں حضرت مولانا عبد الحی صاحبؒ بھی ایسے توسل کے جواز کے قائل ہیں جن کوتاہ فہم حضرات نے ان کی بعض مجمل عبارات سے اس کے خلاف سمجھا ہے وہ اپنی اصلاح خود کر لیں بشرطیکہ ان کو اصلاح مقصود بھی ہو ورنہ کون کسی پر جبر کر سکتا ہے۔ استقلال اور عدم استقلال کی بقدر ضرورت بالحوالہ بحث ہم نے راہ ہدایت میں کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ کریں۔

اکابرین علماء دیوبند اور مسئلہ توسل

علماء دیوبند کثر اللہ جمعہم کی اس سلسلہ میں عبارتیں اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے نقل اور پیش کرنے کے لیے چند اوراق تو کیا خاصی ضخیم کتاب بھی ناکافی ہوگی اس لیے یہاں ہم صرف المہند کی عبارت پر اکتفاء کرتے ہیں جو علماء دیوبند کے نزدیک ایک اجماعی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

تیسرا اور چوتھا سوال :- کیا وفات کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توسل لینا دعاؤں میں جائز ہے یا نہیں ؟ تمہارے نزدیک سلف صالحین یعنی انبیاء (علیہم الصلوٰۃ و السلام) و صدیقین اور شہداء و اولیاء اللہ کا توسل بھی جائز ہے یا ناجائز ؟

جواب :- ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء و اولیاء و صدیقین کا توسل جائز ہے ان کی حیات میں یا بعد وفات بایں طور کہے کہ یا اللہ میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعاء کی قبولیت اور حاجت برائی چاہتا ہوں اسی جیسے اور کلمات کہے چنانچہ اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ہمارے شیخ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی ثم المکی ؒ نے پھر مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس کو بیان فرمایا ہے جو چھپا ہوا آج کل لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے اور یہ مسئلہ اس کی پہلی جلد کے صفحہ ۹۳ پر مذکور ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے انتہیٰ (المہند ص ۱۲، ۱۳)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ؒ کے شاگرد رشید جلیل القدر عالم حامی توحید و سنت اور ماحی شرک و بدعت حضرت مولانا حسین علی صاحب ؒ جو سینکڑوں علماء کے استاد و مرشد تھے اپنی املائی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ :-

وحل مشکلے از حق تعالیٰ طلب نمودن بتوجہ بزرگان بجا است وعین رضا است الیٰ ان قال بداں اے برادر گفتن یا رسول اللہ بطریق تعشق و توسل خارج از مبحث است الیٰ ان قال نواب صدیق حسن خان گفتہ ع

شیخ سنت مددی قاضی شوکان مددی یعنے دعا باشد چنانچہ در ہندی گویند شالا مدد ہووے پیر جیلانی اھ (بلغۃ الحیران ص ۳۵۴)

کسی مشکل کا حل اللہ تعالیٰ سے بزرگوں کے توسل سے طلب کرنا بجا اور عین رضا ہے (پھر آگے فرمایا کہ) اے بھائی تو جان لے کہ یا رسول اللہ بطور محبت اور توسل کے کہنا اختلافی بحث سے خارج ہے (کیونکہ وہ جائز ہے) پھر آگے فرمایا کہ اسی توسل اور محبت کے طور پر تو ہے نواب صدیق حسن خان ؒ نے فرمایا کہ :-

اے سنت کے شیخ مدد کر اور اے قاضی شوکان مدد کر جو محض (بطور توسل) دعا ہے چنانچہ پنجابی میں لوگ کہتے ہیں شالا مدد ہووے پیر جیلانی ؒ

یعنی سمجھدار قسم کا کوئی مسلمان اس سے یہ مراد نہیں لیتا کہ ان الفاظ سے شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ سے مدد طلب کی جارہی ہے بلکہ یہی سمجھے گا کہ ان کے وسیلہ اور طفیل سے دعا کی جاتی ہے۔ دعلیٰ

بنا القیاس اس قسم کے دیگر الفاظ سے یہی کچھ سمجھنا چاہیئے اِلّا یہ کہ کوئی غالی ان سے استمداد کر کے شرک کا ارتکاب کرے تو اس کا معاملہ الگ ہے۔ اور دوسرے مقام پہ اولیاء کرامؒ سے مدد مانگنے والوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔

اور کہتے ہیں کہ حضرت عبد القادرؒ نے فرمایا کہ مصیبت کے وقت مجھے پکارو یا اس طرح نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ اول تو ثبوت اس امر کا نہیں بہجتہ الاسرار والے کے حق میں شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے فرمایا کہ مشائخ بہجتہ الاسرار والے کو معتبر نہیں سمجھتے مع ہذا اس نے جو سند لکھی ہے رواۃ کا پتہ نہیں کہ کیسے ہیں اور اصل عبارت یوں لکھتے ہیں اذکرونی اس کا معنی یہ ہے کہ توسل میرے دعا مانگو واللہ اعلم بالصواب (بلغۃ الحیران ص ۳۳۷) اور حضرت مرحوم نے اپنے ہاتھ مبارک سے علم تصوف و سلوک پر ایک نہایت مفید اور بہترین رسالہ لکھا ہے جس کا نام تحفۃ ابراہیمیہ اور فیوضات حسینی ہے۔ اس کے آخر میں سلاسل اربعہ (قادری نقشبندی چشتی اور سہروردی) کے شجرے بتائے ہیں اور ان میں الٰہی بحرمت فلاں الخ کے صریح الفاظ موجود ہیں جو زمین پر چمکدار موتیوں کی مانند اور آسمان میں درخشندہ ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں مگر صد افسوس کہ اب مؤلف تسکین القلوب نے یہ سارے شجرے حذف کر دیئے ہیں فوا اسفا یا عجبا) اور خود کتاب میں بھی توسل کا صریح الفاظ میں ذکر موجود ہے المہند کی واضح اور اجماعی عبارت کے بعد ضرورت تو نہیں مگر صرف طلبہ علم کے افادہ کے لیے چند حوالے اور بھی عرض کئے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ کا فتویٰ

سوال ۳۱۱۲ قبور فقراء و اولیاء و صلحاء پہ فاتحہ خوانی کے بعد جو لوگ دعا مانگتے ہیں یہ اگر درست ہے تو کس طریقہ سے ؟

الجواب : اس طرح دعا مانگنا درست ہے کہ یا اللہ برکت اپنے نیک بندوں کے میری حاجت پوری فرما فقط (فتاویٰ دارالعلوم ج ۵ ص ۴۳۱ طبع دیوبند)

سوال ۳۱۱۳ استمداد من اہل القبور کے جواز کی حنفیہ کے یہاں کوئی صورت ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ استمداد من اہل القبور اگر اس عقیدہ کے ساتھ ہے کہ وہ متصرف فی الامور ہیں جیسا کہ عوام کا عقیدہ ہے تو یہ درست نہیں ہے بلکہ اس میں خوف کفر ہے شامی (ج ۲ ص ۱۴۵ طبع مصر)

ہیں ہے ومنها انه ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالیٰ واعتقادہ ذالک کفر الخ اور اگر مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے ذریعہ سے دعا کی جاوے کہ یا اللہ میرا فلاں کام فلاں بزرگ کی برکت سے پورا فرمادے تو یہ جائز ہے فقط (فتاوی دار العلوم ج ۵ ص۴۲۳ و ص۴۲۴) اور نیز ارشاد فرماتے ہیں۔

ان بزرگوں سے یہ نہ کہے تم دعا کرو سماع موتیٰ خود مختلف فیہ مسئلہ ہے حنفیہ سماع موتیٰ کا انکار کرتے ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہی مذہب ہے اور آیات قرآنیہ اس پر دال ہیں لہذا اس طرح ان سے خطاب کر کے نہ کہے کہ تم دعا کرو بلکہ خود اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعائے مغفرت اور رفع درجات کی دعا کرے اور اگر ان کے ذریعہ سے اپنی حاجات کے پورا ہونے کے لیے بھی دعا کرے تو مضائقہ نہیں حصن حصین (ص۱۸ ولفظہ وان یتوسل الی اللہ تعالیٰ بانبیائہ والصالحین من عبادہ اھ) میں مذکور ہے کہ صالحین کے وسیلہ سے دعا کرنا مستحب ہے کہ حق تعالیٰ ان کی برکت سے دعا قبول فرمادے فقط (فتاوی دار العلوم ج ۵ ص۴۲۱ و ص۴۴۲)

سوال:۔ اکثر آدمی شجرہ خاندان کا ہر صبح وشام پڑھتے ہیں یہ کیسا ہے؟

الجواب: شجرہ پڑھنا درست ہے کیونکہ اس میں توسل اولیاء کے حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اس کا کوئی حرج نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ ۱۳۱۰ھ (فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص۵)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دار العلوم دیوبند وحال مفتی اعظم پاکستان مسئلہ استعانت اور توسل کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اسی طرح غیر مادی اسباب کے ذریعہ کسی نبی یا ولی سے دعا کرنے کی مدد مانگنا یا ان کا وسیلہ دے کر براہِ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا روایاتِ حدیث اور اشاراتِ قرآن سے اس کا بھی جواز ثابت ہے وہ بھی اُس استعانت میں داخل نہیں جو صرف اللہ کے لیے مخصوص اور غیر اللہ کے لیے حرام وشرک ہے (معارف القرآن ج ۱ ص۴۲) اور پھر آگے اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وسیلہ، استعانت اور استمداد کے مسئلے میں بکثرت لوگوں کو اشکال رہتا ہے اُمید ہے کہ اس تشریح سے اصل حقیقت واضح ہو جائے گی اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ انبیاء و اولیاء کو وسیلہ بنانا نہ مطلقاً جائز ہے اور نہ مطلقاً ناجائز۔ بلکہ اس میں وہ تفصیل ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے کہ کسی کو مختار مطلق سمجھ کر وسیلہ بنایا جائے تو شرک و حرام ہے اور محض واسطہ اور ذریعہ سمجھ کر کیا جائے تو جائز ہے اس میں عام طور پر لوگوں میں افراط و تفریط کا عمل نظر آتا ہے (معارف القرآن ج ۳ ص ۱۴۲)

مسلکِ دیوبند سے وابستہ اور تعلق رکھنے والے حضرات کے لیے علماء دیوبند کے ان جلیل القدر مفتیان عظام کے یہ فتوے مشعلِ راہ کا کام دیں گے اور نہ ماننے والوں کا ان سے بھی شاید اتفاق مشکل ہو مگر ؎

یہی پورش رہی آزادیٔ و تقلید بے جا کی
تو غائب قوم کی تمکین ہے دو چار ہتوں کی (اکبر الٰہ آبادی)

الغرض علماء دیوبند کے جملہ اکابر جواز توسل کے قائل ہیں اور ان کے ہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں بقول شخصے ع

تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

توسل کے کچھ دلائل

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر جواز توسل کے بعض دلائل کا تذکرہ بھی کر دیا جائے تاکہ مجوزین حضرات کے اذعان و ایقان میں مزید اضافہ ہو اور مانعین حضرات کے حق میں ممکن ہے کہ وہ راہنمائی کا ذریعہ اور سبب قرار پائیں۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

بعض حضرات نے قرآن کریم کی بعض آیات سے بھی مسئلہ توسل پر استدلال کیا ہے مثلاً

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (پ ۶۔ المائدۃ) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

اور بعض حضرات نے

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الآیۃ وہ یہود پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر

سے بھی استدلال کیا ہے چنانچہ علامہ سید محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ:-

نزلت فی قریظة والنضیر کانوا یستفتحون علی الاوس والخزرج برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل مبعثہ قالہ ابن عباسؓ وقتادة اھ

یہ آیت کریمہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ اوس اور خزرج کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ کے وسیلہ سے فتح طلب کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہ نے فرمایا ہے۔

اور وہ ان الفاظ سے دعا کرتے تھے۔

اللّٰھم انا نسئلک بحق نبیک الذی وعدتنا ان تبعثہ فی اخر الزمان ان تنصرنا الیوم علی عدونا فینصرون اھ (روح المعانی ج ۱ ص ۳۲۰)

اے اللہ ہم تجھ سے تیرے اُس رسول کے حق اور وسیلہ سے جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ اس کو تو آخری زمانہ میں بھیجے گا، سوال کرتے ہیں کہ آج کے دن تو ہمیں ہمارے دشمن پر غلبہ عطا فرما۔ پس ان کی مدد کی جاتی۔

اس مضمون کی ایک روایت بھی مستدرک وغیرہ میں آتی ہے لیکن بعض محدثین کرام رحمہم اللہ نے اس پر سخت کلام کیا ہے اس لیے اُس سے قطع نظر کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا ارشاد ہی ملحوظ رکھنا چاہیئے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ۔

قرآن کے اترنے سے پہلے جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوتے تو خدا سے دعا مانگتے کہ ہم کو نبی آخر الزمان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور جو کتاب ان پر نازل ہوگی، اُن کے طفیل سے کافروں پر غلبہ عطا فرما، جب حضور پیدا ہوئے اور سب نشانیاں بھی دیکھ چکے تو منکر ہو گئے اور ملعون ہوئے (انتہی ص ۱۷) اصول فقہ میں یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر پہلے لوگوں کی شریعتوں کو بلا انکار کے بیان کریں تو وہ ہم پر بھی لازم ہیں (نور الانوار ص ۲۱۶) اس ضابطہ کو مؤلف تسکین القلوب نے ص ۶۷ میں باحوالہ بیان اور تسلیم کیا ہے اسی طرح مؤلف ندائے حق نے بھی ص ۱۰۱ میں یہ تسلیم کیا ہے اور اس پر نور الانوار ہی کا حوالہ دیا ہے پھر دونوں نے راقم پر گرفت کرتے ہوئے بے سود لفظوں کا چکر بھی دیا ہے جو لا حاصل ہے مؤلف ندائے حق ص ۱۰۲ میں حضرت شیخ الہندؒ کا نام لئے بغیر یہ لکھتے ہیں کہ۔ اور صاحب تسکین جس بعض کی تفسیر کو اپنی تائید میں پیش فرما رہے ہیں اسی تفسیر پر بریلویہ بڑے نازاں ہیں پھر آگے مولوی نعیم الدین صاحب کی اطیب البیان تردید تقویۃ الایمان ص ۱۸۵

کے حوالہ سے وہی تفسیر نقل کی ہے جو حضرت شیخ الہندؒ نے بیان فرمائی ہے آخر میں مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ اب ناظرین بتائیں کہ صاحبِ تسکین اور نعیم الدین ایک ہی شاہ راہ پر گامزن ہیں یا نہ بلفظہٖ۔
جواب یہ ہے کہ صاحبِ تسکین الصدور تو حضرت شیخ الہندؒ کی شاہراہ پر گامزن ہے اگر اس مسئلہ میں مولوی نعیم الدین بھی ساتھ ہو گئے ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے خود مؤلف مذکور ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ اور کسی سُنی کا کسی ایک مسئلہ میں کسی غیر سُنی کے ساتھ متفق ہونا اس کو سُنی ہونے سے نہیں نکال سکتا؟ (ندائے حق ص۲۱) تسکین القلوب ص۲۰ میں ہے اور حضرت شیخ الہندؒ کی عبارت کا محمل یہ (یعنی نبی آخر الزمان کو مبعوث فرما کہ ہم ان کے زیر علم ہو کر فتح پائیں محصلہ) بھی ہو سکتا ہے لیکن اگر وہی مطلب ہو جو بحوالہ روح المعانی حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا گیا ہے یعنی قبل البعثہ بطفیل دعا کرنا تو وہ بھی ہو سکتا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ یہ معنی حضرت ابن عباسؓ اور علامہ آلوسیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ وغیرہ بزرگوں سے منقول ہے۔

حافظ ابن القیمؒ اسی آیت کریمہ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ

ان الیہود کانوا یحاربون جیرانھم من العرب فی الجاھلیۃ ویستنصرون علیھم بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبل ظھورہ فیفتح لھم ینصرون علیھم فلما ظھر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفروا وجحدوا نبوتہ اھ
(بدائع الفوائد ج ۴ ص۱۴۵)

بے شک یہود جاہلیت میں اپنے عربی پڑوسیوں سے لڑتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے وہ آپ کے طفیل سے دشمن کے خلاف مدد طلب کرتے تھے تو ان کو فتح و نصرت حاصل ہوتی تھی پھر جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے کفر اختیار کیا اور آپ کی نبوت کا انکار کر دیا۔

اور علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ

اتفق المفسرون واھل الحدیث علی انھا نزلت فی یھود خیبر کانوا قبل وجودہٖ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یحاربون اسدًا وغطفان من مشرکی العرب وکانوا یقولون اللھم بحق النبی الذی تبعثہٗ

مفسرینؒ اور محدثینؒ اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت کریمہ یہود خیبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے مشرکین عرب کے قبیلوں اسد اور غطفان سے لڑتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ اے اللہ تو اس نبی کے حق سے ہمیں اُن پر نُصرت اور

اخرالزمان الا نصرتنا علیهم فینصرون	غلبہ عطا فرما جس کو تو آخر زمانہ میں بھیجے گا سو ان کی
فلما جاءھم الرسول ورأوہ کفروا بہ	مدد کی جاتی پس جب آپ ان کے پاس آئے اور انہوں نے
عناداً وحسداً (المنح الوھبیۃ ص۳۱)	آپ کو دیکھا تو عناداً و حسداً آپ کا انکار کر گئے۔

اس سے صراحۃً معلوم ہوا کہ یہ تفسیر صرف بریلویوں کی اختیار کردہ ہی نہیں بلکہ بقول علامہ بغدادیؒ حضرات مفسرین کرامؒ اور محدثین عظامؒ کا اس پر اتفاق ہے اور اسی لیے حضرت شیخ الہندؒ جیسی علمی شخصیت نے اس کو اختیار کیا ہے۔

بعض مفسرین کرامؒ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر یوں کی ہے کہ آپ کی بعثت سے پہلے وہ آپ کے اوصافِ حمیدہ کافروں کے سامنے بیان کیا کرتے تھے۔ مگر آپ کی آمد کے بعد وہ منکر ہو گئے منکرین کے سامنے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ بیان کرنے اور ساتھ ہی آپ کے طفیل سے دعا مانگنے میں کوئی تعارض نہیں ہے تاکہ اس تفسیر کو سابق تفسیر کے خلاف سمجھا کما لا یخفٰی

فائدہ: دیگر فقہائے کرامؒ نے عموماً اور فقہاء احنافؒ نے خصوصاً یہ بیان کیا ہے کہ توسل کے موقع پر بحق فلاں کا لفظ استعمال کرنا مکروہ ہے اور اس کی وجہ بھی صرف یہ ہے کہ معتزلہ وغیرہ کے نزدیک نیکیوں پر بندوں کو ثواب دینا اور بدیوں پر عذاب دینا پروردگار پر ضروری اور حق ہے۔ چنانچہ ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ:-

لا یجب علی اللہ شئ خلافاً للمعتزلۃ	کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں بخلاف
(مرقات ج ۱ ص۹۸)	معتزلہ کے کہ وہ وجوب کے قائل ہیں۔

ان کے نزدیک اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو معاذ اللہ تعالیٰ اس کا عدل باقی نہیں رہے گا اور اس کا بخل و جہل وغیرہ لازم آئے گا۔ لیکن اہل السنت والجماعت اس امر پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر کسی کا کوئی حق عائد نہیں ہوتا۔ ہاں محض اپنے ارادہ سے جس حق کا وعدہ کیا ہے وہ بجا ہے اور اس میں نہ تو کلام ہے اور نہ اس سے کسی قسم کا کوئی جبر لازم آتا ہے اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ (پ۱۱۔ یونس)	حق ہے ہم پر ہم مومنوں کو نجات دیں گے

اور یہ حق بھی بحسب وعدہ ہے اس معنی میں کوئی قباحت نہیں ہاں یہ سمجھ کر کہنا کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق لازم ہے مکروہ ہے چنانچہ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ

ویکرہ ان یقول فی دعائہ بحق فلان او بحق انبیائك و رسلك لانہ لاحق للمخلوق علی الخالق انتہٰی اھ

(ھدایہ ج ۴ ص ۲۱۱)

اور یہ مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنی دعا میں یوں کہے کہ میں بحق فلاں یا بحق انبیاء یا بحق رسل تجھ سے دعا کرتا ہوں کیونکہ مخلوق کا خالق پر (بطور وجوب کے) کوئی حق نہیں ہے۔

اور امام سراج الدین الاودی الحنفیؒ (المتوفی فی حدود سنہ ۷۰۰ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

یکرہ ان یقول فی دعائہ بحق فلان او بحق رسلك وانبیائك الخ

(فتاویٰ سراجیہ ص ۷۰ طبع نولکشور)

یعنی مکروہ ہے کہ دعا میں یہ کہے کہ میں بحق فلاں یا بحق رسل یا بحق انبیاء تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

اور حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ:۔

قال ابو حنیفۃؒ وصاحباہؒ یکرہ ان یقول الرجل اسئلك بحق فلان او بحق انبیائك و رسلك وبحق البیت الحرام والمشعر الحرام ونحو ذالك اذلیس لاحد علی اللہ حق الی ان قال قلت قد ورد ایضاً اللّٰھم انی اسئلك بحق السائلین علیك وبحق ممشای الیك فالمراد بالحق الحرمۃ اوالحق الذی وعدہ لمقتضی الرحمۃ۔

(شرح فقہ اکبر ص ۱۱۱ و ص ۱۶۱ طبع کانپور)

امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے صاحبین (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) نے فرمایا کہ یہ مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنی دعا میں یہ کہے کہ اے پروردگار میں تجھ سے فلاں کے حق یا تیرے انبیاء کرام اور تیرے رسولوں (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اور بیت الحرام و مزدلفہ کے حق سے سوال کرتا ہوں یا اسی طرح کے اور الفاظ استعمال کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق (واجب) نہیں پھر آگے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ حدیث میں آیا ہے کہ اے پروردگار میں تجھ سے ان لوگوں کے حق کی بدولت سوال کرتا ہوں جو تجھ سے سوال کرتے ہیں اور تیری طرف اپنے چلنے کے حق کی بدولت سوال کرتا ہوں تو اس حق سے حرمت مراد ہے یا وہ حق جو بحسبِ رحمت اس نے وعدہ کے طور پر اپنے ذمہ لیا ہے

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ چونکہ کچھ بد باطن فرقے اس کا معنیٰ غلط لیتے ہیں اس لیے یہ لفظ مکروہ ہے ہاں اگر کسی کا عقیدہ صحیح ہو اور حق سے وہ حق مراد ہو جو بحسبِ وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اسی معنی میں حضرت مصلح الدین سعدیؒ (المتوفی ۶۹۱ھ) نے یہ لفظ استعمال کیا ہے ؎

الٰہی بحقِ بنی فاطمہ کہ بر حالِ ایماں کنی خاتمہ

علامہ ابو محمد بن عبد اللہ بن ابی جمرہ الاندلسیؒ (المتوفی ۶۹۹ھ) ماحق العباد علی اللہ کی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

وفیہ دلیل علیٰ ان الحق یطلق علیٰ ما کان من طریق الوجوب وعلیٰ ما کان من طریق التفضل اذا علم المخاطب ذٰلک ولا یجوز ان یطلق لمن لا یعلمہ اھ (بہجۃ النفوس المسمیٰ بجمع النہایہ فی بدأ الخیر والغایۃ ج ۱ ص ۱۲۰ طبع مصر)

اور اس میں دلیل ہے کہ حق اس پر بھی بولا جاتا ہے جو بطریقِ وجوب ہو اور اس پر بھی جو تفضل اور مہربانی کے طور پر ہو جب کہ مخاطب اس کو جانتا ہو اور جس شخص کو اس معنی کا علم نہ ہو تو اس کے لیے یہ لفظ بولنا درست نہیں ہے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ سے کسی نے سوال کیا تو اس کا جواب یوں ارشاد فرمایا کہ:۔

سوال:۔ دعا میں بحق رسول اللہ و ولی اللہ کہنا ثابت ہے یا نہیں؟ لبعض فقہاء و محدثین منع کرتے ہیں اس کا کیا سبب ہے؟

الجواب:۔ بحق فلاں کہنا درست ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو تو نے اپنے احسان سے وعدہ فرمایا ہے اس کے ذریعہ سے مانگتا ہوں مگر معتزلہ اور شیعہ کے نزدیک حق تعالیٰ پر حق لازم ہے اور وہ بحق فلاں کے یہی معنی مراد رکھتے ہیں سو اس واسطے معنی موہم اور مشابہ معتزلہ ہو گئے تھے لہٰذا فقہاء نے اس لفظ کا بولنا منع کر دیا ہے تو بہتر ہے کہ ایسا لفظ نہ کہے جو رافضیوں کے ساتھ مشابہ ہو جاوے فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۶۳ طبع جیّد برقی پریس دھلی)

توسل بالدعاء اور استشفاع

یعنی کسی بزرگ اور زندہ ہستی کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور وسیلہ پیش کیا جائے بایں طور کہ اس سے دعاء کی التجاء کی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دست بدعا ہو اور حاضرین مجلس بھی اس کے

ساتھ اپنے ہاتھ اٹھا کر خالقِ کائنات کے ہاں عاجزی اور زاری کریں اور دل کی تہہ سے یہ فریاد کریں کہ

دینا ہے اپنے ہاتھ سے اسے بے نیاز دے ؎
کیوں مانگتا پھرے تیرا سائل جگہ جگہ!

علامہ آلوسی الحنفی رحمہ لکھتے ہیں۔

الاستشفاع وھو ان یطلب من الشخص الدعاء والشفاعۃ ویطلب من اللہ تعالیٰ ان یقبل دعاءہ ویؤید ذلک ان العباس رضی کان یدعو وھم یؤمنون لدعائہ حتی سقوا اھ (روح المعانی ج ۶ صفحہ ۱۲۸)	الاستشفاع کا یہ مطلب ہے کہ کسی شخص سے دعا اور سفارش کرائی جائے اور اللہ تعالیٰ سے یہ طلب کرے کہ وہ اس کی دُعا کو قبول فرمائے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عباس رضی دعا کرتے تھے اور لوگ ان کی دعا پر آمین کہتے تھے حتیٰ کہ ان پر بارش برسائی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ایک دفعہ خشک سالی ہوئی اور کافی عرصہ تک بارش نہ ہوئی جس کی وجہ سے لوگ خاصے پریشان ہوتے، اسی اثناء میں:۔

اتی اعرابی من اھل البدو الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الجمعۃ فقال یا رسول اللہ ھلکت الماشیۃ ھلک العیال ھلک الناس فرفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ یدعو ورفع الناس ایدیھم مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعون (الحدیث بخاری ج ۱ صفحہ ۱۴۰)	ایک دیہاتی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جمعہ کے دن حاضر ہوا تو اس نے کہا کہ یا رسول اللہ مویشی ہلاک ہو گئے، اہل وعیال تباہ ہو گئے، لوگ خستہ حال ہو گئے پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے اور دُعا کی اور لوگوں نے بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھائے اور دُعا کی۔

اس آنے والے دیہاتی کا مقصد بھی یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر اور مقبول الدعاء ہیں دعا فرمائیں تاکہ بارش ہو اسی روایت میں آتا ہے کہ دعا کا نتیجہ فوراً ظاہر ہوا اور خوب بارش ہوئی اور طحاوی ج ۱ صفحہ ۱۹ کی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ اس آنے والے نے کہا فادع اللہ یغیثنا فرفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ الخ

وفی روایۃ فادع اللہ یسقینا الخ پس آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر بارش برسائے سو آپ نے ہاتھ اُٹھائے الخ اور تقریباً یہی الفاظ دلائل النبوۃ اصبہانی رح میں ہیں (ص۳۸۴ و ۳۸۵) اور ایسے ہی موقع پر آپ نے جب بلا ہاتھ اٹھائے دعا مانگنا شروع کی تو آنے والوں اور دُعا کی درخواست کرنے والوں نے کہا۔

فقالوا یا رسول اللہ ارفع یدیک الخ یا رسول اللہ ہاتھ اُٹھا کر دعا کریں

اسی روایت میں آتا ہے کہ پہلے آپ نے تبسم فرمایا پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی (دلائل النبوۃ اصبہانی رح ص۳۸۵)

حافظ ابن تیمیہ رح انا کنا نتوسل الحدیث کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ

وذلک ان التوسل بہ فی حیاتہ ہو انھم کانوا یتوسلون بہ ای یسألونہ ان یدعو اللہ فیدعو لھم ویدعون فیتوسلون بشفاعتہ ودعائہ اھ (مختصر الفتاوی المصریہ ص۱۹۶)

یہ توسل آپ کی زندگی میں یوں تھا کہ حضرات صحابہ کرام رض آپ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں دعاء کی التجا کرتے اور وہ حضرات بھی دُعا کرتے تو اس طریقہ سے وہ آپ کی شفاعت اور دُعا کا وسیلہ چاہتے تھے۔

خلیفہ راشد حضرت عمر رض بن الخطاب (المتوفی سنہ ۲۴ھ) کے دَور میں بھی ایسی ہی خشک سالی کی تکلیف پیش آئی تو حضرت عمر رض نے حضرت عباس رض کو توسل کے طور پر پیش کیا اور یوں ارشاد فرمایا کہ

اللّٰھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا قال فیسقون۔ (بخاری ج ۱ ص۱۳۷)

اے اللہ بیشک ہم تیرے سامنے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بطور توسل پیش کیا کرتے تھے سو تو ہم پر بارش نازل کیا کرتا تھا اور اب ہم تیرے سامنے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کو بطور وسیلہ پیش کرتے ہیں سو تو ہم پر بارش نازل فرما تو ان پر بارش برسائی جاتی۔

اور ایسے مواقع پر جس قدر اہل خیر او صلاح کو آگے کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے چونکہ حضرت عباس رض آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے اور اس کے ساتھ ایمان اور آپ کی صحبت کے فیض سے بھی مالا مال تھے اس لیے حضرت عمر رض نے ان کو دعا کے لیے آگے کیا۔

حافظ ابن حجر رح علامہ عینی رح اور قاضی شوکانی رح اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ویستفاد من قصۃ العباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباس رض کے اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی

استحباب الاستشفاع باهل الخير والصلاح و اهل بيت النبوة الخ (فتح الباري ج ۲ ص ۱۵۱ واللفظ له وعمدة القاري ج ۷ ص ۳۳ ونيل الاوطار ج ۴ ص ۸ ونحوه في مختصر الفتاوى المصرية ص ۱۹۶)

ہے کہ اہل خیر و صلاح اور خاندان نبوت سے تعلق رکھنے والے حضرات کو بطور توسل پیش کرنا مستحب ہے۔

اور حضرت عباسؓ کی یہ دعا درحقیقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برکت اور آپ کے تعلق کی وجہ سے ہی قبول ہوئی چنانچہ علامہ تاج الدین سبکیؒ لکھتے ہیں کہ

فهذه دعوة مستجابة ببركة نبينا محمد صلى الله تعالى عليه وسلم اھ (طبقات السبكى ج ۲ ص ۶۹ طبع مصر)

پس یہ دعا ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برکت ہی سے قبول ہوئی اور ان کی دعا کے الفاظ بھی علامہ سبکیؒ نے نقل کر دیئے ہیں (الخ)

توسّل فعلی

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کا پہلا بیان وہ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے متاخرین حضرات کا توسل مراد نہیں کہ دعا کرنے والا کسی بزرگ کا نام بطور توسل پیش کر کے دعا مانگے مثلاً یہ کہ اے پروردگار تو بوسیلۂ فلاں میرا کام کر دے (بلکہ اس سے مراد توسل فعلی ہے یعنی کسی زندہ کو آگے کر دینا تاکہ وہ دعا کرتا ہے اور قوم دعا میں اس کا ساتھ دے) چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

قوله اللهم انا كنا نتوسل اليك بنبينا صلى الله عليه وسلم ليس فيه التوسل المعهود الذي يكون بالغائب حتى قد لا يكون به شعور اصلا بل فيه توسل السلف وهو ان يقدم رجلا ذا وجاهة عند الله تعالى ويأمره ان يدعو لهم ثم يحيل عليه في دعائه كما فعل بعباس رضي الله عنه عم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ولو كان فيه توسل المتأخرين لما احتاجوا باذهاب

اللّٰھم انا الخ کے اس قول سے وہ معہود توسل مراد نہیں جو غائب سے کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کو اس کا بالکل شعور بھی نہ ہو بلکہ اس حدیث میں سلف کے توسل کا ذکر ہے وہ یہ کہ کسی ایسے شخص کو آگے کیا جائے جس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ ہو اور اس سے التجاء کی جائے کہ وہ ان کے لیے دعا کرے پھر دعا اسی کے سپرد کی جائے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ سے کیا گیا اور اگر اس سے متاخرین کا توسل مراد ہوتی تو حضرت عباسؓ کو ساتھ لے جانے کی ان کو حاجت ہی نہ پڑتی

عباس رضی اللہ عنہ معھم ولکفی لھم التوسل بنبیہم بعد وفاتہ ایضا او بالعباس رضی اللہ عنہ عند عدم شہودہ معھم اھ (فیض الباری ج ۲ ص ۳۷۹)

اور ان کے لیے کافی تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی وفات کے بعد آپ کا توسّل کرتے یا حضرت عباسؓ سے ان کی غیر حاضری میں توسّل کر لیتے۔

حضرات متقدمین کے اس توسّل میں دعا کرنے والا بمنزلہ امام ہوتا ہے اور اس کی دعا پر آمین کہنے والے بمنزلہ مقتدی۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ

وقد روی عبد الرزاق من حدیث ابن عباسؓ ان عمرؓ استسقیٰ بالمصلیٰ فقال للعباسؓ قم فاستسق فقام العباسؓ فذکر الحدیث فتبیّن بھذا ان فی القصۃ المذکورۃ ان العباسؓ کان مسئولاً وانہ بنزل منزلۃ الامام اذا امرہ الامام بذلک اھ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۸ طبع مصر)

محدث عبد الرزاقؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے عیدگاہ میں بارش طلب کی اور حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ آپ کھڑے ہوں اور بارش کی دعا کریں تو حضرت عباسؓ کھڑے ہوئے پھر آگے حدیث بیان کی اس سے واضح ہوا کہ قصہ مذکورہ میں حضرت عباسؓ مسئول تھے اور وہ بمنزلہ امام تھے کیونکہ امام (حضرت عمرؓ) نے ان کو اس کا حکم دیا تھا۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ حضرت عباسؓ اس دعا میں امام تھے اور حاضرین بمنزلہ مقتدی تھے علامہ عینیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

وبعدہ استسقیٰ عمرؓ بمن معہ بالعباسؓ عم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم فجعلوہ کالامام یسأل فیہ لانہ کان امسّ بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم واقربھم الیہ رحمًا اھ (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۳۲ طبع مصر)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں سمیت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے چچا حضرت عباسؓ کے توسّل سے بارش طلب کی سو ان کو امام کی مانند قرار دیا ہے کیونکہ قرابت کے لحاظ سے وہ باقی تمام حضرات سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے زیادہ پیوستہ اور زیادہ قریب ہے۔

اور یہ واقعہ امام ابو عمر بن عبد البرؒ نے بھی ان الفاظ سے نقل کیا ہے۔

ثم قال عمرؓ یا ابا الفضل قم فادع فقال العباسؓ الخ (الاستیعاب علی الاصابۃ ج ۳ ص ۹۸)

پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے ابو الفضل (یہ حضرت عباسؓ کی کنیت تھی) کھڑے ہو کر دعا کریں سو حضرت عباسؓ نے فرمایا الخ

اس ساری کارروائی سے توسّل فعلی کا ثبوت ملتا ہے جو بقول حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ متقدمین کا توسّل تھا۔ اور ایسا ہی واقعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (المتوفی ۶۰ھ) کے زمانہ میں پیش آیا، چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ، حافظ ابن کثیرؒ اور علامہ بدر الدین بعلیؒ لکھتے ہیں کہ

وکذٰلک استسقی معاویۃؓ بن ابی سفیانؓ بیزید بن الاسود الجرشی و قال اللّٰھم انا نستشفع الیک بخیارنا یا یزید ارفع یدیک الی اللہ عزوجل فرفع یدیہ ودعا ودعوا فسقوا فلذٰلک قال العلماء یستحب ان یستسقی باھل الصلاح والخیر (زیارۃ القبور والاستنجاد بالمقبور ص ۱۱۳ واللفظ لہٗ والبدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۳۲۶ ومختصر الفتاوی المصریۃ ص ۱۹۱)

اور اسی طرح حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ نے یزیدؒ بن الاسود الجرشیؒ کے توسل سے بارش طلب کی اور فرمایا کہ اے میرے اللہ ہم اپنے میں سے بہتر شخص کو تیرے سامنے سفارشی پیش کرتے ہیں (پھر فرمایا کہ) اے یزیدؒ اپنے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے اٹھاؤ انہوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اور لوگوں نے بھی دعا کی تو ان پر بارش برسائی گئی اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ اہل خیر و صلاح کے وسیلہ سے استسقاء مستحب ہے۔

اور علامہ الشیخ سلیمانؒ بن سحمانؒ توسّل کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

فان التوسل بالنبی فی عرف الصحابۃ ھو التوسل بدعائہ وکذٰلک لما توسل عمرؓ بالعباسؓ انما ھو بدعائہ لقولہ قم یا عباسؓ فادع اللہ وکقول معاویۃؓ لیزید بن الاسود الجرشی

حضرات صحابہ کرامؓ کے عرف میں توسل بالنبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) توسّل بالدعا ہی تھا (یعنی آپ سے دعا کرانا) اور اسی طرح جب حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے توسّل کیا تو ان سے دعا کروائی اور فرمایا کہ اے عباسؓ آپ کھڑے ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں

ثُمَّ یا یزید فادع اللّٰہ ولیس ھذا توسلاً بالذات لان التوسل بالذوات لم یرحالا بلفظ غیر ثابت لا یصح والتوسل بالاعمال قد ثبت بالکتاب والسنۃ الصحیحۃ اھ (البیان المبدی ص۱۱۳)

اور اسی طرح حضرت معاویہؓ نے یزیدؒ بن الاسود الجرشیؒ سے فرمایا تھا کہ اے یزیدؒ کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور یہ توسل بالذوات نہیں کیونکہ توسل بالذوات کے بارے میں کوئی صحیح لفظ ثابت نہیں اور توسل بالاعمال کا ثبوت کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے ثابت ہے۔

باقی مضمون تو بالکل صاف اور واضح ہے البتہ ان کا یہ ارشاد کہ توسل بالذوات کے بارے کوئی صحیح ثبوت نہیں محل نظر ہے اولاً اس لیے کہ حضرت عثمانؓ بن حنیف کی روایت بالکل صحیح ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اور اسی طرح بعد از وفات توسل ہوا ہے وثانیاً ہمارے نزدیک توسل بالذوات اور توسل بالاعمال کا اختلاف صرف نزاع لفظی پر مبنی ہے جیسا کہ اسی کتاب میں اس کی تصریح ہے۔

توسّل قولی

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ پہلے متاخرین کے توسل میں متردد تھے مؤلف تسکین القلوب ص۲۹ میں فیض الباری کا سابق حوالہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں اس عبارت سے آپ (یعنی مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ) توسل مروجہ کا رد کرتے ہیں الخ اور مؤلف ندائے حق ص۹۹ میں لکھتے ہیں کہ آپ اس کی تردید فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ اس حدیث سے ثابت نہیں الخ اور ص۳۰ میں حافظ ابن تیمیہؒ کا مسئلہ توسل سے انکار اور حضرت شاہ صاحبؒ کا تردد لکھتے ہیں (محصلہ) اس سابق عبارت کے پیش نظر ان حضرات کا یہ کہنا اور لکھنا بالکل بجا ہے لیکن حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کا آخری فیصلہ بھی علماء کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور عملی طور پر اس سے اغماض جائز نہیں ہے اور جمہور امت کا اسی پر عمل ہے کہ آخری قول ہی کا اعتبار ہوتا ہے انما یؤخذ بالآخر فالآخر۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ حدیث واتا نتوسل الیک بعم نبینا الحدیث کی شرح بھی فرماتے ہیں۔

قلت وھذا توسل فعلی لانہ کان یقول لہٗ

میں کہتا ہوں کہ یہ توسل فعلی ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے

بعد ذلك قم یا عباسؓ فاستسق فکان یستسقی لھم فلم یثبت منہ التوسل القولی ای الاستسقاء باسماء الصالحین فقط بدون شرکتھم اقول وعند الترمذی ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علّم اعرابیا ھذہ الکلمات وکان اعمی اللّٰھم انی اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ الی قولہ فشفعہ فیّ فثبت منہ التوسل القولی ایضاً وحینئذٍ انکار الحافظ ابن تیمیہؒ تطاول انتھٰی (فیض الباری ج ۳ ص۶۸)

اس کے بعد حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ کھڑے ہو کر اور بارش طلب کریں تو انہوں نے لوگوں کے لیے بارش طلب کی تو اس سے توسل قولی ثابت نہیں ہوا یعنی نیک لوگوں کی شرکت کے بغیر محض ان کے ناموں کی برکت سے بارش طلب کرنا۔ میں کہتا ہوں، کہ ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو جو اندھا تھا ان کلمات سے تعلیم دی۔ اے اللہ میں تیرے سامنے تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے جو نبی رحمت ہیں التجاء کرتا ہوں پھر آگے فرمایا اے اللہ تو ان کی سفارش میرے حق میں قبول فرما تو اس سے توسل قولی بھی ثابت ہو گیا۔ لہذا حافظ ابن تیمیہؒ کا اس سے انکار زیادتی ہے۔

اس عبارت میں نہ صرف یہ کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے توسل قولی کا اقرار و اثبات ہی کیا ہے بلکہ حافظ ابن تیمیہؒ کا رد بھی کیا ہے اور استدلال میں وہی روایت پیش کی ہے جو راقم اثیم نے تسکین الصدور میں نقل کی تھی جس پر بلا وجہ مؤلف تسکین القلوب نے ص۲۴۲ و ص۲۱۱ میں اور مؤلف ندائے حق نے ص۱۹۷ تا ۲۰۲ میں حطمی اور خطمی مدنی اور مدینی وغیرہ کے الفاظ لکھ کر اس سند کے راوی ابوجعفرؒ کے بارے میں مبتدی طالب علموں کو مغالطہ دینے کی ناکام سعی کی ہے نیز یاد رہے کہ ترمذی شریف کی اسی روایت سے توسل کے جواز پر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے بھی استدلال کیا ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص۸۹)

کسی کے وسیلہ سے دُعا مانگنا

یعنی کسی مقبول بزرگ اور فاضل ہستی کی ذاتِ گرامی کو (مع ان صفات جمیلہ کے جو اس میں پائی جاتی ہیں) دعا کرنے والا اپنی دعا میں بطور توسل پیش کرے اور اپنی زبان اور اپنے الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے

اس طرح دعا کرے کہ اے قادر مطلق تو فلاں بزرگ کے طفیل اور اس کے وسیلہ سے (یا اسی طرح کے اور الفاظ ہوں) میری دعا قبول فرما۔ جمہور اہل اسلام کے نزدیک یہ جائز اور صحیح ہے جیسا کہ پہلے باحوالہ عرض کر دیا گیا ہے اور اس کے لیے ایک دلیل حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ (المتوفی سنہ ھ) کی روایت ہے جو حدیث کی متعدد کتابوں میں موجود ہے چنانچہ امام ترمذیؒ[1] فرماتے ہیں کہ ہم سے محمود بن غیلانؒ[2] نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عثمانؒ[3] بن عمرؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے شعبہؒ[4] نے بیان کیا اور وہ ابو جعفرؒ[5] سے روایت کرتے ہیں اور وہ عمارۃؒ[6] بن خزیمہؓ بن ثابت سے اور وہ حضرت عثمانؓ بن حنیفؓ سے وہ فرماتے ہیں کہ:

---

۱ امام ترمذیؒ کا نام مع ولدیت محمدؒ بن عیسیٰؒ بن سورۃؒ اور کنیت ابو عیسیٰ تھی الامام اور الحافظ تھے (تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۱۸۷) صحاح ستہ میں مرکزی کتاب الجامع الترمذی کے مصنف تھے ۲۷۹ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے ۲ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ میں ان کو عدالتِ حدیث میں معروف اور صاحب سنت و کتاب ہے امام نسائیؒ اور مسلمہؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے، محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ج۱۰ ص۶۵) امام بخاریؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ۲۳۹ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے ۳ امام احمدؒ اور ابن معینؒ اور ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے امام عجلیؒ ان کو ثقہ اور ثبت فی الحدیث کہتے ہیں امام ابو حاتمؒ ان کو صدوق کہتے ہیں محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور امام ابن قانعؒ فرماتے ہیں کہ وہ صالح تھے (تہذیب التہذیب ج۷ ص۱۴۳) ۲۰۹ھ میں ان کی رحلت ہوئی ہے ۴ علامہ ذہبیؒ ان کو الحجۃ الحافظ اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں (تذکرہ ج۱ ص۱۸۱)۔ (المتوفی سنہ ۱۶۰ھ) ۵ ان کا نام مع ولدیت اور نسبت یوں ہے عمیرؒ بن یزید الانصاریؒ ابو جعفر الخطمی المدنی، امام ابن معینؒ اور امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے امام ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں محدث ابن نمیرؒ عجلیؒ اور طبرانیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں امام عبد الرحمٰنؒ بن مہدیؒ ان کو صاحب صدق کہتے ہیں (تہذیب التہذیب ج۸ ص۱۵۱ ملتقطاً) اصل میں وہ مدینہ طیبہ کے باشندہ تھے بعد کو بصرہ میں چلے گئے تھے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نقل کرتے ہیں کہ ھو مدنی قدم بصرۃ (تہذیب ج۸ ص۱۵۱) وہ مدنی تھے بصرہ میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ حدیث کی بعض کتابوں میں ان کو المدنی اور بعض میں المدینی سے یاد کیا گیا ہے اہل علم جانتے ہیں کہ پہلے مدینہ طیبہ کی طرف نسبت کرتے وقت المدنی اور المدینی دونوں تعبیریں درست تھیں لیکن جب خلیفہ ابو جعفر منصور بن المہدیؒ (المتوفی ۱۲۶ھ) نے بغداد کا نام بدل کر (کیونکہ بغ ایک بت کا نام تھا اور داد کے معنی فارسی زبان میں اس نے دیا کے ہوتے ہیں تو اس میں بیٹے کی نسبت بت کی طرف ہوتی ہے اس لیے فقہاء کرامؒ نے اس نام کو پسند نہیں کیا تاریخ بغداد ج۱ ص۵۵) مدینۃ السلام رکھا تو اس کے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ان رجلاً ضریر البصر اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادع اللہ ان یعافینی قال ان شئت صبرت فھو خیر لک قال فادعہ قال فامرہ ان یتوضا فیحسن وضوءہ ویدعو بھذا الدعاء اللّٰھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھٰذہ لتقضی لی اللّٰھم فشفعہ فیّ

ایک نابینا شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا تو اُس نے کہا کہ حضرت! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے صحت یاب (اور بینا) کرے آپ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو میں دعا کروں (اور) اگر تو چاہے تو صبر کر اور صبر ہی تیرے لیے بہتر ہے اُس نے کہا کہ حضرت! آپ دعا فرمائیں! آپ نے حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا پڑھے اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بعد علماء عربیت نے مدینہ طیبہ اور مدینۃ السلام (یعنی بغداد) کی طرف نسبت میں فرق کیا چنانچہ مشہور لغوی علامہ ابو الفضل محمد بن عمر القرشی ؒ لکھتے ہیں کہ :۔

اذا نسبت الی مدینۃ الرسول قلت مدنی والی مدینۃ المنصور مدینی والی مدائن کسریٰ مدائنی (صراح ص۵۲۰)

جب تم مدینہ طیبہ کی طرف نسبت کرو گے تو مدنی کہو گے اور مدینہ منصور کی طرف نسبت میں مدینی اور مدائن کسریٰ کی طرف نسبت میں مدائنی کہو گے

اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مدنی اور مدینی مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت ہے قیاس تو یہ ہے کہ نسبت کے وقت اس میں یاء حذف کی جائے اور جو لوگ یاء کو حذف نہیں کرتے وہ اس لفظ کو اصل پر رکھتے ہیں (شرح مسلم ج۱ ص۱۷۱) یعنی یہ لفظ حرفِ یاء کو برقرار رکھ کر بھی پڑھا گیا ہے۔ مدینی یہ حوالہ ندائے حق ص۳۵ میں بھی موجود ہے لیکن اس کے باوجود راقم کی بلا وجہ صرفی غلطی نکالنے کے لیے شافیہ کا حوالہ ڈھونڈ نکالا ہے کہ نسبت میں یاء حذف کی جاتی ہے (شافیہ ص۴) بجا ہے راقم نے موافق قیاس کی بحث ہی نہیں چھیڑی اصل نسبت میں بحذف یاء ہی سہی لیکن یاء کے ساتھ بھی نسبت وارد ہوئی ہے جیسے علامہ قرشیؒ اور نوویؒ نے فرمایا ہے۔

اور خُطمہ انصار میں سے ایک شخص کا نام تھا صراح ص۴۶۲ میں ہے خطمہ نام مردے از انصار۔ اس لحاظ سے ابو جعفر الخطمی المدنی اور (بعض روایات میں) المدینی ایک ہی ہے اور یہ ثقہ راوی ہے۔

۶؎ عمارۃؒ بن خزیمہؓ کے بارے میں امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے، محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور قلیل الحدیث کہتے ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج۷ ص۴۱۶)

(ترمذی ج ۲ ص۱۹۷ واللفظ لہ وقال حسن صحیح غریب ومسند احمد ج ۴ ص۱۳۸ وابن ماجہ ص۱۰۰ ومستدرک ج ۱ ص۳۱۳ والترغیب والترہیب ج ۱ ص۲۷۲ و قال رواہ النسائی وابن خزیمۃ فی صحیحہ ومشکوٰۃ ج ۱ ص۲۱۹ والبدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص۱۶۶ عن احمد وکتاب الاذکار ص۱۶۷)

ہوں اور تیری طرف نبی رحمت نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو نبی الرحمۃ ہیں کے وسیلہ سے توجہ کرتا ہوں، حضرت میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ پیش کرتا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے اے اللہ تو ان کی شفاعت میرے بارے میں قبول فرما۔

امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ اس روایت کو ایک مقام پر بخاری اور مسلم دونوں کی شرط پر صحیح فرماتے ہیں (مستدرک ج ۱ ص۳۱۳ مع التلخیص) اور دوسرے مقام پر بخاری کی شرط پر صحیح کہتے ہیں (مستدرک ج ۱ ص۵۲۶) اور تیسرے مقام پر صحیح کہتے ہیں (ج ۱ ص۵۱۹) علامہ خفاجیؒ فرماتے ہیں وھذا الحدیث مسند صحیح اھ نسیم الریاض ج ۳ ص۱۰۶ طبع مصر)

علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں صححہ البیہقیؒ (وفاء الوفا ج ۲ ص۴۲۰)

اور حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ

رواہ اھل السنن وصححہ الترمذی الخ (فتاوٰی ج ۴ ص۳۷)

اہل سنن نے یہ حدیث روایت کی ہے اور ترمذیؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

الغرض یہ روایت اصول حدیث کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے اور ہم نے اس کی اس لیے قدرے تشریح کر دی ہے کہ حافظ ابن تیمیہؒ کے الفاظ جو پہلے نقل کیے جا چکے ہیں ان سے اس کی عدم صحت کا شبہ پڑتا ہے امام ترمذیؒ کو اس مقام پر شبہ ہوا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس سند میں ابوجعفر الخطمی نہیں (وھو غیر الخطمی) ان کے اس وہم کی بناء پر بعض دیگر حضرات کو بھی یہ مغالطہ ہوا کہ یہ اگر الخطمی نہیں تو ابوجعفر الرازی ہوگا یا ابوجعفر المدائنی ہوگا اور یہ دونوں سخت ضعیف ہیں لہٰذا ان کی روایت کا کیا اعتبار؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ راوی ابوجعفر الخطمی ہی ہے چنانچہ امام ابوبکر احمد بن محمد المعروف بابن السنی الدینوریؒ المتوفی ۳۶۴ھ اپنی کتاب عمل الیوم واللیلۃ ص۲۰۲ (طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن) میں المدنی وھو الخطمی ہی نقل کرتے ہیں اور اسی طرح مسند احمد ج ۴ ص۱۳۸ میں بھی ابوجعفر الخطمی ہے۔ اور امام حاکمؒ اور علامہ

ذہبیؒ المدنی الخطمی نقل کرتے ہیں، امام طبرانیؒ بھی ابوجعفر الخطمی ہی نقل کرتے ہیں (معجم صغیر طبرانی صفحہ ۱۰۳) اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ :۔

ابوجعفر الخطمی المدنی (تقریب صفحہ ۲۹۱ وتھذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۱۵۱) ابوجعفر خطمی بھی ہے اور مدنی بھی۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن صحیح الخ سے تعبیر کرتے ہیں اگر یہ الرازی یا المدائنی ہوتے تو وہ تو بڑے کمزور اور پرلے درجہ کے ضعیف بلکہ وضاع راوی تھے ان کی حدیث کو یہ مقام وہ ہرگز نہ دیتے، معلوم ہوا کہ اس سند میں ابوجعفر امام ترمذیؒ کے نزدیک بھی ثقہ ہے گو ان کے وہم کے لحاظ سے وہ الخطمی نہ ہو، مگر درحقیقت وہ الخطمی ہی ہے جیسا کہ ہم نے باحوالہ یہ بات ثابت کر دی ہے اور ترمذی ج ۲ صفحہ ۲۷۷ طبع مصر میں وھو الخطمی کے لفظ ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ہندی طبع میں غالباً کتابت کی غلطی سے لفظ غیر زائد ہو گیا ہے وھو الحق، وللہ الحمد مؤلف ندائے حق لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ترمذی میں گو یہی ہے وھو غیر الخطمی مگر باقی علماء خطمی کہتے ہیں پھر خطمی ہی کی تصویب فرمائی وسائر العلماء قالوا ھو ابوجعفر الخطمی وھو الصواب (قاعدہ جلیلہ صفحہ ۸۸ ندائے حق صفحہ ۱۹۹)

یہی وہ روایت ہے جس کے بارے میں امام عزالدین بن عبدالسلامؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں توسل کی تخصیص کی ہے اور قاضی شوکانیؒ نے اس کا رد لکھا ہے جیسا کہ ان کے حوالہ سے پہلے یہ بات نقل کی جا چکی ہے اس لیے اب اعادہ کی حاجت نہیں۔

حضرت مولانا تھانویؒ اس حدیث کا ترجمہ کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں ف اس سے توسل صراحۃً ثابت ہوا اور چونکہ آپ کا اس کے لیے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دعا کا جائز ہے، اسی طرح توسل دعا میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے اور حاصل توسل فی الدعاء کا یہ ہے کہ اے اللہ فلاں بندہ آپ کا موردِ رحمت کا ہے اور موردِ رحمت سے محبت اور اعتقاد رکھنا بھی موجب جلب رحمت ہے اور ہم اس سے محبت اور اعتقاد رکھتے ہیں پس ہم پر بھی رحمت فرما اور توسل بالاعمال میں بھی تھوڑے تغیر سے یہی تقریر ہے کہ یہ اعمال آپ کے نزدیک موجب رحمت ہیں اور ان کا فاعل بھی مرحوم ہوتا ہے اور ہم نے یہ اعمال کیے تھے پس ہم پر رحم فرما اھ (نشر الطیب صفحہ ۲۵۲ جید برقی پریس دہلی)

اور ایک اور مقام پر ایک حدیث کے فائدہ میں لکھتے ہیں کہ:

عادۃً توسل اہلِ طریق میں مقبولانِ الٰہی کے توسل سے دعا کرنا بکثرت شائع ہے، حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے اور شجرہ پڑھنا جو اہلِ سلسلہ کے یہاں معمول ہے، اس کی یہی حقیقت اور غرض ہے اھ (التکشف ص۴۲۶)

ان عبارات سے توسل کا صحیح مفہوم اور مراد واضح ہو جاتی ہے اور اس طرح کے توسل میں نہ تو شرک لازم آتا ہے اور نہ کراہت۔ جن حضرات نے اس توسل کو نصوص کے خلاف سمجھا اور بنایا ہے وہ خود جہل مرکب کا شکار ہیں اور بالکل غیر متعلق نصوص سے اس کا رد کرتے ہیں۔ چنانچہ قاضی شوکانیؒ مسئلہ توسل کے جواز کی طویل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اب معلوم ہو گیا کہ جو دلائل منکرین توسل پیش کرتے ہیں مثلاً مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ اور فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا اور لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ ہمارے دعوٰی جوازِ توسل بالنبی والصالحین کے لیے مضر نہیں بلکہ اگر ان آیات کو امتناع توسل کے لیے پیش کیا جائے گا تو یوں کہا جائے گا کہ محل نزاع اور امتناعِ توسل سے یہ دلائل بالکل اجنبی ہیں اھ (در نضید مؤلفہ قاضی شوکانیؒ ماخوذ از نوار الفواد ص۶۱۲۔ قاضی شوکانیؒ کا یہ طویل مضمون حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب سہالویؒ المتوفی ۱۳۵۹ھ سابق خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ نے اپنے علمی اور تحقیقی رسالہ العدل ۲۹ جون ۱۹۲۷ء میں بھی شائع کیا تھا)

چونکہ ابن ماجہ ص۱۰۰ وغیرہ کی اسی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں یا محمد انی قد توجہت بک الی ربی الحدیث تو اس سے مانعین توسل کو حاضر و ناظر اور علم غیب کا شبہ ہوا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے چنانچہ مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں

اقول اس قصہ میں تو خود فخر عالم زندہ اس عالم میں تھے اور آپ ہی کے حکم سے یہ عمل ہوا تھا۔ آپ اُن کی خدمت میں حاضر تھے تو اس وقت میں تو کوئی ضرورت جواب و توجیہ کی نہیں اور بعد آپ کے معمول ہے تو اسی طرح سمجھ کر ہے کہ آپ کی خدمت میں تبلیغ ہوتی ہے ملائکہ پہنچاتے ہیں علم استقلالی (یعنی بغیر فرشتوں کے پہنچانے کے۔ صفدر) نہ اس میں ہے اور نہ اس عقیدہ

سے پڑھنا اس کا درست ہے تو ایسی حالت میں یہ بھی شرک ہو جائے گا (البراہین القاطعہ ص ۲۱۹

ایک شبہ

بہت ممکن ہے کہ کسی کو یہ شبہ ہو (جیسا کہ امام عزالدین بن عبدالسلامؒ کو بھی ہو چکا ہے) کہ اس حدیث سے جو ثابت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا توسل حیات میں تھا اور اکثریت سے توسل بالاموات ہوتا ہے، لہٰذا یہ حدیث اس مسئلہ سے غیر متعلق ہے۔

اور اس کا ازالہ

اگرچہ سطحی طور پر اس حدیث سے یہ شبہ پڑتا ہے مگر تحقیق کے میدان میں اس کا کوئی مقام نہیں ہے کیونکہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ بن عفان کی خلافت میں یہی دعا ایک شخص کو بتلائی تھی اور اس نے دعا کی تھی اور ان کا کام بن گیا تھا اور اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ حدیث کا راوی اپنی مروی حدیث کا مطلب اور مراد دوسروں سے بہتر جانتا ہے اور کسی نے ان پر نکیر بھی نہیں کی لہٰذا اس سے توسل بعد الوفات بھی ثابت ہے چنانچہ امام طبرانیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے طاہرؒ بن عیسیٰؒ بن قیرس المصری المنقریؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اصبغ بن الفرجؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ بن وہبؒ نے بیان کیا وہ ابوسعید (شبیبؒ بن سعیدؒ) المکیؒ سے اور وہ روحؒ بن القاسمؒ سے اور وہ ابوجعفر الخطمی المدنیؒ سے اور وہ ابوامامہؒ بن سہلؒ بن حنیفؒ سے اور وہ اپنے چچا حضرت عثمانؓ بن حنیف سے روایت کرتے ہیں کہ:

ان رجلاً کان یختلف الیٰ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حاجۃ لہ فکان عثمان لا یلتفت الیہ ولا ینظر فی حاجتہ فلقی ابن حنیف فشکی ذالک الیہ فقال لہ عثمان بن حنیفؓ ایت المیضاۃ فتوضاء ثم ایت المسجد فصل فیہ رکعتین ثم قل اللھم انی اسئلک و اتوجہ الیک بنبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ایک شخص حضرت عثمانؓ بن عفان کے پاس ایک ضروری کام کے سلسلہ میں آیا جایا کرتا تھا، اور حضرت عثمانؓ (غالباً بوجہ مصروفیت) نہ تو اس کی طرف توجہ فرماتے اور نہ اس کی حاجت براری کرتے وہ شخص حضرت عثمانؓ بن حنیف سے ملا اور اس کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ وضو کی جگہ جا اور وضو کر پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ پھر کہہ

نبی الرحمۃ الحدیث (معجم صغیر ص۱۰۴ وشفاء السقام ص۱۲۴، ۱۲۵، ووفاء الوفا ج۲ ص۴۲۰ تا ۴۲۱)

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور بوسیلہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں جو نبی الرحمۃ ہیں الخ

اسی روایت کے آخر میں اس کی تصریح ہے کہ اس شخص نے ایسا ہی کیا اور اس دعا کی برکت سے حضرت عثمانؓ بن عفان نے اس کی تعظیم و تکریم بھی کی اور اس کا کام بھی پورا کردیا امام طبرانیؒ فرماتے ہیں کہ والحدیث صحیح کہ یہ حدیث صحیح ہے (معجم صغیر ص۱۰۴) اور علامہ منذریؒ بھی اس روایت کو نقل کر کے امام طبرانیؒ کے اس قول والحدیث صحیح کی تائید کرتے ہیں (الترغیب والترھیب ج۱ ص۲۴۲) اور امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ امام بیہقیؒ نے بھی یہ روایت دو سندوں سے روایت کی ہے پھر آگے سند بیان کی ہے (شفاء السقام ص۱۲۵) امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی آپ کا توسل درست ہے (شفاء السقام ص۱۲۴) اور البیانی علامہ سمہودیؒ نے لکھا ہے (وفاء الوفا ج۲ ص۴۲۱) حضرت مولانا تھانویؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

ف اس سے توسل بعد الوفات بھی ثابت ہوا اور علاوہ ثبوت بالروایہ کے درایۃً بھی ثابت ہے کیونکہ روایت اوّل کے ذیل میں جو توسل کا حاصل بیان کیا گیا ہے وہ دونوں حالتوں میں مشترک ہے اھ (نشر الطیب ص۲۵۳)

اور بریقہ محمودیہ ج۴ ص۱ میں ہے

ویجوز التوسل الی اللہ تعالیٰ والاستغاثۃ بالانبیاء والصالحین بعد موتھم

کہ حضرات انبیاء کرام اور صالحین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا توسل جائز ہے

الغرض جمہور جس توسل کے قائل ہیں وہ دلائل کے رو سے بزرگوں کی زندگی میں بھی اور بعد از وفات بھی جائز اور صحیح ہے۔ لا شک فیہ

۳ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ اور صالحینؒ کا توسل بھی درست ہے۔

جس طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توسل درست ہے اسی طرح اور صالحینؒ کا

توسل بھی درست ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔

چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمدؒ بن محمدؒ بن محمدؒ العبدری الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاجؒ المتوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں کہ

بل یبدأ بالتوسل الی اللہ تعالیٰ بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذ ھو العمدۃ فی التوسل والاصل فی ھذہ کلہ والمشرع لہ فیتوسل بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبمن اتبعہ باحسان الی یوم الدین (المدخل ج ۱ ص ۲۵۵ طبع مصر)	بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل سے دعا شروع کی جائے کیونکہ آپ ہی توسل میں عمدہ اور اس میں اصل ہیں اور آپ ہی نے اس کو مشروع قرار دیا ہے پس آپ سے اور قیامت تک آنے والے آپ کی عمدہ اتباع کرنے والوں سے توسل کیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت تک نیک لوگوں کے توسل سے دعا کرنا درست اور صحیح ہے

علامہ ابن حجر مکیؒ الحسانی نقل کردہ حدیث توسل پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

وصححہ البیہقیؒ وزاد فقام وروی الطبرانی بسند جید انہ علیہ السلام ذکر فی دعائہ بحق نبیک والانبیاء الذین من قبلی ولا فرق بین ذکر التوسل والاستغاثۃ والتشفع والتوجہ بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوبغیرہ من الانبیاء وکذا الاولیاء اھ (حاشیۃ ابن حجر المکیؒ علی الایضاح فی مناسک الحج للنوویؒ ص ۵۰۰ طبع مصر)	اس حدیث کی امام بیہقیؒ نے تصحیح کی ہے اور اس میں یہ جملہ زائد نقل کیا ہے کہ وہ (تندرست ہو کر) اٹھ کھڑا ہوا اور طبرانیؒ نے جید سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں اس کا بھی ذکر فرمایا کہ اے اللہ اپنے نبی کے حق سے اور ان انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے حق سے جو مجھ سے پہلے گذر چکے ہیں (دعا قبول فرما) اور توسل۔ استغاثہ، تشفع اور توجہ (وغیرہ) ہیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا آپ کے بغیر اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرات اولیاء کرام سے کیا جاتے کوئی فرق نہیں ہے

جس طرح یہ الفاظ تقریباً ہم معنی ہیں اسی طرح لفظ طفیل برکت۔ جاہ اور حرمت وغیرہ

الفاظ بھی ہیں۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل میں سب کی طرف خدا کی نظر لطف و رحمت ہوگی تب کچھ عرض کرنے کی جرأت کریں گے اھ ص۱۶۲ اور قُلْ لَوْ اَنْتُمْ تَمْلِکُوْنَ الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل میں جو خزائن آپ کے اتباع کو ملنے والے ہیں مل کر رہیں گے اھ ص۳۷۸ اور سلوٰتٌ فُولَدٌ مِّنْ رَّبِّ رَّحِیْمٍ کی تفسیر کے آخر میں لکھتے ہیں اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا ھٰذِہِ النِّعْمَۃَ الْعُظْمٰی بِحُرْمَتِ نَبِیِّکَ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ص۵۷۶ اور پہلے حافظ ابن تیمیہؒ اور علامہ سبکیؒ کے حوالہ سے برکت اور جاہ کے الفاظ بھی نقل کئے جا چکے ہیں اور ان سب الفاظ کے استعمال کی علماء اسلام اجازت دیتے ہیں۔ لیکن اُسی معنی کے لحاظ سے جس کی بقدر ضرورت بحث پہلے گذر چکی ہے نہ اُس مفہوم کے لحاظ سے جو مشرکین کی مراد ہوتی ہے۔

مسئلہ توسل اور غیر مقلدین حضرات

غیر مقلدین حضرات چونکہ بالعموم اکثر مسائل میں حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ کے پیرو ہیں اس لیے بعض حضرات نے مسئلہ توسل کا انکار کیا ہے اور بعض مُقر ہیں شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ وہابیہ توسل بالانبیاء والاولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بعد الوفات ممنوع اور حرام قرار دیتے ہیں یہ حضرات (دیوبند) اس کو نہ صرف جائز بلکہ ادعیٰ للاجابۃ (یعنی اس توسل کے بعد اس دعاء کے قبول ہونے کی زیادہ توقع ہوتی ہے) اور مستحب قرار دیتے ہیں شجرات حضرات چشت رحمہم اللہ تعالیٰ وآداب زیارت وادعیۂ مدینہ منورہ اس پر شاہد عدل ہیں جو کہ حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی متعدد تصانیف میں شائع ہو چکے ہیں۔

(نقش حیات ج۱ ص۱۰۴)

غیر مقلدین کے مشہور مصنف عالم مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارک پوریؒ (المتوفی ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں کہ :-

والتوسل بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد — بہر حال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اسی

مما نحن ركذا التوسل بغيره من اهل الخير والصلاح بعد مماتهم فلا يجوز واختاره الامام ابن تيمية في رسالته التوسل والوسيلة اھ (تحفة الاحوذی ج ۴ ص ۲۸۳)

طرح دیگر اہلِ خیر اور صلاح کا ان کی وفات کے بعد توسل جائز نہیں ہے اور اسی کو امام ابنِ تیمیہؒ نے اپنے رسالہ التوسل والوسیلہ میں اختیار کیا ہے۔

غیر مقلدین حضرات زبانی طور پر تسلیم کریں یا نہ کریں مگر یہ ایک خالص حقیقت ہے کہ جناب قاضی شوکانیؒ اس دور میں غیر مقلدین حضرات کے پیشوا ہیں انہوں نے نہ صرف یہ کہ مسئلہ توسل کو جائز ہی کہا ہے بلکہ اس کے اثبات پر در النضید رسالہ بھی لکھا ہے جس کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے اور غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ (المتوفی ۱۳۲۰ھ) اپنی معروف علمی کتاب معیار الحق کے آخر میں لکھتے ہیں ھٰذَا آخِرُ مَا اَلَّفَهُ اللهُ سَائِلُ الثَّقَلَيْنِ عَبْدُهُ الْعَاجِزُ محمد نذیر حسین عَافَاهُ اللهُ فِي الدَّارَيْنِ بِجَاهِ سَيِّدِ الثَّقَلَيْنِ (معیار الحق ص ۴۱۹ مکتبہ نذیریہ قصور) اس عبارت میں جاہ کے لفظ سے توسل صراحۃً مذکور ہے اور مشہور غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمان خان صاحبؒ تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۸۵ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں مسلم ج ۲ ص ۲۸۲ کی روایت میں یوں ہے یا اللہ میں اس (یعنی امام حسنؓ) سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ ہم گنہگاروں کے پاس کوئی نیکی نہیں ہے بجز اس کے کہ امام حسنؓ سے محبت رکھتے ہیں یا اللہ اپنے حبیب کی دعا پوری کر اور ہم کو آخرت کے عذاب سے امام حسنؓ کے طفیل ہمیں بچا دے آمین یا رب العلمین انتہیٰ اور اسی طرح وہ اپنی کتاب لغات الحدیث ج ۲ ص ۴۵ میں بھی توسل کو جائز قرار دیتے ہیں اور نیز وہ ترجمہ بخاری پ ۴ ص ۔۔ کے حاشیہ میں حدیث وانا نتوسل الیک بعم نبینا الحدیث کی شرح میں لکھتے ہیں اس حدیث سے نیک بندوں کا وسیلہ لینا ثابت ہوا بنی اسرائیل بھی قحط میں اپنے پیغمبر کے اہل بیت کا توسل کرتے اللہ تعالیٰ پانی برساتا اس سے یہ نہیں نکلتا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا توسل آپ کی وفات کے بعد منع تھا کیونکہ آپ تو اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ ... وسلم نے ایک صحابی کو دعا سکھائی اس میں یوں ہے یا محمد انی اتوسل بك الی ربی اور اس صحابی

نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ دُعا دوسروں کو سکھائی مگر ہمارے اصحاب میں امام ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ اس طرف گئے ہیں کہ اموات و قبور کا توسل جائز نہیں نہ حضرت عمرؓ نے اور نہ کسی اور صحابی نے آپ کی قبر کا توسل کیا اور خلاف کیا ان کا۔ بہت سے اکابر محدثین اور علماء نے اور یہ کہا کہ ایک امر کا منقول نہ ہونا اس کے عدم جواز پر دلالت نہیں کرتا جب اصل وسیلہ کا جواز شرع سے ثابت ہے الخ۔

ہم نے حضرت بلالؓ بن الحارث کا واقعہ صحیح سند سے پہلے عرض کر دیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کی ان کو تائید حاصل تھی پھر نہ منقول ہونے کا کیا مطلب؟

الغرض غیر مقلدین کے اہل علم اور ذمہ دار حضرات بھی مسئلہ توسل کا جواز ثابت کرتے ہیں اور اس میں وہ بھی جمہور کا ساتھ دیتے ہیں والحق ما قال الجمہور کیونکہ حدیث شریف میں ہے ید اللہ علی الجماعۃ

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو جمہور کے مسلک اور دامن سے وابستہ رکھے اسی پر ان کی حیات ہو اور اسی پر ان کی وفات ہو۔ آمین ثم آمین۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَجَمِیْعِ مُتَّبِعِیْہِ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

احقر الناس

ابو الزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ

و

صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۸ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ

۹ دسمبر ۱۹۷۸ء

خزائن السنن جلد اول از کتاب الطہارۃ تا کتاب البیوع / جلد دوم۔ کتاب البیوع

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب صفدر دام مجدہم جو ترمذی شریف پڑھاتے رہے۔ ان تقاریر کا مجموعہ کتاب البیوع تک خزائن السنن جلد اول کافی عرصہ پہلے شائع ہو چکا ہے کتاب البیوع پر مشتمل ابحاث جو مولانا صفدر صاحب کے بیٹے حافظ عبد القدوس قارن نے طلبہ کو پڑھانے کے دوران جمع کیں ان کو خزائن السنن جلد دوم کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔

بخاری شریف غیر مقلدین کی نظر میں

ہر جگہ غیر مقلدین عوام الناس کو یہی باور کراتے ہیں کہ ہم بخاری شریف ہی کو اپنی دلیل بناتے ہیں۔ اس رسالہ میں تقریباً چار درجن مسائل کی نشاندہی باحوالہ کی گئی ہے جن مسائل میں غیر مقلدین حضرات بخاری شریف کو نہیں مانتے۔

مروجہ قضاء عمری بدعت ہے

علامہ عبد الحی لکھنوی کی کتاب ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعہ رمضان کا اردو ترجمہ ہے۔ جسمیں بتایا گیا ہے کہ رمضان المبارک کے آخر جمعہ میں جو قضاء عمری کے نام سے لوگ نوافل پڑھتے ہیں ان کا کوئی ثبوت شریعت میں نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے۔ اور اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ فقہ کی کس قسم کی کتابوں سے فتویٰ دیا جا سکتا ہے اور کس قسم کی کتابوں سے نہیں۔